

آزادی کے بعد اُردو افسانہ

(ایک انتخاب)

جلد اول

ترتیب:

گوپی چند نارنگ

ارتضیٰ کریم اسلم جمشید پوری

قومی کونسل برائے فروغِ اردو زبان

نئی دہلی

آزادی کے بعد اردو افسانہ

آزادی کے بعد اردو افسانہ

آزادی کے بعد اردو افسانہ

(ایک انتخاب)

آزادی کے بعد اردو افسانہ

(ایک انتخاب)

جلد اول

جلد اول

ترتیب

ترتیب

گوبی چند نارنگ

گوبی چند نارنگ

ارتنی کریم

ارتنی کریم

اسلم جمشید پوری

اسلم جمشید پوری



قومی کونسل برائے فروغ اردو زبان

وزارت ترقی انسانی وسائل (حکومت ہند)

ویسٹ بلاک 1، آر. کے. پورم، نئی دہلی 110066

Azadi Ke Bad Urdu Afsana (An Anthology), Vol. 1

Selected & Edited by

Gopi Chand Narang, Iteza Karim & Aslam Jamshedpuri

© قومی کونسل برائے فروغ اردو زبان، نئی دہلی

سنہ اشاعت : نومبر 2003

پہلا ایڈیشن : 1100

قیمت : Rs. 200/-

سلسلہ مطبوعات : 989

کمپوزنگ : عروف انٹر پرائز، نئی دہلی

ISBN: 81-7587-041-9 (SET)
ISBN: 81-7587-042-7 (VOL-I)

ناشر: ڈائریکٹر، قومی کونسل برائے فروغ اردو زبان، ویسٹ بلاک - 1، آر. کے. پورم، نئی دہلی 110066

طابع : لاہوتی پرنٹ ایڈس، جامع مسجد، دہلی - 110006

آزادی کے بعد اردو افسانہ
جلد اول

آزادی کے بعد اردو افسانہ

جلد اول

پیش لفظ

قومی کونسل برائے فروغ اردو زبان کا بنیادی مقصد اچھی کتابیں، کم سے کم قیمت پر مہیا کرنا ہے تاکہ اردو کا دائرہ کار زیادہ سے زیادہ وسیع ہو، اور سارے ملک میں سمجھی، بولی اور پڑھی جانے والی اس زبان کی ضرورتیں جہاں تک ممکن ہو سکے پوری کی جائیں، اور نصابی و غیر نصابی کتابیں آسانی سے مناسب قیمت پر سب تک پہنچیں۔ زبان صرف ادب نہیں، سماجی اور طبیعی علوم کی اپنی اہمیت ہے۔ ادب زندگی کا آئینہ ہے اور زبان کی ہمہ جہت ترقی کے لیے اُسے سماجی علوم، سائنس اور ٹکنالوجی سے جوڑنا بھی ضروری ہے اور علوم انسانیہ سے بھی۔

اب تک قومی اردو کونسل نے مختلف علوم و فنون اور ادبیات کی سینکڑوں کتابیں شائع کیں ہیں۔ ایک منصوبہ بند پروگرام کے تحت بنیادی، درسی اور ادبی اہمیت کی کتابیں چھاپنے کا سلسلہ شروع کیا گیا ہے۔ زیرِ نظر کتاب 'بھارت بھارتی سیریز' کی پہلی کتاب ہے۔ اس سیریز کے تحت آزادی کے بعد کے اردو ادب کے انتخاب کو اردو اور دیوناگری دونوں رسم الخط میں چھاپا جائے گا، تاکہ اس ملک کا ایک بڑا طبقہ جو اردو رسم الخط نہیں جانتا وہ بھی اردو ادب سے لطف اندوز ہو سکے۔ آزادی کے بعد اردو افسانوں کی بیٹھکالوجی کا یہ کام پروفیسر گوپی چند نارنگ کی نگرانی میں ڈاکٹر ارتضیٰ کریم اور ڈاکٹر اسلم جمشید پوری نے مکمل کیا ہے۔ دائیں ہاتھ پر اردو متن دیا گیا ہے اور اس کے سامنے ہندی، مشکل لفظوں کے مختصر معنی نیچے درج کر دیے گئے ہیں تاکہ پڑھنے والوں کو آسانی ہو۔ 'بھارت بھارتی سیریز' کے تحت پانچ کتابیں شائع کی جائیں گی جن میں آزادی کے بعد اردو ادب کی مختلف اصناف کا جامع انتخاب پیش کیا جائے گا۔ اُمید ہے ان کتابوں کا خیر مقدم کیا جائے گا اور یہ اپنے مقصد میں کامیاب ہوں گی۔

ڈاکٹر محمد حمید اللہ بھٹ

(ڈائریکٹر)

पेश लफ्ज

कौमी काउन्सिल बराए फ़रोग-ए-उर्दू ज़बान का बुनियादी मक़सद अच्छी किताबें, कम से कम कीमत पर मुहैया करना है ताकि उर्दू का दाइर-ए-कार ज़्यादा से ज़्यादा वसी हो, और सारे मुल्क में समझी, बोली और पढ़ी जाने वाली इस ज़बान की ज़रूरतें जहां तक मुम्किन हो सके पूरी की जायें, और निसाबी व ग़ैर-निसाबी किताबें आसानी से मुनासिब कीमत पर सब तक पहुंचें। ज़बान सिर्फ़ अदब नहीं, समाजी और तबई उलूम की अपनी अहमियत है। अदब ज़िन्दगी का आईना है और ज़बान की हमा-जेहत तरक्की के लिए उसे समाजी उलूम, साईंस और टेकनालोजी से जोड़ना भी ज़रूरी है और उलूमे इन्सानिया से भी।

अब तक कौमी उर्दू काउन्सिल ने मुख़ालिफ़ उलूम व फ़ूनून और अदबियात की सैंकड़ों किताबें शाए की हैं। एक मन्सूबाबन्द प्रोग्राम के तेहत बुनियादी, दर्सी और अदबी अहमियत की किताबें छापने का सिलसिला शुरू किया गया है। ज़ेरे-नज़र किताब 'भारत भारती सिरीज़' की पहली किताब है। इस सिरीज़ के तेहत आज़ादी के बाद के उर्दू अदब के इतिखाब को उर्दू और देवनागरी दोनों रस्मुल-ख़त में छपा जाएगा ताकि इस मुल्क का एक बड़ा तब्का जो उर्दू रस्मुल-ख़त नहीं जानता वह भी उर्दू अदब से लुत्फ़-अन्दोज़ हो सके। आज़ादी के बाद उर्दू अफ़सानों की ऐन्थालॉजी का ये काम प्रोफ़ेसर गोपीचन्द नारंग की निगरानी में डा. इर्तज़ा करीम और डा. असलम जमशेदपुरी ने मुकम्मल किया है। दायें हाथ पर उर्दू मत्न दिया गया है और इसके सामने हिन्दी, मुश्किल लफ़्ज़ों के मुख़तसर मानी नीचे दर्ज कर दिए गये हैं ताकि पढ़ने वालों को आसानी हो। 'भारत भारती सिरीज़' के तेहत पांच किताबें शाए की जायेंगी जिनमें आज़ादी के बाद उर्दू अदब की मुख़ालिफ़ अस्नाफ़ का जामे इतिखाब पेश किया जाएगा। उम्मीद है इन किताबों का ख़ैर मक़दम किया जाएगा और ये अपने मक़सद में कामयाब होंगी।

डा. मोहम्मद हमीदुल्लाह भट्ट
(डायरेक्टर)

سूची فہرس

جلد اول جیلڈ اءلل

vi		پیش لفظ	
vii		پیش لفظ	
x		مقدمہ	
xi		مقدمہ	
2	کرن چندر	پورے چاند کی رات	1
3	کھن چندر	پورے چاند کی رات	
26	راجندر سنگھ بیدی	صرف ایک سگریٹ	2
27	راجندر سنگھ بیدی	سفر ایک سگریٹ	
80	بلونت سنگھ	دیش بھکت	3
81	بلونت سنگھ	دیش بھکت	
104	سمیل عظیم آبادی	الاء	4
105	سولہل اءیما باءی	الاء	
136	عصمت چغتائی	چوٹی کا جوزا	5
137	اسمت چوگٹائی	چوٹی کا جوزا	
166	قرة العین حیدر	جلا وطن	6
167	کورتول-هن هدر	جلا وطن	
254	جولندر پال	جلا وطن	
255	جولندر پال	جلا وطن	
304	اقبال مجید	جلا وطن	
305	اکبال مجید	جلا وطن	
316	سرندر پرکاش	جلا وطن	
317	سورندر پرکاش	جلا وطن	
332	بلراج مینرا	جلا وطن	
333	بلراج مینرا	جلا وطن	
346	غیاث احمد گدی	جلا وطن	
347	غیاث احمد گدی	جلا وطن	
410	کلام حیدری	جلا وطن	
411	کلام حیدری	جلا وطن	

424	جیلانی بانو	موم کی مریم	13
425	جیلانی بانو	موم کی مریم	
454	نیر مسعود	طاؤس جن کی مینا	14
455	نیر مسعود	طاؤس چمن کی مینا	
546	ذکیہ مشہدی	بڈا نہیں مری	15
547	جکریا مرہدی	بیڈا نہیں مری	
570	سلام بن رزاق	انجام کار	16
571	سلام بن رزاق	انجام کار	
606	انور خان	حق	17
607	انور خان	حق	
632	علی امام نقوی	ڈنگر وازی کے گدھ	18
633	اللی امام نقوی	ڈنگر وازی کے گدھ	
646	انور قمر	کابل والے کی واپسی	19
647	انور قمر	کابل والے کی واپسی	
690	سید محمد اشرف	آدی	20
691	سید محمد اشرف	آدی	
708	انجم عثمانی	شہر گریہ کا مین	21
709	انجم عثمانی	شہر گریہ کا مین	
718	ساجد رشید	چادر والا آدمی اور میں	22
719	ساجد رشید	چادر والا آدمی اور میں	
752	شموکل احمد	آنگن کا پیڑ	23
753	شموکل احمد	آنگن کا پیڑ	
772	شوکت حیات	پاؤں	24
773	شوکت حیات	پاؤں	
784	شرف عالم ذوقی	کاتیا کین بینیں	25
785	شرف عالم ذوقی	کاتیا کین بینیں	
818	ترنم ریاض	شہر	26
819	ترنم ریاض	شہر	

مقدمہ

یہ افسانوی انتخاب ایسے وقت میں شائع ہو رہا ہے جب اردو افسانہ اپنی عمر کے ٹھیک سو سال (1903ء تا 2003ء) مکمل کر رہا ہے۔ اس ارتقائی سفر میں اردو افسانہ کئی نشیب و فراز سے گذرا، متعدد ادبی رجحانات اور تحریکات کا اس نے ساتھ دیا مگر اپنی شرط پر۔ اس کے علاوہ مختلف ادبی نظریات نے جب جب اسے اپنے حلقہ اثر میں لینے کی کوشش کی تو بالآخر اس نے خود کو اس مخصوص فکری حصار سے آزاد کر لیا۔ چنانچہ پچھلے سو سال کے اس سفر میں اردو افسانے میں بے انتہا تنوع ملتا ہے۔ موضوع کی سطح پر بھی، اسلوب کے حوالے سے بھی، تکنیک کے اعتبار سے بھی اور وقوعے کے تعلق سے بھی۔ زیر نظر انتخاب کے افسانے اس سفر کی روداد بھی کہے جاسکتے ہیں، اس لحاظ سے اسے اردو افسانے کا ”دھنک رنگ“ کہنا چاہیے۔ یہ الگ بات ہے کہ یہ انتخاب پچھلے پچاس سال کے افسانوں پر مشتمل ہے اس لیے اسے کرشن چندر سے شروع کرنا پڑ رہا ہے۔ اس کے باوجود اس انتخاب میں آپ کو اردو افسانے کے مختلف SHADES نظر آئیں گے۔

راشد الخیری، سجاد حیدر یلدرم اور پریم چند کے قلم اور قدم سے گذرتا ہوا اردو افسانہ بتدریج ارتقائی منزلیں طے کرتا گیا۔ اس بنیاد پر اسے چار ادوار میں تقسیم کیا جاسکتا ہے:

1903 سے 1936 تک

1936 سے 1955 تک

1955 سے 1976 تک

1976 تا حال

मुकद्दमा

ये अफ़सानवी इतिखाब ऐसे वक़्त में शाए हो रहा है जब उर्दू अफ़साना अपनी उम्र के ठीक सौ साल (1903-2003) मुकम्मल कर रहा है। इस इतिक्काई सफ़र में उर्दू अफ़साना कई नशेबो-फ़राज़ से गुज़रा, मुतअद्दिद अदबी रुजहानात और तहरीकात का इसने साथ दिया मगर अपनी शर्त पर — इसके अलावा मुख़्तलिफ़ अदबी नज़रीयात ने जब-जब उसे अपने हल्क़ए-असर में लेने की कोशिश की तो बिलआख़िर इसने खुद को उस मख़्सूस फ़िक्री हिसार से आज़ाद कर लिया। चुनांचे पिछले सौ साल के इस सफ़र में उर्दू अफ़साने में बे-इतिहा तनव्वो मिलता है। मौज़ू की सतह पर भी, उस्तूब के हवाले से भी, तकनीक के एतबार से भी और वकूए के तअल्लुक़ से भी। ज़ेरे-नज़र इतिखाब के अफ़साने इस सफ़र की रूदाद भी कहे जा सकते हैं। इस लिहाज़ से इसे उर्दू अफ़साने का “धनक रंग” कहना चाहिए। ये अलग बात है कि ये इतिखाब पिछले पचास साल के अफ़सानों पर मुश्तमिल है इसलिए इसे कृष्ण चंद्र से शुरू करना पड़ रहा है। इसके बावजूद इस इतिखाब में आपको उर्दू अफ़साने के मुख़्तलिफ़ SHADES नज़र आएंगे।

राशेदुल ख़ैरी, सज्जाद हैदर यलद्रम और प्रेमचन्द के क़लम और क़दम से गुज़रता हुआ उर्दू अफ़साना, बतद्वरीज इतिक्काई मंज़िलें तय करता गया। इस बुन्याद पर इसे चार अद्वार में तक्सीम किया जा सकता है:

1903 से 1936 तक

1936 से 1955 तक

1955 से 1976 तक

1976 ता हाल

ان میں سے ہر دور کا اپنا اختصاص ہے، اس پر تفصیل سے لکھنے کا نہ یہاں موقع ہے اور نہ ضرورت۔ مختصراً کہا جاسکتا ہے کہ ابتدائی دور کے افسانے اصلاح پسندی، عشق و رومان، حب الوطنی اور آزادی کی تڑپ کے ترجمان نظر آتے ہیں۔ 1932ء میں ”انگارے“ کی اشاعت عمل میں آتی ہے، جس سے اردو افسانے کے ٹھہرے ہوئے پانی میں دائرے در دائرے بننے کا عمل شروع ہوتا ہے نیز پریم چند اسی عہد میں کفن (1936ء) کے ذریعے اردو افسانے کو ایک ایسا شاہکار دیتے ہیں جو ماڈرن کلاسیک بن جاتا ہے۔ چنانچہ ”انگارے“ اور ”کفن“ نے بعد کے افسانہ نگاروں کو فکری اور فنی ہر دو سطح پر متاثر کیا۔

یہیں سے دراصل اردو افسانے کا دوسرا دور (1936-1955ء) جسے ”افسانے کا عہد زریں“ بھی کہا جاتا ہے، شروع ہوتا ہے۔ اس عہد میں ممتاز اور اہم لکھنے والے کی پوری کھکشاں موجود ہے۔ ان میں منٹو، کرشن چندر، بیدی، عصمت چغتائی، بلونت سنگھ، غلام عباس، اختر اور یونوی، دیویندر ستیا رتھی، سہیل عظیم آبادی، پنڈت سدرشن، حکیم احمد شجاع، علی عباس حسینی، اعظم کرپوی، حیات اللہ انصاری، احمد ندیم قاسمی، عزیز احمد، اختر انصاری، وغیرہ کے نام لیے جاسکتے ہیں۔ ان افسانہ نگاروں کے یہاں موضوعات میں بھی تنوع ہے اور فکر میں بھی، اسلوب میں بھی نیرنگی ہے اور تکنیک میں بھی۔ لیکن 1947ء تک آتے آتے اور آزادی کے بعد ملک، سماج اور زندگی کا نقشہ بدل گیا۔ تقسیم ملک نے تہذیبی اور فکری رویے، ادبی اور انسانی اقدار، میں بڑی تبدیلیاں رونما کیں۔ جس کے نتیجے میں آزادی کے بعد کے دس بارہ سال تک ہمارے افسانہ نگار فسادات، ہم آہنگی، تہذیب کی بازیافت اور اعتماد کی بحالی سے باہر نہ نکل سکے ممتاز شیریں نے کہا ہے کہ:

”ہمیں اپنے گرد و پیش کی زندگی میں ہر طرف فسادات کے بھیا تک اثرات نظر

آتے ہیں۔ فسادات نے زندگی کو تہ و بالا کر دیا تھا اس لیے فسادات نے ہمارے ادب پر

आज़ादी के बाद उर्दू अफ़साना

इन में हर दौर का अपना इख़्तिसास है। इस पर तफ़्सील से लिखने का न यहाँ मौक़ा है और न ज़रूरत। मुख़्तसरन कहा जा सकता है कि इब्तिदाई दौर के अफ़साने इस्ताह पसन्दी, इश्क़ो-रोमान, हुब्बुल-वतनी और आज़ादी की तड़प के तर्जुमान नज़र आते हैं। 1932 ई. में “अंगारे” की इशाअत अमल में आती है, जिससे उर्दू अफ़साने के ठहरे हुए पानी में दाइरे-दर-दाइरे बनने का अमल शुरू होता है — प्रेमचन्द इसी अह्द में “कफ़न” (1936 ई.) के ज़रीए उर्दू अफ़साने को एक ऐसा शाहकार देते हैं जो मॉर्डन कलासिक बन जाता है। चुनांचे “अंगारे” और “कफ़न” ने बाद के अफ़साना निगारों को फ़िक्री और फ़न्नी हर दो सतह पर मुतअस्सिर किया।

यहीं से दरअसल उर्दू अफ़साने का दूसरा दौर (1936-1955) जिसे “अफ़साने का अह्दे ज़र्री” भी कहा जाता है, शुरू होता है। इस अह्द में मुस्ताज़ और अहम लिखने वालों की पूरी कहकशाँ मौजूद है। इन में मंटो, कृष्ण चन्द्र, बेदी, इस्मत चुगताई, बलवन्त सिंह, गुलाम अब्बास, अख़तर औरैनवी, देवेन्द्र सत्यार्थी, सुहैल अज़ीमाबादी, पंडित सुदर्शन, हकीम अहमद शुजा, अली अब्बास हुसैनी, आज़म कुरेवी, हयातुल्लाह अंसारी, अहमद नदीम क़ासमी, अज़ीज अहमद और अख़्तर अंसारी वगैरा के नाम लिए जा सकते हैं। इन अफ़सानानिगारों के यहाँ मौजूआत में भी तनव्वी है और फ़िक्र में भी, उस्तूब में भी और तकनीक में भी। लेकिन 1947 तक आते-आते और आज़ादी के बाद मुल्क, समाज और ज़िन्दगी का नक़्श़ा बदल गया। तक्सीमे-मुल्क ने तहज़ीबी और फ़िक्री रवैये — अदबी और इंसानी अक़दार में बड़ी तब्दीलियाँ रूनुमाँ कीं, जिसके नतीजे में आज़ादी के बाद के दस-बारह साल तक हमारे अफ़साना निगार फ़सादात, हम-आहंगी, तहज़ीब की बाज़याफ़्त और एतमाद की बहाली से बाहर न निकल सके। मुस्ताज़ शीरी ने कहा है कि :

“हमें अपने गिर्दो-पेश की ज़िंदगी में हर तरफ़ फ़सादात के

صرف اثر ہی نہیں ڈالا بلکہ ادب پر اس طرح چھا گئے کہ عرصہ تک اور کسی موضوع پر شاذ ہی لکھا گیا۔“

قرۃ العین حیدر اور انتظار حسین کے افسانوں میں نئی تخلیقی فضا ملتی ہے۔ ان کا کیونٹس اور اسلوب بھی وسیع اور متنوع ہے۔ 1955ء تک اردو افسانہ اپنے زیادہ تر ابعاد کھول چکا تھا، اس لیے کسی نئے تجربے کی محجائش بظاہر نظر نہیں آ رہی تھی لیکن زندگی ”بت ہزار شیوہ“ ہے۔ کل تک جو لوگ ایک ہی ملک میں رہتے تھے اب ان کی شہریت بدل چکی تھی۔ ہر دو ملک کے اپنے سیاسی اور سماجی نظام تھے۔ اس لیے اظہار میں تغیر اور اجنبیت لازمی بات تھی۔ اب باتیں براہ راست نہیں کی جاسکتی تھیں۔ سماجی اور سیاسی ڈھانچہ کچھ اس نوع کا تھا کہ فن کار کا استعارہ، تشبیہ، تجرید، تخیل، علامت، تمثیل جیسے فی لوازمات سے کام لینا مجبوری بھی تھی اور تقاضہ وقت بھی۔ نئے افسانہ نگاروں کے اس رویے کو بعض ناقدین نے روایت سے انحراف کا نام دیا اور بعض نے ”اسے باغیانہ لے“ کہا، بعض نے اسے ”شناخت“ کا مسئلہ بھی قرار دیا۔ چنانچہ علامت نگاری اور تجریدیت کے بعد اردو افسانے کا تیسرا دور (1955ء کے لگ بھگ) وجود میں آنا شروع ہوتا ہے۔ اس درمیان بنگلہ دیش کا بننا، ہندوستان میں ایمر جنسی کا نفاذ، پاکستان میں مارشل لا کا دوبارہ نفاذ جیسے واقعات کو بھی ذہن میں رکھنے کی ضرورت ہے۔ ان واقعات نے تقسیم ملک کے بعد ایک بار پھر ادیبوں اور شاعروں کے لیے نئے سوال پیدا کر دیے۔ کچھ امور مغربی اثرات کی دین تھے۔ آزادی کے دس پندرہ برس بعد بقول پروفیسر وہاب اشرفی:

افسانہ نگار اجتماعیت کی فضا کو اچانک تج دینے پر آمادہ ہو گیا اور اچانک ہی ذات کے خول میں سمٹ گیا اور اتنے ہی اچانک طور پر قدروں کی شکست و ریخت کا اسے عرفان بھی حاصل ہو گیا اور رشتے ناتے کے ٹوٹنے کے احوال اس پر منکشف ہو گئے اور وہ بھری دنیا

आज़ादी के बाद उर्दू अफ़साना

भयानक असरात नज़र आते हैं। फ़सादात ने जिंदगी को तहो-बाला कर दिया था इसलिए फ़सादात ने हमारे अदब पर सिर्फ़ असर ही नहीं डाला बल्कि अदब पर इस तरह छागए कि अर्से तक और किसी मौज़ू पर शाज़ ही लिखा गया—।”

कुर्तुल-ऐन हैदर और इंतज़ार हुसैन के अफ़सानों में नई तख़लीक़ी फ़िज़ा मिलती है। उनका केंवस और उस्तूब भी वसी और मुतनव्वो है। 1955 तक उर्दू अफ़साना अपने ज़्यादातर अब्आद खोल चुका था, इसलिए किसी नए तज़रिबे की गुंजाइश बज़ाहिर नज़र नहीं आ रही थी लेकिन जिंदगी “बुते-हज़ार-शेवा” है। कल तक जो लोग एक ही मुल्क में रहते थे अब उनकी शहरीयत बदल चुकी थी। हर दो मुल्क के अपने सियासी और समाजी निज़ाम थे। इसलिए तग़य्युर और अज्जबीयत लाज़मी बात थी। अब बातें बराहे-रास्त नहीं की जा सकती थीं। समाजी और सियासी ढाँचा कुछ इस नौअ का था कि फ़नकार का इस्तिआरा, तश्बीह, तजरीद, अलामत, तम्सील जैसे फ़न्नी लवाज़मात से काम लेना, मजबूरी थी और तक्राज़ाए- वक़्त भी — नए अफ़सानानिगारों के इस रवैये को बाज़ नाक़ेदीन ने रिवायत से इन्हिराफ़ का नाम दिया और बाज़ ने इसे “बाग़ियाना लय” कहा — बाज़ ने इसे शनाख़्त का मसूअला भी क़रार दिया। चुनांचे अलामतनिगारी और तजरीदीयत के बाद उर्दू अफ़साने का तीसरा दौर (1955 के लगभग) वजूद में आना शुरू होता है। इस दरमियान बंगलादेश का बनना, हिन्दुस्तान में इमरजेंसी का निफ़ाज़, पाकिस्तान में मार्शल ला का दुबारा निफ़ाज़ जैसे वाक़ेआत को भी ज़ेह्न में रखने की ज़रूरत है। इन वाक़ेआत ने तक़सीमे - मुल्क के बाद एक बार फिर अदीबों और शायरों के लिए नए सवाल पैदा कर दिए। कुछ अमूर मग़रबी असरात की देन थे। आज़ादी के दस पन्द्रह बरस बाद बक़ौले प्रो. वहाब अशरफ़ी :

“अफ़साना निगार इज्जामाईयत की फ़िज़ा को अचानक तज़ देने पर आम़ाद: हो गया और अचानक ही अपनी ज़ात के ख़ोल में सिमट गया

میں تنہائی سے دو چار ہو گیا اور وہ اپنی زندگی کے لمحے لمحے کا احساس کرنے لگا، پھر اس کی لغویت بھی اس پر آشکارہ ہو گئی اور وہ راتوں رات وجودی بن گیا اور تلازموں کے سلسلے اس پر روشن ہو گئے، تب وہ شعور اور لاشعور کے نہاں خانوں میں جھانکنے لگا اور ان کی رو میں بہنا اس کا مقدر بھی بن گیا اور اس کا فن بھی۔ تب اس کے فن نے اسے تجربہ کا سبق دیا، پھر اس راہ سے وہ علامت نگاری کی منزل میں آ گیا۔ اردو افسانے کی حد تک مجھے اس کا یقین ہے کہ یہ سب کچھ نہیں ہوا، ہاں روایتی اور آزمودہ سانچے میں قصہ گوئی اس کے لیے مشکل ضرور ہو گئی کہ ایسے سانچے پرانے لکھنے والوں کے ہاتھوں اتنے پک گئے تھے کہ انھیں مزید پکایا نہیں جاسکتا تھا۔ اس کا احساس نئی نسل کے فنکاروں کو تو تھا ہی لیکن اس کے مظاہرے کے لیے موثر پلیٹ فارم کی ضرورت تھی، اسی کمی کو پورا کرنے میں ’سوغات‘ نے پہل کی، پھر ”شب خون“ نے بڑے طمطراق سے صلائے عام دے دی۔ اس طرح نئے افسانہ نگاروں اور نئے افسانے کی کھپ کی کھپ پیدا ہو گئی۔“

اس تجربے میں پرانے، نئے اور بالکل نئے افسانہ نگار بھی شامل ہیں اپنی اپنی انفرادیت کے ساتھ کچھ کم کچھ زیادہ — مثلاً قرۃ العین حیدر، انتظار حسین، احمد ندیم قاسمی، جو گندر پال،، غیاث احمد گدی، سریندر پرکاش، بلراج میزرا، انور سجاد، احمد ہمیش، رام لال، کلام حیدری، احمد یوسف، شرون کمار ورما، الیاس احمد گدی، جیلانی بانو، منیر احمد شیخ، اقبال مجید، اقبال متین، رتن سنگھ، ستیش بٹرا، قیصر حکیمین، غلام الثقلین، آمنہ ابوالحسن، عوض سعید، خالدہ اصغر، دیوندر اسر، کمار پاشی، قمر احسن، حسین الحق، شوکت حیات، شفق، عبدالصمد، سلام بن رزاق، اکرام بیگ، سید محمد اشرف، رشید امجد، محمد منشیاد، انور خاں، علی امام نقوی، انور قمر، انیس رفیع وغیرہ۔ یہ عہد اردو افسانے کے لیے شکست و ریخت کا عہد

आजादी के बाद उर्दू अफसाना

और इतने ही अचानक तौर पर क्रदरों की शिकस्तो-रेख्त का इसे इफ़्तान भी हासिल हो गया और रिश्ते-नाते के टूटने के अहवाल उस पर मुक़शिफ़ हो गए और वह भरी दुनिया में तनहाई से दोचार हो गया और वह अपनी ज़िंदगी के लम्हे-लम्हे का एहसास करने लगा, फिर उसकी लम्बित भी उस पर आशकारा हो गई और वह रातों-रात वजूदी बन गया और तलाज़मों के सिलसिले उस पर रौशन हो गए, तब वह शऊर और लाशऊर के निहाख़ानों में झाँकने लगा और उनकी रौ में बहना उसका मुकद्दर भी बन गया और उसका फ़न भी। तब उसके फ़न ने उसे तज़ीद का सबक़ दिया, फिर इस राह से वह अलामतनिगारी की मंज़िल में आ गया। उर्दू अफ़साने की हद तक मुझे इसका यकीन है कि ये सब कुछ नहीं हुआ। हाँ रिवायती और आज़मूदा साँचे में क्रिस्ता-गोई उसके लिए मुश्किल ज़रूर हो गयी कि ऐसे साँचे पुराने लिखने वालों के हाथों इतने पक गए थे कि उन्हें मज़ीद पकाया नहीं जा सकता था। इसका एहसास नई नस्ल के फ़नकारों को तो था ही लेकिन इसके मुज़ाहिरे के लिए मुअस्सिर प्लेटफ़ॉर्म की ज़रूरत थी, इस कमी को पूरा करने में 'सौगात' ने पहल की, फिर 'शवखून' ने बड़े तमताराक़ से सलाए-आम दे दी। इस तरह नए अफ़साना-निगारों और नए अफ़साने की खेप की खेप पैदा हो गयी।"

इस तज़रिबे में पुराने, नए और बिल्कुल नए अफ़साना निगार भी शामिल हैं अपनी-अपनी इनफ़रादियत के साथ कुछ कम कुछ ज़यादा। मसलन कुर्रतुल-ऐन-हैदर, इंतज़ार हुसैन, अहमद नदीम क़ासमी, जोगिन्द्र पाल, ग़यास अहमद गद्दी, सुरेन्द्र प्रकाश, बलराज मैनरा, अनवर सज्जाद, अहमद हमेश, राम लाल, कलाम हैदरी, अहमद यूसुफ़, श्रवण कुमार वर्मा, इलयास अहमद गद्दी, जीलानी बानो, मुनीर अहमद शेख़, इक़बाल मजीद, इक़बाल मतीन, रतन सिंह, सतीश बत्रा, कैसर तमकीन, गुलामुस-सक़लैन, आमिना-अबुल-हसन, एवज़ सईद, ख़ाल्दा असगर, देवेन्द्र इस्सर, कुमार पाशी, क्रमर अहसन, हुसैनुल हक़, शौकत हयात, शफ़क़, अब्दुस-समद,

ثابت ہوا۔ اس دور کے افسانوں میں کہانی سے کہانی پن کو دور کرنے کی سعی، نجی اور ذاتی علامات و استعاروں کی اختراع، تجرید اور فطاسی — یہ سب کچھ تجربے کے نام پر روا ہو گیا، نتیجہ میں تجربہ برائے تجربہ نے افسانہ کو قاری سے دور کر دیا اور قاری کا اعتماد نئی کہانی سے اٹھ گیا۔ پروفیسر گوپی چند نارنگ نے بروقت اس بحران کو محسوس کرتے ہوئے چند سوالات قائم کئے تھے کہ:

”نیا افسانہ دراصل اس وقت ایک ایسے دورا ہے پر کھڑا ہے جہاں اس کو خود معلوم نہیں کہ اس کی اگلی منزل کیا ہے۔ وہ ایک ایسے آئینے کے روبرو ہے جو شکستوں سے چور ہے۔ نئی کہانی نے نہایت بے رحمی سے فرسودہ ڈھانچے سے نجات حاصل کرنے کی کوشش کی۔ لیکن کیا نئی کہانی جس حد تک وہ نئی ہے، کہانی نہیں ہے؟ یا جس حد تک وہ کہانی ہے، وہ نئی نہیں ہے؟ کیا کہانی کا کہانی پن فرسودہ ڈھانچے کا ایسا عنصر ہے جس کا رد لازم ہے؟ کہانی خواہ وہ کتنی ہی انام، تجریدی، استعاراتی، تمثیلی، علامتی یا فطاسیائی ہو، کیا کہانی پن کے بغیر اس کی تشخیص ممکن ہے؟ نیز یہ کہ نئی کہانی کی جمالیاتی حدود کیا ہیں؟..... نئی کہانی زمان و مکاں کے منطقی رشتوں کو لا شعوری طور پر بدل دینے پر قادر سہی لیکن زمین و آسمان کی وسعتوں میں اسے کہیں تو پھر ٹکانے ہی پڑتے ہیں اور کسی نہ کسی لمحے میں تو سانس لینی ہی پڑتی ہے؟ کہانی کتنی ہی آفاقی اور باطنی ہو، کیا واضح یا پوشیدہ طور پر وہ ہمیشہ سماج اور معاشرے سے جڑی نہیں رہتی۔“

یہی نہیں انھوں نے اسی زمانے میں ایک بہت اہم مضمون ”نیا افسانہ: روایت سے انحراف اور مقلدین کے لیے لمحہ فکریہ“ کے عنوان سے لکھ کر نئی کہانی (ساٹھ اور ستر کی دہائی کے دوران) کے نام پر پھیلے ہوئے انتشار اور تسامحات پر روشنی ڈالی اور مقلدین کے

आज़ादी के बाद उर्दू अफ़साना

सलाम बिन रज़ाक़, इकराम बाग़, सय्यद मुहम्मद अशरफ़, रशीद अमजद, मुहम्मद मंशा याद, अनवर ख़ाँ, अली इमाम नक़वी, अनवर क्रमर, अनीस रफ़ी, वग़ैरा। ये अहद उर्दू अफ़साने के लिए शिकस्तो रेख़्त का अहद साबित हुआ। कहानी से कहानीपन को दूर करने की कोशीश, निजी और ज़ाती अलामातो- इस्तिआरों की इख़्तारा, तज़रीद और फ़नतासी। ये सब कुछ तज़रिबा के नाम पर रवा हो गया, नतीजे में तज़रिबा बराए तज़रिबा ने अफ़सानों को क़ारी से दूर कर दिया और क़ारी का एतमाद नई कहानी से उठ गया। प्रो० गोपी चन्द नारंग ने बर-वक़्त इस बुहरान को महसूस करते हुए चंद सवालात क़ायम किए थे कि :

“नया अफ़साना दरअसल इस वक़्त एक ऐसे दौराहे पर खड़ा है जहाँ इसको खुद मालूम नहीं कि इसकी अगली मंज़िल क्या है। वह एक ऐसे आईने के रूबरू है जो शिकस्तों से चूर है। नई कहानी ने निहायत बेरहमी से फ़र्सूदा ढाँचे से निजात हासिल करने की कोशिश की। लेकिन क्या नई कहानी, जिस हद तक वह नई है, कहानी नहीं है? या जिस हद तक वह कहानी है, वह नई नहीं है? क्या कहानी का कहानीपन, फ़र्सूदा ढाँचे का ऐसा उंसुर है, जिसका रद लाज़िम है? कहानी ख़ाह वह कितनी ही अनाम, तज़ीदी, इस्तिआराती, तम्सीली, अलामती या फ़ंतासियाई हो, क्या कहानीपन के बग़ैर उसकी तश्ख़ीस मुम्किन है? नीज़ ये कि नई कहानी की जमालयाती हुदूद क्या हैं?नई कहानी ज़मानो-मक़ौ के मंतक़ी रिश्तों को लाशक़री तौर पर बदल देने पर क़ादिर सही लेकिन ज़मीनो-आस्मान की वुस्अतों में उसे कहीं तो पैर टिकाने ही पड़ते हैं और किसी न किसी लम्हे में तो सांस लेनी ही पड़ती है? कहानी कितनी ही आफ़ाक़ी और बातनी हो, क्या वाज़ेह या पोशीदा तौर पर वह हमेशा समाज और मआशरे से जुड़ी नहीं रहती।”

यही नहीं उन्होंने उसी ज़माने में एक बहुत अहम मज़मून “नया अफ़साना : रिवायत से इन्हिराफ़ और मुक़ल्लिदीन के लिए लम्हए

سامنے واضح طور پر یہ بات رکھی کہ اگر آپ پختہ فنکار ہیں تو بیانہ میں بھی اچھی کہانی کے امکانات پوشیدہ ہیں ورنہ دوسری صورت میں نہ کہانی ہاتھ آئے گی نہ فنکاری۔ انھوں نے یہ بھی کہا ہے کہ:

”ان دنوں اس بات سے تکلیف ہوتی ہے کہ مقلدین کی بھیڑ میں ان لوگوں کی آواز بھی کھو گئی جنہوں نے اردو افسانے کو نئے تجربوں کی تازگی دی تھی اور اسے نئی منزلوں کی طرف بڑھایا تھا۔ اردو افسانے میں اس وقت زیادہ تعداد ایسے لکھنے والوں کی ہے جن کے فکر و احساس میں چونکہ تازگی کی آگ نہیں، اس لیے ان کے پاس نئے تجربوں کے فنی ادراک پر قادر تازہ کار نظر بھی نہیں۔ استعاراتی یا علامتی اظہار لفظوں، علامتوں یا مجردات کا ڈھیر لگانے کا نام نہیں، نہ ہی یہ صنعت اہمال میں لفظوں کے بے ہنگم استعمال کا نام ہے۔ ایسی تحریروں کو نہ افسانہ کہا جاسکتا ہے، نہ انشائیہ، نہ کچھ اور۔“

اردو افسانے کے ان ادوار پر گفتگو کے بعد کہا جاسکتا ہے کہ اس کے ابتدائی تیس سال رومانیت اور جذباتیت میں بیتے، وسط کے تیس سال رومانیت سے بغاوت کے نتیجے میں مقصدیت اور حقیقت نگاری کے سفر میں گزرے، بیچ کے بیس پچیس سال سابقہ تمام روایتوں سے انحراف اور بغاوت کی نذر ہو گئے۔ اس لیے اس نثری صنف پر مختلف لیبل بھی لگتے رہے۔ کہانی، افسانہ، ترقی پسند افسانہ، نیا افسانہ، جدید افسانہ، علامتی، تجریدی اور تمثیلی افسانہ اور اکہانی وغیرہ وغیرہ۔ اردو افسانے کی تغیر پذیر ہیئت کو، اس کی وحشت اور خریب کو، اس کے انتشار اور اضطراب کو ہر سنجیدہ قاری، ناقد اور تخلیق کار شدت سے محسوس کرتا رہا تھا، اسی احساس نے 1976ء کے بعد کے کہانی کاروں کو خود احتسابی کی جانب مائل کیا اور انھوں نے اپنی کھلی آنکھوں سے دیکھا کہ علامتی اور تجریدی دور میں زیادہ تر رسائل افسانوں کے ساتھ اس کا تجزیہ اور تفسیر بھی شائع کرنے پر مجبور ہیں، اس کے باوجود قاری، افسانہ کو

आजादी के बाद उर्दू अफ़साना

फ़िक्रिया” के उन्वान से लिख कर नई कहानी (साठ और सत्तर की दहाई के दौरान) के नाम पर फैले हुए इन्तिशार और तसामुहात पर रोशनी डाली और मुक़ल्लिदीन के सामने वाज़ेह तौर पर ये बात रखी कि अगर आप पुख़्ता फ़नकार हैं तो बयानिया में भी अच्छी कहानी के इमकानात पोशीदा हैं वरना दूसरी सूरत में न कहानी हाथ आएगी न फ़नकारी। उन्होंने ये भी कहा कि :

इन दिनों इस बात से तकलीफ़ होती है कि मुक़ल्लिदीन की भीड़ में उन लोगों की आवाज़ भी खो गई जिन्होंने उर्दू अफ़साने को ताज़गी दी थी और उसे नई मंज़िलों की तरफ़ बढ़ाया था। उर्दू अफ़साने में इस वक़्त ज़्यादा तादाद ऐसे लिखने वालों की है, जिन के फ़िक्रो-एहसास में चूँकि ताज़गी नहीं, इसलिए उनके पास नए तज़रिबों के फ़न्नी इद्राक पर क़ादिर ताज़ाकार नज़र भी नहीं। इस्तिआराती या अलामती इज़्हार, लफ़्ज़ों, अलामतों या मुजरिदात का ढेर लगाने का नाम नहीं, न ही ये सनअते-एहमाल में लफ़्ज़ों के बेहंगम इस्तेमाल का नाम है। ऐसी तहरीरों को न अफ़साना कहा जा सकता है, न इंशाइया, न कुछ और—”

उर्दू अफ़साने के इन अदवार पर गुफ़्तगू के बाद कहा जा सकता है कि इसके इब्तेदाई तीस साल रोमानवियत और जज़बातियत में बीते, वस्तु के तीस साल रोमानवियत से बगावत के नतीजे में मक्सदीयत और हक़ीक़त निगारी के सफ़र में गुज़रे, बीच के बीस-पच्चीस साल साबिक़ा तमाम रिवायतों से इन्हीराफ़ और बगावत की नज़र हो गये इसलिए इस नयी सिन्फ़ पर मुख़्तलिफ़ लेबल भी लगते रहे कहानी, अफ़साना, तरक्क़ी पसन्द अफ़साना, नया अफ़साना जदीद अफ़साना, अलामती, तजरीदी, तमसीली अफ़साना और अकहानी वग़ैरा-वग़ैरा — उर्दू अफ़साने की तग़ैयूर पज़ीर हैयत को, उसकी वहशत और तख़्ख़रीब को, उसके इन्तिशार और इज्तिराब की, हर संजीदा क़ारी, नाक़िद और तख़्लीक़कार शिद्दत से महसूस करता रहा था। इसी एहसास ने 1976 के बाद के कहानीकारों को खुद-एहतसाबी की जानिब माइल किया और उन्होंने अपनी

ہاتھ لگاتے ہوئے ڈرتا ہے۔ ترسیل اور ابلاغ کے بڑھتے ہوئے المیہ کے اس منظر نامے میں تخلیق کاروں نے محسوس کیا کہ ناقد انھیں غیر ضروری تقلید سے بچنے اور کہانی پن سے دامن کشاں نہ ہونے کا مشورہ دے رہا ہے اور قاری اچھی اور بامعنی کہانیوں کا منتظر ہے تو انھوں نے علامتیہ اور تجریدیہ کو پرے رکھ کر اپنا احتساب کیا اور اس صحت مندی بیانیہ کا احیا کیا جس میں بے پناہ تخلیقی توانائی اور زندہ رہنے کی طاقت ہے۔ چنانچہ لگ بھگ 1976 کی ایمر جنسی کے آس پاس جو نئی کہانی وجود میں آنا شروع ہوئی اس میں حقیقت نگاری بھی ہے اور فلسفہ بھی، فکر بھی ہے اور فن بھی، عہد بھی ہے اور سماج بھی، فرد بھی ہے اور تخیل بھی۔ ان کہانیوں کا مزاج دیکھنا ہو تو پچھلے بیس بائیس سال میں مختلف رسائل و جرائد میں شائع ہونے والے اردو افسانوں کا مطالعہ کافی ہوگا۔ ان میں وہ افسانہ نگار بھی شامل ہیں جو ساتویں دہائی میں لکھ رہے تھے اور وہ بھی جنھوں نے آٹھویں دہائی میں لکھنا شروع کیا تھا۔ میری مراد سریندر پرکاش، حسین الحق، رشید امجد، سلام بن رزاق، عبدالصمد، اقبال مجید، کلام حیدری، احمد یوسف، مسعود اشعر، شوکت حیات، شفق، ظفر اوگانوی، انور قمر، علی امام نقوی، انور خاں، سید محمد اشرف، طارق چغتاری، انیس رفیع، محمد منشاہد، مرزا حامد بیگ، بیگ احساس، مشرف عالم ذوقی، خورشید اکرم، نگار عظیم، قاسم خورشید، شفیق مشہدی، ذکیہ مشہدی، مشتاق احمد نوری، انجم عثمانی، ترنم ریاض، م۔ق۔ خاں، نیر مسعود، شموئل احمد، رضوان احمد، ساجد رشید، نور الحسنین، اسرار گاندھی، محسن خاں، عارف ایوبی، غزال ضیغم، معین الدین جینا بڑے وغیرہ سے ہے۔ فہرست سازی ہمارا مقصد نہیں ہے اور اس طرح کی کوئی فہرست مکمل ہو بھی نہیں سکتی، منشا یہ ہے کہ آٹھویں دہائی کے بعد نئے لکھنے والوں نے اردو افسانے کو ایک نئی جہت اور آفاقیت دینے کی کوشش کی ہے۔ آج اردو افسانہ اپنے پیروں پر کھڑا ہے۔ قاری کا اعتماد بھی بحال ہو رہا ہے اور افسانے نے ایک بار پھر اپنی شناخت قائم کر لی

आजादी के बाद उर्दू अफसाना

खुली आँखों से देखा कि अलामती और तजरीदी दौर में ज्यादातर रसाएल, अफसानों के साथ उसका तज्जिया और तफ़सीर भी शाए करने पर मजबूर हैं। इसके बावजूद क़ारी, अफसानों को हाथ लगाते हुए डरता है। तर्सील और इब्लाग के बढ़ते हुए अलमिये के इस मंज़रनामे में तख़्सीक़कारों ने महसूस किया कि नाक़िद उन्हें ग़ैर ज़रूरी तक्रलीद से बचने और कहानीपन से दामन कुशा न होने का मशवरा दे रहा है और क़ारी अच्छी और बामानी कहानियों का मुन्तज़िर है, तो उन्होंने अलामतीयत और तजरीदीयत को परे रखकर अपना एहतसाब किया और उस सेहतमंद फ़न्नी बयानिया का अह्या किया जिसमें बेपनाह तख़्लीक़ी तवानाई और ज़िन्दा रहने की ताक़त है। चुनांचे लगभग 1976 की इमरजेन्सी के आस पास जो नई कहानी वजूद में आना शुरू हुई उसमें हकीक़त निगारी भी है, फ़ल्सफ़ा भी है और तख़य्युल भी। इन कहानियों का मिज़ाज देखना है तो पिछले बीस-बाईस साल में मुख़्तलिफ़ रसाएलो-जराइद में शाए होने वाले उर्दू अफ़साने का मुतालेआ काफ़ी होगा। इन में वह अफ़साना-निगार भी शामिल हैं जो सातवीं दहाई में लिख रहे थे और वह भी जिन्होंने आठवीं दहाई में लिखना शुरू किया था। मेरी मुराद सुरेन्द्र प्रकाश, हुसैनुल हक़, रशीद अमजद, सलाम बिन रज़ाक़, अब्दुस-समद, इक़वाल मजीद, कलाम हैदरी, अहमद यूसुफ़, मसऊद अशअर, शौकत हयात, शफ़क़, ज़फ़र ओगान्वी, अनवर क्रमर, अली इमाम नक्वी, अनवर ख़ाँ, सय्यद मुहम्मद अशरफ़, तारिक़ छतारी, अनीस रफ़ी, मंशा याद, मिर्ज़ा हामिद बेग, बेग एहसास, मुशरफ़ आलम ज़ौक़ी, ख़ुर्शीद अकरम, निगार अज़ीम, कासिम ख़ुर्शीद, शफ़ी मशहदी, ज़क़िया मशहदी, मुश्ताक़ अहमद नूरी, अंजुम उस्मानी, तरन्नुम रियाज़, मीम क़ाफ़ ख़ाँ, नय्यर मसऊद, शमोएल अहमद, रिज़वान अहमद, साजिद रशीद, नूरुल हसनैन, असरार गांधी, मोहसिन ख़ाँ, आरिफ़ अय्यूबी, ग़िज़ाल ज़ैग़म, मोईनुद्दीन-जीना बड़े वग़ैरा से है। फ़ेहरिस्त साज़ी हमारा मक्क़सद नहीं है और इस तरह की कोई फ़ेहरिस्त मुकम्मल हो भी नहीं सकती। मंशा ये है कि आठवीं दहाई के बाद नए लिखने वालों ने उर्दू अफ़साने को एक नई जेहत और आफ़ाक़ीयत देने की सई की है। आज

آزادی کے بعد اردو افسانہ

ہے۔ بقول گوپی چند نارنگ یہ ترقی پسندی اور جدیدیت کے بعد مابعد جدیدیت کا زمانہ ہے جو نئی ثقافتی صورت حال بھی ہے اور جس کی اپنی ادبی پہچان بھی ہے۔ ان کا کہنا ہے ”(1) افسانہ میں بیانیہ کی بحالی ہوئی ہے۔ (2) کہانی پن کا اسرار ادب نظریاتی طور پر قابل قبول نہیں۔ (3) افسانہ قاری سے جڑ رہا ہے۔ (4) اجنبیت، بیگانگی، لامعیت، تنہائی، شکست ذات کے دیے ہوئے فارمولے پوری طرح رد ہو گئے ہیں۔ (5) کوئی نظریاتی فارمولا قابل قبول نہیں (ہر نظریہ ادعائیت کی طرف لے جاتا ہے) (6) بین التونیت (7) تانیثیت (8) پوسٹ کولونیل سیاسی سماجی مسائل۔ (9) دلت، ذات پات، اقلیت کے مسائل۔ (10) معیاتی نظام، فن کی تکثیریت۔ (11) تہذیبی جڑوں، مقامیت پر اصرار یہ سب آج کی نئی پہچان ہیں۔“ اس انتخاب میں جن افسانہ نگاروں کی کہانیاں شامل ہیں امید ہے وہ قارئین کو پسند آئیں گی۔

یہ افسانوی انتخاب جو قومی کونسل برائے فروغ اردو زبان، نئی دہلی کی جانب سے شائع ہو رہا ہے، اس کے اشاعتی پروگرام ”آزادی کے بعد اردو ادب“ کا حصہ ہے، جس کے تحت شعری اور نثری اصناف کے انتخابات شائع کئے جائیں گے۔ اس کا ایک مقصد جہاں آزادی کے بعد کے اردو ادب کے سمت و رفتار اور مزاج و منہاج تک رسائی ہے تو دوسرا خیال یہ بھی ہے کہ اس ادبی سرمایے سے وہ لوگ بھی استفادہ کر سکیں جو اردو رسم الخط سے نااہل ہیں، اسی لیے یہاں ان کہانیوں کا دیوناگری transliteration کیا گیا ہے۔ اردو میں عام طور پر (لتھے اور پڑھتے) اعراب کا خیال نہیں رکھا جاتا یہی سبب ہے کہ transliteration میں تلفظ کا مسئلہ حد درجہ اہمیت اختیار کر لیتا ہے۔ transliteration کے ابتدائی مراحل میں یہ کہانیاں کچھ ایسے حالات سے گزریں کہ پہلا ڈرافٹ تقریباً تلف کرنا پڑا۔ رہنما کے طور پر اس کام کے لیے central hindi directorate کے اصول و ضوابط کو سامنے رکھا گیا — یہ بھی خیال رکھا گیا

आज़ादी के बाद उर्दू अफ़साना

उर्दू अफ़साना अपने पैरों पर खड़ा है। क़ारी का एतमाद भी बहाल हो रहा है और अफ़साने ने एक बार फिर अपनी शनाख़्त कायम कर ली है। बक़ौले गोपी चन्द्र नारंग ये तरक्की पसन्दी और जदीदियत के बाद माबाद जदीदियत का ज़माना है जो नई सकाफ़ती सूरते हाल भी है और जिसकी अपनी अदबी पहचान भी है। उनका कहना है “(1) अफ़साना में बयानिया की बहाली हुई है। (2) कहानीपन का इस्तिदराद अब नज़रियाती तौर पर क़ाबिलेक़बूल नहीं। (3) अफ़साना क़ारी से जुड़ रहा है। (4) अजनबियत, बेगानगी, लायानियत, तनहाई, शिकस्त ज़ात के दिए हुए फार्मूले पूरी तरह रद हो गए हैं। (5) कोई नज़रियाती फार्मूला क़ाबिलेक़बूल नहीं। (हर नज़रिया इद्दिआइयत की तरफ़ ले जाता है) (6) बैनुल मोतूनियत (7) तानीसियत (8) पोस्ट कोलोनियल सियासी समाजी मसाइल (9) दलित, ज़ात-पात, अक़लियत के मसाइल (10) मानियाती नेज़ाम, फ़न की तकसीरियत (11) तहज़ीबी जड़ों, मक़ामियत पर इस्मर ये सब आज की नई पहचान हैं।” इस इतिखाब में जिन अफ़साना-निगारों की कहानियां शामिल हैं उम्मीद है वो कारर्डिन को पसन्द आएंगी।

ये अफ़सानवी इतिखाब जो क़ौमी कौंसिल बराए फ़रोगे उर्दू ज़बान, नई देहली की जानिब से शाए हो रहा है, इसके इशाअती प्रोग्राम “आज़ादी के बाद उर्दू अदब” का हिस्सा है, जिसके तेहत शेयरी और नसी अस्नाफ़ के इतिखाबात शाए किए जाएंगे। इसका एक मक़सद जहाँ आज़ादी के बाद के उर्दू अदब की समतो-रफ़्तार और मिज़ाजो-मिन्हाज तक रिसाई है तो दूसरा ख़्याल ये भी है कि इस अदबी सरमाए से वह लोग भी इस्तिफ़ादा कर सकें जो उर्दू रस्मुल-ख़त से नाबलद हैं। इसलिए यहाँ इन कहानियों का देवनागरी TRANSLITERATION किया गया है। उर्दू में आम तौर पर (लिखते और पढ़ते वक़्त) एराब (मात्राओं) का ख़्याल नहीं रखा जाता। यही सबब है कि TRANSLITERATION में तलफ़फ़ुज़ का मसूअला हद दर्जा अहमियत इख़्तियार कर लेता है। ये कहानियाँ (TRANSLITERATION) के इब्तेदाई मराहिल में कुछ ऐसे हालात से गुज़रीं कि पहला ड्राफ़्ट तक़रीबन तल्फ़ करना पड़ा और रहनुमा के तौर पर इस काम के लिए CENTRAL

کہ ہم عام طور پر اردو میں جس طرح کسی لفظ کا تلفظ کرتے ہیں، دیوناگری میں اسی طریقہ سے اس کو لکھا جائے مثلاً شب و روز کو شب-و-روز لکھنا چاہئے مگر بولتے وقت اس کی شکل کچھ یوں شبو-روز ہوتی ہے۔ اس لیے اس کو اسی طرح لکھنا زیادہ مناسب معلوم ہوتا ہے۔ پڑھنے والوں کے لیے اس اصول کی وضاحت ضروری تھی۔

ہر انتخاب کی طرح اس انتخاب کی بھی اپنی مجبوریات اور حد بندیاں ہیں۔ جب قومی کونسل نے اس کا ڈول ڈالا تو پہلے اس میں 64 کہانیاں شامل ہوئیں لیکن صفحات محدود تھے، اس لیے تمام تر کوشش کے باوجود بعض اچھی کہانیاں شامل نہ ہو سکیں جس کا مجھے بھی اس پروجیکٹ کے خصوصی رہنما اور اردو افسانے کے اہم ناقد پروفیسر گوپی چند نارنگ کو بھی احساس اور افسوس ہے۔ انجام کار 26 کہانیوں پر ہی اکتفا کرنا پڑ رہا ہے۔ لیکن ایک بات جو بلا خوف تردید کہی جاسکتی ہے وہ یہ کہ یہ انتخاب اپنی تنگ دامنی کے باوجود بھی بے انتہا وسعت رکھتا ہے نیز آزادی کے بعد اردو افسانے کے تمام تر ممکنہ SHADDES کو پیش کرنے کی کوشش کرتا ہے۔ یہاں اس بات کا اعتراف بھی ضروری ہے کہ یہ پروجیکٹ ہرگز مکمل نہ ہوتا اگر پروفیسر گوپی چند نارنگ، صدر، ساہتیہ اکادمی، نئی دہلی کا عملی اور علمی تعاون حاصل نہ ہوتا۔ اس ضمن میں ڈاکٹر محمد حمید اللہ بھٹ کا شکریہ بھی ضروری ہے کہ انھوں نے اس بارے میں بنیادی سہولیات فراہم کیں۔ اس انتخاب کے کام میں ڈاکٹر اسلم جمشید پوری نے بھرپور معاونت کی۔ ڈاکٹر کلیم اللہ کا شکریہ بھی واجب ہے کہ انھوں نے مناسب مشورے دیئے۔ یقین ہے کہ یہ انتخاب قومی کونسل برائے فروغ اردو زبان کے منصوبوں کو پورا کرے گا۔

گوپی چند نارنگ

ارتضیٰ کریم

اسلم جمشید پوری

आज़ादी के बाद उर्दू अफ़साना

HINDI DIRECTORATE के उसूलो-ज़वाबित को सामने रखा गया — ये भी ख़्याल रखा गया कि आम तौर पर उर्दू में जिस तरह लफ़्ज़ का तलफ़्फ़ुज़ करते हैं, देवनागरी में उसी तरह उसको लिखा जाय, मसलन उर्दू रस्मुल-ख़त के मुताबिक़ शबो रोज़ बोलते वक़््त इसकी आवाज़ शबो — रोज़ निकलती है इसलिए इसको इसी तरह लिखना ज़्यादा मुनासिब मालूम होता है। पढ़ने वालों के लिए इस उसूल की वज़ाहत ज़रूरी थी।

हर इतिखाब की तरह इस इतिखाब की भी अपनी मजबूरियाँ और हदबदियाँ हैं। जब क्रौमी कौंसिल ने इसका डोल डाला तो पहले इसमें 64 कहानियाँ शामिल हुईं, लेकिन सफ़्हात महदूद थे इसलिए तमामतर कोशिश के बावजूद बाज़ अच्छी कहानियाँ शामिल न हो सकीं। जिसका मुझे भी और इस प्रोजेक्ट के खुसूसी रहनुमा और उर्दू अफ़साने के अहम नाक्रिद प्रोफ़ेसर गोपी चन्द नारंग को भी एहसास और अफ़सोस है। अंजामकार 26 कहानियों पर ही इक्तिफ़ा करना पड़ रहा है — लेकिन एक बात जो बिला खौफ़े-तर्दीद कही जा सकती है वह ये कि ये इतिखाब अपनी तंग दामनी के बावजूद भी बे-इन्तिहा वुसअत रखता है, नीज़ आज़ादी के बाद उर्दू अफ़साने के तमामतर मुष्किना SHADES को पेश करने की कोशिश करता है। यहाँ इस बात का एतराफ़ भी ज़रूरी है कि ये प्रोजेक्ट हरगिज़ मुकम्मल न होता अगर प्रोफ़ेसर गोपी चन्द नारंग, सदर, साहित्य एकादमी, नई देहली का अमली और इल्मी तआवुन हासिल न होता। इस ज़िम्न में डा. मो. हमीदुल्लाह भट का शुक्रिया भी ज़रूरी है कि उन्होंने इस बारे में बुनयादी सहूलियात फ़राहम कीं — इस इतिखाब के काम में डा. असलम जमशेदपुरी ने भरपूर मुआवेनत की। डा. कलीमुल्लाह का भी शुक्रिया वाजिब है कि उन्होंने मुनासिब मश्वरे दिए।

यक़ीन है कि ये इतिखाब क्रौमी कौंसिल बराए फ़रोग उर्दू ज़बान के मन्सूबों को पूरा करेगा।

गोपी चन्द नारंग
इर्तज़ा करीम
असलम जमशेदपुरी

پورے چاند کی رات

اپریل کا مہینہ تھا۔ بادام کی ڈالیاں پھولوں سے لد گئی تھیں اور ہوا میں بریلی خنکی کے باوجود بہار کی لطافت آگئی تھی۔ بلند و بالا تنگوں کے نیچے مچلیں دوپ پر کہیں کہیں برف کے ٹکڑے سپید پھولوں کی طرح کھلے ہوئے نظر آرہے تھے۔ اگلے ماہ تک یہ سپید پھول اسی دوپ میں جذب ہو جائیں گے۔ اور دوپ کا رنگ گہرا سبز ہو جائے گا۔ اور بادام کی شاخوں پر ہرے ہرے بادام پکھراج کے گیتوں کی طرح جھلنائیں گے اور نیلگوں پہاڑوں کے چہروں سے کہرا دور ہوتا جائے گا اور اس جمیل کے پل کے پار چٹوڑی کی خاک ملائم بھیڑوں کی جانی پہچانی با آ آ سے جھنجھٹا اٹھے گی۔ اور پھر ان بلند و بالا تنگوں کے نیچے چڑا ہے بھیڑوں کے جسموں سے سردیوں کی پٹی ہوئی موٹی موٹی گف اون گرمیوں میں کترتے جائیں گے اور گیت گاتے جائیں گے۔

لیکن ابھی اپریل کا مہینہ تھا۔ ابھی تنگوں پر چٹیاں نہ پھوٹی تھیں۔ ابھی پہاڑوں پر برف کا کہرا تھا۔ ابھی چٹوڑی کا سینہ بھیڑوں کی آواز سے گونجنا نہ تھا۔ ابھی سسل کی جمیل پر کنول کے چراغ روشن نہ ہوئے تھے۔ جمیل کا گہرا سبز پانی اپنے سینے کے اندر ان لاکھوں روپوں کو چھپائے بیٹھا تھا جو بہار کی آمد پر یکا یک اس کی سطح پر ایک معصوم اور بے لوث ہنسی کی طرح کھل جائیں گے۔ پل کے کنارے کنارے بادام کے پیڑوں کی شاخوں پر ٹھوٹے چمکنے لگے تھے۔ اپریل میں زمستان کی آخری شب میں جب بادام کے پھول جاگتے ہیں اور بہار کے نقیب بن کر جمیل کے پانی میں اپنی کشتیاں تیراتے ہیں۔ پھولوں کے ننھے ننھے شکارے سطح آب پر رقعات و لرزاں بہار کی آمد کے خنجر ہیں۔

پل کے جنگل کا سہارا لے کر میں ایک عرصہ سے اس کا انتظار کر رہا تھا۔ سہ پہر ختم

कृष्ण चंद्र

पूरे चांद की रात

अप्रैल का महीना था। बादाम की डालियां फूलों से लद गई थीं और हवा में बर्फ़ीली खुनकी के बावजूद बहार की लताफ़त⁽¹⁾ आ गई थी। बुलन्दोबाला⁽²⁾ तुंगों के नीचे मखमलीं दूब पर कहीं कहीं बर्फ़ के टुकड़े सफ़ेद फूलों की तरह खिले हुए नज़र आ रहे थे। अगले माह तक यह सफ़ेद फूल इसी दूब में ज़ब्त हो जायेंगे और दूब का रंग गहरा सब्ज़ हो जाएगा। और बादाम की शाखों पर हरे हरे बादाम पुखराज के नगीनों की तरह झिलमिलायेंगे और नीलगूं पहाड़ों के चेहरों से कोहरा दूर होता जाएगा। और इस झील के पुल के पार पगडंडी की खाक मुलायम भेड़ों की जानी पहचानी बा आ आ से झनझना उठेगी। और फिर इन बुलन्दोबाला तुंगों के नीचे चरवाहे भेड़ों के जिस्मों से सर्दियों की पत्नी हुई मोटी मोटी गफ़ ऊन गर्मियों में कतरते जायेंगे और गीत गाते जायेंगे।

लेकिन अभी अप्रैल का महीना था। अभी तुंगों पर पत्तियां न फूटी थीं। अभी पहाड़ों पर बर्फ़ का कोहरा था। अभी पगडंडियों का सीना भेड़ों की आवाज़ से गुंजा न था। अभी सिमल की झील पर कंवल के चराग़ रौशन न हुए थे। झील का गहरा सब्ज़ पानी अपने सीने के अन्दर उन लाखों रूपों को छुपाये बैठा था जो बहार की आमद पर यकायक उस की सतह पर एक मासूम और बेलौस हंसी की तरह खिल जायेंगे। पुल के किनारे किनारे बादाम के पेड़ों की शाखों पर शगूफ़े चमकने लगे थे। अप्रैल में ज़मिस्तान⁽³⁾ की आखिरी शब में जब बादाम के फूल जागते हैं और बहार के नक़््शे बन कर झील के पानी में अपनी कश्तियां तैराते हैं फूलों के नन्हे नन्हे शिकारे सतहे आब⁽⁴⁾ पर रक्सा⁽⁵⁾ और लरज़ा⁽⁶⁾ बहार की आमद के मुंताज़िर हैं।

1. नज़ाकत 2. ऊँचे 3. जाड़े 4. पानी की सतह 5. नाचते हुए 6. लरज़ते हुए (हिलते हुए)

آزادی کے بعد اردو افسانہ

ہو گئی۔ شام آگئی، جمیل ولر کو جانے والے ہاؤس بوٹ ہل کی سنگناخی محرابوں کے بیچ میں سے گزر گئے۔ اور اب وہ افق کی لکیر پر کاغذ کی ناؤ کی طرح کمزور اور بے بس نظر آ رہے تھے۔ شام کا قرمزی رنگ آسمان کے اس کنارے سے اس کنارے تک پھیلتا گیا۔ اور قرمزی سے سرمئی اور سرمئی سے سیاہ ہوتا گیا۔ حتیٰ کہ بادام کے پتروں کی قطار کی اوٹ میں پگھڑی بھی سو گئی اور پھر رات کے سنانے میں پہلا تارہ کسی مسافر کے گیت کی طرح چمک اٹھا۔ ہوا کی خشکی تیز تر ہوتی گئی اور نتھنے اس کے بریلے لُس سے سن ہو گئے۔

اور پھر چاند نکل آ گیا۔

اور پھر وہ آگئی۔

تیز قدموں سے چلتی ہوئی بلکہ پگھڑی کے ڈھلان پر دوڑتی ہوئی۔ وہ میرے قریب آ کے رک گئی۔ اس نے آہستہ سے کہا۔

”ہائے!“

اس کی سانس تیزی سے چل رہی تھی، پھر رک جاتی، پھر تیزی سے چلنے لگتی۔ اس نے میرے شانے کو اپنی انگلیوں سے چھوا اور پھر اپنا سر دہاں رکھ دیا اور اس کے گہرے سیاہ بالوں کا پریشان گھنا جھگل دور تک میری روح کے اندر پھیلتا چلا گیا اور میں نے اس سے کہا:

”سہ پہر سے تمہارا انتظار کر رہا ہوں“

اس نے ہنس کر کہا۔ ”اب رات ہو گئی ہے، بڑی اچھی رات ہے یہ۔“ اس نے اپنا کمزور ننھا چھوٹا سا ہاتھ میرے دوسرے شانے پر رکھ دیا اور جیسے بادام کے پھولوں سے بھری شاخ جھک کر میرے کندھے پر سو گئی ہو۔

دیر تک وہ خاموش رہی۔ دیر تک میں خاموش رہا۔ پھر وہ آپ ہی آپ ہنسی بولی ابا میرے پگھڑی کے موڑ تک میرے ساتھ آئے تھے، کیوں کہ میں نے کہا، مجھے ڈر لگتا ہے۔ آج مجھے اپنی سیپلی رجو کے گھر سونا ہے، سونا نہیں ہے۔ جاگنا ہے۔ کیوں کہ بادام کے پہلے شگوفوں کی خوشی میں ہم سب سہیلیاں رات بھر جاگیں اور گیت گائیں گی اور یہی تو سہ پہر سے تیار کر رہی تھی ابھر آنے کی۔ لیکن دھان صاف کرنا تھا اور کپڑوں کا یہ جوڑا کل

आजादी के बाद उर्दू अफसाना

पुल के जंगल का सहारा ले कर मैं एक अरसे⁽¹⁾ से उस का इंतज़ार कर रहा था। सिंह-पहर⁽²⁾ ख़त्म हो गई। शाम आ गई झील वूलर को जाने वाले हाऊस बोट पुल की संगलाखी⁽³⁾ मेहराबों के बीच में से गुज़र गये। और अब वह उफ़ुक की लकीर पर कागज़ की नाव की तरह कमज़ोर और बेबस नज़र आ रहे थे। शाम का क़िर्मिज़ी रंग आसमान के इस किनारे से उस किनारे तक फैलता गया और क़िर्मिज़ी⁽⁴⁾ से सुरमई और फिर सुरमई से सियाह होता गया। हत्ता कि बादाम के पेड़ों की क़तार की ओट में पगडंडी भी सो गई और फिर रात के सन्नाटे में पहला तारा किसी मुसाफ़िर के गीत की तरह चमक उठा। हवा की खुंकी तेज़ तर होती गई। और नथने उस के बफ़ीले लम्स⁽⁵⁾ से सुन हो गये।

और फिर चांद निकल आया।

और फिर वह आ गई।

तेज़ क़दमों से चलती हुई, बल्कि पगडंडी के ढलान पर दौड़ती हुई वह मेरे करीब आ के रुक गई। उसने आहिस्ता से कहा।

“हाय!”

उस की सांस तेज़ी से चल रही थी, फिर रुक जाती, फिर तेज़ी से चलने लगती। उसने मेरे शाने को अपनी उंगलियों से छुआ और फिर अपना सर वहां रख दिया और उसके गहरे सियाह बालों का परेशान घना जंगल दूर तक मेरी रूह के अंदर फैलता चला गया और मैंने उससे कहा:

“सिंह-पहर से तुम्हारा इंतज़ार कर रहा हूँ।

उसने हंस कर कहा। “अब रात हो गई है, बड़ी अच्छी रात है यह।” उसने अपना कमज़ोर नन्हा छोटा सा हाथ मेरे दूसरे शाने पर रख दिया और जैसे बादाम के फूलों से भरी शाख़ झुक कर मेरे कंधे पर सो गई हो।

देर तक वह ख़ामोश रही। देर तक मैं ख़ामोश रहा। फिर वह आप ही आप हंसी, बोली। “अब्बा मेरे पगडंडी के मोड़ तक मेरे साथ आये थे, क्योंकि मैंने कहा मुझे डर लगता है। आज मुझे अपनी सहेली रज्जो के घर सोना है, सोना नहीं है, जागना है। क्योंकि बादाम के पहले शगूफ़ों की खुशा में हम सब सहेलियां रात भर जागेंगी और गीत गावेंगी और यही तो सिंह-पहर से तैयारी कर रही थी, इधर

آزادی کے بعد اردو افسانہ

دھویا تھا آج سوکھا نہ تھا۔ اسے آگ پر سکھایا اور اماں جنگل سے لکڑیاں چننے گئی تھیں۔ وہ ابھی آئی نہ تھیں۔ اور جب تک وہ نہ آئیں میں کئی کے بھٹے اور خشک خوبانیاں اور جروالو تمھارے لیے کیسے لاسکتی ہوں۔ دیکھو یہ سب کچھ لائی ہوں تمھارے لیے۔ ہائے تم تو جج جج خفا کھڑے ہو۔ میری طرف دیکھو میں آگنی ہوں۔ آج پورے چاند کی رات ہے۔ آؤ کنارے لگی ہوئی کشتی کھولیں اور جھیل کی سیر کریں۔“

اس نے میری آنکھوں میں دیکھا۔ اور میں نے اس کی محبت اور حیرت میں گم پتلیوں کو دیکھا، جن میں اس وقت چاند چمک رہا تھا اور یہ چاند مجھ سے کہہ رہا تھا جاؤ کشتی کھول کے جھیل کے پانی پر سیر کرو۔ آج بادام کے پیلے شگوفوں کا مسرت بھرا تیوہار ہے۔ آج اس نے تمھارے لیے اپنی سہیلیوں اپنے ابا، اپنی ننھی بہن اپنے بڑے بھائی سب کو فریب میں رکھا ہے، کیوں کہ آج پورے چاند کی رات ہے۔ اور بادام کے سفید خشک شگوفے برف کے گالوں کی طرح چاروں طرف پھیلے ہوئے ہیں اور کشمیر کے گیت اس کی چھاتیوں میں رکے دودھ کی طرح امنڈ آئے ہیں۔ اس کی گردن میں تم نے موتیوں کی یہ ست لڑی دیکھی۔ یہ سرخ ست لڑی اس کے گلے میں ڈال دی اور اس سے کہا: ”آج رات بھر جاگے گی۔ آج کشمیر کی بہار کی پہلی رات ہے۔ آج تیرے گلے سے کشمیر کے گیت یوں کھلیں گے، جیسے چاندنی رات میں زعفران کے پھول کھلتے ہیں۔ یہ سرخ ست لڑیاں پہن لے“

چاند نے یہ سب کچھ اس کی حیران پتلیوں سے جھانک کے دیکھا پھر یکا یک کہیں کسی بیڑ پر ایک بلبل نغمہ سرا بوا ننھی اور کشتیوں میں چراغ جھلملانے لگے اور تنگوں سے پرے بستی میں گیتوں کی مدھم صدا بلند ہوئی۔ گیت اور بچوں کے قہقہے اور مردوں کی بھاری آوازیں اور ننھے بچوں کے رونے کی مہک، مچھلی اور بھات اور کڑم کے ساگ کا نرم نمکین اور لطیف ذائقہ اور پورے چاند کی رات کا بہار آفریں جو بن، میرا غصہ دھل گیا۔ میں نے اس کا ہاتھ اپنے ہاتھ میں لے لیا اور اس سے کہا: ”آؤ چلیں جھیل پر۔“

پل گزر گیا۔ چاندنی گزر گئی۔ بادام کے درختوں کی قطار ختم ہو گئی۔ تلہ گزر گیا اب ہم جھیل کے کنارے کنارے چل رہے تھے۔ جھازوں میں مینڈک بول رہے تھے۔

आज़ादी के बाद उर्दू अफ़साना

आने की। लेकिन धान साफ़ करना था। और कपड़ों का यह जोड़ा कल धोया था आज सूखा न था। इसे आग पर सुखाया और अम्मा जंगल से लकड़ियां चुनने गई थीं। वह अभी आई न थीं। और जब तक वह न आतीं मैं मकई के भुट्टे और खुश्क खूबानियां और जरवालू तुम्हारे लिये कैसे ला सकती हूँ। देखो यह सब कुछ लाई हूँ तुम्हारे लिये, हाय तुम तो सचमुच ख़फ़ा खड़े हो। मेरी तरफ़ देखो, मैं आ गई हूँ। आज पूरे चांद की रात है। आओ किनारे रागी हुई कश्ती खोलें और झील की सैर करें।"

उसने मेरी आंखों में देखा। और मैंने उसकी मुहब्बत और हैरत में गुम पुतलियों को देखा, जिन में उस वक़्त चांद चमक रहा था। और यह चांद मुझसे कह रहा था जाओ कश्ती खोल के झील के पानी पर सैर करो। आज बादाम के पीले शगूफ़ों का मसरत⁽¹⁾ भरा त्यौहार है। आज उसने तुम्हारे लिये अपनी सहेलियों, अपने अब्बा, अपनी नन्हीं बहन, अपने बड़े भाई को फ़रेब में रखा है, क्योंकि आज पूरे चांद की रात है और बादाम के सफ़ेद खुन्क शगूफ़े बर्फ़ के गालों की तरह चारों तरफ़ फैले हुये हैं। और कश्मीर के गीत इस की छतियों में रुके दूध की तरह उमड़ आये हैं। उसकी गर्दन में तुमने मोतियों की यह सत लड़ी देखी। यह सुर्ख़ सत लड़ी उसके गले में डाल दी और उससे कहा: "आज रात भर जागेगी। आज कश्मीर की बहार की पहली रात है। आज तेरे गले से कश्मीर के गीत यूँ खिलेंगे, जैसे चांदनी रात में जाफ़रान के फूल खिलते हैं। यह सुर्ख़ सत लड़ियां पहन ले।"

चांद ने यह सब कुछ उसकी हैरान पुतलियों से झांक के देखा फिर यकायक कहीं किसी पेड़ पर एक बुलबुल नग्मा-सरा⁽²⁾ हो उठी और कश्तियों में चरागा झिलमिलाने लगे और तुंगों से परे बस्ती में गीतों की मद्धम सदा बुलन्द हुई। गीत और बच्चों के कहकहे और मर्दों की भारी आवाज़ें और नन्हें बच्चों के रोने की महक, मछली और भात और कड़म के साग का नर्म नमकीन और लतीफ़ जायका और पूरे चांद की रात का बहार आफ़री जोबन⁽³⁾। मेरा गुस्सा धुल गया। मैंने उस का हाथ अपने हाथ में ले लिया और उससे कहा: "आओ चले झील पर"।

पुल गुज़र गया। पगडंडी गुज़र गई, बादाम के दरख़्तों की क़तार ख़त्म हो

1. खुशी 2. गाने लगीं

3. बहार लाने वाली जवानी

آزادی کے بعد اردو افسانہ

مینڈک اور جھینگڑ اور بینڈے، ان کی بے ہنگم صداؤں کا شور بھی ایک نغمہ بن گیا تھا۔ ایک خواب ناک سمفنی اور سوئی ہوئی جھیل کے بیچ میں چاند کی کشتی کھڑی تھی۔ ساکن چپ چاپ، محبت کے انتظار میں، ہزاروں سال سے اسی طرح کھڑی تھی۔ میری اور اس کی محبت کی منتظر تمہاری اور تمہارے محبوب کی مسکراہٹ کی منتظر، انسان کے انسان کو چاہنے کی آرزو کی منتظر، یہ پورے چاند کی حسین پاکیزہ رات کسی کنواری کے بے چھوئے جسم کی طرح محبت کے مقدس لمس کی منتظر ہے۔

کشتی خوبانی کے ایک پیڑ سے بندھی تھی جو بالکل جھیل کے کنارے اگا تھا۔ یہاں پر زمین بہت نرم تھی۔ اور چاندنی چٹوں کی، اورٹ سے چھتی ہوئی آ رہی تھی اور مینڈک ہو لے ہو لے گارہے تھے اور جھیل کا پانی بار بار کنارے کو چومتا جاتا تھا اور اس کے چومنے کی صدا بار بار ہمارے کانوں میں آ رہی تھی۔ میں نے دونوں ہاتھ، اس کی کمر میں ڈال دئے اور اسے زور زور سے اپنے سینے سے لگا لیا۔ جھیل کا پانی بار بار کنارے کو چوم رہا تھا۔ پہلے میں نے اس کی آنکھیں چومیں اور جھیل کی سطح پر لاکھوں کنول کھل گئے۔ پھر میں نے اس کے رخسار چومے اور نرم ہواؤں کے لطیف جھونکے یکا یک بلند ہو کے صد ہا گیت گانے لگے۔ پھر میں نے اس کے ہونٹ چومے اور لاکھوں مندروں، مسجدوں اور کلیساؤں میں دعاؤں کا شور بلند ہوا اور زمین کے پھول اور آسمان کے تارے اور ہواؤں میں اڑنے والے بادل سب مل کر ناچنے لگے۔ پھر میں نے اس کی تھوڑی کو چوما اور پھر اس کی گردن کے بیچ و خم کو۔ اور کنول کھلتے کھلتے سینے گئے کلیوں کی طرح۔ اور گیت بلند ہو ہو کے مدھم ہوتے گئے اور ناچ دھیم پڑتا پڑتا رک گیا اب وہی مینڈک کی آواز تھی۔ وہی جھیل کے نرم نرم بوسے اور کوئی چھاتی سے لگا سکیاں لے رہا تھا۔

میں نے آہستہ سے کشتی کھولی۔ وہ کشتی میں بیٹھ گئی۔ میں نے چو اپنے ہاتھ میں لے لیا اور کشتی کو کھے کر جھیل کے مرکز میں لے گیا۔ یہاں کشتی آپ ہی آپ کھڑی ہو گئی۔ نہ ادھر بہتی تھی نہ ادھر۔ میں نے چو اٹھا کر کشتی میں رکھ لیا۔ اس نے پوٹلی کھولی۔ اس میں سے جردالو نکال کے مجھے دئے۔ خود بھی کھانے لگی۔

आज़ादी के बाद उर्दू अफ़साना

गई, तल्ला गुज़र गया। अब हम झील के किनारे किनारे चल रहे थे।

झाड़ियों में मेढक बोल रहे थे। मेढक और झींगुर और बेंडे, उन की बेहंगम सदाओं का शोर भी एक नग्मा बन गया था। एक ख़्वाबनाक सिमफ़नी और सोई हुई झील के बीच में चांद की कश्ती खड़ी थी। साक्रिन, चुप चाप, मुहब्बत के इंतज़ार में, हज़ारो साल से इसी तरह खड़ी थी। मेरी और उस की मुहब्बत की मुंतज़िर⁽¹⁾, तुम्हारी और तुम्हारे महबूब की मुस्कुराहट की मुंतज़िर, इंसान के इंसान को चाहने की आरजू की मुंतज़िर। यह पूरे चांद की हसीन पाकीज़ा रात किसी कुंवारी के बे छूए जिस्म की तरह मुहब्बत के मुक़द्दस⁽²⁾ लम्स की मुंतज़िर है।

कश्ती ख़ूबानी के एक पेड़ से बंधी थी। जो बिल्कुल झील के किनारे उगा था। यहां पर ज़मीन बहुत नर्म थी और चांदनी, पत्तों की ओट से छनती हुई आ रही थी। और मेढक हौले हौले गा रहे थे और झील का पानी बार बार किनारे को चूमता जाता था। और उसके चूमने की सदा बार बार हमारे कानों में आ रही थी। मैं ने दोनों हाथ उस की कमर में डाल दिये और उसे ज़ोर ज़ोर से अपने सीने से लगा लिया। झील का पानी बार बार किनारे को चूम रहा था। पहले मैं ने उसकी आखें चूमीं और झील की सतह पर लाखों कंवल खिल गये। फिर मैं ने उस के रूख़सार⁽³⁾ चूमे, और नर्म हवाओं के लतीफ़ झोंके यकायक बुलंद होकर सदहा गीत गाने लगे। फिर मैं ने उस के होंठ चूमे और लाखों मन्दिरों, मस्जिदों, और कलीसाओं में दुआओं का शोर बुलन्द हुआ और ज़मीन के फूल और आसमान के तारे और हवाओं में उड़ने वाले बादल सब मिलके नाचने लगे। फिर मैंने उस की ठेड़ी को चूमा और फिर उस की गरदन के पेचो ख़म को और कंवल खिलते खिलते सिमटते गये कलियों की तरह। और गीत बुलन्द हो हो के मद्धम होते गये और नाच धीमा पड़ता गया। अब वही मेढक की आवाज़ थी। वही झील के नर्म नर्म बोसे और कोई छाती से लगा सिसकियां ले रहा था।

मैं ने आहिस्ता से कश्ती खोली वह कश्ती में बैठ गयी। मैंने चप्पू अपने हाथ में ले लिया और कश्ती को खे कर झील के मरकज़⁽⁴⁾ में ले गया। यहां कश्ती आप ही आप खड़ी हो गयी न इधर बहती थी न उधर। मैंने चप्पू उठा कर

آزادی کے بعد اردو افسانہ

جروالو خشک تھے اور کھٹے میٹھے۔

وہ بولی یہ بچھلی بہار کے ہیں۔

میں جروالو کھاتا رہا اور اس کی طرف دیکھتا رہا۔

وہ آہستہ سے بولی:

”بچھلی بہار میں تم نہ تھے“

بچھلی بہار میں، میں نہ تھا اور جروالو کے پیڑ پھولوں سے بھر گئے تھے۔ اور ذرا سی شاخ ہلانے پر پھول ٹوٹ کر سطح زمین پر موتیوں کی طرح بکھر جاتے تھے۔ بچھلی بہار میں، میں نہ تھا اور جروالو کے پیڑ پھولوں سے لدے پھندے تھے۔ سبز سبز جروالو، سخت کھٹے جروالو جو نمک مرچ لگا کے کھائے جاتے تھے اور زبان سی سی کرتی تھی اور ناک بہنے لگتی تھی۔ اور پھر بھی کھٹے جروالو کھائے جاتے تھے۔ بچھلی بہار میں، میں نہ تھا اور یہ سبز سبز جروالو پک کر پیلے اور سنہرے اور سرخ ہوتے گئے۔ اور ڈال ڈال میں مسرت کے سرخ شگوفے جھوم رہے تھے۔ اور مسرت بھری آنکھیں، چسکتی ہوئی معصوم آنکھیں انھیں جھومتا ہوا دیکھ کر رقص سا کرنے لگتیں۔ بچھلی بہار میں، میں نہ تھا اور سرخ سرخ جروالو خوبصورت ہاتھوں نے اکٹھے کر لیے۔ خوبصورت لبوں نے ان کا تازہ رس چوسا اور انھیں اپنے گھر کی چھت پر لے جا کر سوکھنے کے لیے رکھ دیا کہ جب یہ جروالو سوکھ جائیں گے جب ایک بہار گزر جائے گی اور دوسری بہار آنے کو ہوگی تو میں آؤں گا اور اس کی لذت سے لطف اندوز ہوسکوں گا۔

جروالو کھا کے ہم نے خشک خوبانیاں کھائیں خوبانی پہلے تو بہت میٹھی معلوم نہ ہوتی مگر جب دہن کے لعاب میں گھل جاتی تو شہد و شکر کا مزہ دینے لگتی۔

”نرم نرم بہت میٹھی ہیں یہ۔“ میں نے کہا:

اس نے ایک تسلی کو دانتوں سے توڑا اور خوبانی کا بیج نکال کر مجھے دیا۔ ”کھاؤ۔“

بیج بادام کی طرح میٹھا تھا۔

”ایسی خوبانیاں میں نے کبھی نہیں کھائیں۔“

आज़ादी के बाद उर्दू अफ़साना

कश्ती में रख लिया। उसने पोटली खोली उसमें से जरवालू निकाल के मुझे दिये। खुद भी खाने लगी।

जरवालू खुश्क थे और खट्टे मीठे।

वह बोली यह पिछली बहार के हैं।

मैं जरवालू खाता रहा और उसकी तरफ़ देखता रहा।

वह आहिस्ता से बोली:

“पिछली बहार में तुम न थे।”

पिछली बहार में, मैं न था और जरवालू के पेड़ फूलों से भर गये थे। और ज़रा सी शाख़ हिलाने पर फूल टूटकर सतहे ज़मीन पर मोतियों की तरह बिखर जाते थे। पिछली बहार में, मैं न था और जरवालू के पेड़ फूलों से लदे फंदे थे। सब्ज़ सब्ज़ जरवालू सख़्त खट्टे जरवालू जो नमक मिर्च लगा के खाये जाते थे और ज़बान सी सी करती थी और नाक बहने लगती थी और फिर भी खट्टे जरवालू खाये जाते थे। पिछली बहार में, मैं न था और यह सब्ज़^(१) सब्ज़ जरवालू पक कर पीले सुनहरे और सुख़्ख़ होते गए और डाल डाल में मसूरत के सुख़्ख़ शगूफ़े झूम रहे थे और मसूरत भरी आंखें, चमकती हुई मासूम आंखें उन्हें झूमता हुआ देखकर रक्स सा करने लगतीं। पिछली बहार में, मैं न था और सुख़्ख़ सुख़्ख़ जरवालू खूबसूरत हाथों ने इकट्ठे कर लिये। खूबसूरत लबों ने उसका ताज़ा रस चूसा और उन्हें अपने घर की छत पर ले जाकर सूखने के लिये रख दिया कि जब यह जरवालू सूख जायेंगे, जब एक बहार गुज़र जायेगी और दूसरी बहार आने को होगी तो मैं आऊंगा और उसकी लज़ज़त^(२) से लुत्फ़-अनदोज़^(३) हो सकूंगा।

जरवालू खा के हमने खुश्क ख़ूबानियां खाईं। ख़ूबानी पहले तो बहुत मीठी मालूम न होती मगर जब दहन^(४) के लोआब में घुल जाती तो शहद व शकर का मज़ा देने लगती।

“नर्म नर्म बहुत मीठी हैं ये” मैं ने कहा।

उस ने एक गुठली को दांतों से तोड़ा और ख़ूबानी का बीज निकाल कर मुझे दिया: “खाओ।”

बीज बादाम की तरह मीठा था।

اس نے کہا: ”یہ ہمارے آنگن کا بیڑ ہے۔ ہمارے ہاں خوبانی کا ایک ہی بیڑ ہے۔ مگر اتنی بڑی سرخ اور میٹھی خوبانیاں ہوتی ہیں اس کی کہ میں کیا کہوں۔ جب خوبانیاں پک جاتی ہیں تو میری ساری سہیلیاں اکٹھی ہو جاتی ہیں۔ اور خوبانیاں کھلانے کو کہتی ہیں..... بچھلی بہار میں.....“

اور میں نے سوچا، بچھلی بہار میں، میں نہ تھا۔ مگر خوبانی کا بیڑ آنگن میں اسی طرح کھڑا تھا۔ بچھلی بہار میں وہ نازک پتوں سے بھر گیا تھا۔ پھر ان میں کچی خوبانیوں کے سبز اور نوکیلے پھل لگے تھے..... ابھی ان خوبانیوں میں گٹھلی پیدا ہوئی تھی۔ اور یہ کچے کھنے پھل دوپہر کے کھانے کے ساتھ چٹنی کا کام دیتے تھے۔ بچھلی بہار میں، میں نہ تھا اور ان خوبانیوں میں گٹھلیاں پیدا ہو گئی تھیں۔ اور خوبانیوں کا رنگ ہلکا سنہرا ہونے لگا تھا۔ اور گٹھلیوں کے اندر نرم نرم جے اپنے ڈالتے میں سبز باداموں کو بھی مات کرتے تھے۔ بچھلی بہار میں، میں نہ تھا اور یہ سرخ سرخ خوبانیاں جو اپنی رنگت میں کشمیری دوشیزاؤں کی طرح صبح تھیں اور ایسی ہی رس دار۔ سبز سبز پتوں کے جھومروں سے جھانکتی نظر آتی تھیں۔ پھر الحمد للہ لڑکیاں آنگن میں تاپنے لگیں۔ اور چھوٹا بھائی درخت کے اوپر چڑھ گیا اور خوبانیاں توڑ توڑ کر اپنی بہن کی سہیلیوں کے لیے پھینکتا گیا۔ کتنی میٹھی تھیں وہ بچھلی بہار کی رس بھری خوبانیاں۔ جب میں نہ تھا.....

خوبانیاں کھا کے اس نے مکئی کا بھنا نکالا۔ ایسی سوندھی سوندھی خوشبو تھی۔ سنہرا سینکا ہوا بھنا اور کرکرے دانے صاف شفاف موتیوں کی سی جلا لیے ہوئے اور ڈالتے میں بے حد شیریں۔

وہ بولی: ”یہ ”مصری مکئی کے بھنے ہیں“

”بے حد میٹھے“ میں نے بھنا کھاتے ہوئے کہا۔

وہ بولی: ”بچھلی فصل کے رکھے تھے، گھروں میں چمپا کے، اماں کی آنکھ سے اوجھل۔“

میں نے بھنا ایک جگہ سے کھایا۔ دانوں کی چند قطاریں رہنے دیں، پھر اس نے اسی جگہ سے کھایا اور دانوں کی چند قطاریں میرے لیے رہنے دیں۔ جنہیں میں کھانے لگا اور اس طرح ہم دونوں ایک ہی بھنے سے کھاتے گئے اور میں نے سوچا، یہ مصری مکئی کے بھنے

आज़ादी के बाद उर्दू अफ़साना

“ऐसी ख़ूबानियां मैं ने कभी नहीं खायीं।”

उस ने कहा: “यह हमारे आंगन का पेड़ है। हमारे यहां ख़ूबानी का एक ही पेड़ है मगर इतनी बड़ी सुर्ख़ और मीठी ख़ूबानियां होती हैं इस की कि मैं क्या कहूं। जब ख़ूबानियां पक जाती हैं तो मेरी सारी सहेलियां इकट्ठी हो जाती हैं। और ख़ूबानियां खिलाने को कहती हैं.....पिछली बहार में.....

और मैं ने सोचा, पिछली बहार में, मैं न था। मगर ख़ूबानी का पेड़ आंगन में उसी तरह खड़ा था, पिछली बहार में वह नाजुक पत्तों से भर गया था। फिर उन में कच्ची ख़ूबानियों के सब्ज़ नुकीले फल लगे थे..... अभी इन ख़ूबानियों में गुठली पैदा हुई थी और यह कच्चे खट्टे फल दोपहर के खाने के साथ चटनी का काम देते थे। पिछली बहार में, मैं न था और इन ख़ूबानियों में गुठलियां पैदा हो गई थीं और ख़ूबानियों का रंग हलका सुनहरा होने लगा था और गुठलियों के अन्दर नर्म नर्म बीज अपने जायके में सब्ज़ बादामों को भी मात करते थे। पिछली बहार में, मैं न था और यह सुर्ख़ सुर्ख़ ख़ूबानियां जो अपनी रंगत में कशमीरी दोशीज़ाओं⁽¹⁾ की तरह सबीह⁽²⁾ थीं और ऐसी ही रसदार। सब्ज़ सब्ज़ पत्तों के झूमरों से झांकती नज़र आती थी। फिर अल्लहड़ लड़कियां आंगन में नाचने लगीं। और छोटा भाई दरख़्त के ऊपर चढ़ गया और ख़ूबानियां तोड़ तोड़ कर अपनी बहन की सहेलियों के लिये फैंकता गया। कितनी मीठी थीं वह पिछली बहार की रसभरी ख़ूबानियां। जब मैं न था.....

ख़ूबानियां खा के उस ने मकई का भुट्टा निकाला। ऐसी सोंधी सोंधी खुशबू थी। सुनहरा सेंका हुआ भुट्टा और कुर-कुरे दाने साफ़ शफ़फ़⁽³⁾ मोतियों की सी जिला⁽⁴⁾ लिये हुए और जायके में बेहद शीरी⁽⁵⁾।

वह बोली: “ये मिसरी मकई के भुट्टे हैं।”

“बे हद मीठे” मैं ने भुट्टा खाते हुये कहा।

वह बोली: “पिछली फ़सल के रखे थे, घरों में छिपा के अम्मां की आंख से ओझल”।

मैं ने भुट्टा एक जगह से खाया। दानों की चन्द कतारें⁽⁶⁾ रहने दीं, फिर उसने उसी जगह से खाया और दानों की चंद कतारे मेरे लिये रहने दीं। जिन्हें मैं खाने

1. कुंवारी लड़कियां 2. गोरी चिट्ठी 3. स्वच्छ 4. चमक 5. मीठी 6. लाइनें

کتنے بیٹھے ہیں۔ یہ پچھلی فصل کے بھنے۔ جب تو تھی لیکن میں نہ تھا۔ جب تیرے باپ نے ہل چلایا تھا کھیتوں میں۔ گوزی کی تھی، بیج بوئے تھے، بادلوں نے پانی دیا تھا۔ زمین نے سبز سبز رن کے چھوٹے چھوٹے پودے اگائے تھے۔ جن میں تو نے ٹلائی کی تھی۔ پھر پودے بڑے ہو گئے تھے اور ان کے سروں پر سریان نکل آئی تھیں اور ہوا میں جھونسنے لگی تھیں۔ اور تو مکی کے پودوں پر ہرے ہرے بھنے دیکھنے جاتی تھی۔ جب میں نہ تھا۔ لیکن بھنوں کے اندر دانے پیدا ہو رہے تھے۔ دودھ بھرے دانے جن کی نازک جلد کے اوپر اگر ذرا سا بھی ناخن لگ جائے تو دودھ باہر نکل آتا ہے۔ ایسے نرم و نازک بھنے اس دھرتی نے اگائے تھے اور پھر یہ بھنے جوان اور توانا ہو گئے اور ان کا رس پختہ ہو گیا۔ پختہ اور سخت۔ اب ناخن لگانے سے کچھ نہ ہوتا تھا۔ اپنے ناخن ہی کے ٹوٹنے کا احتمال تھا۔ بھنوں کی مونچھیں جو پہلے پہلی تھیں۔ اب سنہری اور پھر آخر میں سیاہی مائل ہوتی گئیں۔ مکی کے بھنوں کا رنگ زمین کی طرح بھورا ہوتا گیا۔ جب میں بھی نہ آیا تھا اور پھر کھیتوں میں کھلیان لگے اور کھلیانوں میں نیل چلے اور بھنوں سے دانے الگ ہو گئے۔ اور تو نے اپنی سہیلیوں کے ساتھ محبت کے گیت گائے اور تھوڑے سے بھنے چھپا کے سینک کے الگ رکھ دیئے۔ جب میں نہ تھا، دھرتی تھی، تخلیق تھی، محبت کے گیت تھے، آگ پر سینکے ہوئے بھنے تھے۔ لیکن میں نہ تھا۔

میں نے مسرت سے اس کی طرف دیکھا اور کہا: ”آج پورے چاند کی رات کو جیسے ہر بات پوری ہو گئی ہے۔ کل رات پوری نہ تھی۔ آج پوری ہے۔“

اس نے بھنا میرے منہ سے لگا دیا۔ اس کے ہونٹوں کا گرم گرم منہ اس ابھی تک اس بھنے پر تھا۔ میں نے کہا: ”میں تمہیں چوم لوں؟“

وہ بولی: ”ہش، کشتی ڈوب جائے گی۔“

’تو پھر کیا کریں؟‘ میں نے پوچھا۔

وہ بولی: ”ڈوب جائے دو“



आज़ादी के बाद उर्दू अफ़साना

लगा और इस तरह हम दोनों एक ही भुट्टे से खाते गये। और मैं ने सोचा यह मिसरी मकई के भुट्टे कितने मीठे हैं। यह पिछली फ़सल के भुट्टे। जब तू थी लेकिन मैं न था। जब तेरे बाप ने हल चलाया था खेतों में गोड़ी की थी, बीज बोये थे, बादलों ने पानी दिया था। ज़मीन ने सब्ज़ सब्ज़ रंग के छोटे-छोटे पौधे उगाये थे। जिन में तूने नलायी की थी। फिर पौधे बड़े हो गये थे। और उन के सरों पर सिरयान निकल आई थीं और हवा में झूमने लगीं थीं और तू मकई के पौधे पर हरे हरे भुट्टे देखने जाती थी। जब मैं न था लेकिन भुट्टों के अन्दर दाने पैदा हो रहे थे, दूध भरे दाने, जिन की नाजुक जिल्द के ऊपर अगर ज़रा सा भी नाखून लग जाये तो दूध बाहर निकल आता है। ऐसे नर्म व नाजुक भुट्टे इस धरती ने उगाये थे और मैं न था और फिर यह भुट्टे जवान और तवाना⁽¹⁾ हो गये और उन का रस पुख़्ता हो गया। पुख़्ता और सख़्त। अब नाखून लगाने से कुछ न होता था। अपने नाखून ही टूटने का इहतमाल⁽²⁾ था। भुट्टे की मूँछें जो पहले पीली थीं अब सुनहरी और फिर आख़िर में सियाही-माइल⁽³⁾ होती गयीं। मकई के भुट्टों का रंग ज़मीन की तरह भूरा होता गया। अब जब मैं भी न आया था और फिर खेतों में खलियान लगे। और खलियान में बैल चले और भुट्टों से दाने अलग हो गये और तूने अपनी सहेलियों के साथ मुहब्बत के गीत गाये और थोड़े से भुट्टे छिपा के सेंक के अलग रख दिये। जब मैं न था, धरती थी, तख़लीक़⁽⁴⁾ थी, मुहब्बत के गीत थे। आग पर सेंके हुये भुट्टे थे। लेकिन मैं न था।

मैं ने मसरत से उस की तरफ़ देखा और कहा: "आज पूरे चांद की रात को जैसे हर बात पूरी हो गई है। कल रात पूरी न थी। आज पूरी है"।

उसने भुट्टा मेरे मुँह से लगा दिया। उस के होंठों का गर्म गर्म नमनाक⁽⁵⁾ लम्स अभी तक उस भुट्टे पर था। मैं ने कहा: "मैं तुम्हें चूम लूँ?"

वह बोली: "हुश, कशती ड़ब जायेगी"

तो फिर क्या करें? मैंने पूछा।

वह बोली: "ड़ब जाने दो"।



वह पूरे चांद की रात मुझे अब तक नहीं भूलती। मेरी उम्र सत्तर वर्ष के

وہ پورے چاند کی رات مجھے اب تک نہیں بھولتی۔ میری عمر ستر برس کے قریب ہے۔ لیکن وہ پورے چاند کی رات میرے ذہن میں اس طرح چمک رہی ہے، جیسے ابھی وہ کل آئی تھی۔ ایسی پاکیزہ محبت میں نے آج تک نہیں کی ہوگی۔ اس نے بھی نہیں کی ہوگی۔ وہ جادو ہی کچھ اور تھا جس نے پورے چاند کی رات کو ہم دونوں کو ایک دوسرے سے یوں ملا دیا کہ وہ پھر گھر نہیں گئی۔ اسی رات میرے ساتھ بھاگ آئی اور ہم پانچ چھ دن محبت میں کھوئے ہوئے بچوں کی طرح ادھر ادھر جنگلوں کے کنارے ندی نالوں پر اخروں کے سائے تلے گھومتے رہے، دنیا و مافیہا سے بے خبر، پھر میں نے اسی جمیل کے کنارے ایک چھوٹا سا گھر خرید لیا اور اس میں ہم دونوں رہنے لگے۔ کوئی ایک مہینہ کے بعد میں سری نگر گیا اور اس سے یہ کہہ کے گیا کہ تیسرے دن لوٹ آؤں گا، تیسرے دن میں لوٹ آیا تو کیا دیکھتا ہوں کہ وہ ایک نوجوان سے گھل مل کے باتیں کر رہی ہے۔ وہ دونوں ایک ہی رکابی میں کھانا کھا رہے تھے۔ ایک دوسرے کے منہ میں لقمے ڈالتے جاتے ہیں۔ اور ہنستے جاتے ہیں، میں نے انھیں دیکھ لیا لیکن انھوں نے مجھے نہیں دیکھا۔ وہ اپنی مسرت میں اس قدر محو تھے کہ انھوں نے مجھے نہیں دیکھا اور میں نے سوچا کہ یہ کچھلی بہار یا اس سے بھی کچھلی بہار کا محبوب ہے۔ جب میں نہیں تھا۔ اور پھر شاید اور آگے بھی کتنی ہی ایسی بہاریں آئیں گی، کتنی ہی پورے چاند کی راتیں، جب محبت ایک فاحشہ عورت کی طرح بے قابو ہو جائے گی۔ اور عریاں ہو کے رقص کرنے لگے گی آج تیرے گھر میں خزاں آگئی ہے۔ جیسے ہر بہار کے بعد آتی ہے۔ اب تیرا یہاں کیا کام اس لیے میں یہ سوچ کر ان سے ملے بغیر اسی طرح واپس چلا گیا اور پھر اپنی پہلی بہار سے کبھی نہیں ملا۔

اور اب میں اڑتالیس برس کے بعد لوٹ کے آیا ہوں۔ میرے بیٹے میرے ساتھ ہیں میری بیوی مر چکی ہے۔ لیکن میرے بیٹوں کی بیویاں اور ان کے بچے میرے ساتھ ہیں اور ہم لوگ سیر کرتے کرتے سمل جمیل کے کنارے آ نکلے ہیں اور اپریل کا مہینہ ہے۔ سہ پہر سے شام ہو گئی ہے اور میں دیر تک بل کے کنارے کھڑا بادام کے پیڑوں کی قطاریں دیکھتا جاتا ہوں اور خشک ہوا میں سفید شگونوں کے سچھے لہراتے جاتے ہیں اور پگڈنڈی کی خاک پر سے کسی جانے پہچانے قدموں کی آواز سنائی نہیں دیتی۔ ایک حسین دوشیزہ ہاتھوں

आज़ादी के बाद उर्दू अफ़साना

क़रीब हैं। लेकिन वह पूरे चांद की रात मेरे ज़ेहन में इस तरह चमक रही है, जैसे अभी वह कल आई थी। ऐसी पाकीज़ा मुहब्बत मैं ने आज तक नहीं की होगी। उस ने भी नहीं की होगी। वह जादू ही कुछ और था। जिस ने पूरे चांद की रात को हम दोनों को एक दूसरे से यूं मिला दिया कि वह फिर घर नहीं गई। उसी रात मेरे साथ भाग आयी और हम पांच छह दिन मुहब्बत में खोये हुये बच्चों की तरह इधर उधर जंगलों के किनारे नालों पर अख़रोटों के साये तले घूमते रहे, दुनिया व माफ़्रीहा⁽¹⁾ से बेख़बर फिर मैं ने उसी झील के किनारे एक छोटा सा घर ख़रीद लिया और उस में हम दोनों रहने लगे। कोई एक महीना के बाद मैं श्रीनगर गया और उस से यह कहके गया कि तीसरे दिन लौट आऊंगा, तीसरे दिन मैं लौट आया तो क्या देखता हूं कि वह एक नौजवान से घुल मिल कर बातें कर रही है। वह दोनों एक ही रेकाबी में खाना खा रहे थे। एक दूसरे के मुंह में लुक़मा डालते जाते हैं और हंसते जाते हैं। मैं ने उन्हें देख लिया लेकिन उन्होंने मुझे नहीं देखा। वह अपनी मसरत में इस क़दर महव⁽²⁾ थे कि उन्होंने मुझे नहीं देखा और मैंने सोचा कि यह पिछली बहार या उस से भी पिछली बहार का महबूब है, जब मैं न था और फिर शायद और आगे भी कितनी ही ऐसी बहारें आयेंगी, कितनी ही पूरे चांद की रातें, जब मुहब्बत एक फ़हिशा⁽³⁾ औरत की तरह बेक्लाबू हो जायेगी और उरयां होके रक्कस करने लगेगी। आज तेरे घर में ख़िज़ां आ गई है जैसे हर बहार के बाद आती है। अब तेरा यहां क्या काम। इस लिए मैं यह सोच कर उन से मिले बग़ैर उसी वक़्त वापस चला गया और फिर अपनी पहली बहार से कभी नहीं मिला।

और अब मैं अड़तालीस वर्ष के बाद लौट के आया हूं। मेरे बेटे मेरे साथ हैं मेरी बीवी मर चुकी है। लेकिन मेरे बेटों की बीवियां और उन के बच्चे मेरे साथ हैं और हम लोग सैर करते-करते समल झील के किनारे आ निकले हैं और अप्रैल का महीना है सिंह-पहर से शाम हो गई है और मैं देर तक पुल के किनारे खड़ा बादाम के पेड़ों की क़तारें देखता जाता हूं और खुंक हवा में सुफ़ेद शगूफ़ों के गुच्छे लहराते जाते हैं और पगडंडियों की खाक पर से किसी जाने पहचाने क़दमों की आवाज़ सुनाई नहीं देती। एक हसीन दोशीज़ा⁽⁴⁾ हाथों में एक छोटी सी पोटली

1. दुनिया और जो कुछ उसमें है 2. खोए 3. तबायफ़, बदचलन 4. लड़की

میں ایک چھوٹی سی پوٹلی دبائے ہل پر سے بھاگتی ہوئی گزر جاتی ہے اور میرا دل دھک سے رہ جاتا ہے۔ دو رپارتنگوں سے پرے بستی میں کوئی بیوی اپنے خاوند کو آواز دے رہی ہے وہ اسے کھانے پر بلا رہی ہے۔ اور پرندے شور مچاتے ہوئے ایک دم درختوں کی گھنی شاخوں میں اپنے پر پھڑپھڑاتے ہیں اور پھر اک دم چپ ہو جاتے ہیں۔ ضرور کوئی ہانچی گارہا ہے۔ اور اس کی آواز گونجتی گونجتی افق کے اس پار گم ہوتی جا رہی ہے۔

میں ہل کو پار کر کے آگے بڑھتا ہوں۔ میرے بیٹے اور ان کی بیویاں اور بچے میرے پیچھے آرہے ہیں، الگ الگ ٹولیوں میں بٹے ہوئے ہیں۔ یہاں پر بادام کے بیڑوں کی قطار ختم ہوگئی۔ تلہ بھی ختم ہو گیا۔ جمیل کا کنارہ ہے۔ یہ خوبانی کا درخت ہے، لیکن کتنا بڑا ہو گیا ہے۔ مگر کشتی، یہ کشتی ہے، مگر کیا یہ وہی کشتی ہے۔ سامنے وہ گھر ہے۔ میری پہلی بہار کا گھر، میری پورے چاند کی رات کی محبت۔

گھر میں روشنی ہے بچوں کی صدائیں ہیں، کوئی بھاری آواز میں گانے لگتا ہے۔ کوئی بڑھیا اسے چیخ کر چپ کر دیتی ہے۔ میں سوچتا ہوں۔ آدمی صدی ہوگئی۔ میں نے اس گھر کو نہیں دیکھا۔ دیکھ لینے میں کیا ہرج ہے۔ آخر میں نے اسے خریدا تھا۔ دیکھا جائے تو میں ابھی تک اس کا مالک ہوں۔ دیکھ لینے میں ہرج ہی کیا ہے۔ میں گھر کے اندر چلا جاتا ہوں۔

بڑے اچھے پیارے بچے ہیں۔ ایک جوان عورت اپنے خاوند کے لیے رکابی میں کھانا رکھ رہی ہے۔ مجھے دیکھ کے ٹھک جاتی ہے۔ دو بچے لڑ رہے تھے مجھے دیکھ کر حیرت سے چپ ہو جاتے ہیں۔ بڑھیا جو ابھی غصہ میں ڈانٹ رہی تھی، تھم کے پاس آ کے کھڑی ہو جاتی ہے، کہتی ہے: ”کون ہو تم؟“ میں نے کہا ”یہ میرا گھر ہے۔“

وہ بولی: ”تمہارے باپ کا ہے۔“

میں نے کہا: ”میرے باپ کا نہیں ہے، میرا ہے، کوئی اڑتالیس برس ہوئے، میں نے اسے خریدا تھا بس اس وقت تو یونہی میں اسے دیکھنے کے لیے چلا آیا۔ آپ لوگوں کو نکالنے کے لیے نہیں آیا ہوں۔ یہ گھر تو بس سمجھئے اب آپ ہی کا ہے۔ میں تو یونہی.....“ میں یہ کہہ کر لوٹنے لگا۔ بڑھیا کی اٹھیاں سختی سے تھم پر جم گئیں۔ اس نے سانس

आज़ादी के बाद उर्दू अफ़साना

दबाये पुल पर से भागती हुई गुज़र जाती है और मेरा दिल धक से रह जाता है। दूर पार तुंगों से परे बस्ती में कोई बीवी अपने खाविन्द⁽¹⁾ को आवाज़ दे रही है वह उसे खाने पर बुला रही है। कहीं से एक दरवाज़ा बंद होने की सदा आती है और एक रोता हुआ बच्चा यकायक चुप हो जाता है। छतों से धुवां निकल रहा है और परिंदे शोर मचाते हुए एकदम दरख्तों की घनी शाखों में अपने पर फड़फड़ाते हैं और फिर एकदम चुप हो जाते हैं। ज़रूर कोई हांजी गा रहा है और उस की आवाज़ गूँजती गूँजती उफ़ुक के उस पार गुम होती जा रही है।

मैं पुल को पार कर के आगे बढ़ता हूँ। मेरे बेटे और उन की बीवियाँ और बच्चे मेरे पीछे आ रहे हैं। अलग अलग टोलियों में बंटे हुए हैं। यहां पर बादाम के पेड़ों की क़तार ख़त्म हो गई। तल्ला भी ख़त्म हो गया। झील का किनारा है। यह ख़ूबानी का दरख़्त है लेकिन कितना बड़ा हो गया है। मगर क़श्ती, यह क़श्ती है। मगर क्या यह वही क़श्ती है। सामने वह घर है। मेरी पहली बहार का घर। मेरी पूरे चांद की रात की मुहब्बत।

घर में रौशनी है, बच्चों की सदायें हैं। कोई भारी आवाज़ में गाने लगता है। कोई बुढ़िया उसे चीख़ कर चुप कर देती है। मैं सोचता हूँ आधी सदी⁽²⁾ हो गई। मैं ने इस घर को नहीं देखा। देख लेने में क्या हर्ज है। आख़िर मैं ने इसे ख़रीदा था। देखा जाये तो मैं अभी तक इस का मालिक हूँ। देख लेने मैं हर्ज ही क्या है। मैं घर के अन्दर चला जाता हूँ।

बड़े अच्छे प्यारे बच्चे हैं। एक जवान औरत अपन खाविन्द के लिये रेकाबी में खाना रख रही है। मुझे देख के ठिठक जाती है। दो बच्चे लड़ रहे थे। मुझे देख कर हैरत से चुप हो जाते हैं। बुढ़िया जो अभी गुस्से में खंड रही थी 'धम के पास आके खड़ी हो जाती है, कहती है: "कौन हो तुम?"

मैंने कहा: "वह मेरा घर है।"

वह बोली: "तुम्हारे बाप का है।"

मैंने कहा: "मेरे बाप का नहीं है, मेरा है। कोई अड़तालीस वर्ष हुए, मैंने इसे ख़रीदा था। बस इस वक़्त तो यूँही मैं इसे देखने के लिए चला आया। आप लोगों को निकालने के लिए नहीं आया हूँ। यह घर तो बस समझिये अब आप ही

زور سے اندر کو کھینچی۔ بولی: ”تو تم ہو..... اب اتنے برس کے بعد کوئی کیسے پہچانے.....“

وہ ہم سے لگی دیر تک خاموش کھڑی رہی۔ میں نیچے آنگن میں چپ چاپ کھڑا اس کی طرف نکتا رہا پھر وہ آپ ہی آپ ہنس دی۔ بولی: ”آؤ میں تمہیں اپنے گھر کے لوگوں سے ملاؤں..... دیکھو، یہ میرا بڑا بیٹا ہے۔ یہ اس سے چھوٹا ہے، یہ بڑے بیٹے کی بیوی ہے۔ یہ میرا بڑا پوتا ہے، سلام کرو بیٹا۔ یہ پوتی..... یہ میرا خاوند ہے، شش اسے جگانا نہیں۔ پرسوں سے اسے بخار آرہا ہے۔ سونے دوا سے.....“

وہ بولی: ”تمہاری کیا خاطر کروں“

میں نے دیوار پر کھونٹی سے لٹکے ہوئے مکئی کے بھٹوں کو دیکھا، سینکے ہوئے بھنے سنہرے موتیوں کے سے شفاف دانے۔

ہم دونوں مسکرا دیئے۔

وہ بولی: ”میرے تو بہت سے دانت جھڑپکے ہیں، جو ہیں بھی وہ کام نہیں کرتے۔

میں نے کہا: ”یہی حال میرا بھی ہے بھٹا نہ کھاسکوں گا۔“

مجھے گھر کے اندر گھسنے دیکھ میرے گھر کے افراد بھی اندر چلے آئے تھے۔ اب خوب گہما گہمی تھی۔ بچے ایک دوسرے سے بہت جلد مل جل گئے۔

ہم دونوں آہستہ آہستہ باہر چلے آئے۔ آہستہ آہستہ جمیل کے کنارے چلے گئے۔

وہ بولی: میں نے چھ برس تمہارا انتظار کیا تم اس روز کیوں نہیں آئے؟

میں نے کہا: ”میں آیا تھا۔ مگر تمہیں کسی دوسرے لوجوان کے ساتھ دیکھ کر واپس چلا گیا تھا۔“

”کیا کہتے ہو؟“ وہ بولی:

”ہاں تم اس کے ساتھ کھانا کھا رہی تھیں۔ ایک ہی رکابی میں۔ وہ تمہارے منہ میں

اور تم اس کے منہ میں لقمے ڈال رہی تھیں۔

وہ چپ ہو گئی۔ پھر زور سے ہنسنے لگی۔

”کیا ہوا؟“ میں نے حیران ہو کر پوچھا۔

आज़ादी के बाद उर्दू अफ़साना

का है। मैं तो यूँही---मैं यह कह कर लौटने लगा। बुढ़िया की उंगलियाँ सख़्ती से थम पर ज़म गईं। उस ने सांस ज़ोर से अन्दर को खींची। बोली "तो तुम हो--अब इतने वर्ष के बाद कोई कैसे पहचाने--"

वह थम से लगी देर तक ख़ामोश खड़ी रही। मैं नीचे आँगन में चुपचाप खड़ा उस की तरफ़ तकता रहा फिर वह आप ही आप हंस दी। बोली: "आओ मैं तुम्हें अपने घर के लोगों से मिलाऊँ---देखो यह मेरा बड़ा बेटा है। यह इस से छोटा है, यह बड़े बेटे की बीवी है। यह मेरा बड़ा पोता है, सलाम करो बेटा। यह पोती---यह मेरा ख़ाविन्द है, शश... इसे जगाना नहीं। परसों से इसे बुख़ार आ रहा है, सोने दो इसे"---

वह बोली: "तुम्हारी क्या खातिर करूँ।"

मैंने दीवार पर खूंटों से टंगे हुए मकई के भुट्टों को देखा' सेंके हुए भुट्टे सुनहरे हरे मोतियों के से शफ़फ़ाफ़ दाने।

हम दोनों मुस्कुरा दिए।

वह बोली: "मेरे तो बहुत से दांत झड़ चुके हैं, जो हैं वह भी काम नहीं करते।"

मैंने कहा: "यही हाल मेरा भी है। भुट्टा न खा सकूँगा।"

मुझे घर के अन्दर घुसते देख मेरे घर के अफ़राद⁽¹⁾ भी अन्दर चले आये थे। अब ख़ूब गहमागहमी थी। बच्चे एक दूसरे से बहुत जल्द मिल जुल गये।

हम दोनों आहिस्ता आहिस्ता बाहर चले आये। आहिस्ता आहिस्ता झील के किनारे चले गये।

वह बोली: "मैंने छह वर्ष तुम्हारा इंतज़ार किया तुम उस रोज़ क्यों नहीं आये?"

मैंने कहा: "मैं आया था मगर तुम्हें किसी दूसरे नौजवान के साथ देख कर वापस चला गया था।"

"क्या कहते हो?" वह बोली।

"हां तुम उस के साथ खाना खा रही थीं" एक ही रेकाबी में और वह तुम्हारे मुंह और तुम उसके मुंह में लुक्रमें डाल रही थीं।

1. फर्द (व्यक्ति) का बहुवचन

وہ بولی: ”ارے وہ تو میرا سگا بھائی تھا۔“

وہ پھر زور زور سے ہنسنے لگی۔ ”وہ مجھ سے ملنے کے لیے آیا تھا۔ اسی روز تم بھی آنے والے تھے۔ وہ واپس جا رہا تھا۔ میں نے روک لیا کہ تم سے مل کے جائے۔ تم پھر آئے ہی نہیں۔“

وہ ایک دم سنجیدہ ہو گئی۔ چھ برس میں نے تمہارا انتظار کیا۔ تمہارے جانے کے بعد مجھے خدا نے بیٹا دیا۔ تمہارا بیٹا۔ مگر ایک سال بعد وہ بھی مر گیا۔ چار سال اور میں نے تمہاری راہ دیکھی۔ مگر تم نہیں آئے میں نے شادی کر لی۔“

دو بچے باہر نکل آئے۔ کھیلتے کھیلتے ایک بچہ دوسری بچی کو مکنی کا بھٹا کھلا رہا تھا۔ اس نے کہا: ”وہ میرا پوتا ہے۔“

میں نے کہا: ”وہ میری پوتی ہے۔“

وہ دونوں بھاگتے بھاگتے جھیل کے کنارے کنارے دور تک چلے گئے۔ زندگی کے دو خوبصورت مرتے۔ ہم دیر تک انھیں دیکھتے رہے۔ وہ میرے قریب آ گئی۔ بولی: ”آج تم آئے ہو تو مجھے اچھا لگ رہا ہے۔ میں نے اب اپنی زندگی بنالی ہے۔ اس کی ساری خوشیاں اور غم دیکھے ہیں۔ میرا ہرا بھرا گھر ہے۔ اور آج تم بھی آئے ہو، مجھے ذرا بھی دل نہیں لگ رہا ہے۔“

میں نے کہا: ”یہی حال میرا ہے۔ سوچتا تھا زندگی بھر تمہیں نہیں ملوں گا۔ اسی لیے اتنے برس ادھر کبھی نہیں آیا۔ اب آیا ہوں تو ذرا رتی بھر بھی برا نہیں لگ رہا۔“

ہم دونوں چپ ہو گئے۔ بچے کھیلتے کھیلتے ہمارے پاس واپس آ گئے۔ اس نے میری پوتی کو اٹھالیا، میں نے اس کے پوتے کو، اس نے میری پوتی کو چوما، میں نے اس کے پوتے کو، اور ہم دونوں خوشی سے ایک دوسرے کو دیکھنے لگے۔ اس کی پتلون میں چاند چمک رہا تھا اور وہ چاند حیرت سے اور مسرت سے کہہ رہا تھا۔ ”انسان مر جاتا ہے لیکن زندگی نہیں مرنے۔ بہار ختم ہو جاتی ہے۔ لیکن پھر دوسری بہار آ جاتی ہے۔ چھوٹی چھوٹی محبتیں بھی ختم ہو جاتی ہیں۔ لیکن زندگی کی بڑی عظیم جی محبت ہمیشہ قائم رہتی ہے۔ تم دونوں بچہلی

आजादी के बाद उर्दू अफ़साना

वह एकदम चुप हो गई। फिर ज़ोर ज़ोर से हंसने लगी।

“क्या हुआ” ? मैंने हैरान होकर पूछा।

वह बोली: “अरे वह तो मेरा सगा भाई था:”

वह फिर ज़ोर ज़ोर से हंसने लगी। “वह मुझे से मिलने के लिए आया था। उस रोज़ तुम भी आने वाले थे। वह वापस जा रहा था। मैंने रोक लिया कि तुम से मिल कर जाये। तुम फिर आये ही नहीं।”

वह एकदम सन्जीदा हो गई। छह वर्ष मैंने तुम्हारा इंतज़ार किया। तुम्हारे जाने के बाद मुझे खुदा ने बेटा दिया। तुम्हारा बेटा। मगर एक साल बाद वह भी मर गया। चार साल और मैंने तुम्हारी राह देखी। मगर तुम नहीं आये। फिर मैंने शादी कर ली।”

दो बच्चे बाहर निकल आये, खेलते खेलते एक बच्चा दूसरी बच्ची को मकई का भुट्टा खिला रहा था।

उस ने कहा: “वह मेरा पोता है।”

मैंने कहा: “वह मेरी पोती है।”

वह दोनों भागते भागते झील के किनारे किनारे दूर तक चले गये। ज़िंदगी के दो खूबसूरत मुरक्क़े⁽¹⁾। हम देर तक उन्हें देखते रहे। वह मेरे करीब आ गई बोली: आज तुम आये हो तो मुझे अच्छा लग रहा है। मैंने अब अपनी ज़िंदगी बनाली है। उस की सारी खुशियां और ग़म देखे हैं। मेरा हरा भरा घर है। और आज तुम भी आये हो, मुझे ज़रा भी दिल नहीं लग रहा है”।

मैंने कहा: “यही हाल मेरा है। सोचता था ज़िंदगी भर तुम्हें नहीं मिलूंगा। इसी लिए इतने बरस इधर कभी नहीं आया। अब आया हूँ तो ज़रा रत्ती भर भी बुरा नहीं लग रहा।”

हम दोनों चुप हो गये। बच्चे खेलते खेलते हमारे पास वापस आ गये। उस ने मेरी पोती को उठ लिया, मैंने उस के पोते को, उस ने मेरी पोती को चूमा, मैंने उस के पोते को, और हम दोनों खुशी से एक दूसरे को देखने लगे। उस की पुतलियों में चांद चमक रहा था और वह चांद हैरत से और मसरत से कह रहा था: “इन्सान मर जाते हैं। लेकिन ज़िंदगी नहीं मरती। बहार ख़त्म हो जाती है,

آزادی کے بعد اردو افسانہ

بہار میں نہ تھے یہ بہار تم نے دیکھی، اس سے اگلی بہار میں تم نہ ہو گے۔ لیکن زندگی بھی ہوگی اور محبت بھی ہوگی اور خوبصورتی اور رعنائی اور مصویت بھی.....“

بچے ہماری گود سے اتر پڑے کیوں کہ وہ الگ سے کھیلنا چاہتے تھے۔ وہ بھاگتے ہوئے خوبانی کے درخت کے قریب چلے گئے جہاں کشتی بندھی تھی۔

میں نے پوچھا۔ ”یہ وہی درخت ہے“

اس نے مسکرا کر کہا: ”نہیں یہ دوسرا درخت ہے“



आज़ादी के बाद उर्दू अफ़साना

लेकिन फिर दूसरी बहार आ जाती है। छोटी छोटी मुहब्बतें भी ख़त्म हो जाती हैं। लेकिन ज़िन्दगी की बड़ी अजीब सच्ची मुहब्बत हमेशा क़ायम रहती है। तुम दोनों पिछली बहार में न थे, यह बहार तुम ने देखी, इस से अगली बहार में तुम न होगे। लेकिन ज़िन्दगी भी होगी और मुहब्बत भी होगी और खूबसूरती और रानाई⁽¹⁾ और मासूमियत भी.....

बच्चे हमारी गोद से उतर पड़े क्योंकि वह अलग से खेलना चाहते थे। वह भागते हुए खूबानी के दरख़्त के करीब चले गए, जहां लश्ती बंधी थी।

मैंने पूछा: "यह वही दरख़्त है।" ?

उस ने मुस्कुरा कर कहा: "नहीं यह दूसरा दरख़्त है।"



راجندر سنگھ بیدی

صرف ایک سگریٹ

سنت رام کی آنکھ کھلی تو اس وقت چار بجے تھے صبح کے۔

ساتھ کے بستر پہ دھو بن سو رہی تھی..... ایک پہلو پہ۔ دھو بن سنت رام اپنی بیوی کو کہتا تھا۔ اس کا نام اچھا بھلا دہی تھا لیکن سنت رام اسے اسی نام سے پکارتا تھا کیوں کہ وہ لائٹری میں کپڑوں کی دھلائی کے بہت خلاف تھی۔ گھر میں نوکر چاکر، پر ماتما کا دیا سب ہوتے سوتے، وہ رومال سے لے کر بھاری بھاری چادریں تک گھر ہی میں دھوتی تھی۔ جب تھک جاتی تو سب سے لڑتی اور لائٹری کے خرچ سے بہت مہنگی پڑتی۔ پھر رات کو سونے سے پہلے وہ ہمیشہ دبائے جانے کی فرمائش کچھ اس انداز سے کرتی کہ فرمائش اور حکم میں کچھ فرق ہی نہ رہتا۔ دبائے کی اس مصیبت سے سنت رام تو کیا دھو بن کے بچوں تک کو چڑھتی۔ کوئی پانچ نہیں تو حد سے حد دس منٹ دیوائے لیکن یہ کیا کہ کوئی گھنٹے بھر سے ادھر چھوڑنے کا نام ہی نہ لے۔ عجیب تماشا ہوتا تھا۔ آخر دبائے والے کو خود بے دم ہو کر لیٹ جانا پڑتا تھا۔ ایک دن بڑی بیٹی لاڈو کے ساتھ یہی معاملہ تو ہوا۔ ماں کو دبائے کے بعد وہ ہانپتی ہوئی پٹنگ کے ایک طرف جا گری اور بولی..... اب تم مجھے دیادو، مٹی!

پھر اس دہنے دیوانے کے سلسلے میں ایک اور بڑی مصیبت تھی دھو بن کو پتا ہی نہ چلتا تھا کہ اسے درد کہاں ہو رہا ہے۔ جہاں ہاتھ رکھو درد ہمیشہ اس سے تھوڑا پرے ہوتا تھا اور یوں جگہ ڈھنڈواتے ڈھنڈواتے وہ سارا بدن دیوالیتی تھی۔ کوئی کہے یہ اس کی چالاک تھی تو ایسی بات نہیں۔ اسے واقعی پتہ نہ چلتا تھا اور آخر یہ فیصلہ ہوتا کہ سارا بدن دکھ رہا ہے۔ اچھا، دھو بن کو دیوانے کا ہی نہیں دبائے کا بھی شوق تھا۔ اشارہ تو کر دو اور وہ تیار۔ البتہ یہ کام اس سے کوئی کم ہی کرواتا تھا۔ کیوں کہ اس کا ہاتھ کیا تھا۔ مستری کی پکڑ تھی جس سے

राजेन्द्र सिंह बेदी

सिर्फ एक सिगरेट

संत राम की आंख खुली तो उस वक्त चार बजे थे, सुबह के।

साथ के बिस्तर पर धोबिन सो रही थी— एक पहलू पे। धोबिन संत राम अपनी बीवी को कहता था। उस का नाम अच्छा भला देवी था लेकिन संत राम उसे इसी नाम से पुकारता था क्योंकि वह लांडरी में कपड़ों की धुलाई के बहुत खिलाफ थी। घर में नौकर चाकर, परमात्मा का दिया सब होते सोते वह रूमाल से लेकर भारी भारी चादरें तक घर ही में धोती थी। जब थक जाती तो सब से लड़ती और लांडरी के खर्च से बहुत मंहगी पड़ती। फिर रात को सोने से पहले वह हमेशा दबाये जाने की फ्रमाइश कुछ इस अंदाज़ से करती कि फ्रमाइश और हुक्म में कुछ फर्क ही न रहता। दबाने की इस मुसीबत से संत राम तो क्या धोबिन के बच्चों तक को चिढ़ थी। कोई पांच नहीं तो हद से हद दस मिनट दबवाए लेकिन यह क्या कि कोई घंटे भर से इधर छेड़ने का नाम ही न ले। अजीब तमाशा होता था। आखिर दबाने वाले को खुद बेदम होकर लेट जाना पड़ता था। एक दिन बड़ी बेटी लाडो के साथ यही मामला तो हुआ, मां को दबाने के बाद वह हांपती हुई पलंग के एक तरफ जा गिरी और बोली—अब तुम मुझे दबा दो मम्मी।

फिर इस दबने दबवाने के सिलसिले में एक और बड़ी मुसीबत थी धोबिन को पता ही न चलता था कि उसे दर्द कहां हो रहा है। जहां हाथ रखो दर्द हमेशा उस से थोड़ा परे होता था और यूँ जगह दूँढवाते-दूँढवाते वह सारा बदन दबवा लेती थी। कोई कहे यह उसकी चालाकी थी तो ऐसी बात नहीं। उसे वाकई⁽¹⁾ पता न चलता था और आखिर यह फ़ैसला होता कि सारा बदन दुख रहा है। अच्छा, धोबिन को दबवाने का ही नहीं दबाने का भी शौक था। इशारा तो करो

آزادی کے بعد اردو افسانہ

وہ اچھے بھلے آدمی کے نٹ بولت کستی اور اس کی ڈھبری ٹامیٹ کر دیتی تھی۔ اس کے بازوؤں کی گرفت نہ صرف مردانہ بلکہ پہلوانہ تھی یوں معلوم ہوتا تھا جیسے وہ آدمی کو نہیں دبار ہی کوئی بیڈ کور نچوڑ رہی ہے۔ سنت رام تو اس کے دھوبی پائے سے بہت گھبراتا تھا۔ دھوبن..... ہاں، سنت رام نے اس کا یہ نام اس لیے بھی رکھا تھا کہ بچپن میں اس نے سیر بین میں بارہ من کی دھوبن دیکھی تھی۔ جو نیم برہنہ حالت میں، پہلو پہ لیٹی، ہاتھ میں سور کے پروں والا پٹکھا لیے ایک بھر پور عورت معلوم ہوتی تھی۔ سیر بین والا اپنے ڈبے پہ گھٹکرو بجاتا ہوا گلی میں آتا تھا اور آواز دیتا تھا۔ پیرس کی رات دیکھو، اپنی برات دیکھو..... اور پھر نیون بدل کر..... دھوبن دیکھو بارہ من کی، گوری چچی آہا تن کی..... آہا!..... اور سب بچے ماؤں سے ایک ایک پیسہ لاکر، اس جادو کے بکس والے۔ لے لے ہاتھ میں دیتے ہوئے اپنا چہرہ اور آنکھیں سیر بین میں ٹھونس دیتے تھے اور نظاروں۔ ے پورا پورا لطف اٹھاتے تھے۔ پیرس، بارات، سفید ربچھ، سرکس کے جوکر کے بعد جب دھوبن آتی تھی تو بچوں کو کچھ پتہ نہ چلتا تھا۔ وہ سوچتے دھوبن کیوں اس بکس میں قید کر رکھی ہے؟ مہینہ پہلے بھی وہ ایسے ہی لیٹی ہوئی تھی اور آج بھی لیٹی ہوئی ہے۔ ایک پہلو پہ لیٹے لیٹے کیا وہ تھک نہیں جاتی؟ دھوبن ایک نامحسوس طریقے سے بچوں کو اچھی لگتی تھی۔ وہ دماغ میں گھس جاتی تھی اور کہیں پندرہ بیس برس کے بعد باہر نکلتی۔

ساتھ کے کمرے میں لاڈ، سنت رام کی مشدود (اس کی لغت میں شادی شدہ) لڑکی جو ایک روز پہلے اپنی سرال سے آئی تھی، سوری تھی، کچھ ایسی بے خبری میں جیسے اس کا کوئی میاں ہی نہ ہو۔ اس کا منہ کھلا ہوا تھا کیوں کہ رات کے پہلے پہر کینے بابا اس کے بچے نے اسے سونے ہی نہ دیا تھا اور جب اسے نیند آئی تو سانس لینے کے لیے زیادہ ہوا کی ضرورت پڑی۔ لاڈ جیسے شادی کے چھ برس پہلے تھی ویسے ہی اب بھی تھی۔ بات کرنے میں منہ سے پانی کی پھوار سننے والے کے منہ پر پڑتی تھی۔ جیسے وہ روشنی ویسے ہی من بھی جاتی۔ سنت رام اور دھوبن کو یہی فکر تھی۔ یہ اتنی بھولی بیٹی ہماری بے گی کیسے؟ اسے مشکل پسند میاں مل گیا تو مصیبت ہوگی۔ لیکن اسے میاں جو ملا تو اس نے کوئی شرط ہی نہ پیش کی اور نہ اب پیش کرنے کا کوئی ارادہ

आज़ादी के बाद उर्दू अफ़साना

और वह तैयार। अलबत्ता यह काम उससे कोई कम ही करवाता था। क्योंकि उस का हाथ क्या था, मिस्त्री की पकड़ थी जिससे वह अच्छे भले आदमी के नट बोल्ट कसती और उसकी ठिबरी टाईट कर देती थी। उसके बाज़ुओं की गिरफ्त न सिर्फ़ मरदाना बल्कि पहलवाना थी। यूँ मालूम होता था जैसे वह आदमी को नहीं दबा रही कोई बेड कवर निचोड़ रही है। संत राम तो उस के धोबी पाटे से बहुत घबराता था। धोबिन--हां संत राम ने उस का यह नाम इस लिए भी रखा था कि बचपन में उसने सैर बीन में बारह मन की धोबिन देखी थी। जो नीम-बरहना⁽¹⁾ हालत में, पहलू पर लेटी, हाथ में मोर के पंखों वाला पंखा लिए एक भरपूर औरत मालूम होती थी। सैरबीन वाला अपने डब्बे पे घुंघरू बजाता हुआ गली में आता था और आवाज़ देता था। पैरिस की रात देखो, अपनी बारात देखो---और फिर द्यून बदल कर। धोबिन देखो बारह मन की, गोरी चिट्ठी आहा तन की- आहा! और सब बच्चे माओं से एक एक पैसा लाकर इस जादू के बक्स वाले के हाथ में देते हुए अपना चेहरा और आंख सैरबीन में टूंस देते थे और नज़ारों से पूरा पूरा लुत्फ़⁽²⁾ उठाते थे। पैरिस, बारात, सफेद रीछ, सरकस के जोकर के बाद जब धोबिन आती थी तो बच्चों को कुछ पता न चलता था। वह सोचते धोबिन क्यों इस बक्स में कैद कर रखी है? महीना पहले भी वह ऐसे ही लेटी हुई थी और आज भी लेटी हुई है। एक पहलू पर लेटे लेटे क्या वह थक नहीं जाती? धोबिन एक ना महसूस तरीक़े से बच्चों को अच्छी लगती थी। वह दिमाग़ में घुस जाती थी और कहीं पंद्रह बीस बरस के बाद बाहर निकलती।

साथ के कमरे में लाडो, संत राम की मशदूद (इस की लुग़त⁽³⁾ में शादी शुदा) लड़की जो एक रोज़ पहले अपनी ससुराल से आई थी, सो रही थी, कुछ ऐसी बेख़बरी में जैसे उस का कोई मियां ही न हो। उस का मुंह खुला हुआ था क्योंकि रात के पहले पहर कमीने बाँबी उस के बच्चे ने उसे सोने ही न दिया था और जब उसे नींद आई तो सांस लेने के लिए ज़्यादा हवा की ज़रूरत पड़ी। लाडो जैसे शादी के छह वर्ष पहले थी वैसे ही अब भी थी। बात करने में मुंह से पानी की फुवार सुनने वाले के मुंह पर पड़ती थी। जैसे वह रूठती वैसे ही मन भी जाती। संत राम और धोबिन को यही फ़िक्क़ थी। यह इत्ती भोली बेटी हमारी बसेगी

رکھتا تھا۔ ادھر اس گھر میں ماں باپ کی ناچاقی، ادھر لاڈ کی سسرال میں والدین کی کثرتِ محبت یا ایسے ہی دنیا کے مشترک ڈرنے دونوں میاں بیوی کو ایک مضبوط رشتے میں باندھ رکھا تھا۔ بہادر دونوں اتنے تھے کہ گھر میں چوہا نکل آنے پر بھی چیختے چلاتے ایک دوسرے کی پناہ ڈھونڈنے لگتے تھے۔ سنت رام ان کے چڑیا کا سادل رکھنے پر بہت خوش تھا کیوں کہ وہ جانتا تھا کہ بہت سے منہی جذبے کتنے اچھے ہوتے ہیں۔ مثلاً ڈر، کجوسی، شرم وغیرہ۔ لیکن یہ ڈر تو اولادوں تک منتقل ہو رہا تھا۔ لاڈ کے ساتھ اس کا مٹا بابی سویا ہوا تھا..... ماں کے گلے میں بانہ ڈال کر۔ جب ذرا نیند کھلتی تو اس کے کان ملنے لگتا، جانے یہ کیا عادت تھی اس کی، جسے صرف اس کی ماں ہی برداشت کر سکتی تھی۔ سنت رام نے جب بھی محبت کے جذبے سے معمور ہو کر دھیوتے کو ساتھ سلایا تو تھوڑی ہی دیر میں گھبرا کر اسے اٹھاتے ہوئے پھر اس کی ماں کے ساتھ ڈال دیا۔ سوتے میں بانہ گلے میں ڈالنے کی بات اتنی نہ تھی۔ البتہ جب وہ اپنے لکچھے ہاتھوں سے کان مسنے لگتا تو ایک عجیب سی گدگدی ہوتی اور کبھی یوں معلوم ہونے لگتا جیسے کوئی کنکول کان میں گھس رہی ہے۔

چھوٹے دو بیچے، لڑکا اور لڑکی اپنے ماموں کے یہاں گڑگاؤں گئے ہوئے تھے۔ ان کے بستر خالی پڑے ہوئے بیکاری کے عالم میں پڑے چھت کو جکا کرتے۔ بڑا پال سہیں تھا، جس کے خرائے سنائی دے رہے تھے۔ کیسے دیکھتے دیکھتے وہ بڑا ہو گیا تھا اور سنت رام کے تسلط سے نکل گیا تھا۔ پہلے سنت رام اسے اس کی غلطی پر ڈانٹتا تھا تو وہ مختلف طریقوں سے احتجاج کرتا تھا۔ ماں سے لڑنے لگتا، چائے کی پیالی اٹھا کر کھڑکی سے باہر پھینک دیتا لیکن اب وہ باپ کی ڈانٹ کے بعد خاموش رہتا تھا۔ جو بات سنت رام کو اور بھی کھل جاتی۔ سنت رام چاہتا تھا کہ وہ اس کی بات کا جواب دے اور جب وہ کہیں جواب دے دیتا تو سنت رام اور بھی آگ بگولا ہوا اٹھتا۔ وہ چاہتا تھا بیٹا اس کی بات کا جواب دے اور نہیں بھی چاہتا تھا۔ وہ نہیں جانتا تھا کہ آخر وہ چاہتا کیا تھا؟ سنت رام نے اپنے بیٹے پال کے سلسلے میں اپنی زندگی کا آخری چانٹا کوئی چھ برس پہلے مارا تھا، جواب تک گھس چکا تھا۔ اب تو وہ اس سے ڈرنے لگا تھا۔ آج بھی پال حسب معمول رات کے دو بجے آیا تھا،

आजादी के बाद उर्दू अफसाना

कैसे ? इसे कोई मुश्किल पसंद मियां मिल गया तो मुसीबत होगी। लेकिन उसे मियां जो मिला तो उस ने कोई शर्त ही न पेश की और न अब पेश करने का कोई इरादा रखता था। इधर इस घर में मां बाप की नाचाकी⁽¹⁾, उधर लाडो की ससुराल में वालिदैन की कसरते मुहब्बत या ऐसे ही दुनिया के मुश्तरक⁽²⁾ डर ने दोनों मियां बीबी को एक मज़बूत रिश्ते में बांध रखा था। बहादुर दोनों इतने थे की घर में चूहा निकल आने पर भी चीखते चिल्लाते एक दूसरे की पनाह दूढ़ने लगते थे। संत राम उन के चिड़िया का सा दिल रखने पर बहुत खुश था क्योंकि वह जानता था कि बहुत से मनफी⁽³⁾ जज़्बे कितने अच्छे होते हैं। मसलन डर, कंजूसी, शर्म वगैरह। लेकिन यह डर तो औलादों तक मुन्तक़िल हो रहा था। लाडो के साथ उस का मुन्ना बॉबी सोया हुआ था--मां के गले में बांह डाल कर--जब ज़रा नींद खुलती तो उस के कान मलने लगता, जाने यह क्या आदत थी उस की, जिसे सिर्फ़ उस की मां ही बरदाश्त कर सकती थी। संत राम ने जब भी मुहब्बत के जज़्बे से मामूर हो कर धेवते को साथ सुलाया तो थोड़ी ही देर में घबराकर उसे उठाते हुए फिर उस की मां के साथ डाल दिया। सोते में बांह गले में डालने की बात इतनी न थी। अलबत्ता जब वह अपने लिजलिजे हाथों से कान मसलने लगता तो एक अजीब सी गुदगुदी होती और कभी यूं मालूम होने लगता जैसे कोई कंकोल कान में घुस रही है।

छोटे दो बच्चे, लड़का और लड़की अपने मामूं के यहां गुड़गाँव गये हुए थे। उन के बिस्तर खाली पड़े हुए बेकारी के आलम में पड़े छत को तका करते। बड़ा पाल यहीं था, जिस के खुराटे सुनाई दे रहे थे। कैसे देखते देखते वह बड़ा हो गया था, और संत राम के तसल्लुत⁽⁴⁾ से निकल गया था। पहले संत राम उसे उस की गुलती पर डांटता था तो वह मुख्तलिफ़⁽⁵⁾ तरीक़ों से एहतजाज⁽⁶⁾ करता था। मां से लड़ने लगता चाय की प्याली उठाकर खिड़की से बाहर फेंक देता लेकिन अब वह बाप की डांट के बाद खामोश रहता था। जो बात संत राम को और भी खल जाती। संत राम चाहता था कि वह उस की बात का जवाब दे और जब वह कहीं जवाब देता तो संत राम और भी आग बगोला हो उठता। वह चाहता था बेटा उस की बात का जवाब दे और नहीं भी चाहता था। वह नहीं जानता था कि आखिर

1. नोक-झोंक 2. साझा 3. नकारात्मक 4. क़ाबू 5. भिन्न-भिन्न 6. विरोध

ڈپلومیٹ کے دو چار پیگ لگا کر۔ وہ سکی کی اصلی مہک تو گھر کے لوگوں نے نیند میں گزار دی تھی لیکن اب بھی اس کے اُلٹے سانس میں سے بو آرہی تھی۔

پال چھبیس ستائیس برس کا ایک دبلا پتلا نوجوان تھا۔ اندر ہی اندر کڑھتے، کھولتے رہنے سے اس کے بدن پہ بوٹی نہ آتی تھی۔ اس کے باوجود چہرے کی بناوٹ اور مونچھوں کی ہلکی سی تحریر کے ساتھ وہ مرد کے طور پر قابل قبول تھا۔ عورتیں اسے بہت پسند کرتی تھیں۔ کیوں کہ وہ بچوں کو بہت پسند کرتا تھا۔ کردار کے اعتبار سے پال امنگ بھرتا تھا اور جاہ طلب بھی۔ اس میں اتنا بے انتہا تھی۔ یہ اتنا جس کی وجہ سے اس کی ناک کے نتھنے پھٹے جاتے تھے اور وہ بڑے زور دار طریقے سے اپنے آپ کو پال آئند کے نام سے متعارف کراتا تھا جیسے وہ کوئی روایت ہو۔ یہ روایت اس نے کہاں سے پائی تھی؟ اپنے باپ سنت رام ہی سے تا جو ایک بہت بڑی ایڈورٹائزنگ ایجنسی کا مالک تھا اور جس نے اپنے بیٹے کو شہزادے کی طرح سے پالا تھا۔ اس کی ماں ”دھوبن“ چوری چوری رتیں دیتی تھیں اور اس عمل میں اپنی بیوی سے اپنے تعلقات خراب کر لیے تھے۔ پھر اس نے پال کو عافیت کی چھت دی تھی..... ایک ایسے مکان کی چھت جس میں تین بیڈروم تھے اور ایک شاندار ڈرائنگ روم جس میں استادوں کی بیٹھینگو تھیں۔ پھر دن میں دو دو بار بدلنے کے لیے کپڑے۔ یہ سب اپنے باپ سے لے کر وہ کیوں اسے بھول گیا تھا؟ صرف یہی نہیں، اس سے نفرت کرنے لگا تھا اور یوں پاس سے گزر جاتا تھا جیسے وہ اس کا باپ نہیں، کوئی کرسی ہو۔ اگر حکومت نے کوئی نیا قانون پاس کر دیا جس سے کمپنی فیل ہو گئی تو اس میں سنت رام کا کیا قصور؟ زندگی میں نفع ہوتا ہے اور نقصان بھی۔ یہ کیا مطلب کہ نفع کے وقت تو سب شریک ہو جائیں اور نقصان کے وقت نہ صرف الگ ہو بیٹھیں بلکہ گالیاں بھی دیں۔ لیکن اس میں پال کا زیادہ قصور نہ تھا۔ وہ آج کل کے زمانے کا لڑکا تھا اور صرف اسی شخص کی عزت کر سکتا تھا جس کے پاس پیسہ ہو یا اس کے ڈھیر سارے پیسے بنانے، بلڈنگیں کھڑی کرنے اور امپالا کار خریدنے کا امکان ہو۔ ایک بار سنت رام کے سوال پر پال نے یہ بات کہہ بھی دی جس سے بوڑھے کو بہت غصہ لگی۔ اس کے اندر کیا کچھ ٹوٹ گیا، اس کا اسے

आज़ादी के बाद उर्दू अफ़साना

वह चाहता क्या था ? संत राम ने अपने बेटे पाल के सिलसिले में अपनी ज़िन्दगी का आख़री चांटा कोई छः बरस पहले मारा था जो अब तक घिस चुका था। अब तो वह उस से डरने लगा था। आज भी पाल हसबे-मामूल⁽¹⁾ रात के दो बजे आया था, डिप्लोमेट के दो चार पैग लगा कर। व्हिस्की की असली महक तो घर के लोगों ने नींद में गुज़ार दी थी लेकिन अब भी उस के उलटे सांस में से बू आ रही थी।

पाल छब्बीस सताइस बरस का एक दुबला पतला नौजवान था। अन्दर ही अन्दर कुढ़ते खौलते रहने से उस के बदन पे बोटी न आती थी। इस के बावजूद चहरे की बनावट और मूछों की हलकी सी तहरीर के साथ वह मर्द के तौर पर क़ाबिले क़बूल था। औरतें उसे बहुत पसन्द करती थीं क्यों कि वह बच्चों को बहुत प्यार करता था। किरदार के एतबार से पाल उमंग भरा था। और जाह-तलब⁽²⁾ भी। उस में अना⁽³⁾ बे इन्तहा थी। यह अना जिस की वजह से उस की नाक के नथने फटे जाते थे और वह बड़े ज़ोरदार तरीक़े से अपने आप को पाल आनन्द के नाम से मुतारिफ़ कराता था जैसे वह कोई रिवायत हो। यह रिवायत उस ने कहां से पाई थी ? अपने बाप संत राम ही से ना जो एक बहुत बड़ी एडवरटइजिंग एजेंसी का मालिक था और जिस ने अपने बेटे को शहज़ादे की तरह पाला था। इस की मां धोबिन चोरी चोरी रक्ममें देती थीं और इस अमल में अपनी बीवी से अपने ताल्लुकात ख़राब कर लिये थे। फिर उसने पाल को आफ़ियत⁽⁴⁾ की छत दी थी एक ऐसे मकान की छत जिस में तीन बेड रूम थे और एक शानदार ड्राईंग रूम जिस में उस्तादों की पेनटिंग थीं। फिर दिन में दो दो बार बदलने के लिए कपड़े। यह सब अपने बाप से ले कर वह क्यों उसे भूल गया था ? सिर्फ़ यही नहीं उससे नफ़रत करने लगा था और यूं पास से गुज़र जाता था जैसे वह उस का बाप नहीं, कोई कुर्सी हो। अगर हुकूमत ने कोई नया क़ानून पास कर दिया जिस से कम्पनी फ़ेल हो गई तो इस में संत राम का क्या कुसूर ? ज़िन्दगी में नफ़र होता है और नुक़सान भी। यह क्या मतलब कि नफ़ा के वक़्त तो सब शरीक हो जायें और नुक़सान के वक़्त न सिर्फ़ अलग हो बैठें बल्कि ग़ालियां भी दें ? लेकिन उस में पाल का ज़्यादा कुसूर न था। वह आज कल के ज़माने का

1. रोज़ की तरह 2. आदर चाहने वाला 3. अहंकार 4. सुकून

خود بھی اندازہ نہ تھا۔ اس کا کتنا جی چاہا تھا کہ وہ کہیں چوری چاری کر کے، ڈاکہ ڈال کے یا بینک ہولڈاپ کر کے لاکھ روپے بنائے اور اس بیٹے کے پانویں پھینک کر اس کی اور اس کی ماں کی نظروں میں اپنی کھوئی تو قیر پھر سے حاصل کر سکے۔ لیکن لاکھ روپیہ کھلے کھلے نہیں، شاطرانہ ڈاکے سے بنتا ہے جس کی استعداد سنت رام میں نہ تھی، جب خسارہ ہوا تھا تو دھوبن یا لاڈو یا پال میں سے کسی نے اتنا بھی تو نہ کیا..... اے جی، یا پاپا، کوئی بات نہیں، ایسا ہو جاتا ہے۔ آپ جی میلا کیوں کرتے ہیں؟ جیسے کھویا ہے، ایسے ہی پابھی لیا جائے گا، جو پیسہ بنانے نکلتے ہیں، کھوبھی دیتے ہیں، اور یہ ضروری نہیں کہ ہر نقصان اٹھانے والا بیوقوف ہوتا ہے۔ یہ تو وہی بات ہوئی جیسے ہر پیسہ بنانے والا عقل مند ہوتا ہے۔ کیوں سب نے اسے بوڑھا اور سٹھیا یا ہوا سمجھ لیا اور بیسیوں بار اس کی طرف دیکھے بغیر پاس سے گزر گئے تھے اور اسے یہ سمجھنے پر مجبور کر دیا تھا کہ وہ اس دنیا میں اکیلا ہے؟ اس کا تو یہی مطلب ہوانا کہ اگر پھر سے اس کی مالی حالت اچھی ہو جائے تو وہ ان گزری ہوئی باتوں کو دل میں رکھ کر ایک ہنر ہاتھ میں پکڑ لے اور کسی بھی عنایت سے پہلے بیوی اور بچوں کو مار مار کر نیلا کر دے، نہیں؟ یہ شوہر اور باپ کا کرتویہ نہیں۔ لیکن یہ کیوں سمجھ لیا جائے کہ باپ کا کرتویہ پیار دینا ہی ہے، لینا نہیں۔ گویا اسے پیار کی ضرورت ہی نہیں ہوتی۔ پیار کی ضرورت کسے نہیں ہوتی؟ ایک سال کے بچے کو ہوتی ہے تو سو سال کے بوڑھے کو بھی۔ اور تو اور اپنے کا کرنبیل جی کو بھی ہوتی ہے جو اس وقت کہیں اپنے ڈربے میں پڑا سو رہا ہے اور بیچ بیچ میں کہیں سے کوئی آواز آنے پہ بھونک اٹھتا ہے۔ کیسے پیار کی نظریں اس کی نظروں سے ملتی ہیں تو ایک پیغام اس کے دماغ سے دم تک چلا جاتا ہے جو کہ نہ صرف خود بے تحاشا ہلتی ہے بلکہ سارے بدن کو بھی ہلا ڈالتی ہے۔ جس دن اسے کوئی ایسی نظروں سے نہ دیکھے وہ کھانا چھوڑ دیتا ہے، گویا کہہ رہا ہے۔ میں بھوکا رہ سکتا ہوں، لیکن پیار کے بغیر نہیں رہ سکتا، اور یہاں دھوبن، لاڈو، پال نے اسے جنتی کے برابر بھی نہ سمجھا تھا۔

شاید یہ سب اس لیے تھا کہ سنت رام نے زندگی میں صرف دینا ہی سیکھا تھا اور اب یہ اس کی عادت ہو گئی تھی۔ وہ جب دیتا تھا تو جیتا تھا۔ لینے میں اس کی روحانی موت واقع

आज़ादी के बाद उर्दू अफ़साना

लड़का था और सिर्फ़ उसी शख्स की इज़्ज़त कर सकता था जिस के पास पैसा हो या उस के ढेर सारे पैसे बनाने, बिल्डिंगें खड़ी करने और अम्पाला कार खरीदने का इमकान⁽¹⁾ हो। एक बार संत राम के सवाल पर पाल ने यह बात कह भी दी जिस से बूढ़े को बहुत ठेस लगी। उस के अन्दर क्या कुछ टूट गया, उस का उसे खुद भी अन्दाज़ा न था। उसका कितना जी चाहा था कि वह कहीं चोरी चारी कर के, डाका डाल के या बैंक होल्ड अप कर के लाख रुपये बनाये और उस बेटे के पांव में फेंक कर उस की और उसकी मां की नज़रो में अपनी खोई तौक़ीर⁽²⁾ फिर से हासिल कर सके। लेकिन लाख रुपये खुले खुले नहीं, शातिराना⁽³⁾ डाके से बनता है जिस की इस्तेदाद⁽⁴⁾ संत राम में न थी, जब खसारा⁽⁵⁾ हुआ था तो धोबिन या लोडो या पाल में से किसी ने इतना भी तो न कहा— ए जी, या पप्पा, कोई बात नहीं, ऐसा हो जाता है आप जी मैला क्यों करते हैं? जैसे खोया है, ऐसे ही पा भी लिया जाएगा, जो पैसा बनाने निकलते हैं, खो भी देते हैं, और यह ज़रूरी नहीं के हर नुक़सान उठाने वाल बेवकूफ़ होता है। यह तो वही बात हुई जैसे हर पैसा बनाने वाला अक़लमन्द होता है। क्यों सब ने उसे बूढ़ा और सठियाया हुआ समझ लिया और बीसियों बार उसकी तरफ़ देखे बेग़ैर पास से गुज़र गये थे और उसे यह समझने पर मजबूर कर दिया था कि वह इस दुनिया में अकेला है? इसका तो यही मतलब हुआ ना कि अगर फिर से उस की माली हालत अच्छी हो जाए तो वह इन गुज़री हुई बातों को दिल में रख कर एक हन्टर हाथ में पकड़ ले और किसी भी इनायत से पहले बीवी और बच्चों को मार मार कर नीला कर दे, नहीं यह शौहर और बाप का कर्तव्य नहीं। लेकिन यह क्यों समझ लिया जाए कि बाप का कर्तव्य प्यार देना ही है, लेना नहीं। गोया उसे प्यार की ज़रूरत ही नहीं होती। प्यार की ज़रूरत किसे नहीं होती? एक साल के बच्चे को होती है तो सौ साल के बूढ़े को भी। और तो और अपने काकर नपेल जिम्मी को भी होती है जो इस वक़्त कहीं अपने डरबे में पड़ा सो रहा है और बीच बीच में कहीं से कोई आवाज़ आने पे भौंक उठता है। कैसे प्यार की नज़रें उसकी नज़रों से मिलती हैं तो एक पैग़ाम उस के दिमाग से दुम तक चला जाता है जो कि ना सिर्फ़ खुद बेतहाशा हिलती है बल्कि सारे बदन को भी हिला डालती है। जिस दिन उसे कोई ऐसी

آزادی کے بعد اردو افسانہ

ہو جاتی تھی۔ معلوم ہوتا تھا اسے کاروبار میں خسارے کا اتنا غم نہیں، جتنا اس بات کا ہے کہ اب وہ دے نہیں سکتا۔ اور جب گھر کے لوگ چپکے میں پاس سے گزر جاتے تھے تو وہ ان کی خاموشی کا عجیب الٹا سیدھا مطلب نکالتا تھا۔ وہ نہ جانتا تھا کہ لینے والوں کو بھی عادت پڑ سکتی ہے..... لینے کی۔ پھر دنیا بذات خود ایک سامراجی عمل ہے جو لینے والوں، محکموں کو تباہ و برباد کر ڈالتا ہے۔ اس سلسلے میں سنت رام بہت سفاک واقع ہوا تھا۔ اس نے کئی بار ادھار لے کر بھی بیوی بچوں کو تحفے دیئے جو انھوں نے لے کر رکھ لیے اور بے شعوری کی کھڑکیوں میں سے باہر جھانکنے لگے۔ کسی نے شکر پے کا ایک لفظ بھی تو نہ کہا اور نہ تشکر آمیز نظروں سے اس کی طرف دیکھا۔ سب نے کتنے کینے اور بزدلانہ طریقے سے اپنی محبت روک لی تھی یا شاید سنت رام کو اپنے گھائے کا اس قدر احساس ہو گیا تھا کہ گھر کے لوگوں کی نگاہوں میں اسے اپنے لیے تحقیر کے سوا کچھ دکھائی ہی نہ دیتا تھا۔ ایسا معلوم ہوتا تھا کہ اب وہ اپنے لیے نفرت اور تحقیر ہی کو پسند کرنے لگا ہے اور اس وقت تک خوش نہیں ہو سکتا جب تک کہ وہ اپنی حالت زار پہ چند آنسو نہ بہا لے.....

دھوبن کی چوبیس گھنٹے کی نیکنگ اور نصیحتوں کی سنت رام کو اتنی پروا نہ تھی، کیوں کہ وہ ان پڑھ اور بے زبان ہونے کے ساتھ مہنتی بہت تھی اور صفائی پسند طبیعت سے بہت سی چیزوں کی تلافی کر دیتی تھی لیکن ایک رات بڑھے پیار کے لمحوں میں اس نے ہونٹ چرائیے کیوں کہ سنت رام کے منہ سے سگریٹ کی بو آتی تھی۔ لیکن وہ تو بچپن ہی سے سگریٹ پیتا تھا۔ اب صدیوں کے بعد یہ بو کیسی؟ شاید وہ اسی خسارے کی بو تھی یا شاید دھوبن بوڑھی ہو گئی تھی اور ٹھنڈی اور خشک کیوں کہ یہ جوانی اور اس کی گرمی ہی ہے جس میں بو اڑ جاتی ہے اور روئے زمین کی سب خوشبوؤں پہ چھا جاتی ہے۔ لیکن اگر دھوبن ٹھنڈی اور خشک اور بوڑھی ہو گئی تھی تو وہ خود بھی تو جوان نہ رہا تھا۔ سنت رام! کیوں اسے اس عمر میں ہونٹوں کی طلب تھی؟ بوڑھے اور بے کیف ہونٹوں کی جن مین رس نام کو نہ تھا۔ ان پہ تو صرف جلی کئی تھیں اور کونسنے جن کے سوا اور کچھ آبی نہ سکتا تھا۔ دھوبن سیدھی سادی اور نادان عورت تو یہ بھی نہ جانتی تھی کہ جب ہونٹ چرائیے جائیں تو مرد پہ کیا بیت

आज़ादी के बाद उर्दू अफ़साना

लेकिन प्यार के बेग़ैर नहीं रह सकता। और यहां धोबिन, लाडो, पाल ने उसे जिम्मी के बराबर भी न समझा था।

शायद यह सब इस लिए था कि संत राम ने ज़िन्दगी में सिर्फ़ देना ही सीखा था और अब तो उस की आदत ही हो गई थी। वह जब देता था तो जीता था। लेने में उसकी रूहानी मौत वाक़े हो जाती थी। मालूम होता था उसे कारोबार में ख़सारे का इतना ग़म नहीं, जितना इस बात का है कि अब वह दे नहीं सकता। और जब घर के लोग चुपके में पास से गुज़र जाते थे तो वह उनकी ख़ामोशी का अजीब उलट सीधा मतलब निकालता था। वह न जानता था कि लेने वालों को भी आदत पड़ सकती है लेने की। फिर देना बज़ाते खुद एक साम्राज़ी अमल है जो लेने वालों, महकूमों⁽¹⁾ को तबाहो बरबाद कर डालता है। इस सिलसिले में संत राम बहुत सफ़ाक⁽²⁾ वाक़े हुआ था। उसने कई बार उधार ले कर भी बीवी बच्चों को तोहफ़े दिये जो उन्होंने ले कर रख लिए और बे-शऊरी⁽³⁾ की खिड़कियों में से बाहर झांकने लगे। किसी ने शुक्रिया का एक लफ़्ज़ भी न कहा और न तशक्कुर⁽⁴⁾ आमेज़ नज़रों से उस की तरफ़ देखा। सब ने कितने कमीने और बुज़दिलाना तरीक़े से अपनी मुहब्बत रोक ली थी या शायद संत राम को अपने घाटे का इस क़दर एहसास हो गया था कि घर के लोगों की निगाहों में उसे अपने लिए तहक़ीर⁽⁵⁾ के सिवा कुछ दिखाई ही न देता था। ऐसा मालूम होता था कि अब वह अपने लिए नफ़रत और तहक़ीर ही को पसन्द करने लगा है और उस वक़्त तक खुश नहीं हो सकता जब तक कि वह अपनी हालते ज़ार पे चन्द आंसू न बहा ले

धोबिन की चौबीस घंटे की ... और नसीहतों की संत राम को इतनी परवाह न थी क्यों कि वह अनपढ़ और बद ज़बान होने के साथ मेहनती बहुत थी और सफ़ाई पसंद तबीयत से बहुत सी चीज़ों की तलाफ़ी⁽⁶⁾ कर देती थी लेकिन एक रात बुड़ढे प्यार के लमहों में उस ने होंठ चुरा लिए क्यों कि संत राम के मुंह से सिगरेट की बू आती थी। लेकिन वह तो बचपन ही से सिगरेट पीता था। अब सदियों के बाद यह बू कैसी ? शायद वह उसी ख़सारे की बू थी या शायद धोबिन बूढ़ी हो गई थी और ठंडी और खुशक क्यों कि यह ज़बानी और उसकी गर्मी ही है

1. प्रजा 2. निर्दयी 3. बेअदबी 4. शुक्रिये 5. घृणा 6. क्षतिपूर्ती

جاتی ہے؟ سنت رام انہی کی تلاش میں رل کر ان ہونٹوں پہ اپنے ہونٹ جا رکھتے ہیں جن پہ سوائے نجاست کے اور کچھ نہیں ہوتا۔

یا شاید دھوین، سیرین کی دھوین پہ، مینو پاز، چلا آیا تھا اور اس نے پہلو بدل لیا تھا اور یا اپنے بیج سے اٹھ کر مور پتک کو ہاتھ سے پھینکتی ہوئی دیکھنے والوں کی طرف سے منہ موڑ کر بیٹھ گئی تھی۔ نہ وہ جادو کے ڈبے والا رہا تھا اور نہ وہ معصوم دیکھنے والے۔ یا خود سنت رام پہ وہ وقت چلا آیا تھا جب کہ جوانی ایک بار پھر عود کر آتی ہے اور آدمی کئی بار بدنامی سے بال بال بچتا ہے۔ پہلے کی سی طاقت کے ساتھ شعور اور تجربہ بھی شامل ہو جاتے ہیں اور ایک پختگی اور رسیدگی پا جانے سے انسان خود ہی اپنے آپ میں تعفن پیدا کر لیتا ہے اور تھوڑے پانی والے پوکھری کیچ میں بھینس کی طرح لوٹنے لگتا ہے یا غالباً اس کی وجہ بھی وہی گھانا تھی جو سنت رام نے اپنے کاروبار میں کھایا تھا اور مالی طور پر اپنے آپ کو غیر محفوظ پانے کا احساس محبت میں غیر محفوظ ہونے کے احساس میں بدل کر رہ گیا تھا۔

لاڈ کی تو خیر کوئی بات ہی نہ تھی۔ وہ تو بیانی برس گئی اور اپنے گھر جا بسی۔ وہ تو اب، بابل کے آئین کی چڑیا تھی جو کہیں بھولے ہوئے دانوں کو چنتی ہوئی اڑ جاتی تھی لیکن پال تو یہیں تھا اور اسے یہیں رہنا تھا..... اسی گھر میں، اسی چھت کے تلے جہاں اسے بہو کو لانا اور اسے بسانا تھا۔ کہیں اور گھر لے لینے سے تو باپ کے گھر کی چھت نہیں بدلتی۔ وہ کیوں چند باتوں کو نہیں سمجھتا اور یا سمجھنا ہی نہیں چاہتا؟ کیوں اس کے پاس اپنے بہن بھائیوں، اپنے ماں باپ کے لیے چند منٹ بھی نہ تھے؟ امریکن فرم مین ایکوئینو ہو جانے سے کیا وہ کوئی خدا ہو گیا تھا؟ کیوں وہ اس فرم کے ذریعے سے پرائیویٹ کنٹریکٹ لینے اور یوں پیسہ پیدا کرنے میں کوئی عار نہ سمجھتا تھا۔ وہ ابھی تو باپ سے بات کرتا۔ وہ اس سے پیسے تو نہ مانگتا تھا۔ وہ تو فقط یہی چاہتا تھا کہ اس کا بیٹا اس کے پاس بیٹھے۔ دو تین جسم اکٹھے ہوں جو ایک دوسرے سے نکلے ہیں۔ بدن صرف بدن کالس ہو۔ یہ نہ بھی ہو تو آنکھیں ملیں جو باپ ہی پہ نہیں، آباد اجداد پہ گئی ہیں۔ پاس بیٹھ کر وہ آج کی نئی تعلیم کی باتیں کرے۔ جس سے پرانے بہت پرے تھے آدھی بھی پیچھے رہ گئے ہیں۔ کچھ ان کی دنیا

आज़ादी के बाद उर्दू अफ़साना

बूढ़ी हो गई थी और ठंडी और खुश्क क्योंकि कि यह जवानी और उसकी गर्मी ही है जिस में बू उड़ जाती है और रु-ए-ज़मीन⁽¹⁾ की सब खुशबुओं पे छा जाती है। लेकिन अगर धोबिन ठंडी और खुश्क और बूढ़ी हो गई थी तो वह खुद भी तो जवान न रहा था। संत राम ! क्यों उसे इस उम्र में होठों की तलब थी ? बूढ़े और बेकैफ़ होठों की जिन में रस नाम को न था। उन पे तो सिर्फ़ जली कटी थीं और कोसने जिन के सिवा और कुछ आ ही नहीं सकता था। धोबिन सीधी सादी और नादान औरत तो यह भी न जानती थी कि जब होंठ चुरा लिये जायें तो मर्द पे क्या बीत जाती है ? संत राम इन्हीं की तलाश में रुक कर उन होठों पे अपने होंठ जा रखते हैं जिन पे सिवाये निजासत⁽²⁾ के और कुछ नहीं होता।

या शायद धोबिन, सैरबीन की धोबिन पे, मेनोपॉज़ , चला आया था और उसने पहलू बदल लिया था। और या अपने सेज से उठ कर मोर के पंख को हाथ से फ़ेंकती हुई देखने वालों की तरफ़ से मुंह मोड़ कर बैठ गई थी। न वह जादू के डब्बे वाला रहा था और न वह मासूम देखने वाले या खुद संत राम पे वह वक्त चला आया था जब कि जवानी एक बार फिर औद⁽³⁾ कर आती है और आदमी कई बार बदनामी से बाल बाल बचता है। पहले की सी ताक़त के साथ शऊर और तजुर्बा भी शामिल हो जाते हैं और एक पुख्तगी और रसीदगी पा जाने से इन्सान खुद ही अपने आप में ताअफ़्फ़ून पैदा कर लेता है और थोड़े पानी वाले पोखर की कैच में भँस की तरह लोटने लगता है या ग़ालिबन इस की वजह भी वही घाट थी जो संत राम ने अपने कारोबार में खाया था और माली तौर पर अपने आप को ग़ैर महफूज़ पाने का एहसास मुहब्बत में ग़ैर महफूज़ होने के एहसास में बदल कर रह गया था।

लाडो की तो ख़ैर कोई बात ही न थी। वह तो ब्याही बरस गई और अपने घर जा बसी। वह तो अब 'बाबुल के आंगन की चिड़िया थी जो कहीं भूले हुए दानों को चुनती हुई उड़ जाती थी लेकिन पाल तो यहीं था और उसे यहीं रहना था इसी घर में इसी छत के तले जहां उसे बहू को लाना और उसे बसाना था। कहीं और घर ले लेने से तो बाप के घर की छत नहीं बदलती। वह क्यों चन्द बातों को नहीं समझता और या समझना ही नहीं चाहता ? क्यों उस के पास अपने

1. धरती पर 2. गन्दगी 3. लौट आना

آزادی کے بعد اردو افسانہ

کا پتہ چلے، کچھ اپنی دنیا انھیں دکھائی جاسکے۔ اس سے سیکھیں اور اسے بتا بھی سکیں کہ صرف تعلیم ہی بس نہیں، تجربہ بھی ضروری ہے اور چند حالات میں جیمز بانڈ کے علم سے بہت اوپر ہوتا ہے۔ وہ کبھی، کچھ نہیں تو مشورہ ہی سہی۔ کیوں وہ ایسا ایسی اس قدر خود مختار اور بے نیاز ہو گیا تھا؟ یہ دلیل کافی نہیں کہ وہ بڑا ہو کر اب ماں باپ پہ کسی قسم کا بوجھ نہیں بننا چاہتا۔ بوجھ ہی کی بات ہے تو اب بھی بوجھ ہے۔ کیسے کپڑے اتار کر دھوین کے سامنے پھینک جاتا ہے اور چوں کہ گھر میں کچھ پیسے دیتا ہے اس لیے ماں، ماں ہی نہیں رہی۔ سچ سچ دھوین ہوگئی؟ گھر میں بیسیوں مہمان آنے جاتے ہیں۔ انھیں ایئر پورٹ سے لینا یا گاڑی پر چھوڑنے جانا صرف ماں باپ ہی کا فرض ہے؟ اور کچھ نہیں تو لاڈو ہی کو لینے، ملنے چلا جائے۔ وہ اپنی بیٹی ہے تو اس کی بھی بہن ہے۔ اگر پال یہ سب حرکتیں نا سبھی کے عالم میں کرتا تو کوئی بات نہ تھی لیکن وہ تو بلا کا ذہین تھا اور ایک ہل میں ہر معاملے کی تہہ تک پہنچ جاتا تھا۔ پارسل جب ایک نہایت امیر باپ کی اکلوتی بیٹی سے اس کا رشتہ ہونے کی بات چلی تو کھٹ سے اس نے انکار کر دیا اور بولا..... دس سال مجھے آپ کے چکر سے نکلنے میں لگے ہیں، پاپا! آپ چاہتے ہیں میں اور دس سال ایک امیر کی اکلوتی بیٹی کے چکر سے نکلنے میں گزاردوں؟

کتنے بچے کی بات تھی۔ سنت رام تو اسے سن کر چکت ہو گیا تھا۔ اسے اس بات کا گرو بھی ہوا کہ وہ میرا بیٹا ہونے کے ناطے بہت خوددار واقع ہوا ہے اور افسوس بھی۔ افسوس اس لیے کہ باپ کے چکر سے نکلنے کا مطلب؟ کیا بیٹا باپ کے چکر سے نکل سکتا ہے یا باپ بیٹے کے چکر سے؟ کیا وہ ایک دوسرے سے کبھی الگ نہ ہو سکتے والا حصہ نہیں؟ کیا براغظوں کا فاصلہ ہونے پہ بھی وہ ایک دوسرے سے دور ہوتے ہیں؟ آخر وہ کون اندھا ہے جسے وہ ڈور دکھائی نہیں دیتی جو باپ بیٹے سے وقتی طور پر یا ہمیشہ کے لیے جدا ہوتے ہوئے اپنے پیچھے چھوڑتا اور چھوڑتا ہی چلا جاتا ہے؟ بیٹا چاہے باپ کے جانے کے بعد یہی کہے کہ میرا باپ نالائق آدمی تھا، ہزاروں کا قرض مجھ پہ چھوڑ کے چلتا بنا۔ اس پہ بھی تعلق تو رہتا ہی ہے؟ نالائق بیٹے اور نالائق باپ کا تعلق۔ میں تو مر رہی نہیں سکتا، جب تک اپنی

आज़ादी के बाद उर्दू अफ़साना

बहन भाइयों, अपने माँ बाप के लिए चन्द मिनट भी न थे? अमेरिकन फ़र्म में एगज़िक्यूटिव हो जाने से क्या वह कोई खुदा हो गया था? क्यों वह इस फ़र्म के ज़रिये से प्राइवेट कंटेक्ट लेने और यूँ पैसा पैदा करने में कोई आर⁽¹⁾ ना समझता था। वह कभी तो बाप से बात करता। वह उससे पैसे तो न मांगता था। वह तो फ़क्रत यही चाहता था कि उसका बेटा उसके पास बैठे दो तीन जिस्म इकट्ठे हों जो एक दूसरे से निकले हैं। बदन सिर्फ़ बदन का लम्स हो। यह न भी हो तो आंख मिलें जो बाप ही पे नहीं, आबाओ-अजदाद⁽²⁾ पे गई हैं। पास बैठ कर वह आज की नई तालीम की बातें करें। जिस से पुराने बहुत पढ़े लिखे आदमी भी पीछे रह गए हैं। कुछ उन की दुनिया का पता चले कुछ अपनी दुनिया उन्हें दिखाई जा सके। उस से सीखें और उसे बता भी सकें कि सिर्फ़ तालीम ही बस नहीं, तजुर्बा भी ज़रूरी है और चन्द हालात में जेम्सबांड के इल्म से बहुत ऊपर होता है। वह कभी, कुछ तो मांगे, कुछ नहीं तो मश्विरा ही सही। क्यों वह एका एकी इस क्रदर खुद मुखतार और बेनियाज़⁽³⁾ हो गया था? यह दलील काफ़ी नहीं कि वह बड़ा हो कर अब मां बाप पे किसी क्रिस्म का बोझ नहीं बनना चाहता। बोझ ही की बात है तो अब भी बोझ है। कैसे कपड़े उतार कर धोबिन के सामने फेंक जाता है और चूँकि घर में कुछ पैसे देता है इस लिए मां, मां ही नहीं रही, सच मुच धोबिन हो गई? घर में बीसियों मेहमान आते जाते हैं। उन्हें एयरपोर्ट से लेना या गाड़ी पर छोड़ने जाना सिर्फ़ मां बाप ही का फ़र्ज है? और कुछ नहीं तो लाडो ही को लेने, मिलने चला जाए। वह अपनी बेटी है तो उस की भी बहन है। अगर पाल यह सब हरकतें ना समझी के आलम में करता तो कोई बात न थी। लेकिन वह तो बला का ज़हीन था और एक पल में हर मामले की तह तक पहुँच जाता था। पार साल जब एक निहायत अमीर बाप की इकलौती बेटी से उस का रिश्ता होने की बात चली तो खट से उस ने इंकार कर दिया और बोला दस साल मुझे आप के चक्कर से निकलने में लगे हैं, पप्पा! आप चाहते हैं मैं और दस साल एक अमीर की इकलौती बेटी के चक्कर से निकलने में गुज़ार दूँ?

कितने पते की बात थी संत राम तो उसे सुनकर चकित हो गया था। उसे इस बला का गर्व भी हुआ कि वह मेरा बेटा होने के नाते बहुत खुदार वाक़े हुआ है और अफ़सोस भी। अफ़सोस इस लिए के बाप के चक्कर से निकलने का

اولاد کے لیے کچھ چھوڑ کر نہ جاؤں۔ ایسا ہو تو ان کی ماں دھوین تو مجھے وہاں خدا کے گھر تک نہ چھوڑے گی اور میری روح کا تو یہ تک نہ چھوڑا لے گی۔ لیکن میرے ماں باپ نے میرے لیے کیا چھوڑا تھا؟ اس پہ بھی ان کی عزت میرے دل میں کبھی کم نہ ہوئی۔ کیا پیسہ اور جائیداد چھوڑنے ہی سے کوئی باپ کہلانے کا مستحق ہوتا ہے۔ یہ بات تو اعداد و شمار ہی سے غلط ہے۔ ایک باپ مقروض مرتا ہے، جب ہی دوسرا جائیداد بنا سکتا ہے نا؟ خیر میرا تو ابھی تعلق روڈ پر ایک بنگلہ ہے۔ کیا ہوا گھانٹے کے بعد اس پہ تھوڑا پیسہ لے لیا۔ کیا میں اتنا ہی گیا گزرا ہوں کہ مرنے سے پہلے اس کا رہن بھی نہ چھڑا سکوں؟ پھر گاؤں جگ دل میں زمین ہے، دو سو بیگھ، جس میں سے کچھ بڑوں کی ہے اور کچھ میں نے اپنے پیسے سے بنائی ہے۔ کیا یہ میری ہمت نہیں کہ اتنی مصیبت آپڑنے پہ بھی میں نے اس کا ایک انچ بھی نہیں بیچا؟ میں نے اس لیے نہیں بیچا نا کہ میرے پرکھوں کی روح کو تکلیف نہ ہو اور میرے بیٹے مجھے کو سننے نہ دیں۔ پھر بیمہ ہے۔ بہت ٹوٹ آئی تو خود کشی کر کے بیوی بچوں کو پیسہ دلواسکتا ہوں۔ جیسی سنت رام کو اپنا باپ یاد آیا اور اسکی موت کا وقت، جس میں صدے کی انتہا تھی اور اس کے بچ ایک عجیب سی پراسرار خوشی بھی کہ اب جو بھی اچھا برا کریں گے، اپنا کریں گے۔ اور پال کے سلسلے میں اس بات نے سنت رام کو ایک عجیب طریقے سے مت کر دیا۔ آخر کون بیٹا ہے، جو اپنے دماغ کے کسی کونے میں اپنے باپ کی موت کی خواہش لیے نہ بیٹھا ہو؟

سنت رام کو ایک عجیب سے سکون کا احساس ہوا۔ ساتھ کے کمرے میں آکر اس نے زبرد پاور والا بلب جلایا اور اس کی مدھم سی روشنی میں لاڈو، اس کے بچے بابی اور پھر پال کا چہرہ دیکھا اور کچھ دیر کھڑا دیکھتا رہا۔ وہ اپنے بیٹے میں جی رہا تھا اور پھر اپنے پوتے، پڑپوتے میں.....

جیسی سنت رام کو ایک سگریٹ کی طلب ہوئی۔

ارے یار! سگریٹ بھی کیا چیز ہے جس نے بھی اسے ایجاد کیا حد کر دی۔ کیا ایک ننھا ساریقتی زندگی کا جو آپ کے تھالحوں میں کسی دوسرے کے موجود ہونے کا احساس دلاتا رہتا

आजादी के बाद उर्दू अफसाना

मतलब ? क्या बेटे बाप के चक्कर से निकल सकता है। या बाप बेटे के चक्कर से ? क्या वह एक दूसरे से कभी अलग न हो सकने वाला हिस्सा नहीं ? क्या बर्रेआज़मो⁽¹⁾ का फ़ासला होने पे भी वह एक दूसरे से दूर होते हैं ? आखिर वह कौन अंधा है जिसे वह डोर दिखाई नहीं देती जो बाप बेटे से वक़्ती तौर पर या हमेशा के लिए जुदा होते हुए अपने पीछे छोड़ता और छोड़ता ही चला जाता है ? बेटा चाहे बाप के जाने के बाद यही कहे कि मेरा बाप नालायक आदमी था। हज़ारों के क़र्ज़ मुझ पे छोड़ के चलता बना। उस पे भी ताल्लुक तो रहता ही है ना ? नालायक बेटे और नालायक बाप का ताल्लुक। मैं तो मर ही नहीं सकता जब तक अपनी औलाद के लिए कुछ छोड़ के न जाऊँ। ऐसा हुआ तो उनकी मां धोबिन तो मुझे वहां खुदा के घर तक ना छोड़ेगी और मेरी रूह का तौलिया तक निचोड़ डालेगी। लेकिन मेरे मां बाप ने मेरे लिए क्या छोड़ा था ? उस पे भी उन की इज़्ज़त मेरे दिल मे कभी कम न हुई। क्या पैसा और जायदाद छोड़ने ही से कोई बाप कहलाने का मुसतहिक⁽²⁾ होता है। यह बात तो आदादो-शुमार⁽³⁾ ही से ग़लत है। एक बाप मक़रून⁽⁴⁾ मरता है, जब ही दूर-रा जायदाद बना सकता है ना ? ख़ैर मेरा तो अभी तुग़लक़ रोड पर एक बंगला है। क्या हुआ घाटे के बाद उस पे थोड़ा पैसा ले लिया। क्या मैं इतना ही गया गुज़रा हूँ कि मरने से पहले उसका रहन भी न छुड़ा सकूँ ? फिर गाँव जगदल में ज़मीन है, दो सौ बीघा, जिस में से कुछ बड़ों की है और कुछ मैं ने अपने पैसे से बनाई है। क्या यह मेरी हिम्मत नहीं कि इतनी मुसीबत आ पड़ने पे भी मैं ने उसका एक इन्च भी नहीं बेचा ? मैं ने इस लिए नहीं बेचा ना कि मेरे पुरखों की रूह को तकलीफ़ न हो और मेरे बेटे मुझे कोसने न दें। फिर बीमा है। बहुत टूट आई तो खुदकुशी कर के बीवी बच्चों को पैसा दिलवा सकता हूँ। जभी संत राम को अपना बाप याद आया और उस की मौत का वक़्त, जिस में सदमे की इन्तहा थी और उसके बीच एक अजीब सी पुर-असरार⁽⁵⁾ खुशी भी कि अब जो भी अच्छा बुरा करेंगे, अपना करेंगे। और पाल के सिलसिले में इस बात ने संत राम को एक अजीब तरीक़े से मुक्त कर दिया। आखिर कौन बेटा है, जो अपने दिमाग़ के किसी कोने में अपने बाप की मौत की ख़्वाहिश लिए न बैठा हो ?

संत राम को एक अजीब से सुकून का एहसास हुआ। साथ के कमरे में

ہے اور اس کے نام سے آپ کبھی اکیلا نہیں محسوس کرتے بلکہ وہ خود زندگی ہے، جس کا ایک کنارہ خود زندگی ہی کی طرح دھیرے دھیرے سلگتا اور دوسرا موت کے منہ یا منہ کی موت میں پڑا ہوتا ہے۔ وہ آپ ہی ہر سانس کے ساتھ جیتا اور مرتا ہوا خود راکھ ہو جاتا ہے لیکن آپ کے بکھرے ہوئے خیالوں کو اک نقطے پہ سمیٹ لاتا ہے۔ آپ چند ایسے راز مجھ چکے ہوتے ہیں جن کے بعد اور کچھ سمجھنے کی ضرورت ہی نہیں رہ جاتی۔ لوگ کہتے ہیں اس سے کینسر ہو جاتا ہے..... ہوا کرے..... جو لوگ سگریٹ نہیں پیتے وہ کون سی خضر کی حیات جیتے ہیں؟ دنیا کے ہر بشر کو آخر کوئی نہ کوئی بہانہ تو موت کو دینا ہے۔ سگریٹ کا بہانہ کیوں نہ ہو؟

رات جب سنت رام گھر لوٹا تو سگریٹ لانا بھول گیا تھا اور اس وقت ساڑھے چار بجے دکانیں بند تھیں۔ اور سنت رام کی طلب جو کھلتی ہی جارہی تھی۔ سامنے پال کے سگریٹوں کا پیکٹ پڑا تھا جس کے اوپر ماچس رکھی تھی۔ پال شہزادہ ہونے کے کارن اسٹیٹ ایکسپریس سے ادھر سگریٹ ہی نہ پیتا تھا۔ حالانکہ اس کے باپ کو چار مینار سے لے کر قینچی اور گولڈ فلیک تک سب چلتے تھے۔ اسٹیٹ ایکسپریس پی لوں؟ کیا ضرورت ہے؟ کیا میں چھ سات بجے تک انتظار نہیں کر سکتا جب کہ پان بیڑی کی دکانیں کھلنے لگتی ہیں۔ لیکن انتظار کرنے دے تو پھر وہ سگریٹ نہیں، دودھ کا گلاس ہوا۔ سنت رام کا ہاتھ پیکٹ کی طرف لپک گیا۔ زبرد پاور کے بلب کی روشنی میں اس نے دیکھا، پیکٹ میں صرف دو ہی سگریٹ تھے۔ ایک تو ہاتھ روم کے لیے چاہیے ہی تھا اور دوسرا؟ کیا پتا ایک سگریٹ سے اس کا کام نہ چلتا ہو اور دوسرے کی بھی ضرورت محسوس ہو۔ اس وقت نہیں تو شیو کے بعد ہی سہی۔ یا ناشتے کے بعد۔ اس علاقے میں اسٹیٹ ایکسپریس کہاں ملتے ہیں جو اڑالینے کے بعد نو دس بجے سے پہلے چوری چپکے رکھ دیئے جائیں۔ جب کہ پال اٹھتا تھا۔ رکھ بھی کیسے دیئے جائیں، کیوں کہ ان سگریٹوں کے لیے کناٹ بیس جانا اور آنا پڑتا تھا جس کا مطلب تھا آدھا گیلن پٹرول پھونک دینا..... ایک سگریٹ کے لیے! اس سے اچھا ہے کہ چھ ساڑھے چھ بجے تک انتظار کر لیا جائے۔

لیکن صاحب، سگریٹ بلاتا ہے تو اتنی زور کی آواز دیتا ہے کہ کانوں کے پردے پھٹ

आजादी के बाद उर्दू अफ़साना

उसके बच्चे बॉबी और फिर पाल का चेहरा देखा और कुछ देर खड़ा देखता रहा। वह अपने बेटे में जी रहा था और फिर अपने पोते, पड़पोते में...

जभी संत राम को एक सिगरेट की तलब हुई।

अरे यार! सिगरेट भी क्या चीज़ है। जिस ने भी इसे ईजाद किया हद कर दी। क्या एक नन्हा सा रफ़ीक़⁽¹⁾ ज़िन्दगी का जो आप के तनहा लम्हों में किसी दूसरे के मौजूद होने का एहसास दिलाता रहता है और उस के नाम से आप कभी अकेला नहीं महसूस करते बल्कि वह खुद ज़िन्दगी है, जिसका एक किनारा खुद ज़िन्दगी ही की तरह धीरे धीरे सुलगता और दूसरा मौत के मुंह या मुंह की मौत में पड़ा होता है। वह आप ही हर सांस के साथ जीता और मरता हुआ खुद राख हो जाता है लेकिन आप के बिखरे हुए ख़यालों को एक नुक्ते पर समेट लाता है। आप चंद ऐसे राज समझ चुके होते हैं जिन के बाद और कुछ समझने की ज़रूरत ही नहीं रह जाती। लोग कहते हैं, इस से कैन्सर हो जाता है—हुआ करे..... जो लोग सिगरेट नहीं पीते वह कौन सी खिज़्र⁽²⁾ की हयात जीते हैं? दुनिया के हर बशर⁽³⁾ को आखिर कोई न कोई बहाना तो मौत को देना है। सिगरेट का बहाना क्यों न हो?

रात जब संत राम घर लौट तो सिगरेट लाना भूल गया था। और इस वक़्त साढ़े चार बजे दुकानें बंद थीं और संत राम की तलब जो खुलती ही जा रही थी। सामने पाल के सिगरेटों का पैकेट पड़ा था जिस के ऊपर माचिस रखी थी। पाल शहज़ादा होने के कारण स्टेट एक्सप्रेस से इधर सिगरेट ही न पीता था। हालांकि उस के बाप को चार मीनार से लेकर क़ैची और गोल्ड फ़्लैक तक सब चलते थे। स्टेट एक्सप्रेस पी लूं? क्या ज़रूरत है? क्या मैं छह सात बजे तक इंतज़ार नहीं कर सकता जब कि पान बीड़ी की दुकानें खुलने लगती हैं। लेकिन इंतज़ार करने दे तो फिर वह सिगरेट नहीं, दूध का गिलास हुआ। संत राम का हाथ पैकेट की तरफ लपक गया। जीरो पावर के बल्ब की रोशनी में उस ने देखा, पैकेट में सिर्फ दो ही सिगरेट थे। एक तो बाथरूम के लिए चाहिए ही था और दूसरा? क्या पता एक सिगरेट से उस का काम न चलता हो और दूसरे की भी ज़रूरत महसूस हो। इस वक़्त नहीं तो शेव के बाद ही सही। या नाश्ते के बाद। इस इलाक़े में स्टेट एक्सप्रेस कहां मिलते हैं जो उड़ा लेने के बाद नौ दस बजे से

1. मित्र 2. एक पैग़म्बर जो हमेशा जीवित रहेंगे 3. व्यक्ति

آزادی کے بعد اردو افسانہ

جاتے ہیں وہ آواز نہ پینے والوں کو سنائی نہیں دیتی۔ ان کے کان سر میں نہیں رہتے تا۔ کیوں نہ بھیکو، اپنے نوکر سے سگریٹ لے لیا جائے؟ وہ تو بیڑی پیتا ہے، بیڑی ہی سہی۔ لیکن بھیکو کو اس کی کبھ کرن کی نیند سے جگانے کا مطلب تو یہ ہوا کہ پورا پہاڑ کھودو اور پھر اس سے کنکری کی فرمائش کرو کیوں کہ بھیکو ہمیشہ ہڑبڑا کر کیا ہوا کیا ہوا کہتا ہوا اٹھتا تھا جس سے گھر کے سب لوگ جگ جاتے تھے۔ اس کینے کی نیند بدعنوانیوں کی وجہ سے بھی نہ پکتی تھی۔ ارے ہاں، باہر چوکیدار بھی تو ہے۔ سنت رام نے دروازہ کھول کر جھانکا اور بتیوں کی روشنی میں ادھر ادھر دیکھا۔ چوکیدار کا کہیں ختم بھی نظر نہ آتا تھا۔ پونے پانچ بجے تھے اور وہ اپنی سمجھ میں پانچ بجا کر اپنی ڈیوٹی پوری کرتے ہوئے کسی چور کے ساتھ جا سویا تھا۔ بیکار ہی ہم لوگ اسے پیسے دیتے تھے۔ کون سا ڈاکہ پڑنے والا تھا؟ جب کہ سامنے پولیس کی چوکی تھی۔ بھیکو چوکیدار یا چوکی کے کسی سنتری سے بیڑی مانگنے سے تو یہی اچھا ہے کہ اپنے بیٹے کا اسٹیٹ ایکسپریس پیا جائے، اسے برا تو لگے گا، مگر جو ہوگا دیکھا جائے گا.....

چنانچہ سنت رام نے پیکٹ اٹھایا اور ایک سگریٹ نکال کر سلگایا۔ ایک ہی کش سے سنت رام کا اضطراب آدھا رہ گیا تھا، دوسرے کش سے ایک چوتھائی، اس حساب سے تو تیسرے چوتھے کش سے پوری تسلی ہونی چاہیے تھی۔ لیکن سگریٹ کا بھی عجیب حساب کتاب ہوتا ہے، جیسے اضطراب کا اپنا لالچ۔ چوتھے کش کے بعد اضطراب کے کم ہونے کی رفتار گھٹ جاتی ہے اور سگریٹ کے جلنے کی زیادہ۔ بہر حال بہت مزہ آیا۔ اسٹیٹ ایکسپریس اتنا اسٹراٹک سگریٹ تو نہیں جتنا چار مینار، مگر اچھا ہے۔

پورا سگریٹ پی چکنے کے بعد سنت رام کو محسوس ہوا کہ اس نے برا کیا۔ وہ تھوڑی دیر کے لیے ایک سگریٹ کے بغیر نہیں رہ سکتا تھا؟ نہیں۔ جوانی میں آدمی اپنے حواس پہ قابو رکھ سکتا ہے۔ بڑھاپے میں نہیں۔ آخر بیٹے کا سگریٹ پیا ہے نا؟ مجھے خوشی ہوئی چائے اور اگر وہ میرا بیٹا ہے تو اسے بھی کیسا مزا آیا۔ چھوٹی چوری میں بہت مزا ہوتا ہے۔ جیسی بابلی کے بڑبڑانے کی آواز آئی۔ ماروں گا، میں تم کو ماروں گا۔ وہ خواب میں کسی سے لڑ رہا تھا۔ لاڈو نے آدھے سوئے، آدھے جاگے عالم میں اسے تھپکنا شروع کیا۔ سو جا بابلی، سو جا، بابلی

आज़ादी के बाद उर्दू अफ़साना

एक्सप्रेस कहां मिलते हैं जो उड़ा लेने के बाद नौ दस बजे से पहले चोरी चुपके रख दिये जायें, जब कि पाल उठता था। रख भी कैसे दिए जाएँ, क्योंकि इन सिगरेटों के लिए कनाट पैलेस जाना और आना पड़ता था। जिस का मतलब था आधा गैलन पेट्रोल फूंक देना—एक सिगरेट के लिए! इस से अच्छा है कि छः साढ़े छः बजे तक इंतज़ार कर लिया जाए।

लेकिन साहब, सिगरेट बुलाता है तो इतनी ज़ोर की आवाज़ देता है कि कानों के परदे फट जाते हैं वह आवाज़ न पीने वालों को सुनाई नहीं देती। उन के कान सुर में नहीं रहते ना। क्यों न भीकू अपने नौकर से सिगरेट ले लिया जाये? वह तो बीड़ी पीता है, बीड़ी ही सही। लेकिन भीकू को उस की कुंभकरन की नींद से जगाने का मतलब तो यह हुआ कि पूरा पहाड़ खोदो और फिर उस से एक कंकरी की फ़रमाईश करो क्योंकि भीकू हमेशा हड़बड़ा कर, क्या हुआ क्या हुआ कहता हुआ उठता था जिस से घर के सब लोग जग जाते थे। उस कमीने की नींद बदउनवानियों⁽¹⁾ की वजह से भी न पकती थी। अरे हां, बाहर चौकीदार भी तो है। संत राम ने दरवाज़ा खोल कर झांका और बत्तियों की रौशनी में इधर उधर देखा। चौकीदार का कहीं तुर्रु⁽²⁾ भी नज़र न आता था। पौने पांच बजे थे और वह अपनी समझ में पांच बजा कर अपनी ड्यूटी पूरी करते हुए किसी चोर के साथ जा सोया था। बेकार ही हम लोग उसे पैसे देते थे। कौन सा डाका पड़ने वाला था? जब कि सामने पुलिस की चौकी थी। भीकू चौकीदार या चौकी के किसी सन्तरी से बीड़ी मांगने से तो यही अच्छा है कि अपने बेटे का स्टेट एक्सप्रेस पिया जाये, उसे बुरा तो लगेगा, मगर जो होगा देखा जाएगा.....

चुनानचे संत राम ने पैकेट उठाया और एक सिगरेट निकाल कर सुलगाया। एक ही कश से संत राम का इज़तेरार⁽³⁾ आधा रह गया था, दूसरे कश से एक चौथाई। इस हिसाब से तो तीसरे चौथे कश से पूरी तसल्ली होनी चाहिए थी। लेकिन सिगरेट का भी अजीब हिसाब किताब होता है, जैसे इज़तेरार का अपना लॉजिक। चौथे कश के बाद इज़तेरार के कम होने की रफ़्तार घट जाती है और सिगरेट के जलने की ज़्यादा। बहरहाल बहुत मज़ा आया। स्टेट एक्सप्रेस इतना स्ट्रॉंग सिगरेट तो नहीं जितना चार मीनार, मगर अच्छा है।

पूरा सिगरेट पी चुकने के बाद संत राम को महसूस हुआ कि उस ने बुरा

آزادی کے بعد اردو افسانہ

سو گیا اور وہ بھی سو گئی۔ پال کو کچھ پتہ نہ تھا۔ اس کے خزانے تو جا چکے تھے البتہ ناک میں کوئی چیز اڑے ہونے کے کارن سیٹی سی بج رہی تھی۔ جیسی اندر سے دھوبن کی آواز آئی۔
”سگریٹ پی رہے ہو؟“

”ہاں“ سنت رام نے وہیں سے کہا۔

جس کے جواب میں وہ وہیں سے بولی۔ ”صبح صبح شروع ہو جاتے ہو۔ دن تو چڑھنے دو..... یوں کلیجہ جلانے سے بیمار ہو گے کہ نہیں ہو گے؟“

سنت رام نے دل ہی دل میں کہا..... میری بیماری کی جیسے بہت پروا ہے۔ یہ گھر کے لوگ، جب پروا کرنی ہوتی ہے تو نہیں کرتے اور جب نہیں کرنی ہوتی تو کرنے لگتے ہیں۔ اس نے اندر کے کمرے کی طرف منہ کر کے صرف اتنا کہا ”تم سو جاؤ، ابھی سوا پانچ ہوئے ہیں۔“

دھوبن کی آواز اس انگڑائی میں سے چھن کے آئی۔ ”نہیں مجھے ہیٹر لگانا ہے، پانی گرم کرنا ہے۔ بہت کپڑوں کا ڈھیر ہے.....“

جیسی دھوبن کے اٹھنے کی آواز آئی۔ ہاں صاحب جب عورتیں اٹھتی ہیں تو وہ اس بات کا رکھ رکھاؤ نہیں کرتیں کہ کھٹ پٹ سے کوئی ڈسٹرب ہوگا۔ وہ بستر کی چادر کو چھانٹ رہی تھی جیسے اس پر کہیں سے ریت آپڑی ہو۔ پھر الماری کی کئیں سنائی دی اور اس میں سے دودھ کے لیے پیسے نکلے۔ پھر سینڈل کی کھٹ کھٹ جو برسوں پہلے اچھی لگتی اور دماغ میں فتور پیدا کرتی تھی، اب یوں معلوم ہوتا تھا جیسے ہتھوڑے پڑ رہے ہیں۔

چادر چھانٹتے ہوئے دھوبن کی آواز آئی۔ ”اوف، اوف۔ دماغ جل گیا ہے، سگریٹ کی بو ہے۔“

”اچھا اچھا“ سنت رام نے کہا ”تمہیں بو آتی رہتی ہے۔“

دھوبن کو واقعی بہت بو آتی تھی۔ جو غالباً عمر کا تقاضا تھا۔ چوتھے کمرے میں کوئی سگریٹ بپے۔ اسے وہیں سے پتا چل جاتا تھا۔ ایسے ہی دسکی شراب کا۔ چاہے کسی نے صرف جکھا ہی ہو۔ اس کی کنجوسی، اس کے اخلاقی طور پر اچھا ہونے، نے گھر کے سب

आज़ादी के बाद उर्दू अफ़साना

किया। वह थोड़ी देर के लिए एक सिगरेट के बगैर न रह सकता था? नहीं - जवानी में आदमी अपने हवास पे क़ाबू रख सकता है, बुढ़ापे में नहीं। आखिर बेटे का सिगरेट पिया है ना? मुझे खुशी होनी चाहिए और अगर वह मेरा बेटा है तो उसे भी कैसा मज़ा आया। छोटी चोरी में बहुत मज़ा होता है। जभी बॉबी के बड़बड़ाने की आवाज़ आयी। मारुंगा, मैं तुम को मारुंगा। वह ख़्वाब में किसी से लड़ रहा था। लाडो ने आधे सोए, आधे जागे आलम में उसे थपकना शुरू किया। सो जा बॉबी-बॉबी सो गया और वह भी सो गई। पाल को कुछ पता न था। उस के ख़रटे तो जा चुके थे अलबत्ता नाक में कोई चीज़ अड़े होने के कारण सीटी सी बज रही थी। जभी अन्दर से धोबिन की आवाज़ आयी

“सिगरेट पी रहे हो?”

“हां”, संत राम ने वहीं से कहा।

जिस के जबाब में वह वहीं से बोली। “सुबह सुबह शुरू हो जाते हो। दिन तो चढ़ने दो.....यूं कलेजा जलाने से बीमार होंगे कि नहीं होंगे?”

संत राम ने दिल ही दिल में कहा---मेरी बीमारी की जैसे बहुत परवाह है। यह घर के लोग, जब परवाह करनी होती है तो नहीं करते और जब नहीं करनी होती तो करने लगते हैं। उस ने अंदर के कमरे की तरफ़ मुंह करके सिर्फ़ इतना कहा “तुम सो जाओ, अभी सवा पांच हुए हैं।

धोबिन की आवाज़ उस अंगड़ाई में से छन के आई। नहीं मुझे हीटर लगाना है, पानी गर्म करना है। बहुत कपड़ों का ढेर है.....

जभी धोबिन के उठने की आवाज़ आई। हां साहब जब औरतें उठती हैं तो वह इस बात का रख रखाव नहीं करती की खट पट से कोई डिसटर्ब होगा। वह बिस्तर की चादर को झाड़ रही थी जैसे उस पर कहीं रेत आ पड़ी हो।

फिर आलमारी की कौं सुनाई दी और उस में से दूध के लिए पैसे निकले। फिर सैन्डल की खट खट जो बरसों पहले अच्छी लगती और दिमाग में फ़तूर पैदा करती थी, अब यूं मालूम होता था जैसे हथौड़े पड़ रहे हैं।

चादर उर्दू में दूसरा लफ़्ज़ है हुए धोबिन की आवाज़ आई---“ओफ़, ओफ़---दिमाग जल गया है, सिगरेट की बू से।

“अच्छा अच्छा” संत राम ने कहा। “तुम्हें बू आती रहती है।”

धोबिन को वाकई बहुत बू आती थी, जो गालिबन उम्र का तक्काज़ा था।

لوگوں کو چور بنا دیا تھا۔ سب بے حال ہو کر غلٹیں کرتے اور پھر انھیں چھپانے کی کوشش کرتے تھے لیکن دھو بن سے کوئی نہ چھپا سکتا تھا۔ کئی بار ایسا ہی ہوا کہ آپ نے باہر نکل کر بالکنی پر جا کر سگریٹ سلگایا لیکن جب مڑ کر دیکھا تو دھو بن موجود جس سے سگریٹ کا مزہ ہی جاتا رہا۔ اس کی اس روک ٹوک نے پال میں بغاوت کا جذبہ پیدا کر دیا تھا۔ اب وہ کھلے بندوں سگریٹ پیتا تھا بلکہ اس نے اسکاچ کی ایک بوتل گھر ہی میں لا رکھی تھی۔ باہر سے آنے پر جب اسے محسوس ہوتا کہ شراب کم پڑی ہے تو ایک آدھ پیگ گھر ہی میں لے لیتا۔ ماں سے اس کی کئی بار لڑائی ہوئی تھی۔ دھو بن آخر اس سے ہار گئی تھی۔ اس نے کہا بھی تو اتنا..... ”میرا کیا ہے؟ جو آئے گی، اپنی قسمت کو روئے گی“

سگریٹ!..... دراصل مرد اور عورت کی بو کو ایک ہونا چاہیے، ورنہ سب تباہ ہو جاتا ہے۔ اس تباہی کے کارن سنت رام نے اپنی ٹائپسٹ ڈولی کو پہلے سگریٹ پلا لیا تھا۔ پال اٹھے گا تو کیا کہے گا؟ یوں ایک سگریٹ پی لینے میں تو کوئی بات نہیں لیکن کسی عمل، کسی ذائقے کا تکمیل نہ پانا برا ہوتا ہے۔ یہ ایسے ہی جیسے دو محبت کرنے والوں میں کوئی تیسرا آجائے۔ پھر پال کئی باتوں میں کس قدر کینہ ہے۔ ایک بار اس کا جوتا پھن لیا تو وہ کتنا جزبز ہوا تھا۔ اس نے جوتے کو یکسر پھینک ہی دیا اور کہنے لگا میرے اور چپا کے پیر ایک ہیں کیا؟ اب یہ کھل گیا ہے اور میرے کام کا نہیں۔ سنت رام کو بہت دکھ ہوا۔ ایک بار بیٹے کا جوتا پھن لیا تو کیا ہو گیا؟ بیسیوں بار اس نے میرا چپل پہنا ہے۔ میں نے تو کچھ نہیں کہا ہے۔ الٹا مجھے خوشی ہوئی اس احساس کے ساتھ میرے بیٹے نے میرا جوتا پہنا ہے۔ اور بڑوں کا یہ کہنا بھی دماغ میں آیا کہ جب باپ کا جوتا بیٹے کو برابر آجائے تو پھر اسے کچھ نہیں کہتے۔ چنانچہ جب سے میں نے سب کہنا سننا چھوڑ دیا۔ ایک بار اس نے کسی اسمگلر سے امریکی جرکن خریدی تھی، جو مجھے بہت اچھی لگی، پال کو بھی بہت اچھی لگی تھی جیسی تو اس نے خریدی۔ لیکن میں ہمیشہ کی طرح اپنے بڑا چپے کے کارن اپنے پہننے کے جذبے کو روک نہ سکا۔ چنانچہ میں نے پھن لی۔ اس کے رنگ بڑے شوخ و شنگ تھے اور مجھے اسے پہننے میں بڑا مزہ آیا۔ لیکن پہلے تو دھو بن نے میرے مزے کو کرکرا کیا۔ وہ مجھے دیکھ کر ہنس دی۔

आजादी के बाद उर्दू अफसाना

चौथे कमरे में कोई सिगरेट पिए। उसे वहीं से पता चल जाता था। ऐसी ही व्हिस्की शराब का। चाहे किसी ने सिर्फ़ चखा ही हो। उस की कंजूसी, उस की अख़लाक़ी तौर पर अच्छा होने ने घर के सब लोगों को चोर बना दिया था। सब बेहाल हो कर इल्लतें⁽¹⁾ करते और और उन्हें छुपाने की कोशिश करते थे लेकिन धोबिन से कोई न छिपा सकता था। कई बार ऐसा हा हुआ कि आप ने बाहर निकल कर बालकोनी पर जा कर सिगरेट सुलगाया लेकिन जब मुड़ कर देखा तो धोबिन मौजूद जिस से सिगरेट का मज़ा ही जाता रहा। उस की इस रोक टोक ने पाल में बगावत का जज़्बा पैदा कर दिया था। अब वह खुले बंदों सिगरेट पीता था बल्कि उस ने स्क्वॉच की एक बोटल घर ही में ला रखी थी। बाहर से आने पर जब उसे महसूस होता कि शराब कमरे में पड़ी है तो एक आध पैग घर ही में लगा लेता। मां से उस की कई बार लड़ाई हुई थी। धोबिन आखिर उस से हार गई थी। उस ने कहा भी तो इतना-- "मेरा क्या है? जो आयेगी, अपनी क्लिस्मत को रोयेगी"।

सिगरेट!..... दरअसल मर्द और औरत की बू को एक होना चाहिए, वरना सब तबाह हो जाता है। इस तबाही के कारण संत राम ने अपनी टर्ईपिस्ट डौली को पहले सिगरेट पिला लिया था।

पाल उठेगा तो क्या कहेगा? यूँ एक सिगरेट पी लेने में तो कोई बात नहीं लेकिन किसी अमल, किसी ज़ायक़े का तकमील⁽²⁾ ना पाना बुरा होता है। यह ऐसे ही जैसे दो मुहब्बत करने वालों में कोई तीसरा आ जाए। फिर पाल कई बातों में किस क़दर कमीना है। एक बार उस का जूता पहन लिया तो कितना जिज़-बिज़⁽³⁾ हुआ था। उस ने जूते को यकसर फ़ेंक ही दिया और कहने लगा मेरे और पप्पा के पैर एक हैं क्या? अब यह खुल गया है और मेरे काम का नहीं। संत राम को बहुत दुख हुआ। और एक बार बेटे का जूता पहन लिया तो क्या हो गया? बीसियों बार उसने मेरा चप्पल पहना है। मैं ने तो कुछ नहीं कहा है। उल्टा मुझे खुशी हुई इस एहसास के साथ मेरे बेटे ने मेरा जूता पहना है। और बड़ों का यह कहना भी दिमाग़ में आया कि जब बाप का जूता बेटे को बराबर आ जाये तो फिर उसे कुछ नहीं कहते। चुनानचे जब से मैं ने सब कहना सुनना छोड़ दिया।

एक बार उसने किसी स्मगलर से अमरीकी ज़रकीन ख़रीदी थी जो

”کیا ہوا؟“ میں نے پوچھا۔

وہ اندر ہی اندر اپنی ہنسی دبائے ہوئے بولی۔ ”کچھ نہیں.....“ اور پھر وہ رہ بھی نہ سکی اور کہنے لگی..... ”کیسے گھوم رہے ہو، جیسے دیسی مرغ مرغی کے گرد گھومتا ہے!“

یہ جذبات کا دھوبی پڑھ تھا، خیر!

لیکن رہی سہی کسر پال نے ہی پوری کر دی۔ میں نے اپنا شوق پورا کرنے کے بعد اس جرکن کو بڑی احتیاط سے وارڈ روب میں ٹانگ دیا لیکن صبح ہی تو پال جرکن کو میرے پاس لے آیا اور بولا..... ”چپا! آپ ہی اسے پہن لیجئے“

میں نے مجرمانہ انداز سے کہا۔ ”کیوں..... تم کیوں نہیں پہنتے؟“

”یہ میرے کام کا نہیں رہا۔“ وہ بولا۔ ”دیکھتے نہیں آپ کا پیٹ بڑا ہے۔ آپ کے پہننے سے الاسٹک چلا گیا ہے۔ اس کا۔“

مجھے بے حد غصہ آیا اور میں اس پہ برس پڑا۔ میں نے کہا۔ میں تمہارا باپ ہوں۔ جرکن پہن لی اور تمہارا نقصان کر دیا۔ تم نے سینکڑوں نہیں ہزاروں بار میرا نقصان کیا ہے، میں نے کبھی تمہیں کچھ کہا ہے؟ الٹا میں خوش ہوا ہوں۔ چلو یوں کہہ لو کہ باہر سے ناراضی کا ثبوت دیا ہے لیکن اندر سے میں کتنا خوش تھا۔ تم سینکڑوں بار میری قیص، میرا جوتا پہن گئے ہو، میں نے یہی کہا..... ”میرا بیٹا، میرے کپڑے پہنتا ہے اور تم نے اسی طرح اس دن تین گھوڑے والی بوکی قیص میرے منہ پہ دے ماری۔ تم نہایت کینے، نہایت بے شرم آدمی ہو۔“ بجائے اس کے کہ پال کو افسوس ہو وہ میرے ساتھ دلیل بازی پر اتر آیا۔ ”آپ پان کھاتے ہیں۔“ وہ کہنے لگا ”اور اس کا کوئی نہ کوئی چھیننا اس پہ پڑ جاتا ہے۔ کیا وہ قیص پھر میرے پہننے کے لائق رہتی ہے۔“

ان دنوں بھی لاڈو یہاں اپنے میکے آئی ہوئی تھی۔ اس جھگڑے میں وہ بھی پاس آکھڑی ہوئی اور بول اٹھی۔ ”چپا بالکل میری طرح ہیں.....“

ان دنوں چھوٹے دنوں بھی جو اس وقت اپنے ماموں کے ہاں گڑگاؤں گئے ہوئے تھے، یہیں تھے۔ چھٹکی بھیکو کی مدد سے بستر کی سلٹیں نکالتی ہوئی بولی۔ ”ہاں! بات کرتے

आज़ादी के बाद उर्दू अफ़साना

मुझे बहुत अच्छी लगी, पाल को भी बहुत अच्छी लगी थी जबी तो उसने ख़रीदी। लेकिन मैं हमेशा की तरह अपने बुढ़ापे के कारण अपने पहनने के ज़ब्बे को रोक न सका। चुनानचे मैं ने पहन ली। उसके रंग बड़े शोख़ व शंग थे और मुझे उसे पहनने में बहुत मज़ा आया। लेकिन पहले तो धोबिन ने मेरे मज़े को किरकिरा किया। वह मुझे देख कर हंस दी।

“क्या हुआ ? ” मैं ने पूछा।

वह अन्दर ही अन्दर अपनी हँसी दबाये हुए बोली। “कुछ नहीं..... ” और फिर वह रह भी न सकी और कहने लगी “कैसे घूम रहे हो, जैसे देसी मुर्गा मुर्गी के गिर्द घूमता है।”

यह ज़ब्बात का धोबिन पटरा था, खैर !

लेकिन रही सही कसर पाल ने ही पूरी कर दी। मैं ने अपना शौक़ पूरा करने के बाद उस जरकीन है को बड़ी एहतेयात से वार्डरोब में टाँग दिया। लेकिन सुबह ही तो पाल उर्दू से अलग ह को मेरे पास ले आया और बोला..... “पप्पा ! आप ही इसे पहन लीजिए।”

मैं ने मुजरिमाना अन्दाज़ से कहा “क्यों तुम क्यों नहीं पहनते ?”

“यह मेरे काम का नहीं रहा।” वह बोला “देखते नहीं आप का पेट बड़ा है। आप के पहनने से एलास्टिक चला गया है, इसका।”

मुझे बेहद गुस्सा आया और मैं उस पर बरस पड़ा। मैं ने कहा, मैं तुम्हारा बाप हूँ। उर्दू से अलग ह पहन ली और तुम्हारा नुक़सान कर दिया। तुम ने सैकड़ों नहीं हजारों बार मेरा नुक़सान किया है। मैं ने कभी तुम्हें कुछ कहा है ? उल्टा मैं खुश हुआ हूँ। चलो यूँ कह लो कि बाहर से नाराज़गी का सबूत दिया है लेकिन अन्दर से मैं कितना खुश था। तुम सैकड़ों बार मेरी क़मीज़ मेरा जूता पहन चुके हो। मैं ने यही कहा। “मेरा बेटा, मेरे कपड़े पहनता है” और तुम ने इसी तरह उस दिन तीन घोड़े वाली बोसकी क़मीज़ मेरे मुंह पर दे मारी। तुम निहायत कमीने निहायत बेशर्म आदमी हो।”

बजाय इसके के पाल को अफ़सोस हो वह मेरे साथ दलीलबाज़ी⁽¹⁾ पर उतर आया “आप पान खाते हैं।” वह कहने लगा। “और उसका कोई न कोई छोट्टा उस पर पड़ जाता है। क्या वह क़मीज़ फिर मेरे पहनने के लायक़ रहती है।”

1. तर्क देना

ہیں تو لاڈ و دیدی کی طرح منہ کی ساری پھوار سامنے والے پہ چھوڑ دیتے ہیں۔ تماشا اس وقت ہوتا ہے جب کہیں بچا اور لاڈ و آپس میں بات کر رہے ہوں، تو۔“

لاڈ و ہنس رہی تھی۔ دوسرے سب سن رہے تھے۔ نہ چاہنے کے باوجود میرے چہرے پہ بھی مسکراہٹ چلی آئی تھی۔ بات سنجیدہ رہی تھی اور نہ مضحک۔ میں نے ٹالتے ہوئے کہا بھی تو اتنا..... ”ہاں آخر لاڈ و کا باپ ہوں نا، اس پہ گیا ہوں نا!“

اور تو اور چھوٹا دمن بھی ہنس رہا تھا۔ بخیلوں کی طرح۔ پھیپھڑے پیدا انٹی طور پر کمزور ہونے کے کارن وہ کبھی کھل کے نہ ہنسا۔ ”ہی ہی، پان کھاتے ہیں نا پنا۔“ اس نے کہا۔ ”تو قیص پہ سامنے تو لگتا ہی ہے، لیکن پیٹھ پہ نہ جانے کیسے لگتا ہے؟“ یہ سب سمجھتے تھے میں پان منہ سے تو کھاتا ہی نہیں، قیص سے کھاتا ہوں۔ اس پہ طرفہ دھوبن منظر پہ چلی آئی۔ میرا خیال تھا ماں ہونے کے ناطے وہ باپ کا پکش لے گی لیکن صاحب اس نے الٹا بیٹے بیٹیوں کی تائید شروع کر دی۔ ”کیا پوچھتے ہو ان کا۔“ وہ بولی ”بالکل بابی ہیں دوسرے۔ کھانا کھائیں گے تو سالن کرتے پہ گرا ہوگا۔ لکھنے بیٹھیں گے تو سیاہی۔ میں ان کا کروں کیا؟ پتہ تو مجھے چلتا ہے نا۔ دھوتے دھوتے جس کے ہاتھ رہ جاتے ہیں۔ پر میری قسمت، عمر گزر گئی میری، ان کے داغ نکالتے نکالتے.....“

صرف ایک بابی رہ گیا تھا۔ اس کے ہاتھ میں ایک چھوٹا سا بانس تھا، جس سے وہ ”بڈھا بابا“ کو بھگا رہا تھا۔ ”ماروں گا۔“ وہ خلا میں خیالی دشمن کو خطاب کرتے ہوئے کہہ رہا تھا۔ مجھے یوں محسوس ہونے لگا جیسے اس کا بڈھا بابا، اس کا خیالی دشمن میں ہوں۔ پھر جی کے بھونکنے کی آواز آئی جسے اتفاقیہ بات کہہ لیجئے۔ بھیکو بجلی کا بل چکانے چلا گیا تھا ورنہ وہ اپنی مکھی بولی میں کہتا۔ ”ہم میاں بی بی کا جھگڑا میں نا ہیں پر بو۔“ اور یہ بات اور بھی میرے خلاف ہو جاتی۔ گھر بھر میرا دشمن ہو گیا تھا۔ ایسا پہلے تو نہ تھا، چند برس پہلے۔ جب سے مجھے کاروبار میں گھانا پڑا ہے۔ دنیا ہی بدل گئی۔ کسی کو مری بات ہی پسند نہیں۔ یا شاید میں بوڑھا ہو گیا ہوں اس لیے سب کو برا لگتا ہوں۔ مجھے ان کے سامنے سے ٹل جانا چاہیے۔ اس دنیا سے ٹل جانا چاہیے۔ لیکن میں جاؤں تو کہاں جاؤں؟ میں نے اس گھر، ان

आज़ादी के बाद उर्दू अफ़साना

उन दिनों भी लाडो यहां अपने मैके आई हुई थी। इस झगड़े में वह भी पास आ खड़ी हुई और बोल उठी। “पप्पा बिल्कुल मेरी तरह हैं”

उन दिनों छोटे दोनों भी जो इस वक़्त अपने मामू के यहाँ गुड़गांव गये हुए थे, यहीं थे। छुटकी भीकू की मदद से बिस्तर की सिलवटें निकालती हुई बोली। “हां! बात करते हैं तो लाडो दीदी की तरह मुंह की सारी फुवार सामने वाले पे छोड़ देते हैं। तमाशा उस वक़्त होता है जब कहीं पप्पा और लाडो आपस में बात कर रहे हों, तो”

लाडो हंस रही थी। दूसरे सब सुन रहे थे। न चाहने के बावजूद मेरे चेहरे पे भी मुसकुराहट चली आई थी। बात सन्जीदा रही थी और न मुज़हक⁽¹⁾। मैं ने टालते हुए कहा भी तो इतना “हां आखिर लाडो का बाप हूं ना, उस पर गया हूं ना?”

और तो और, छोटा दमन भी हंस रहा था। बख़ील⁽²⁾ की तरह। फेफड़े पैदाईशी तौर पर कमज़ोर होने के कारण वह कभी खुल के ना हंसा “ही ही, पान खाते हैं ना पप्पा” उसने कहा “तो क़मीज़ पे सामने तो लगता ही है लेकिन पीठ पे न जाने कैसे लगता है ? यह सब समझते थे मैं पान मुंह से तो खाता ही नहीं क़मीज़ से खाता हूं। उस पे तुरफ़ा धोबिन मन्ज़र पे चली आई। मेरा ख़्याल था मां होने के नाते वह बाप का पक्ष लेगी लेकिन साहब उसने उलट बेटे बेटियों की ताईद⁽³⁾ शुरू कर दी। “क्या पूछते हो इनका” वह बोली “बिल्कुल बॉबी हैं दूसरे। खाना खायेंगे तो सालन कुर्ते पे गिरा होगा। लिखने बैठेंगे तो सियाही। मैं इनका करूं क्या ? पता तो मुझे चलता है न धोते धोते जिस के हाथ रह जाते हैं पर मेरी किस्मत, उम्र गुज़र गई मेरी, इन के दाग़ निकालते निकालते”

सिर्फ़ एक बॉबी रह गया था। उस के हाथ में एक छोटा सा बांस था, जिस से वह “बुद्धबाबा” को भगा रहा था। मारुंगा “वह खुला⁽⁴⁾” में ख़्याली दुश्मन को ख़िताब करते हुए कह रहा था। मुझे यूं महसूस होने लगा जैसे उस का बुद्धा बाबा, उसका ख़्याली दुश्मन मैं हूं। फिर जिम्मी के भौंकने की आवाज़ आई जिसे आप इत्फ़ाक़िया बात कह लीजिए। भीकू बिजली का बिल चुकाने चला गया था। वरना वह अपनी मग़ही बोली में कहता “हम मियाँ बीवी का

لوگوں پہ اپنی جان بھی واردی۔ نہ کسی کلب کا ممبر ہوا، نہ ریس کورس پہ گیا۔ یہ تو یہ، کوئی پچھر بھی ڈھب سے نہ دیکھی۔ کام، کام اور کام۔ تفریح کے لیے ایک لمحہ نہیں۔ اسی لیے میں ذہنی طور پر بیمار ہو گیا ہوں۔ شاید پاگل، پاگل تو نہیں سگی ضرور ہوں۔ کبھی پاگل یا سگی کو پتہ چلا ہے کہ وہ کیا ہے؟ اسے تو صرف دوسرے جانتے ہیں۔ کبھی کبھی ان کی شکلوں سے اپنی شکل کا پتا چلتا ہے۔ نہیں، یہ بات نہیں۔ خدا، کسی کو خسارہ نہ ہو۔ جوانی میں جو ہونا ہے ہو جائے لیکن اس ذہلی عمر میں نہیں جب کہ مدافعت کی ساری قوتیں ختم ہو جاتی ہیں۔ بچوں کا فادر ایج گزریڈ ہو جاتا ہے۔ اور بیوی کا بھی.....

پال آٹھ بجے اٹھ گیا تھا۔ اسے اٹھتے دیکھ کر سنت رام سننا گیا۔ ڈرنے کی ایک نشانی یہ ہے کہ آدمی سامنے یا دل میں کہنے لگے۔ میں کسی سے ڈرتا ہوں۔ سنت رام پہ اچھی طرح واضح ہو چکا تھا کہ وہ اپنے بیٹے سے ڈرتا ہے۔ وہ نہیں چاہتا تھا معاملے کو اس سطح پر لے آئے۔ جس سے بیٹا یہ کہے کہ میں اس گھر میں نہیں رہوں گا۔ پال تو چاہتا تھا ایسا موقع پیدا ہو..... کوئی سنے تو نہ۔ بیٹے کا ایک، صرف ایک سگریٹ پی لینے سے اتنا ڈر اور اتنی ڈنڈی بک بک؟

چائے سے پہلے پال نے باپ کی طرف دیکھا اور معمول کی نمسکاری۔ جس کے جواب میں سنت رام نے سر ہلا دیا اور اپنی نگاہیں نیچی کر لیں۔ وہ چاہتا تھا کہ پال دوسری طرف دیکھے تو وہ اس کی طرف نکلے۔ لیکن پال نے برابر اپنا منہ اس کی طرف کر رکھا تھا۔ جس سے گھبرا کر سنت رام نے اپنا چہرہ ”ہندوستان ٹائمز“ کے پیچھے چھپا لیا۔ پھر اسے تھوڑا ہٹا کر دیکھا تو پال سڑک سڑک چائے پی رہا تھا جس کے بعد اس نے کھٹ سے پیالی پر بیج میں رکھی۔ پھر وہ سگریٹ کا پیکٹ تھامے ہاتھ روم کی طرف نکل گیا۔

اب تک تو سب ٹھیک تھا۔ پال نے پیکٹ کھول کر نہیں دیکھا تھا۔ جب وہ ہاتھ روم جائے گا، تب اسے پتا چلے گا اور سنت رام بیٹے کے باہر آنے اور اس کا چہرہ دیکھنے کے لیے یوں ہی ادھر ادھر ہوتا رہا۔ دھوین نے کہا..... نہاؤ گے نہیں؟ تو جواب میں جھلاتے ہوئے سنت رام نے جواب دیا..... تمہیں نہانے کی پڑی ہے۔ ایک ہی بار نہاؤں گا۔

झगड़ा में नाही परबू" और यह बात और भी मेरे खिलाफ़ हो जाती। घर भर मेरा दुश्मन हो गया था। ऐसा पहले तो न था, चन्द बरस पहले। जब से मुझे कारोबार में घाट पड़ा है दुनिया ही बदल गई है। किसी को मेरी बात ही पसन्द नहीं। या शायद मैं बूढ़ा हो गया हूँ इस लिए सब को बुरा लगता हूँ। मुझे उन के सामने से टल जाना चाहिए। इस दुनिया से लेकिन मैं जाऊँ तो कहां जाऊँ? मैं ने इस घर, इन लोगों पे अपनी जान भी वार दी। न किसी क्लब का मेम्बर हुआ, न रेस कोर्स पे गया। यह, तो यह कोई पिक्चर भी ढब से न देखी। काम, काम और काम। तफ़रीह⁽¹⁾ के लिए एक लम्हा नहीं। इसी लिए मैं ज़ेहनी तौर पर बीमार हो गया हूँ। शायद पागल, पागल तो नहीं सनकी ज़रूर हूँ। कभी पागल या सनकी को पता चला है कि वह क्या है? उसे तो सिर्फ़ दूसरे जानते हैं। कभी कभी उनकी शक्तों से अपनी शक्ति का पता चलता है। नहीं यह बात नहीं। खुदा, किसी को ख़सारा न हो। जवानी में जो होना है हो जाए लेकिन इस ढलती उम्र में नहीं जब कि मुदाफ़िअत⁽²⁾ की सारी क़ुव्वतें ख़त्म हो जाती है। बच्चों का फ़ादर इमेंज गड़बड़ हो जाता है, और बीवी का भी.....

पाल आठ बजे उठ गया था। उसे उठते देख कर संत राम सनसना गया डरने की एक निशानी यह है कि आदमी सामने या दिल में कहने लगे। मैं किसी से डरता हूँ। संत राम पे अच्छी तरह वाज़ेह हो चुका था कि वह अपने बेटे से डरता है। वह नहीं चाहता था मामले को इस सतह पर ले आए जिस से बेटा यह कहे कि मैं इस घर में नहीं रहूंगा। पाल तो चाहता था ऐसा मौका पैदा हो.....कोई सुने तो हंसे। बेटे का एक, सिर्फ़ एक सिगरेट पी लेने से इतना डर और इतनी ज़ेहनी बक बक?

चाय से पहले पाल ने बाप की तरफ़ देखा और मामूल की नमस्कार की। जिस के जवाब में संत राम ने सर हिला दिया और अपनी निगाहें नीची कर लीं। वह चाहता था कि पाल दूसरी तरफ़ देखे तो वह उस की तरफ़ तके। लेकिन पाल ने बराबर अपना मुंह उसकी तरफ़ कर रखा था। जिससे घबरा कर संत राम ने अपना चेहरा "हिन्दुस्तान टाइम्स" के पीछे छुपा लिया। फिर उसे थोड़ा हट कर देखा तो पाल सुड़क सुड़क चाय पी रहा था जिस के बाद उसने खट से प्याली पिर्च में रखी। फिर वह सिगरेट का पैकेट थामे बाथ रूम की तरफ़ निकल गया।

دھوبن حیرانی سے سنت رام کے چہرے کی طرف دیکھنے لگی۔ پھر اس کی ہنکار کو معمول کی لائیسی سمجھ کر تاشے کے دھندے میں مشغول ہو گئی۔

تھوڑی دیر میں پال ہاتھ روم سے آیا تو اس کے ہونٹ بھیجے ہوئے تھے۔ ہاتھ کچھ اور پیچھے ہٹ گیا تھا۔ وہ واش بیسن میں جلدی جلدی اپنے ہاتھ صابن سے دھو رہا تھا۔ اتنی جلدی کیا تھی؟ کیوں وہ جلدی بھاگ جانا چاہتا تھا؟ سامنے اس نے آئینے میں اپنے چہرے کی طرف دیکھا۔ منہ سے جھاگ لپٹ رہے تھے۔ نہیں، ہاتھ دھوتے ہوئے جھاگ اڑ کر چہرے پر چلے آئے تھے۔ چونکہ ابھی صابن سے اٹے تھے اس لیے اس نے کرتے کے بازو سے جھاگ کو پونچھ دیا اور پھر اپنا چہرہ دیکھنے لگا۔ اس کے نتھے پھول رہے تھے۔ دوسروں کو دیکھ کر نتھے پھلانا تو سمجھ میں آتا تھا لیکن اپنے آپ کو دیکھ کر نہیں۔ ہاتھ دھوتے ہوئے پال لوٹا تو دھوبن نے آواز دی..... ”رات تم پھر پی کے آئے تھے؟“

پال نے کوئی جواب نہ دیا۔ صرف اتنا کہا ”ہاں، آج پھر پینے والا ہوں۔“ دھوبن تن گئی۔ وہ ایسی دبے والی تھوڑی تھی۔ اس نے صاف کہہ دیا۔ آج پی کر آئے تو میں دروازے میں قدم نہ رکھنے دوں گی۔ جس کے جواب میں پال نے کہا..... ”آنا کون چاہتا ہے، اس جیل خانے میں؟“ اس نے پہلے گولف لنکس میں ایک کمرہ دیکھا ہے۔ پھر دھوبن کی پائدار آواز آئی۔ ”نکل جاؤ۔ ابھی نکل جاؤ۔“ جس سے سنت رام کی جان نکل گئی۔

”دبی۔“ سنت رام نے کڑک کر کہا۔ ”کیا کہتی ہو، یہ گھر تمہارا ہے؟“ اسی پنجم میں دھوبن نے جواب دیا۔ ”ہاں میرا ہے۔ جانا ہے تو جائے۔ تم بھی جانا چاہتے ہو تو جاؤ۔ بھلا ہو تم باپ بیٹوں کا، جنھوں نے جیتا سکھا دیا۔“ اور پھر وہ رونے لگی.....

سنت رام اسی بات سے تو ڈرتا آیا تھا کہ ایسا موقع نہ آئے۔ بیٹے کی بدعنوانیوں کو دیکھ دیکھ کر وہ کڑھتا رہتا تھا۔ لیکن باہر سے کچھ نہ کہتا تھا۔ یہ کہنا تو بہت آسان ہوتا ہے، چلے جاؤ، مگر پھر واپس آ جاؤ کہنا مشکل۔ پال کے باقی کام کی رفتار اور بھی تیز ہو گئی۔ وہ

आजादी के बाद उर्दू अफ़साना

अब तक तो सब ठीक था। पाल ने पैकेट खोल कर नहीं देखा था ना। जब वह बाथ रूम जाएगा, तब उसे पता चलेगा और संत राम बेटे के बाहर आने और उस का चेहरा देखने के लिए यूँ ही इधर उधर होता रहा। धोबिन ने कहा नहाओगे नहीं? तो जवाब में झल्लाते हुए संत राम ने जवाब दिया तुम्हें नहाने की पड़ी है। एक ही बार नहाऊंगा।

धोबिन हैरानी से संत राम के चहरे की तरफ़ देखने लगी। फिर उसकी हुंकार को मामूल की लायानी समझकर नाश्ते के धन्धे में मशगूल हो गई।

थोड़ी देर में पाल बाथ रूम से आया तो उसके होंठ भिंचे हुए थे। माथा कुछ और पीछे हट गया था। वह वाश बेसिन में जल्दी जल्दी अपने हाथ साबुन से धो रहा था। इतनी जल्दी क्या थी? क्यों वह जल्दी भाग जाना चाहता था? सामने उसने आइने में अपने चेहरे की तरफ़ देखा। मुंह से झाग लिपट रहे थे। नहीं, हाथ धोते हुए झाग उड़कर चेहरे पे चले आए थे। चूँकि अभी साबुन से अटे थे इस लिए उसने कुर्ते के बाज़ू से झाग को पोंछ दिया और फिर अपना चेहरा देखने लगा। उसके नथुने फूल रहे थे। दूसरों को देख कर नथुने फुलाना तो समझ में आता था लेकिन अपने आप को देख कर नहीं। हाथ धोते हुए पाल लौट तो धोबिन ने आवाज़ दी "रात तुम फिर पी कर आए थे।"

पाल ने कोई जवाब न दिया। सिर्फ़ इतना कहा। "हां, आज फिर पीने वाला हूँ "

धोबिन तन गई। वह ऐसी दबने वाली थोड़ी थी। उस ने साफ़ कह दिया— आज पी के आए तो मैं दरवाज़े में कदम न रखने दूंगी। जिस के जवाब में पाल ने कहा आना कौन चाहता है, इस जेलखाने में? उस ने पहले गोलफ़ लिंक्स में एक कमरा देखा है। फिर धोबिन की पाटदार आवाज़ आई। निकल जाओ। अभी निकल जाओ। जिससे संत राम की जान निकल गई।

"देबी," संत राम ने कड़क कर कहा, "क्या कहती हो, यह घर तुम्हारा है?"

उसी पंचम में धोबिन ने जवाब दिया, "हां मेरा है। जाना है तो जाए। तुम भी जाना चाहते हो तो जाओ। भला हो तुम बाप बेटों का, जिन्होंने जीना सिखा दिया।" और फिर वह रोने लगी.....

संत राम इसी बात से तो डरता आया था कि ऐसा मौक़ा न आये। बेटे की

جلدی جلدی شیوہ بنا رہا تھا اور اپنی ٹھوڑی پر بے شمار قلم لگا رہا تھا اور خون پونچھ رہا تھا۔ اس نے ماں کو ایسا جواب کیوں دیا؟ وہ ماں کو الٹی سیدھی کہتا تھا تو سنت رام کو تکلیف ہوتی تھی۔ اور ماں اسے کچھ کہتی تھی تو اذیت۔ لیکن ماں بیٹے کا رشتہ زیادہ قدرتی تھا جس سے وہ ایک دوسرے کو سن سنا کر ایک ہو جاتے تھے مگر آج پال کا انداز یہی تھا کہ وہ جائے گا تو پھر نہیں آئے گا.....

”آنا کون چاہتا ہے، اس جیل خانے میں؟“..... اس کا کیا مطلب؟ پال کچھ نہیں کہہ رہا تھا، لیکن اندر سے محسوس کر رہا تھا کہ اس گھر میں آنے کا کیا فائدہ، جہاں کوئی چیز اپنی نہ رہ سکے۔ جو تانہ جرکن اور نہ سگریٹ۔ پھر پال جلدی جلدی نہایا اور کپڑے پہنتے ہوئے باپ کے پاس سے گزر گیا۔ سنت رام نے اسے بلانے کی کوشش کی لیکن اس نے آنا کافی کر دی۔ اخبار بھی اٹھا کر نہ دیکھا اس نے اور اسٹیٹ ایکسپریس کا سگریٹ پوری نفرت سے کھڑکی کے باہر پھینکتا ہوا وہ نکلنے لگا۔ دھوین تو اس سے لڑیٹھی تھی۔ اس لیے اس نے بیٹے کو ناشتے کے لیے بھی نہ پوچھا۔ سنت رام نے اسے روکنے کی کوشش کی اور آواز دی..... ”بیٹا ناشتہ تو کر لو۔“

”نہیں۔“ پال نے معصوم جواب دیا اور باہر نکل گیا۔ جس انداز سے اس نے پیچھے زور سے دروازہ بند کیا تھا۔ اس سے روح تک میں تشنج پیدا ہو گیا۔

پال کے جاتے ہی دھوین اور سنت رام میں ٹھن گئی۔ وہ تو اسے صرف اس ففٹھ کے سلسلے میں مطعون کر رہا تھا لیکن دھوین ایک طرف روئے جا رہی تھی اور دوسری طرف کوٹنے دے رہی تھی۔ اس سلسلے میں وہ نئے پرانے سب دفتر کھول بیٹھی۔ اس کی باتوں سے تو ایسا ہوتا چلتا تھا کہ اس گھر میں آکر اس نے کبھی کوئی سکھ ہی نہیں دیکھا۔ وہ بہت پھوٹی قسمت والی تھی۔ حالانکہ سنت رام سمجھتا تھا کہ اس دنیا کا کوئی سکھ نہیں جو اس نے بیوی کو نہ دیا ہو۔ اور اگر دکھ ہی دیکھا ہے تو ساتھ اس نے بھی تو دیکھا ہے۔ لیکن بیوی نہ صرف اپنے بلکہ پوری اولاد کو تباہ و برباد کرنے کا ذمہ دار سنت رام کو ٹھہرا رہی تھی۔ وہ کہہ رہی تھی پہلے یتیم بھائی بہنوں کے سلسلے میں مجھے ڈانٹتے، لڑتے جھگڑتے رہے میرے ساتھ۔ پھر دوست مجھ

आज़ादी के बाद उर्दू अफ़साना

बद उनवानियों को देख देख कर वह अन्दर से कुढ़ता रहता था। लेकिन बाहर से कुछ न कहता था। यह कहना तो बहुत आसान होता है, चले जाओ, मगर फिर वापस आ जाओ कहना मुश्किल। पाल के बाक़ी काम की रफ़्तार और भी तेज़ हो गई। वह जल्दी जल्दी शेव बना रहा था और अपनी ठोड़ी पर बेशुमार कत⁽¹⁾ लगा रहा था और खून पोंछ रहा था। उसने मां को ऐसा जवाब क्यों दिया ? वह मां को उलटी सीधी कहता था तो संत राम को तकलीफ़ होती थी और मां उसे कुछ कहती थी तो अज़ीयत।⁽²⁾ लेकिन मां बेटे का रिश्ता ज़्यादा कुदरती था। जिस से वह एक दूसरे को सुन सुना कर फिर एक हो जाते थे मगर आज पाल का अन्दाज़ यही था कि वह जाएगा तो फिर नहीं आएगा

“आना कौन चाहता है, इस जेलखाने में ?” इस का क्या मतलब है ? पाल कुछ नहीं कह रहा था लेकिन अन्दर से महसूस कर रहा था कि इस घर में आने का क्या फ़ायदा। जहाँ कोई चीज़ अपनी न रह सके। जूता न जर्किन और न सिगरेट। फिर पाल जल्दी-जल्दी नहाया और कपड़े पहनते हुए बाप के पास से गुज़र गया। संत राम ने उसे बुलाने की कोशिश की लेकिन उसने आना कानी कर दी। अख़बार भी उठा कर न देखा उसने और स्टेट एक्सप्रेस का सिगरेट पूरी नफ़रत से खिड़की के बाहर फेंकता हुआ वह निकलने लगा। धोबिन तो उस से लड़ बैठी थी। इस लिए उस ने बेटे को नाश्ते के लिए भी न पूछा। संत राम ने उसे रोकने की कोशिश की और आवाज़ दी-“बेटा नाश्ते तो कर लो”।

“नहीं” पाल ने मुसम्मम⁽³⁾ जबाब दिया और बाहर निकल गया। जिस अन्दाज़ से उस ने पीछे ज़ोर से दरवाज़ा बन्द किया था, उस से रूह तक में तशन्नुज⁽⁴⁾ पैदा हो गया।

पाल के जाते ही धोबिन और संत राम में ठन गई। वह तो उसे सिर्फ़ इस फ़ज़ीते के सिलसिले में मतअज़⁽⁵⁾ कर रहा था लेकिन धोबिन एक तरफ़ रोए जा रही थी और दूसरी तरफ़ कोसने दे रही थी। इस सिलसिले में वह नए पुराने सब दफ़तर खोल बैठी। उस की बातों से तो ऐसा पता चलता था कि इस घर में आकर उस ने कभी कोई सुख ही नहीं देखा। वह बहुत फूटी क्रिस्मत वाली थी। हालांकि संत राम समझता था कि इस दुनिया का कोई सुख नहीं जो उस ने बीवी को न दिया हो। और अगर दुख ही देखा है तो साथ उस ने भी तो देखा है। लेकिन बीवी

پر لا دیے۔ ایک ہاتھ سے بچہ کھلا رہی ہوں اور دوسرے سے روٹیاں پکارتی ہوں، ان بوکڑوں کے لیے۔ اب قصائی اولاد کے حوالے کر دیا۔ اتنی جھوٹ دے دی۔ پیسے کپڑے کی، جس سے وہ تالائق نکل آئے سب کے سب۔ اور اب بیٹے کی یہ ہمت کہ وہ تمہارے ہوتے سوتے مجھے آنکھیں دکھائے۔

سنت رام حملے کے بجائے مدافعت پہ اتر آیا۔ واقعی وہ کیا تھا جو بیوی کو بچوں سے نہ بچا سکتا تھا اور نہ بچوں کو بیوی سے۔ جب تک لاڈ بھی جگ گئی اور آنکھیں پونچھتے ہوئے منظر کو دیکھنے لگی۔ کاش وہ تھوڑی دیر پہلے اٹھ جاتی اور اپنے بھائی کو جانے سے روک لیتی۔ وہ میرا بیٹا ہے تو اس کا بھی تو بھائی ہے۔ لیکن ماں کو روتے دیکھ کر وہ اس کی طرف ہو گئی۔ بظاہر اس نے ماں کو ہی چپ کرنے کے لیے کہا اور سنت رام کی طرف دیکھا صرف۔ لیکن اس کے دیکھنے ہی میں کیا کچھ نہ تھا جس سے سنت رام کے اوسان خطا ہو گئے اور اس کے بعد وہ بچے کو سنبھالنے لگی اور گھر میں اپنے میاں کو ٹیلی فون کرے تاکہ وہ آئے اور اسے لے جائے۔ اس کے بعد ایک خاموشی سی چھا گئی جس میں دھوین کے سسکنے کی آواز سنائی دے جاتی تھی۔ یہ خاموشی..... لاڈ اور دوسرے بچوں نے بھی تو یہ سمجھ لیا تھا کہ روز کا معاملہ ہے کون اس پہ سردھنے؟ یہ کیا میرا ہی معاملہ تھا؟ سنت رام نے سوچا۔ گھر کے کسی اور بشر کا نہیں۔ پال تو پہلے ہی سے بھرا بیٹھا تھا۔ ماں کے بات کرنے سے پہلے۔ دھوین کی بات تو صرف ایک بہانہ ہو گئی۔ وہ چاہتا تھا پال کو کوئی سا بھی بہانہ دے لیکن اس نے نہیں تو اس کی ماں نے اسے دے دیا۔ کیوں کہ وہ جل بھن گیا تھا پیکٹ میں صرف ایک ہی سگریٹ پاکر.....

سنت رام دفتر میں داخل ہوا تو اس نے کسی کے علیک سلیک کا جواب نہ دیا لیکن ان لوگوں کو کیا پروا تھی؟ آج صاحب کا موڈ اچھا نہیں کسی نے کہا، پھر دوسری طرف سے آواز آئی، اچھا کب ہوتا ہے؟

کیبن میں داخل ہوتے ہی چپراسی چندو سے سنت رام نے سگریٹ کا پیکٹ منگوا لیا۔ چندو ہمیشہ پہلے ہی سگریٹ خرید کر رکھتا تھا۔ وہ اپنی جیب سے دام خرچ کر دیتا اور جب

आजादी के बाद उर्दू अफसाना

न सिर्फ अपने बल्कि पूरी औलाद को तबाहो बरबाद करने का जिम्मेदार संत राम को ठहरा रही थी। वह कह रही थी पहले यतीम भाई बहनों के सिलसिले में मुझे डांटते, लड़ते झगड़ते रहे मेरे साथ। फिर दोस्त मुझ पर लाद दिये। एक हाथ से बच्चा खिला रही हूँ और दूसरे से रोटियां पका रही हूँ, उन बरकटों के लिए। अब क़साई औलाद के हवाले कर दिया। इतनी छूट दे दी। पैसे कपड़े की, जिस से वह नालायक निकल आये सब के सब। और अब बेटे की यह हिम्मत कि वह तुम्हारे होते सोते मुझे आंखें दिखाए।

संत राम हमले के बजाए मुदाफ़िअत पर उतर आया। वाक़ई वह क्या था जो बीवी को बच्चों से न बचा सकता था और न बच्चों को बीवी से। जब तक लाडो भी जग गई और आखें पोछते हुए मंज़र को देखने लगी। काश वह थोड़ी देर पहले उठ जाती और अपने भाई को जाने से रोक लेती। वह मेरा बेटा है तो उस का भी तो भाई है। लेकिन मां को रोते देख कर वह उस की तरफ़ हो गई। बज़ाहिर उस ने मां ही को चुप करने के लिए कहा और संत राम की तरफ़ देखा सिर्फ़। लेकिन उस के देखने ही में क्या कुछ न था जिस से संत राम के औसान ख़ता हो गये और उस के बाद वह बच्चे को संभालने लगी और घर में अपने मियां को टेलिफ़ोन करे ताकि वह आये और उसे ले जाये। उस के बाद एक ख़ामोशी सी छा गई जिस में धोबिन के सिसकने की आवाज़ सुनाई दे जाती थी। यह ख़ामोशी.....लाडो और दूसरे बच्चों ने भी तो यह समझ लिया था कि रोज़ का मामला है कौन इस पर सर धुने? यह क्या मेरा ही मामला था? संत राम ने सोचा। घर के किसी और बशर का नहीं। पाल तो पहले ही से भरा बैठा था। मां के बात करने से पहले। धोबिन की बात तो सिर्फ़ एक बहाना हो गई। वह चाहता था पाल को कोई सा भी बहाना न दे लेकिन उस ने नहीं तो उस की मां ने उसे दे दिया। क्योंकि वह जल भुन गया था पैकेट में सिर्फ़ एक ही सिगरेट पाकर।

संत राम दफ़्तर में दाख़िल हुआ तो उस ने किसी के अलैक सलैक का जवाब न दिया। लेकिन उन लोगों को क्या परवाह थी? आज साहब का मूड अच्छा नहीं, किसी ने कहा, फिर दूसरी तरफ़ से आवाज़ आई, अच्छा कब होता है?

कैबिन में दाख़िल होते ही चपरासी चन्दू से संत राम ने सिगरेट का एक पैकेट मंगवाया। चन्दू हमेशा पहले ही सिगरेट ख़रीद कर रखता था। वह अपनी

آزادی کے بعد اردو افسانہ

مالک سے مل جاتے تو جیب میں ڈال لیتا۔ سنت رام نے اپنا کوٹ ٹانگا۔ پیکٹ پر سے کاغذ پھاڑا، سگریٹ نکالا سلگایا اور کام کرنے بیٹھ گیا۔ لیکن آج سنت رام کا جی کام میں نہ تھا۔ ایک شدید ڈرنے اس کے جسم و ذہن کو ماؤف کر دیا تھا۔ اس نے گھومنے والی کرسی پر پیچھے ہٹتے ہوئے اپنی ٹانگیں میز پر رکھیں اور سگریٹ کے دو چار لمبے لمبے کش لگاتے ہوئے سوچنے لگا۔ میں نے کیسے تباہ کر دیا ہے گھر کے لوگوں کو؟ بیوی اور بچوں کو؟ میں معمر ہونے کے باوجود پڑھتے رہنے کی وجہ سے آج کل کے زمانے کا ہوں۔ میں نے شوہر اور باپ بننے کی بجائے ان سے دوستی رکھنے کی کوشش کی؟ شاید یہی قصور تو نہیں میرا۔ میں نے ایسی باتیں کیں جو پرانے خیال کے باپ نہیں کرتے۔ جب وہ کالج جا رہی تھی تو میں نے کہا تھا..... وہاں مخلوط تعلیم ہے لاڈو..... وہاں لڑکیاں بھی ہوں گی اور لڑکے بھی۔ اور لڑکے قریب ہونے کی کوشش کریں گے۔ آج کل ہماری معاشرت میں ایک نئی چیز آگئی ہے جسے گڈ ٹائم کہتے ہیں۔ گڈ ٹائم، گڈ ٹائم ہے۔ لیکن مرد اور عورت میں جو بنیادی فرق ہے اسے تم مت بھولنا۔ مرد پہ کوئی ذمہ داری نہیں بشرطیکہ وہ اپنے اخلاق، اپنی تہذیب سے اسے قبول نہ کرے لیکن عورت پہ بہت ہے کیوں کہ بچہ اسے اٹھانا پڑتا ہے۔ اسی لیے دنیا بھر میں عورتیں نہ صرف قدامت پرست ہیں بلکہ ان سے تقاضا کیا جاتا ہے، قدامت پرستی کا۔ اور یہ ٹھیک ہے۔ انھیں کبھی اپنے آپ کو ایسے مرد کے حوالے نہیں کرنا چاہیے جو اس کی اور اس کے بچوں کی ذمہ داری قبول نہ کرے۔

دھوئیں کے مرغلے میں سنت رام کو اس وقت کا بیٹی کا چہرہ یاد آیا۔ وہ ہر ہر باپ کی طرف دیکھ رہی تھی۔ کچھ سمجھ رہی تھی اور کچھ بھی نہیں۔ شاید وہ سوچتی تھی۔ چاہیے آج کیا لے بیٹھے ہیں؟ اس بات کو آج کل کے زمانے کی ہر عورت اور لڑکی سمجھتی ہے۔ چاہیے کتنے پرانے خیالات کے ہیں؟ اگر میں پرانے خیالات کا ہوں تو روز یہ قصے کیا سنتا ہوں؟ یہ تو ایک ایسی بات ہے جو بدھ کے زمانے میں بھی کہی جانی چاہیے تھی اور آج کے زمانے میں بھی۔ کیا انسان مشق اور غلطی ہی سے سیکھتا ہے؟ لیکن اس کا نتیجہ اچھا ہی نکلا۔ جہاں اس محلے کے دوسرے بچوں نے بد عنوانیاں کیں، وہاں میرے بچوں نے نہیں، کم از کم لڑکیوں

आज़ादी के बाद उर्दू अफ़साना

जेब से दाम खर्च कर देता और जब मालिक से मिल जाते तो जेब में डाल लेता। संत राम ने अपना कोट टंगा। पैकट पर से कागज़ फाड़ सिगरेट निकाला सुलगाया और काम करने बैठ गया। लेकिन आज संत राम का जी काम में न था। एक शदीद⁽¹⁾ डर ने उस के जिस्मो जेहन को माऊफ़ कर दिया था। उस ने घूमने वाली कुर्सी पर पीछे हटते हुए अपनी टांगें मेज़ पर रखीं और सिगरेट के दो चार लम्बे लम्बे कश लगाते हुए सोचने लगा। मैं ने कैसे तबाह कर दिया है घर के लोगों को ? बीवी और बच्चों को ? मैं मुअम्मर⁽²⁾ होने के बावजूद पढ़ते रहने की वजह से आज कल के ज़माने का हूँ। मैंने शौहर और बाप बनने के बजाए उन से दोस्ती रखने की कोशिश की ? शायद यही क्लसूर तो नहीं मेरा। मैं ने ऐसी बातें कीं जो पुराने ख़याल के बाप नहीं करते। जब वह कालेज जा रही थी तो मैंने कहा था—वहां मख़लूत⁽³⁾ तालीम है लाडो। वहां लड़कियां भी होंगी और लड़के भी। और लड़के क़रीब होने की कोशिश करेंगे। आज कल हमारी मआशरत⁽⁴⁾ में एक नई चीज़ आ गई है जिसे गुडटायम कहते हैं। गुडटायम, गुडटायम है लेकिन मर्द और औरत में बुनियादी फ़र्क़ है उसे तुम मत भूलना। मर्द पर कोई ज़िम्मेदारी नहीं बर्शते कि वह अपने अख़लाक़, अपनी तहज़ीब से उसे क़ुबूल न करे लेकिन औरत पर बहुत है क्योंकि बच्चा उसे उठाना पड़ता है। इसी लिए दुनिया भर में औरतें न सिर्फ़ क़दामत⁽⁵⁾ परस्त हैं। बल्कि उन से तक्राज़ा किया जाता है, क़दामत परस्ती का। और यह ठीक है। उन्हें कभी अपने आप को ऐसे मर्द के हवाले नहीं करना चाहिए जो उस की और उस के बच्चों की ज़िम्मेदारी क़ुबूल न करे।

धुएं के मरगोले में संत राम को उस वक़्त का बेटी का चेहरा याद आया, वह बिटर बिटर बाप की तरफ़ देख रही थी। कुछ समझ रही थी और कुछ भी नहीं। शायद वह सोचती थी पप्पा यह आज क्या ले बैठे हैं ? इस बात को आज कल के ज़माने की हर औरत और लड़की समझती है। पप्पा कितने पुराने ख़यालात के हैं ? अगर मैं पुराने ख़यालात का हूँ तो रोज़ यह क़िस्सा क्या सुनता हूँ ? यह तो एक ऐसी बात है जो बुद्ध के ज़माने में भी कही जानी चाहिए थी। और आज के ज़माने में भी। क्या इंसान मशक़ और ग़लती ही से सीखता है ? लेकिन इस का नतीजा अच्छा ही निकला। जहां उस मुहल्ले के दूसरे बच्चों ने बदउनवानियां

آزادی کے بعد اردو افسانہ

نے نہیں۔ یہ اسی تعلیم کا نتیجہ تھا جو میں نے انھیں دی۔ تو پھر یہ جاہلی کیسی؟ پال بچپن برس کا ہو گیا تھا جب میں نے براہ راست اس سے پوچھا کہ اسے عورت کے سلسلے میں کوئی تجربہ ہوا ہے؟ چونکہ وہ بیٹا ہونے کے علاوہ میرا دوست تھا۔ اس نے سب کچھ کہہ دیا۔ اب مجھے اس بات کی فکر پڑ گئی کہ وہ تجربہ کامیاب ہوا یا نہیں۔ کیوں کہ جنسی فعل ایک بہت بڑی ذمہ داری کی چیز ہے۔ اس میں کوئی سی بھی غلطی پوری زندگی پر چھاسکتی ہے۔ اسی لیے تو مرد عورت کے بیچ صحبت اور شادی کی چار دیواری کا تحفظ لازمی ہے لیکن پال بھی میری طرف بٹر بردیکھ رہا تھا اور شاید جی ہی جی میں ہنس رہا تھا اور کہہ رہا تھا..... ہونہ! ذمہ داری!..... پچانوئیسویں صدی میں سانس لے رہے ہیں۔ لیکن یہ طے تھا کہ بہت سی باتیں وہ نہ جانتا تھا اور میں نے اس کے دماغی جالے اور پھپھوندی اتاری اور اسے اس قابل بنایا کہ وہ دنیا اور اس کے حالات کا مقابلہ کر سکے۔ اور آج اس بیٹے نے اس کا سگریٹ پی جانے سے منہ موڑ لیا مجھ سے۔

نہیں، ہو سکتا ہے معمول کی طرح وہ کسی اپنی ہی دھن میں ہو اور جلدی گھر سے باہر نکل گیا ہو۔ فرق یہی ہے تاکہ پہلے وہ دس کے قریب جاتا تھا اور آج ساڑھے نو بجے نکل گیا تھا..... کل میری ایک فرم سے لاکھ روپے کی ذیل ہونے والی ہے۔ سب ٹھیک ہو جائے گا۔ اگر پال خفا بھی ہو گیا ہے تو راضی ہو جائے گا۔ پھر سب مل کر کلو کے پہاڑ پر جانے کا پروگرام بنائیں گے۔

لیکن، ایک سگریٹ صرف ایک سگریٹ.....

سنت رام کا خون بار بار کھول اٹھتا تھا۔ جیسے اس نے بیٹے کو معاف نہ کیا ہو خود کو معاف نہ کیا ہو۔ مگر جو باپ بیٹے سے نفرت کرتا ہے وہ اپنے آپ سے نفرت کرتا ہے۔ تو اس کا الٹا بھی درست ہے کہ جو بیٹا باپ سے نفرت کرتا ہے وہ اپنے آپ سے نفرت کرتا ہے۔ پال دراصل باپ سے نفرت نہیں کرتا تھا خود سے نفرت کرتا تھا، کیوں کہ مقابلے کی اس دنیا میں جب تک وہ باپ سے آگے نہیں نکل جائے گا خود کو معاف نہیں کرے گا۔ وہ باپ سے محبت اس وقت کر سکے گا جب وہ اسے تالائق اور بیوقوف ثابت کر دے.....

سنت رام نے گھنٹی پہ ہاتھ مارا اور چند سے کہا..... ”مس ڈولی کو بلاؤ۔“

आज़ादी के बाद उर्दू अफ़साना

कौं, वहां मेरे बच्चों ने नहीं, कम अज़ कम लड़कियों ने नहीं। यह उसी तालीम का नतीजा था जो मैंने उन्हें दी। तो फिर यह तबाही कैसी? पाल पच्चीस बरस का हो गया था जब मैं ने बराहे-रास्त⁽⁶⁾ उस से पूछा कि उसे औरत के सिलसिले में कोई तजुर्बा हुआ है? चूंकि वह बेटा होने के अलावा मेरा दोस्त था। उस ने सब कुछ कह दिया अब मुझे इस बात की फ़िक्र पड़ गई कि वह तजुर्बा कामयाब हुआ या नहीं। क्योंकि जिन्सी फ़ेल⁽¹⁾ एक बहुत बड़ी ज़िम्मेदारी की चीज़ है। इस में कोई सी भी ग़लती पूरी ज़िदंगी पर छा सकती है। इसी लिए तो मर्द औरत के बीच सोहबत⁽²⁾ और शादी की चारदीवारी का तहफ़फ़ूज़ लाज़मी है। लेकिन पाल भी मेरी तरफ़ बिटर बिटर देख रहा था और शायद जी ही जी में हंस रहा था और कह रहा था—हूँ! ज़िम्मेदारी..... पप्पा उन्नीसवीं सदी में सांस ले रहे हैं। लेकिन यह तय था कि बहुत सी बातें वह न जानता था और मैंने उस के दिमागी जाले और फफूंदी उतारी और उसे इस क़ाबिल बनाया कि वह दुनिया और उस के हालात का मुक़ाबला कर सके। और आज उस बेटे ने उस का एक सिगरेट पी जाने से मुंह मोड़ लिया मुझ से।

नहीं, हो सकता है मामूल की तरह वह किसी अपनी ही धुन में हो और जल्दी घर से बाहर निकल गया हो। फ़र्क़ यही है ना कि पहले वह दस के क़रीब जाता था और आज साढ़े नौ बजे निकल गया था कल मेरी एक फ़र्म से लाख रुपये की डील होने वाली है। सब ठीक हो जाएगा। अगर पाल ख़फ़ा भी हो गया है तो राज़ी हो जाए। फिर सब मिल कर कुल्लू के पहाड़ पर जाने का प्रोग्राम बनाएंगे।

लेकिन, एक सिगरेट.....सिर्फ़ एक सिगरेट

संत राम का खून बार बार खौल उठता था जैसे उसने बेटे को माफ़ न किया हो खुद को माफ़ न किया हो। मगर जो बाप बेटे से नफ़रत करता है वह अपने आप से नफ़रत करता है। तो उस का उलट भी दुरुस्त है कि जो बेटा बाप से नफ़रत करता है वह अपने आप से नफ़रत करता है। पाल दरअसल बाप से नफ़रत नहीं करता था खुद से नफ़रत करता था। क्योंकि मुक़ाबले की इस दुनिया में जब तक वह बाप से आगे न निकल जाएगा खुद को माफ़ नहीं करेगा। वह बाप से मुहब्बत उस वक़्त कर सकेगा जब वह उसे नालायक और बेवक़ूफ़

ڈولی اندر آئی۔ آج اس نے بالوں کے پرم بنوار کھے تھے۔ اور چست بلاوز کے ساتھ ایک سفید رنگ کی ساڑی لپیٹ رکھی تھی کیوں کہ سنت رام کو سفید رنگ بہت پسند تھا۔ لیکن سنت رام نے ڈھب سے اس کی طرف نہ دیکھا۔ ڈولی جانتی تھی آج کل بوس کٹا کٹا سا رہتا ہے۔ اس نے بھی کئی دنوں سے بزنس کا انداز اختیار کر رکھا تھا۔ یہ تو اس کا کرم تھا کہ ایک بڑھے آدمی سے باتیں کرتی تھی۔ وہ کام کرتی تو پیسے لیتی بیچ میں وافر باتیں کیسی؟ اندر آنے کے بعد جب ڈولی نے، یس سر، کہا تو سنت رام نے مچھلتی ہوئی نظر اس پر ڈالی اور اپنے آپ کو کہنے سے روک لیا کہ تم بہت خوبصورت لگتی ہو، ڈولی!

لیکن ایک لمحے کے لیے اس کا دل جو کہیں بھی چھنکا را پانے کے لیے تڑپ رہا تھا، ڈولی کے خوبصورت بالوں میں انک گیا۔ یہ عورتیں بھی خوب ہیں۔ اگر مرد کا دل سیدھے بہاؤ میں نہ بہے تو اسے لہروں اور اس کے جھکولوں میں ڈوب دو۔ مگر سنت رام نے جلد ہی اپنی آنکھیں اس طوفانی بہاؤ اور پیچھے کے بھنور سے ہٹالیں اور دائیں طرف درکشاسو کے کینڈر کو دیکھنے لگا جیسے اسے کوئی تارخ دیکھنا ہو۔ ایسی حرکتوں کو عورت خوب سمجھتی ہے اور اپنی نظریں اپنے شکار پہ گاڑے رہتی ہے۔ مرد جانتا ہے کہ اس نے عورت کی آنکھوں میں دیکھا تو گیا۔ اس لیے وہ پرے سے اور پرے سے پرے دیکھنے اور بچنے کی کوشش کرتا ہے۔ لیکن کب تک؟ آخر منٹ کے سوویں حصے میں وہ مجبوری اور بے اختیاری کے عالم میں پھر اس کی طرف دیکھ لیتا ہے اور یہ وہ لمحہ ہوتا ہے جس میں اس کی آخری پھڑ پھڑ اٹھنڈی ہو جاتی ہے۔

سنت رام نے ڈولی سے پوچھا۔ ’پرکنز کہاں ہے آج کل؟‘

..... پرکنز ڈولی کا بھائی تھا، جاہن پرکنز۔

”یہیں ہے۔“ ڈولی نے جواب دیا اور تھوڑا مسکرانے کی کوشش کی۔ وہ سنت رام کے اس سوال کو ادھر ادھر کی باتوں میں سے سمجھتی تھی جو مطلب پہ آنے سے پہلے مرد ہمیشہ کرتا ہے۔ لیکن وہ تو سخت بزنس کا عمل جاری رکھنا چاہتی تھی۔ آخر کوئی مذاق ہے؟ جب چاہے بلا لو۔ جب چاہے جھٹک دو۔ اتنے دنوں تک بات بھی نہ کی۔ دیکھا تک نہیں اور

साबित कर दें।

संत राम ने घंटी पे हाथ मारा और चन्दू से कहा“मिस डौली को बुलाओ”

डौली अन्दर आई। आज उसने बालो के पर्म बनवा रखे थे और चुस्त ब्लाउज़ के साथ एक सफ़ेद रंग की साड़ी लपेट रखी थी क्योंकि संत राम को सफ़ेद रंग बहुत पसंद था। लेकिन संत राम ने ढब से उसकी तरफ़ न देखा। डौली जानती थी आज कल बॉस कट कट सा रहता है। उसने भी कई दिनों से बिज़नेस का अंदाज़ इज़्ज़ियार कर रखा था। यह तो उस का करम था कि एक बुढ़े आदमी से बातें करती थी। वह काम करती तो पैसे लेती। बीच में वाफ़िर⁽¹⁾ बातें कैसी ?

अन्दर आने के बाद जब डौली ने, ‘यस सर’ कहा तो संत राम ने छिछलती हुई नज़र उस पे डाली और अपने आप को कहने से रोक लिया कि तुम बहुत खूबसूरत लगती हो, डौली !

लेकिन एक लम्हे के लिए उस का दिल जो कहीं भी छुटकारा पाने के लिए तड़प रहा था, डौली के खूबसूरत बालो में अटक गया। यह औरतें भी खूब है अगर मर्द का दिल सीधे बहाव में न बहे तो उसे लहरों और उस के हिचकोलों में डूबो दो। मगर संत राम ने जल्द ही अपनी आंखें इस तूफ़ानी बहाव और पीछे के भंवर से हटा लीं और दायें तरफ़ दरकक्षासू के केलेन्डर को देखने लगा जैसे उसे कोई तारीख़ देखना हो। ऐसी हरकतों को औरत खूब समझती है और अपनी नज़रें अपने शिकार पर गाड़े रहती है। मर्द जानता है कि उसने औरत की आंखो में देखा तो गया। इस लिए वह परे से और परे से परे देखने और बचने की कोशिश करता है। लेकिन कब तक ? आख़िर मिनट के सौवें हिस्से में वह मजबूरी और बेइछित्तियारी के आलम में फिर उसकी तरफ़ देख लेता है और यह वह लम्हा होता है जिस में उसकी आख़िरी फ़ड़फ़ड़ाहट ठंडी हो जाती है।

संत राम ने डौली से पूछा “जाहन प्रकंज कहां है आज कल ?”

..... “प्रकंज डौली का भाई था, जाहन प्रकंज”

“यहीं है।” डौली ने जवाब दिया और थोड़ा सा मुस्कुराने की कोशिश की। वह संत राम के इस सवाल को इधर उधर की बातों में से समझती थी जो मतलब पे आने से पहले मर्द हमेशा करता है। लेकिन वह तो सख़्त बिज़नेस का अमल

آزادی کے بعد اردو افسانہ

گزر گئے اور آج ایک ایسی پرکھنڈ یاد آیا۔

لیکن ڈولی بھی کب تک بزنس کا انداز رکھ سکتی تھی۔

سنت رام نے ڈولی کو نادانی کے عالم میں سگریٹ پیش کر دیا۔ ایک لہری ڈولی کے بدن میں دوڑ گئی جو اس کے بالوں کے پر سے زیادہ مضطرب تھی۔ اس نے اپنے بڑھتے ہوئے ہاتھ روک دیے اور بولی ”نو تھینکس“ اور پھر غصے اور شکایت سے اس کی چھاتیاں اوپر نیچے ہونے لگیں۔ سنت رام نے اس کی نظروں میں اپنی نظریں گاڑتے ہوئے ایک رونے سے انداز میں کہا ”ڈولی“

ایسا معلوم ہوتا تھا جیسے سنت رام کہنے جا رہا ہے دنیا نے مرے ساتھ یہ سب کیا ہے۔ گھر کے لوگوں نے کیا ہے۔ ایک تم تھیں جو ایک معمولی سے ریز کے لیے مجھے التفات کا دھوکا دے سکتی تھیں اور تم نے دھوکا دیا اور مجھے ایسی محبت لگی جو عجی محبت سے کہیں اوپر ہوتی ہے۔ اس میں وہی فرق تھا جو اصلی بوسے اور چوری کے بوسے میں فرق ہوتا ہے جس میں پچھلا لاکھ روپے کا گھانا اور آنے والا لاکھ روپے کا نفع بڑے خوبصورت طریقے سے ایک دوسرے میں حل ہو جاتے ہیں ڈولی نے سنت رام کی طرف دیکھا، ورنہ وہ اور بھی بوڑھا ہو جاتا اور اسے ایک کی جگہ کئی اور گھانے پڑ جاتے جن سے وہ خود بھی بے کار ہو جاتی۔ اس نے اپنے رحم کی تہوں سے سوچا، جو اس کی ماں تھا اور دنیا بھر کے مردوں کی ماں، چاہے وہ جوان ہوں یا بوڑھے پھر ”آل رامیٹ“ کہتے ہوئے اس نے اپنا ہاتھ سگریٹ کی طرف بڑھایا۔ سنت رام نے لائٹر جلا کر ڈولی کا سگریٹ سلگایا۔ ڈولی نے کش لگا کر، دھواں چھوڑتے ہوئے ایسی ہی سگریٹ کی طرف دیکھتی ہوئی سنت رام کی طرف بڑھی.....

جیسی سنت رام نے کہا ”پرکھنڈ شہر میں ہے تو ات کہو.....“

ڈولی وہیں رک گئی اور اس کی طرف دیکھنے لگی تاکہ وہ اپنا فقرہ مکمل کر لے۔ سنت

رام نے کہا ”مجھے اسٹیٹ ایکسپریس کا ایک کارڈ ملادے، پیسے پھر دے دوں گا۔“

”آل رامیٹ“ ڈولی نے کہا اور پیچھے ہٹی ہوئی وہ کیمین سے باہر نکل گئی۔

आज़ादी के बाद उर्दू अफ़साना

जारी रखना चाहती थी। आखिर कोई मज़ाक़ है? जब चाहे बुला लो। जब चाहे झटक दो। इतने दिनों तक बात भी न की, देखा तक नहीं और गुज़र गये और आज एका एकी प्रकंज़ याद आया।

लेकिन डौली भी कब तक बिज़नेस का अन्दाज़ रख सकती थी।

संत राम ने नादानी के आलम में सिगरेट पेश कर दिया। एक लहर सी डौली के बदन में दौड़ गई जो उसके बालों के पर्म से ज़्यादा मुज़तरिब⁽¹⁾ थी। उसने अपने बढ़ते हुए हाथ रोक दिये और बोली “थैंक्स” और फिर गुस्से और शिकायत से उसकी छतियाँ ऊपर नीचे होने लगीं। संत राम ने उसकी नज़रों में अपनी नज़रें गाड़ते हुए एक रोने से अन्दाज़ में कहा ————— “डौली”

ऐसा मालुम होता था। जैसे संत राम कहने जा रहा है — दुनिया ने मेरे साथ यह सब किया है। घर के लोगो ने किया है। एक तुम थीं जो एक मामूली सी ‘रेज़’ के लिए मुझे इल्तेफ़ात⁽²⁾ का धोखा दे सकती थीं और तुम ने धोखा दिया और मुझे ऐसी मुहब्बत लगी जो सच्ची मुहब्बत से कहीं ऊपर होती है। उसमें वही फ़र्क़ था जो असली बोसे और चोरी के बोसे में फ़र्क़ होता है। जिस में पिछला लाख रुपये का घाटा और आने वाले लाख रुपये का नफ़ा बड़े खूबसूरत तरीक़े से एक दूसरे में हल हो जाते हैं डौली ने संत राम की तरफ़ देखा वरना वह और भी बूढ़ा हो जाता और उसे एक की जगह कई और घाटे पड़ जाते जिन से वह खुद भी बेकार हो जाती। उसने अपने रहम की तर्हों से सोचा, जो उसकी माँ था और दुनिया भर के मदों की माँ चाहे वह जवान हों या बूढ़े फिर “आल राइट” कहते हुए उसने अपना हाथ सिगरेट की तरफ़ बढ़ाया। संत राम ने लाइट जला कर डौली का सिगरेट सुलगाया डौली ने कश लगा कर, धुआँ छोड़ते हुए ऐसी ही सिगरेट की तरफ़ देखती हुई संत राम की तरफ़ बढ़ी.....

जभी संत राम ने कहा “प्रकंज़ शहर में है तो उसे कहो”

डौली वहीं रुक गई और उसकी तरफ़ देखने लगी ताकि वह अपना फ़िक्करा⁽³⁾ मुकम्मल कर ले।

संत राम ने कहा “मुझे स्टेट एक्सप्रेस का एक कार्टन ला दे, पैसे फिर दे दूंगा।”

“आल राइट” डौली ने कहा और पीछे हटती हुई वह कैंबिन से बाहर

سنت رام گھر پہنچا تو کارٹن کی قلعہ بندی کے باوجود وہ ڈر رہا تھا۔ ایک نہیں بیسیوں واہے دامن گیر تھے۔ اس کے جس کے بارے میں وہ دھوین یا لاڈو سے نہ کہہ سکتا تھا۔ اس کے پہنچنے کے تھوڑی دیر بعد ہی پال چلا آیا۔ سنت رام کے بدن میں جو کچھ پیدا ہو رہی تھی۔ بند ہو گئی، بلکہ ایک عجیب طرح کے سکون، نرمی اور گرمی کا احساس ہوا اسے، جیسے سردیوں میں کوئی کمرے کے اندر بخاری جلا دے لیکن پھر وہی ڈر اس کے جسم اور ذہن کا احاطہ کرنے لگا۔ کہیں اپنے کپڑے اٹھانے اور گولف لکس کے کمرے میں منتقل ہو جانے کے لیے تو نہیں آیا، پال؟ مگر اس بات کے تو کوئی آثار نظر نہ آتے تھے۔ پھر وہ آج جلدی کیوں آیا تھا؟ وہ تو کبھی نہ لوٹا تھا رات کے ایک دو بجے سے پہلے۔ کیا وہ اچھا بیٹا ہو گیا تھا؟ لیکن اچھا بیٹا ہونے کے باوجود وہ چپ کیوں تھا؟ وہ لاڈو کے ساتھ بات کر سکتا تھا۔ اور نہیں تو بابی کے ساتھ کھیل سکتا تھا۔ کمینہ کس قدر بغض سے بھرا ہوا تھا اس کا سینہ۔ لیکن پال سننے کوئی کپڑے وپڑے اکٹھے نہ کیے۔ وہ ایک منٹ کے لیے اپنے کمرے کی طرف گیا اور پھر باپ کی طرف اور جیب میں سے ایک پیکٹ نکال کر پپا کو پیش کر دیا۔ سنت رام نے دیکھا اور پوچھا..... ”یہ کیا ہے؟“

”ریشم سو برائن“

ریشم سو برائن سگریٹ..... اور پورا پیکٹ؟ خون سنت رام کے کانوں اور آنکھوں تک آنے لگا۔ ایک سگریٹ تو کیا پی لیا ہے اس کا۔ اس کے عوض پورا پیکٹ لا کے دے رہا ہے۔ جوتا مار رہا ہے ایک طریقے سے۔ سنت رام نے پیکٹ اٹھایا اور پورے زور سے پال کے منہ پر کھینچ مارا۔

”پلے، شہدے، حرامی۔“ سنت رام کہہ رہا تھا۔ ”تو کیا سمجھتا ہے میں اپنے سگریٹ بھی خرید نہیں سکتا؟ تجھے خرید کر نہیں دے سکتا؟ اتنا تو نہیں مراہوں، جتنا تو سمجھتا ہے۔ ابھی تو حیرے ایسے سوکینوں کو خرید کے رکھ لوں اور جیب میں ڈال کر چل دوں..... باسٹرڈ؟“

پال کی کچھ سمجھ میں نہ آ رہا تھا۔ اس نے اپنا ہاتھ ہونٹ پہ رکھ لیا، جس پہ پیکٹ کے لٹنے سے ایک کٹ سا چلا آیا تھا اور خون کا ایک نقطہ سا دکھائی دے رہا تھا۔ اس نے کہا بھی

निकल गई।

संत राम घर पहुंचा तो कार्टून की किला बन्दी के बावजूद वह डर रहा था एक नहीं बीसियों वाहमे दामन गीर थे, उसके जिस के बारे में वह धोबिन या लाडो से न कह सकता था। उसके पहुंचने के थोड़ी देर बाद ही पाल चला आया। संत राम के बदन में जो कपकपी पैदा हो रही थी बन्द हो गई बल्कि एक अजीब तरह के सुकून, नरमी व गर्मी का एहसास हुआ उसे, जैसे सर्दियों में कोई कमरे के अन्दर बुखारी जला दे लेकिन फिर वही डर उसके जिस्म और जेहन का एहाता⁽¹⁾ करने लगा— कहीं अपने कपड़े उठाने और गोल्फ लिंकस के कमरे में मुंतक़ील हो जाने के लिए तो नहीं आया पाल? मगर इस बात के तो कोई आसार नज़र न आते थे। फिर वह आज जल्दी क्यों आया था? वह तो कभी न लौट था रात के एक दो बजे से पहले।

क्या वह अच्छा बैठ हो गया था? लेकिन अच्छा बैठ होने के बावजूद वह चुप क्यों था? वह लाडो के साथ बात कर सकता था। और नहीं तो बॉबी के साथ खेल सकता था। कमीना किस कदर बुज़⁽²⁾ से भरा हुआ था उसका सीना। लेकिन पाल ने कोई कपड़े वपड़े इक्ठे ना किए। वह एक मिनट के लिए अपने कमरे की तरफ़ गया और फिर बाप की तरफ़ आया और जेब में से एक पैकेट निकाल कर पप्पा को पेश कर दिया। संत राम ने देखा और पूछा“ यह क्या है ”?

“रशियन सोबराइन”?

रशियन सोबरइन सिगरेट..... और पूरा पैकेट.....? खून संत राम के कानों और आंखों तक आने लगा— एक सिगरेट तो क्या पी लिया है उसका। उसके एकज़⁽³⁾ पूरा पैकेट ला के दे रहा है। जूता मार रहा है एक तरीके से। संत राम ने पैकेट उठाया और पूरे ज़ोर से पाल के मुंह पर खींच मारा।

“लुच्चे शुहदे, हरामी” संत राम कह रहा था। “तू क्या समझता है मैं अपने सिगरेट भी खरीद नहीं सकता। तुझे खरीद कर नहीं दे सकता? इतना तो नहीं मरा हूं, जितना तू समझता है। अभी तो तेरे ऐसे सौ कमीनों को खरीद के रख लूं और जेब में डाल कर चल दूं.....बासटर्ड?”

पाल की कुछ समझ में न आ रहा था। उसने अपना हाथ होंठ पे रख लिया

تو صرف اتنا..... ”پپا!“

لاڈو بیڈ روم سے دوڑی ہوئی آئی اور اس نے بھی اتنا سا کہا۔ ”پپا!“ پھر دھوبن مڑتی ہوئی بولی..... ”کیا ہوا جی؟“

”کچھ نہیں۔“ سنت رام نے سب کو پیچھے دھکیلتے ہوئے کہا۔ ”مجھے اس بلے سے اپنا حساب برابر کر لینے دو۔ بہت دیر ہوگئی اسے ٹھکے ہوئے.....“ پھر اپنے بیٹے کے چہرے پہ خون کا قطرہ دیکھ کر سنت رام اور ڈر گیا، اور بھی وحشتناک ہو گیا، کیوں کہ بیٹے کا خون دیکھنا کوئی آسان بات نہیں۔ دیکھنے والے کو بظاہر وہ بیٹے کا خون معلوم ہوتا ہے لیکن خون اس کا ہوتا ہے جس کا وہ خون ہے..... اور بھی آگے لپکتے ہوئے، منہ پہ کف لاتے ہوئے سنت رام کہہ رہا تھا..... ”میں تجھے جان سے مار دوں گا، آج چھوڑ دو، چھوڑ دو مجھے..... یہ بھی ایک مثال ہو جانے دو، بیٹے باپ کا خون کرتے آئے ہیں۔ آج باپ کو بیٹے کا خون کرنے دو، مادر..... میں نے تجھے کیا نہیں دیا؟“ تو باہر پنجاب پڑھنے کے لیے گیا تو چار سو روپے مہینہ بھیجتا رہا۔ پھر تو وہاں سے بھاگ آیا اور میرے دوست نے دو برس تجھے اپنے ہاں رکھا اور تجھے تعلیم دی۔ میری وجہ سے اس نے تجھے اپنے ہاں رکھا، ورنہ تجھے کون پوچھتا ہے..... چیتھڑے کو؟ اور پھر بھی پیسے بھیجتا رہا۔ میرے بیٹے کو تکلیف نہ ہو اور تو اس سے ہوٹلوں اور ریستورانوں میں جاتا، ہر قسم کی بد معاشیاں کرتا رہا۔ تیرے اپنے بکنے کے مطابق تیرے دوست تجھے شہزادہ کہتے تھے کیوں کہ تو باپ کے مال پہ عیش کرتا تھا۔ پھر تو نے بی۔ اے۔ میں کمپارٹمنٹ کی اور امتحان کو پورا نہ کیا کیوں کہ تو ہندی میں فیل ہو گیا تھا، ہندی بھی کوئی بات تھی بھلا؟ میں نے کتنی بار تجھ سے فتیس کیں کہ ایک مضمون ہے، پاس کر لے لیکن تجھے اس سے چڑ ہوگئی۔ پھر بھی میں نے تجھے گھر رکھا اور روٹیاں کھلاتا رہا۔ ہوتا کسی باہر کے ملک میں تو اٹھار ہواں پھاندتے ہی باپ تیرے چوڑ پر لات مارتا اور باہر نکال دیتا۔ یہ اپنا ہی ملک ہے جس میں اس قسم کی چوتیاں پنٹی چلتی ہے..... جب تیری جیب میں پیسے نہیں ہوتے تھے تو میں تیری ماں کی چوری سے دس بیس پچاس ڈال دیتا تھا اور آج یہ اسی کے کارن ہے کہ وہ مجھے آنکھیں دکھاتی ہے اور کہتی ہے میں نے اپنی اولاد کو

आज़ादी के बाद उर्दू अफ़साना

जिस पे पैकेट के लगने से एक कट सा चला आया था और खून का एक नुक्ता सा दिखाई दे रहा था। उसने कहा भी तो सिर्फ़ इतना “पप्पा!”

लाडो बेडरूम से दौड़ी हुई आई और उस ने भी इतना सा कहा “पप्पा”! फिर धोबिन मुड़ती हुई बोली “क्या हुआ जी ?”

“कुछ नहीं” संत राम ने सब को ढकेलते हुए कहा “मुझे इस बिल्ले से अपना हिसाब बराबर कर लेने दो। बहुत देर हो गई इसे तुके हुए फिर अपने बेटे के चेहरे पे खून का कतरा देख कर संत राम और डर गया और भी वह वहशतनाक⁽¹⁾ हो गया क्यों कि बेटे का खून देखना कोई आसान बात नहीं। देखने वाले को बज़ाहिर बेटे का खून मालूम होता है लेकिन खून उसका होता है जिस का वह खून है और भी आगे लपकते हुए, मुंह पे कफ़ लाते हुए संत राम कह रहा था ” मैं तुम्हे जान से मार दूंगा आज, छोड़ दो, छोड़ दो मुझे— यह भी एक मिसाल हो जाने दो बेटे बाप का खून करने आए हैं। आज बाप को बेटे का खून करने दो। मादर मैं ने तुझे क्या नहीं दिया ? तू बाहर पंजाब पढ़ने के लिए गया तो चार सौ रुपया महीना भेजता रहा। फिर तू वहां से भाग आया और मेरे दोस्त ने दो बरस तुझे अपने हां रखा और तुझे तालीम दी। मेरी वजह से उसने तुझे अपने हां रखा वरना तुझे कौन पूछता है चीथड़े को ? और फिर भी पैसे भेजते रहा मेरे बेटे को तकलीफ़ न हो और तू उस से होटलों और रेस्तरानों में जाता, हर क्रिस्म की बदमाशियां करता रहा। तेरे अपने बकने के मुताबिक़ तेरे दोस्त तुझे शहज़ादा कहते थे क्यों कि तू बाप के माल पे ऐश करता था। फिर तू ने बी. ए. में कम्पाटमेंट की और इम्तहान को पूरा न किया क्यों कि तू हिन्दी में फ़ेल हो गया था। हिन्दी भी कोई बात थी भला ? मैं ने कितनी बार तुझ से मिन्नतें कीं कि एक मजमून है पास कर ले लेकिन तुझे उस से चिढ़ हो गई। फिर भी मैं ने तुझे घर रखा और रोटियां खिलाता रहा। होता किसी बाहर के मुल्क में तो अठारवां फांदते ही बाप तेरे चूतड़ पर लात मारता और बाहर निकाल देता। यह अपना ही मुल्क है जिस में इस क्रिस्म की चूतिया पन्थी चलती है जब तेरी जेब में पैसे नहीं होते थे तो मैं तेरी माँ की चोरी से दस बीस पचास डाल देता था और आज यह उसी के कारण है कि वह मुझे आंखे दिखाती है और कहती है मैंने अपनी औलाद को तबाहो बरबाद कर दिया। तेरी

تباہ و برباد کر دیا۔ تیری وجہ سے میں نے اپنی زندگی تباہ و برباد کر لی۔ یہ تیرا ہی فقرہ ہے نا کہ میری ماں جس قسم کی عورت ہے، اس سے اچھا تو میرا باپ کوئی داشتہ رکھ لے..... بول، کہا نہیں تو؟ جو بیٹا ماں کے بارے میں یہ کہہ سکتا ہے، وہ باپ کی بابت کیا کہے گا؟ روز تو ماں کو گالی دیتا ہوا نکل جاتا ہے اور جانتا ہے وہ گالی کسے پڑتی ہے؟ وہ تجھے گالی دیتی ہے تو گالی کسے پڑتی ہے؟ کیا اس گھر میں کوئی مالک نہیں، کوئی باپ نہیں؟ کیا ہوا جو ایک بار زندگی میں صرف ایک بار گھانا پڑ گیا۔ میں نے لاکھ روپے منوایا ہے تو آج ہی لاکھ روپے کا کنٹریکٹ کیا ہے، جس میں سے کچھ نہیں تو تیس پینتیس ہزار بیج جائیں گے۔ جب تو تیری ماں بھی خوش ہوگی اور یہ لاڈ بھی، جو اس دن باپ کی بجائے مجھے انکل کہہ گئی اور تو بھی خوش ہوگا اور فخر سے میرا نام لے گا۔ لیکن میں..... میں تم سب کو سمجھ گیا ہوں۔ منہ تک نہ لگاؤں گا کسی کو.....“

پال کے ہونٹ پھڑکنے لگے تھے۔ اس نے ڈرتے ڈرتے کہا بھی تو صرف اتنا ”پر پپا، میں نے کیا کیا ہے؟“

”تم نے؟“ سنت رام اور بھی بلند آواز سے چیخا۔ ”تم نے مجھے گالی دی ہے، جو کسی نے نہیں دی۔ کسی کی ہمت ہی نہیں پڑی۔ سب جانتے ہیں نا، میں خالی ہاتھوں سے ان کی بوٹیاں اڑا دوں گا۔ تیری یہ ہمت کہ ایک سگریٹ تیرا پی جانے سے تو پورا پیکٹ میرے منہ پر دے مارے؟“

”ایک سگریٹ؟“ پال نے کہا۔

”ہاں۔“ سنت رام نے کہا۔ ”تجھے پتا چل گیا نا۔ میں نے تیرا ایک اسٹیٹ ایکسپریس صبح پی لیا تھا.....“

”نہیں..... مجھے تو کچھ نہیں معلوم۔“

اس سے پہلے کہ سنت رام جو کانپ رہا تھا، نیچے گر جاتا، بیٹے نے بڑھ کر تھام لیا اور اس کے گلے لگ کر پھوٹ پھوٹ کر رونے لگا اور کہنے لگا..... معاف کر دو..... مجھے معاف کر دو، پپا!“

वजह से मैं ने अपनी ज़िन्दगी तबाहो बरबाद कर ली। यह तेरा ही फ़िकरा है ना कि मेरी मां जिस क्लिस्म की औरत है, इस से अच्छा तो मेरा बाप कोई दास्ता रख ले बोल, कहा नहीं तू ने? जो बेटा माँ के बारे में यह कह सकता है वह बाप की बाबत⁽¹⁾ क्या कहेगा? रोज़ तू माँ को गाली देता हुआ निकल जाता है और जानता है वह गाली किसे पड़ती है? वह तुझे गाली देती है तो गाली किसे पड़ती है? क्या इस घर में कोई मालिक नहीं, कोई बाप नहीं? क्या हुआ जो एक बार ज़िन्दगी में सिर्फ़ एक बार घाट पड़ गया। मैं ने लाख रुपया गंवाया है तो आज ही लाख रुपये का कन्टैक्ट किया है जिस में से कुछ नहीं तो तीस पैतीस हजार बच जाएंगे। जब तो तेरी माँ भी खुश होगी और यह लाडो भी जो उस दिन बाप की बजाए मुझे अंकल कह गई और तू भी खुश होगा और फ़ख़ से मेरा नाम लेगा। लेकिन मैं मैं तुम सब को समझ गया हूँ मुंह तक न लगाऊंगा किसी को"

पाल के होंठ फड़कने लगे थे। उसने डरते डरते कहा भी तो सिर्फ़ इतना "पर पप्पा मैं ने क्या किया है?"

"तुम ने?" संत राम और भी बुलन्द आवाज़ से चीखा। "तुम ने मुझे गाली दी है, जो किसी ने नहीं दी। किसी की हिम्मत ही नहीं पड़ी सब जानते हैं ना, मैं खाली हाथो से उनकी बोटियां उड़ा दूंगा। तेरी यह हिम्मत के एक सिगरेट तेरा पी जाने से तू पूरा पैकेट मेरे मुंह पर दे मारे?"

"एक सिगरेट?" पाल ने कहा

"हां" संत राम ने कहा "तुझे पता चल गया ना। मैं ने तेरा एक स्टेट एक्सप्रेस सुबह पी लिया था।"

"नहीं मुझे तो कुछ नहीं मालूम"

इससे पहले के संत राम जो कांप रहा था नीचे गिर जाता, बेटे ने बढ़कर थाम लिया और उस के गले लगकर फूट फूट कर रोने लगा। और कहने लगा मुझे माफ़ कर दो, पप्पा, मुझे माफ़ कर दो पप्पा!"

अगले रोज़ संत राम हसबे मामूल सुबह के चार बजे उठ गया था। उसे फिर सिगरेट की तलब हुई। धोबिन को डिस्टर्ब किये बगैर वह साथ कैं कमरे में चला आया जहां पाल लाडो और उसका बच्चा बाँबी सोए हुए थे। संत राम ने ज़ीरो पावर का बल्ब जलाया और उनकी तरफ़ देखने लगा। हलकी सी मद्धम रौशनी में वह

اگلے روز سنت رام حسب معمول صبح کے چار بجے اٹھ گیا تھا۔ اسے پھر سگریٹ کی طلب ہوئی۔ دھوین کو ڈسٹرب کیے بغیر وہ ساتھ کے کمرے میں چلا آیا، جہاں پال، لاڈو اس کا بچہ بابی سوئے ہوئے تھے۔ سنت رام نے زیر و پاؤر کا بلب جلایا اور ان کی طرف دیکھنے لگا۔ ہلکی سی مدھم روشنی میں وہ سب فرشتے معلوم ہو رہے تھے۔ ایک سے ایک حسین اور خوبصورت اور خوشبودار۔ آج بابی کی بانہہ ماں کے گلے میں تھی۔ وہ آزاد اور بے فکر سو رہا تھا۔

سنت رام نے سوچا۔ کالج بھیجنے سے پہلے میں نے اس بچی کو لیکچر دیا تھا لیکن اگر یہ کوئی بے راہ روی کرتی تو کیا میں اسے سڑک پہ پھینک دیتا؟ پال کا تجربہ ناکام ہوتا تو میں اسے زندگی کا کھیل نہ سکھاتا؟ یہ اخلاق..... یہ تہذیب، سب باتیں ہیں، یہ اور یہاں سے باہر کے سب بچے ہیں جو کھیلتے ہیں، گرتے ہیں، پھر اٹھ کر کھیلنے لگتے ہیں..... دھوین؟..... دھوین بیوقوف ہے، وہ نہیں جانتی کچھ، سوائے کپڑے دھونے کے.....

سنت رام نے اسٹیٹ ایکسپریس کا کارڈ نکالا اور اسے اپنے بیٹے کے سر ہانے رکھ دیا۔ رات اس جھگڑے کی وجہ سے وہ اپنے بیٹے کو دے ہی نہ سکا تھا۔ چلو یہ اور بھی اچھا ہوا۔ جاگے گا تو ایک دم پورا کارڈن پا کر کتنا خوش ہوگا..... پھر سنت رام نے بیٹے کے دیے ہوئے رشین سو برائن کے پیکٹ میں سے ایک سگریٹ نکالا، اسے جلایا اور دھوئیں کے بڑے بڑے کش چھوڑے۔ زیر و پاؤر کے بلب کی روشنی پہلے ہی کچھ نہیں ہوتی۔ اس پہ دھوئیں نے اور بھی منظر کو دھندلا دیا تھا اور بچے فرشتوں سے بھی زیادہ حسین لگنے لگے تھے۔ سنت رام کا جی چاہا کہ وہ آگے بڑھ کر پال کا چہرہ چوم لے۔ لیکن کہتے ہیں سوتے میں بچے کا چہرہ نہیں چومتے، جانے کیوں؟ اس وقت تو سنت رام نے یہی سوچا کہ اگر اس نے ایسی حرکت کی تو وہ جگ جائیں گے۔

سو برائن کے چوتھے کش میں کوئی نشہ تھا یا شاید سنت رام کی آنکھیں بیٹے کی شراب سے چڑھ گئی تھیں۔ اس نے دھواں صاف کرتے ہوئے ایک بار پھر سب کی طرف دیکھا اور پھر پراختنا کے لیے پو جا کے کمرے کی طرف چل دیا۔



आज़ादी के बाद उर्दू अफ़साना

सब फ़रिश्ते मालूम हो रहे थे— एक से एक हसीन और खूबसूरत और खुशबूदार। आज बाँबी की बांह मां के गले में न थी वह आज़ाद और बे फ़िक्र सो रहा था।

संत राम ने सोचा कालेज भेजने से पहले मैं ने इस बच्ची को लेकर दिया था लेकिन अगर यह कोई बे-राह-रवी⁽¹⁾ करती तो क्या मैं इसे सड़क पर फेंक देता ? पाल का तजुर्बा नाकाम होता तो मैं उसे ज़िन्दगी का खेल न सिखाता ? यह अख़लाक यह तहज़ीब, सब बातें हैं। यह और यहाँ से बाहर के सब बच्चे हैं जो खेलते हैं, गिरते हैं, फिर उठकर खेलने लगते हैं। धोबिन ?..... धोबिन बेवकूफ़ है, वह नहीं जानती कुछ, सिवाय कपड़े धोने के.....

संत राम ने स्टेट एक्सप्रेस का कार्टन निकाला और अपने बेटे के सिरहाने रख दिया। रात इस झगड़े की वजह से वह अपने बेटे को दे ही न सका था। चलो यह और भी अच्छा हुआ। जागेगा तो एक दम पूरा कार्टन पाकर कितना खुश होगा..... फिर संत राम ने बेटे के दिये हुए रशियन सोबराइन के पैकेट में से एक सिगरेट निकाला, उसे जलाया और धुएँ के बड़े बड़े कश छोड़े। जीरो पावर के बल्ब की रोशनी पहले ही कुछ नहीं होती। इस पर धुएँ ने और भी मन्ज़र को धुंधला दिया था और बच्चे फ़रिश्तों से भी ज्यादा हसीन लगने लगे थे। संत राम का जी चाहा कि वह आगे बढ़ कर पाल का चेहरा चूम ले। लेकिन कहते हैं सोते में बच्चे का चेहरा नहीं चूमते, जाने क्यों उस वक़्त तो संत राम ने यही सोचा कि अगर उस ने ऐसी हरकत की तो वह जग जायेगा।

सोबरायन के चौथे कश में कोई नशा था या शायद संत राम की आखें बेटे की शराब से चढ़ गई थीं, उसने धुआं साफ़ करते हुए एक बार फिर सब की तरफ़ देखा और फिर प्रार्थना के लिए पूजा के कमरे की तरफ़ चल दिया।



دیش بھگت

شام ہو چکی تھی۔ میں چھوٹے بھائی کو چٹھی لکھ رہا تھا کہ اتنے میں چچا اندر داخل ہوئے، بغیر کسی تمہید کے بولے۔ ”سنو! آج ذرا خاص کام ہے۔ تم کو میرے ساتھ چلنا ہوگا۔“

’خاص کام والے الفاظ سن کر میں نے سر ہانے سے صفا جنگ (ایک قسم کی کھاڑی، سکموں کا ایک ہتھیار) اٹھائی اور اسے فرش پر ٹیک اٹھ کھڑا ہوا۔

”مسلمانوں کا محلہ ہے..... میاں لوگوں کا، سمجھے؟..... اور پھر روپے کا معاملہ (یہ ان کا بہت فرسودہ اور بے معنی بہانہ تھا.....“

میری ان سے کوئی رشتہ داری نہ تھی۔ بس ہمارے گاؤں کے رہنے والے، والد صاحب سے بھی کچھ دعا سلام تھی۔ مجھ پر مہربان تھے اور قدرے بے تکلف بھی۔ میری عمر تقریباً بائیس برس کی تھی، قد ذرا نکلتا ہوا، چوڑا سینہ، سڈول بازو، مضبوط ہاتھ پاؤں، باوجود چار مرتبہ کوشش کرنے کے بھی ایف۔ اے پاس نہ کر پایا تھا۔ چچا کا میاں نہ قد، گندی رنگ، کھجڑی داڑھی، دبلے پتلے مگر سخت ہڈی کے تقریباً پینتالیس سالہ بزرگ۔ انھیں پنجاب چھوڑے تین سال ہو چکے تھے اس جگہ ان کا ایک اینٹوں کا بھتہ تھا۔ تھوڑا بہت ٹھیکیداری کا کام بھی مل جاتا تھا۔

غبار اور دھند کے گہرے کفن نے شہر کو ڈھانپ رکھا تھا، بازاروں میں کان پڑی آواز سنائی نہ دیتی تھی۔ یکے والوں کی آوازیں ان کی گالیاں، اور تو الیاں..... دور دھند لکے میں مسجد کے قریب، کسی گھر کی چھت پر سفید سفید کبوتروں کی ٹکڑیاں ہوا میں پرواز کرتی دکھائی دے رہی تھیں۔

देश भक्त

शाम हो चुकी थी। मैं छोटे भाई को चिट्ठी लिख रहा था कि इतने में चचा अन्दर दाखिल हुए, बगैर किसी तमहीद⁽¹⁾ के बोले। “सुनो! आज ज़रा खास काम है। तुम को मेरे साथ चलना होगा।” ‘खास काम’ वाले अलफ़्ताज़ सुनकर मैंने सिरहाने से सफ़्त जंग (एक क्रिस्म की कुल्हाड़ी, सिखों का एक हथियार) उठाई और उसे फ़र्श पर टेक उठ खड़ा हुआ।

“मुसलमानों का मुहल्ला है मियां लोगों का, समझे ? और फिर रुपये का मामला (यह उनका बहुत फ़रसूदा और बेमानी बहाना था.....”

मेरी उनसे कोई रिश्तेदारी न थी। बस हमारे गाव के रहने वाले, वालिद साहब से भी कुछ दुआ सलाम थी। मुझ पर मेहरबान थे और क़दरे बेतकल्लुफ़ भी। मेरी उम्र तकरीबन बाइस बरस की थी, क़द ज़रा निकलता हुआ, चौड़ा सीना सुडौल बाजू, मज़बूत हाथ पांव, बावजूद चार मर्तबा कोशिश करने के भी उफ़्र एफ़्र० ए० पास न कर पाया था। चचा का मियाना क़द, गन्दुमी रंग, खिचड़ी दाढ़ी, दुबले पतले मगर सख़्त हड्डी के तकरीबन पैतालिस साला बुजुर्ग उन्हें पंजाब छोड़े तीन साल हो चुके थे। उस जगह उनका एक ईंटों का भट्ठा था। थोड़ा बहुत ठेकेदारी का काम भी मिल जाता था।

गुबार और धुंध के गहरे कफ़न ने शहर को ढांप रखा था, बाज़ारों में कान पड़ी आवाज़ सुनाई न देती थी। यक्का वालों की आवाज़ें उन की गालियां और क़व्वालियां। दूर बुंधलके के में मस्जिद के क़रीब किसी घर की छत पर सफ़ेद सफ़ेद कबूतरों की टुकड़ियां हवा में परवाज़ करती दिखाई दे रही थीं।

ہم گھنٹہ کے قریب سے ہو کر بیگم سرائے کی طرف چل کھڑے ہوئے۔

کٹڑ پر بادشاہ خاں پٹھان کی چائے کی دکان تھی، اس جگہ سودخور پٹھانوں کا اجتماع ہوتا تھا، بیٹھے چائے پیتے یا قہوہ اڑاتے، دو تین، بے بال و پر چھوکرے آگ جلانے، پیالیاں دھونے، چائے بنانے اور پھر گاہکوں کے ساتھ ہنس ہنس کر باتیں کرنے کے فرائض انجام دیا کرتے تھے اور کبھی ریکارڈ بیچتے:

لڑم دے لڑم، وہ مورے رادو کا لڑم دے لڑم
کبھی کوئی خان اپنی شلوار چڑھا، ٹانگیں رانوں تک نکلی کر، کسی ہندوستانی موچی سے جھگڑنے لگتا اور کہتا:

”امرا کا بل میں چہل اوتا، تمرادیس میں چہلی“

یا پھر پہلو والی ”گرم گرم قلیہ پراٹھا“ کی دکان پر شاہ صاحب، ایک بزرگ سبز پوش، داڑھی مہندی سے سرخ کیے آن بیٹھتے۔ آنکھیں جلال معرفت کے مارے خون کبوتر، چہرہ کندن کی طرح تاپاں، زلفیں پکنی چڑھی اور عطر بیز..... ان کے تشریف آور ہوتے ہی عقیدت مندوں کے غول کے غول جمع ہوتا شروع ہو جاتے، مجھ (مظہر) شہر کے بے تاج بادشاہ جس رنگ ساز، قمر جلد ساز، اور لالو مالک:

جاتے کہاں ہو کس طرف خیال ہے
گھڑیوں کا بس یہی اسپتال ہے

وغیرہ جیسی ہستیاں آن کھڑی ہوتیں، گرامفون کو چابی دے کر ملکہ عالم کا ریکارڈ چڑھا دیا جاتا اور سب لوگ تالیوں کے ساتھ ”اللہ ہو، اللہ ہو، اللہ ہو“ گانے لگتے۔

اس طرف پیسہ اخبار والا چلاتا۔ ”ہٹلر کی پیش قدمی،..... برطانیہ کا دندان شکن جواب..... جاپان کی برطانیہ کو گیدڑ بھیگی..... ایک پیسہ میں۔“

یہ سن کر وہ بزرگ سبز پوش سر کو زور کے ساتھ گردش دے کر نعرہ لگاتے ”یا علی“ اور پھر وہی ”اللہ ہو، اللہ ہو“۔

ادھر یہ ہنگامہ تو ادھر کھلبلی کے مارے ہوئے کتے کبابوں کی بو پا کر تھو تھنیاں اٹھا اٹھا

आज़ादी के बाद उर्दू अफ़साना

हम घंटा के क़रीब से हो कर बेगम सराय की तरफ़ चल खड़े हुए।

नुक्कड़ पर बादशाह खाँ पठान की चाय की दुकान थी, उस जगह सूदख़ोर पठानों का इज्जतमा⁽¹⁾ होता था, बैठे चाय पीते या क़हवा उड़ाते, दो तीन, बेबालोपर छोकरे आग जलाने, प्यालियां धोने, चाय बनाने और फिर ग्राहकों के साथ हंस हंस कर बातें करने के फ़राएज़⁽²⁾ अंजाम दिया करते थे और कभी रिकार्ड बजते:

लड़म दे लड़म

वह मेरे रादू का लड़म दे लड़म

कभी कोई खाँ अपनी शलवार ऊपर चढ़ा, टांगे रानों तक नंगी कर, किसी हिन्दुस्तानी मोची से झगड़ने लगता और कहता:

“अमरा काबुल में चप्पल ओता, तुमरा देस में चप्पली”

या फिर पहलू वाली “गर्म गर्म कलिया पराठ” की दुकान पर शाह साहब एक बुर्जुग सब्ज़पोश दाढ़ी मेहंदी से सुर्ख़ किये आन बैठते। आँखें जलाले-मारफ़्त⁽³⁾ के मारे खूनी कबूतर, चेहरा कुंदन की तरह ताबां, जुल्फ़ें चिकनी चुपड़ी और इत्र बीज उनके तशरीफ़ आवर होते ही अक्कीदतमंदों के गोल⁽⁴⁾ के गोल जमा होना शुरु हो जाते, मजहर (मज़हर) शहर के बेताज बादशाह जुम्मन रंगसाज़, क़मर जिल्दसाज़ और लल्लू मालिक:

जाते कहाँ हो किस तरफ़ ख़याल है

घड़ियों का बस यही अस्पताल है

वग़ैरह जैसी हस्तियां आन खड़ी होतीं, ग्रामोफ़ोन को चाभी दे कर मलका-ए-आलम का रिकार्ड चढ़ा दिया जाता और सब लोग तालियों के साथ “अल्लाहू, अल्लाहू, अल्लाहू” गाने लगते।

उस तरफ़ पैसा अख़बार वाला चिल्लता। “हिटलर की पेशक़दमी,.... बरतानिया का दन्दान शिकन ज़वाब ... जापान की बरतानिया को गीदड़ भभकी। एक पैसा में”

यह सुन कर वह बुर्जुग सब्ज़पोश⁽⁵⁾ सर को ज़ोर के साथ गर्दिश दे कर नारा लगाते “या अली” और फिर वही “अल्लाहू, अल्लाहू”।

1. बैठक 2. फ़र्ज़ (कर्तव्य) का बहुवचन 3. निर्वाण की चमक 4. झुण्ड 5. हरे लिबास वाला

آزادی کے بعد اردو افسانہ

کر ہوا میں سونگھا کرتے اور کبھی موقع پا کر کچھ نہ کچھ لے بھی اڑتے۔

کچھ دور جانے کے بعد مہنگی پنواڑن کی دکان کے آگے رک گئے۔ مہنگی کی عمر بتیس برس سے تجاوز کر چکی تھی۔ بدن کی بھاری، گورا رنگ، ناز و ادا کی کمی نہ تھی، بڑی بڑی آنکھوں میں بے تحاشہ کاجل، ہونٹوں پر مستی کی دھڑی۔ پان کا بیڑا بڑھاتی تو اپنی نشلی اور کینیلی آنکھیں پہلے تو گاہک کی آنکھوں سے لڑا دیتی، تب شرما کر اور مسکرا کر نظریں جھکا لیتی، اور پنڈلیوں کو دھوتی سے ڈھانپ کر اپنی چاندی کی پازیبوں پر نظریں گاڑ دیتی۔

میلے کیلے جیتروے پہننے والے مزدور، ڈاکھانے کے قریب بیٹھنے والے خطوط نویس منشی یا ہوٹلوں کے گائڈ نشہ کے ترمک میں آتے اور اسے دیکھ کر مچل جاتے۔ اپنی اندر دھنسی ہوئی مخمور آنکھوں سے اسے دیکھتے۔ کبھی اتنا کہنے کے لیے ”ہاے ری آج تو گجب کا بناو سنگھار کر رکھا ہے۔“ کبھی کسی کجبری کا بول از قسم:

گھر سے کسی نند بہوجیا
جلم دونوں جوڑی رے سانوریا

اور کبھی پان لینے وقت اس کی ہتھیلی کو اپنی انگلی سے کھجا دینے کی تنہا میں ایک پیسہ کے پان اور ایک پیسے کی چاروالی پری مارکہ سگریٹ خرید لیتے تھے۔

چچا کو دیکھتے ہی اس نے جبک کر سلام کیا ارے پنجابی بابو! کون دیس رہت ہو اب،،۔

”مہنگی بس کیا پوچھو تم ہمیں کو بھولت تانہہ“

مہنگی سر پر آٹھل کھینچ سنبل کر ہو بیٹھی اور پان لگاتے ہوئے کہنے لگی ”اور وہ ہمرے لیے تم چندری لان کو کہت رے،،

چچا سنی آن سنی کر کے اس کے لال لال گالوں کی طرف لپٹائی ہوئی نظروں سے تاکتے ہوئے بولے۔ ”اب لاؤ دیوگی بھی نہیں!“

مہنگی کچھ لپٹائی اور ملامت آمیز نظروں سے چچا کی طرف دیکھنے لگی۔

اتنے میں اور گاہک بھی آ گئے۔ میں ذرا پیچھے ہٹ کر کھڑا ہو گیا۔

بائیں طرف برآمدے میں ایک بڑھیا کسی چالاک لومڑی کی طرح سب تاڑ رہی تھی

आज़ादी के बाद उर्दू अफ़साना

इधर यह हंगामा तो उधर खुजली के मारे हुए कुत्ते शामी कबाबों की बूँद पा कर धूँधनियाँ उठा उठा कर हवा में सूँघा करते और कभी मौक़ा पा कर कुछ न कुछ ले भी उड़ते।

कुछ दूर जाने के बाद महगी पंवाड़न की दुकान के आगे रुक गये। महगी की उम्र बत्तीस बरस से तज़ावुज़ कर चुकी थी। रूदन की भारी, गोरा रंग, नज़्ज़ोअदा की कमी न थी, बड़ी बड़ी आँखों में बेतहाशा काजल, होंठों पर मिस्सी की धड़ी। पान का बीड़ा बढ़ाती तो अपनी नशीली और कटीली आँखें पहले तो ग्राहक की आँखों से लड़ा देती तब शर्मा कर और मुस्कुरा कर नज़रें झुका लेती, और पिण्डलियों को धोती से ढांप कर अपनी चाँदी की पाजेबों पर नज़रें गाड़ देती।

मैले कुचैले चीथड़े पहनने वाले मज़दूर, डाक़्ख़ाने के क़रीब बैठने वाले खुतूत-नवीस⁽¹⁾ मुंशी या होटलों के गाइड, नशा के तरंग में आते और उसे देख कर मचल जाते। अपनी अन्दर धंसी हुई मख़मूर आँखों से उसे देखते। कभी इतना कहने के लिए "हाए री आज तो ग़जब का बनाव सिंगार कर रखा है" कभी किसी कजरी का बोल अज किस्म:

घर से निकसी नन्द बहोजिया

जुलम दोनों जोड़ी रे, सांवरिया

और कभी पान लेते वक़्त उस की हथेली को अपनी उंगुली से खुजा देने की तमन्ना में एक पैसा के पान और एक पैसा के चार वाली परी माँका सिग्रेट ख़रीद लेते थे। चचा को देखते ही उसने झुककर सलाम किया। "अरे पंजाबी बाबू! कौन देस रहत हो अब।"

"महगी बस क्या पूछो हो, तुम हमुन को भूलत नाहूँ"

महगी सर पर आंचल खींच संभल कर हो बैठी और पान लगाते हुए कहने लगी। "और वह हमारे लिए तुम चन्द्री लान को कहत रे"

चचा सुनी अनसुनी करके उस के लाल लाल गालों की तरफ़ ललचाई हुई नज़रों से ताकते हुए बोले। "अब लाओ। देओगी भी नहीं!"

महगी कुछ लजा गई, और मलामत-आमेज़⁽²⁾ नज़रों से चचा की तरफ़

1. ख़त लिखने वाले 2. घृणा से पूर्ण

آزادی کے بعد اردو افسانہ

اس کے قریب ہی ٹاٹ پر ایک عورت بیٹھی تھی۔ جس میں سوائے اس کے کہ جوان تھی اور کوئی خوبی نہ تھی۔ نو جوان عورت نے مجمع کے آدمیوں کو اپنی طرف چھپی نظروں سے دیکھتے ہوئے پایا تو جھٹ سے قمیص کے بٹن کھول کر بیان الٹ الٹ کر لائین کی روشنی میں کھٹل پکڑنے لگی۔ اور گاہے ساڑی ہٹا کر اپنی ٹانگیں کھانے لگتی۔

کچی اور سیاہ دیواروں پر پان کی پیک کے نشانات دکھائی دیتے تھے جیسے بھوت تاج رہے ہوں۔ کمرے کے اندر جاپانی عورتوں کی نیم عریاں، پھٹی پرانی تصویریں نظر آرہی تھیں۔ ایک طرف کھاٹ پر بستر بچھا ہوا تھا اور اس کے پاس ہی فرش پر ایک نیا لے رنگ کا اگالداں بھی پڑا تھا۔

ایک مرد نے نو جوان عورت کی بازو کی چٹکی لیتے ہوئے کچھ پوچھا تو بدھیا نے تاریکی میں آگے جھک کر حلق سے آواز نکالتے ہوئے آہستہ سے کہا ”آٹھ آنے“

تاریک اور بچ در بچ گلیوں سے ہوتے ہوئے ہم چلے جا رہے تھے۔ کبھی کبھی کسی گلی کے تلو پر سرکاری یسپ کی دھندلی روشنی میں صفا جنگ کی چمک اور میری گھیرے دارشلوار سے خائف ہو کر بچے گھروں میں گھس کر اوڑ بند کر لیتے تھے۔

کہاروں کے محلہ کے قریب پہنچ کر چچا گندے نالے کی طرف چل دیے۔ راستہ گھوڑوں اور گدھوں کی لید سے اٹا پڑا تھا۔ چھپروں والے ٹوٹے پھوٹے کچے مکانات تھے۔ کہاروں کی بھاری بھر کم عورتیں کچے چبوتروں پر لیٹی، روتے ہوئے ننھے بچوں کو دودھ پلا کر چپ کرانے کی کوشش کر رہی تھیں۔

گندے نالے کے بل پر سے گزرتے ہوئے میں نے ناک پکڑی کے شعلے سے ڈھانپ لی۔ اس کے بعد ہم بڑے تالاب کے کنارے کنارے چلے گئے۔ یہاں شہر بھر کی گندمی جمع تھی۔ لوگ نئی بھی یہیں پھرتے تھے۔ جب وہ اٹھ کر چلے جاتے تو بھٹیوں کے محلے سے سورا کر منہ مارنے آتے۔ کہیں کہیں کتے دم توڑتے نظر آتے تھے۔ کہیں کسی گدھے کا پنجر پڑا تھا اور کسی طرف گھوڑے کے جڑے کے پاس کوئی گدھہ مرا پڑا تھا۔ یہ کچا تالاب بہت بڑا تھا۔ اس میں کئی انسانوں اور جانوروں کا پیشاب اور غلاظت جمع تھی۔

आजादी के बाद उर्दू अफ़साना

देखने लगी। इतने में और ग्राहक भी आ गए। मैं ज़रा पीछे हटकर खड़ा होगया।

बाईं तरफ़ बरामदे में एक बुढ़िया किसी चालाक लोमड़ी की तरह सब को ताड़ रही थी, उस के करीब ही टाट पर एक औरत बैठी थी। जिस में सिवाए इसके कि जवान थी, ओर कोई खूबी न थी। नौजवान औरत ने मजमा के आदमियों को अपनी तरफ़ छुपी नज़रों से देखते हुए पाया तो झट से कमीज़ के बटन खोल, गिरेबान उलट-उलट कर लालटेन की रौशनी में खटमल पकड़ने लगी। और गाहे साड़ी हटाकर अपनी टांगें खुजाने लगती।

कच्ची और सियाह दीवारों पर पान की पीक के निशानात ऐसे दिखाई देते थे, जैसे भूत नाच रहे हों। कमरे के अन्दर जापानी औरतों की नीम उरियां फटी पुरीनी तस्वीरें नज़र आ रही थीं। एक तरफ़ खाट पर बिस्तर बिछा हुआ था और उसके पास ही फ़र्श पर एक मटियाले रंग का उगालदान भी पड़ा था।

एक मर्द ने नौजवान औरत के बाजू की चुटकी लेते हुए कुछ पूछा, तो बुढ़िया ने तारीकी आगे झुककर हलक़ में से आवाज़ निकालते हुए आहिस्ता से कहा। “आठ आने—”

तारीक और पेच दरपेच गलियों में से होते हुए हम चले जा रहे थे। कभी कभी किसी गली के नुक्कड़ पर सरकारी लैम्प की धुंधली रौशनी में सफ़ा जंग की चमक और मेरी घेरेदार शलवार से ख़ाएफ़ होकर बच्चे घरों में घुस किवाड़ बन्द कर लेते थे।

कुम्हारों के मुहल्ले के करीब पहुँच कर चचा गंदे नाले की तरफ़ चल दिए। रास्ता छोड़ों और गधों की लीद से अट पड़ा था। छप्परों वाले टूटे फूटे कच्चे मकानात थे। कुम्हारों की भारी भरकम औरतें कच्चे ढाबूतारों पर लेटी, सोते हुए नन्हे बच्चों को दूध पिलाकर चुप कराने की कोशिश कर रही थीं।

गंदे नाले के पुल पर से गुज़रते हुए मैंने नाक पगड़ी के शमले से ढांप ली। उस के बाद हम बड़े तालाब के किनारे किनारे चलने लगे। यहां शहर भर की गंदगी जमा थी। लोग टट्टी भी यहीं फिरते थे। जब वह उठ कर चले जाते तो भंगियों के मुहल्ले से सुआर आकर मुंह मारने लगते। कहीं कहीं कुत्ते दम तोड़ते नज़र आते थे। कहीं किसी गिद्ध का पंजर पड़ा था और किसी तरफ़ घोड़े के

اس کا پانی بہت گاڑھا، ازحد بدبودار اور سیاہ رنگ کا تھا۔ چاند کی چاندنی اس کو اور بھی بھیا تک بنا رہی تھی۔ اس کی سطح پر ابھرے ہوئے بلبے اس طرح دکھائی دیتے تھے، جیسے کسی شخص کے جسم پر آتشک کے زخم۔

یہاں سے گزر کر ہم دونوں بہت دیر چپ چاپ چلتے رہے۔ آخر کار چچا ایک ٹوٹے پھوٹے گھر کے آگے رکے اور آوازیں دینے لگے۔ ”مجید! او مجیدے!!“
میں نے کہا ”چچا آپ نے فضول ہی اتنا بڑا چکر لگایا، یہ گلی وہی نہیں جو اسٹیشن سے آنے والی سڑک سے جا ملتی ہے۔“

چچا دیدے چکا کر بولے۔ ”ارے میاں! ادھر جاتے تو بھلا یہ سیر کیسے ہوتی، بس تم بھوندو ہی رہے..... ہی ہی ادھر کیا رکھا تھا..... ہی ہی..... ارے مجید او مجیدے او۔“
”ہجور گلام تو ایدھر کھڑا ہے۔“

میں نے گھوم کر دیکھا کہ ایک لمبا تڑنگا، چوڑے شانوں والا مرد جھکا فرشی سلام کر رہا ہے۔ باوجود سردی کے ایک میلہ کچیلہ تہہ کمر سے لپیٹے ہوئے تھا۔ اور جسم پر صرف ایک چادر۔

آئیے آئیے آکا! اندر چلے آئیے۔“

یہ کہہ کر اس نے ٹاٹ کا گلا سڑا پردہ اٹھایا اور ہم اندر داخل ہو گئے۔ ”کمران قسم (بہن کی گالی دے کر) سالوں نے جینا مشکل کر دیا ہے۔ یہاں پولس بھی بس خدا کی پناہ ہے۔“

میں نے ادھر ادھر دیکھا۔ سامنے چھوٹے سے صحن کے کونے میں ایک پائخانہ، پاس ہی لکڑیوں کا انبار، گوبر سے لپی ہوئی کچی دیواروں پر اُپلے، ایک طرف کھٹلوں سے بھرپور ٹوٹی ہوئی کھاٹ، ادھر چولھے کے قریب مٹی کے تیل کی کپی، اس کی چھوٹی سی لو بے پناہ تاریکی سے جنگ کرنے کی ناکام کوشش کر رہی تھی۔ چولھے کے قریب ایک بڑھیا اینٹ پر بیٹھی ایک باسی روٹی توڑ توڑ کر کھا رہی تھی۔ ہاتھ میں پیاز اور فرش پر چٹنی کا پیٹہ۔

مجید چچا کو بتا رہا تھا کہ کیسے ان کے محلہ میں کسی نے ایک ہندو پر لاشی چلا دی۔ جس

आजादी के बाद उर्दू अफसाना

जबड़े के पास कोई गिट्ट मरा पड़ा था। यह कच्चा तालाब बहुत बड़ा था। उस में कई इंसानों और जानवरों का पेशाब और ग़लाज़त⁽¹⁾ जमा थी। उस का पानी बहुत गाढ़ा, अज़हद⁽²⁾ बदबूदार और सियाह रंग का था। चांद की चांदनी उस को और भी भयानक बना रही थी। उसकी सतह पर उबले हुए बुलबुले इस तरह दिखाई देते थे जैसे किसी शख्स के जिस्म पर आतशक के ज़ख़म।

यहां से गुज़रकर हम दोनों बहुत देर तक चुपचाप चलते रहे। आख़िरकार चचा एक टूटे फूटे घर के आगे रुके और आवाज़ें देने लगे। “मजीद! ओ मजीदे!!”

मैंने कहा। “चचा आपने फ़ज़ूल ही इतना बड़ा चक्कर लगाया, यह गली वही नहीं जो स्टेशन से आने वाली सड़क से जा मिलती है।”

चचा दीदे चमका कर बोले। “अरे मियां! उधर जाते तो भला यह सैर कैसे होती, बस तुम भौंदू ही रहे ही ही उधर क्या रखा था..... ही ही।..... अरे मजीद ओ मजीदे ओ.....”

“हुज़ूर गुलाम तो इधर खड़ा है।”

मैंने घूम कर देखा कि एक लम्बा तड़ंगा, चौड़े शानों वाला मर्द झुका फ़र्शी सलाम कर रहा है। बावजूद सर्दी के एक मैला कुचैला तहमद कमर से लपेटे हुए था। और जिस्म पर सिर्फ़ एक चादर।

“आइए आइए आक्का! अंदर चले आइए”

यह कह कर उसने टाट का गला सड़ा पर्दा उठाया और हम अंदर दाख़िल हो गए।

“क़ुरान कसम (बहन की गाली दे कर) सालों ने जीना मुश्किल कर दिया है, यहाँ पुलिस भी बस खुदा की पनाह है।”

मैंने इधर उधर देखा। सामने छोटे से सेहन के कोने में एक पाख़ाना, पास ही लकड़ियों का अंबार, गोबर से लिपी हुई कच्ची दीवारों पर उपले, एक तरफ़ खटमलों से भरपूर टूटी हुई खाट, उधर चूल्हे के करीब मिट्टी के तेल की कुप्पी, उसकी छोटी सी लौ बेपनाह तारीकी से जंग करने की नाकाम कोशिश कर रही थी। चूल्हे के करीब एक बुढ़िया ईट पर बैठी एक बासी रोटी तोड़ तोड़ कर खा

آزادی کے بعد اردو افسانہ

سے اس کا سرتو بیچ گیا، مگر ایک کان صاف اڑ گیا۔ اور کسی طرح وہ چیختا چلاتا محلہ کے ناکے کی طرف بھاگا، اور پھر ناکے کے صحن میں بیہوش ہو کر گر پڑا اور کیسے پولس اس کو (مجید کو) ناحق دو گھنٹہ سے کوتوالی میں بٹھائے دق کر رہی تھی، اور اب کہیں جا کر اس کی خلاصی ہوئی تھی۔۔۔ چچا یہ باتیں سن کر کچھ پریشان ہو گئے۔

مجید جو لمبے کی طرف گیا، پتہ میں سے انگلی پر چٹنی لگا کر چائی، اور پٹخارہ لے کر بولا
 ”کا ہے کی ہے؟“
 ”بیاج کی۔“

پھر وہ چھت سے لٹکی ہوئی ہنڈیا میں ہاتھ ڈال کر ٹٹولنے لگا۔ ”تبا کو کہاں ہے؟“
 پوپلے منہ والی بڑھیا بولی۔ ”بوتے کے پیچھے۔“
 مجید حقہ پینے لگا۔ چچا کی جانب دیکھ کر بڑھیا کی طرف ابرو سے اشارہ کرتے ہوئے بولا: ”ماں ہے میری۔“

اتنے میں پردہ اٹھا۔ ایک کالے کلوٹے مرد نے اندر جھانک کر دیکھا۔ ”کو مجید کہاں! پولس میں کا ہوا؟“
 چچا اس کی صورت دیکھ کر گھبرائے، اس کا سراستری سے منڈا ہوا، یہ موٹی گردن، ٹوٹے ہوئے کان، چوڑے نتھنے.....
 چچا نے میرا ہاتھ دبایا۔

”بتلائیں گے۔“ یہ کہہ کر مجید اٹھا اور اس کے پاس جا کر کانا پھوسی کرنے لگا، خیر وہ شخص تو چلا گیا اور مجید پھر آ کر حقہ گز گزانی لگا۔
 چچا نے پیشانی سے پسینہ پوچھا، کھانسی کر گلا صاف کرتے ہوئے بولے۔ ”اچھا بھی مجید اب کچھ معاملہ کی بات ہونی چاہیے۔“
 ”ہاں ہاں۔“ مجید نے سر ہٹھا کر کہا۔ پھر بڑھیا کی طرف جھکا ”کیوں ماں! آنکھ مار کر (پکھانے گئی کیا؟“

بڑھیا نے دبی زبان میں کچھ جواب دیا۔

आज़ादी के बाद उर्दू अफ़साना

रही थी। हाथ में प्याज़ और फ़र्श पर चटनी का पत्ता।

मजीद चचा को बता रहा था कि कैसे उनके मुहल्ले में किसी ने एक हिंदू पर लाठी चला दी। जिससे उसका सर तो बच गया। मगर एक कान साफ़ उड़ गया, और किसी तरह वह चीख़ता चिल्लाता मुहल्ला के नाके की तरफ़ भागा, और फिर नाके के सेहन में बेहोश होकर गिर पड़ा था और कैसे पुलिस उस को (मजीद को) नाहक़ दो घंटा से कोतवाली में बिठाए दिक् कर रही थी, और अब कहीं जाकर उसकी ख़लासी हुई थी। चचा यह बातें सुन कर कुछ परेशान हो गये।

मजीद चूल्हे की तरफ़ गया, पत्ता में से उंगली पर चटनी लगा कर चाटी, और चटख़ारा लेकर बोला “काहे की है?”

“प्याज़ की”

फिर वह छत से लटकी हुई हंडिया में हाथ डालकर ट्येलने लगा, “तंबाकू कहां है?”

पोपले मुंह वाली बुढ़िया बोली “बोतबे के पीछे”

मजीद हुक्का पीने लगा, चचा की जानिब देख कर बुढ़िया की तरफ़ अबरू से इशारा करते हुए बोला: “मां है मेरी”

इतने में पर्दा उठा, एक काले कलूटे मर्द ने अंदर झांक कर देखा। “कोऊ मजीद खां। पुलिस में का हुआ?”

चचा उस की सूरत देख कर घबराए, उसका सर उस्तरे से मुंडा हुआ, यह मोटी गर्दन, टूटे हुए कान, चौड़े नथने.....

चचा ने मेरा हाथ दबाया।

“बतलाएंगे” यह कह कर मजीद उठा और उस के पास जाकर काना फूसी करने लगा, ख़ैर वह शख्स तो चला गया और मजीद फिर आकर हुक्का गुड़गुड़ाने लगा।

चचा ने पेशानी से पसीना पोछा, खांस कर गला साफ़ करते हुए बोले: “अच्छा भई मजीद अब कुछ मामले की बात होनी चाहिये”

“हां हां” मजीद ने सर घुमा कर कहा, फिर बुढ़िया की तरफ़ झुका “क्यों मां! (आँख मार कर) पखाने गई क्या?”

बुढ़िया ने दबी जुबान में कुछ जवाब दिया।

آزادی کے بعد اردو افسانہ

”دھت تیری کی ماں! تو بھی عجب اول جلول ہے۔“

اس نے حقہ رکھ دیا اور ”ابھی آیا“ کہہ کر جانے لگا۔

چچا گھبرا کر اٹھ کھڑے ہوئے۔ ”مجید! ہم باہر سڑک پر کھڑے ہوتے ہیں، تم اسے

ادھر ہی لے آنا۔“

”کسم اللہ پاک کی، پنجابی بابو جدھر حکم ہو لے آؤں۔“

”اچھا تو ہم سڑک پر کھڑے ہیں۔“

یہ کہہ کر چچا بھگم بھاگ سڑک پر آ کھڑے ہوئے اور اسٹیشن سے آنے والے یکوں کو دیکھنے لگے۔

چچا، مجید، ایک نو جوان لڑکی، بڑھیا اور میں کل پانچ اشخاص ایک تواریخی باغ کی چار دیواری کے پاس کھڑے تھے۔

مجید نے کچھ طویل بیان شروع کر رکھا تھا، اور لڑکی کی طرف دیکھ کر چچا سے کہہ رہا تھا..... ”روح پوجا کرن جات رہی..... میں نے سمجھایا، لگی پوجا سے کالمی؟ چل پنجابی سنگ سادی کرا دوں گا، بس پنجاب دیس جا، گہنا، کپڑا پہن، کھانا پینا مچا اڑانا..... بس ایسی دھیل میں پھانس لایا ہوں، پنجابی سردار! لونڈیا کا ہے، ہیرا سمجھو..... گریب ہیں کونکلوں میں رکھا..... تمرے پاس جا کر چمک بڑھو ابھی کرے گی۔“

لڑکی کی عمر بمشکل تیرہ چودہ برس کی ہوگی۔ گندی رنگ، ناک چوڑی، ہونٹ جیسے سنگترے کی پھانکیں، بڑی بڑی زرد آنکھیں، بال خشک بدبودار، ہاتھوں اور کلائیوں پر میل، دہلی پتی، سہمی ہوئی کبوتری کی طرح ایک میلی سی پھولدار چادر اوڑھے کھڑی تھی۔

چچا لڑکی کو لے کر چند قدم آگے نیم کے ایک درخت کے نیچے جا کر کھڑے ہوئے۔ تھوڑی دیر خاموشی سی طاری رہی، پھر چچا کی دہلی دہلی آواز آنے لگی..... ”کیا نام؟..... بتاؤ نا!..... ارے بتاؤ..... ہوں؟ کیا کہا؟ اچھا..... اچھا۔ واہ! خوب نام ہے..... ہاں! ہاں!! سردی لگتی ہے؟ ہاں لگتی ہوگی..... بولونا! تم تو کچھ بھی نہیں کہتیں..... منہ کیوں چھپاتی ہو..... ارے ارے روتی ہو؟..... اچھا جانے دو..... روتی کیوں ہو..... لونہ سہی..... او

आज़ादी के बाद उर्दू अफ़साना

“धत तेरी की मां! तू भी अजब ऊल जलूल है”

उसने हुक्का रख दिया और “अभी आया” कह कर जाने लगा।

चचा घबरा कर उठ खड़े हुए “मजीद! हम बाहर सड़क पर खड़े होते हैं, तुम उसे उधर ही ले आना।

“कसम अल्ला पाक की, पंजाबी बाबू जिधर हुकुम हो ले आऊं”

“अच्छा तो हम सड़क पर खड़े हैं”

यह कह कर चचा भागम भाग सड़क पर आ खड़े हुए और स्टेशन से आने वाले यवकों को देखने लगे।

चचा, मजीद, एक नौजवान लड़की, बुढ़िया और मैं, कुल पांच अश्र्वास⁽¹⁾ एक तारीखी⁽²⁾ बाग़ की चार दीवारी के पास खड़े थे।

मजीद ने कुछ तवील बयान शुरू कर रखा था, और लड़की की तरफ़ देखते हुए चचा से कह रहा था..... “रोज़ पूजा करन जात रही..... मैं ने समझाया, पगली पूजा से का मिली? चल पंजाबी संग सादी करा दूंगा, बस पंजाब देस जा, गहना, कपड़ा पहन, खाना पीना मजा उड़ाना..... बस ऐसी धप्पल में फांस लाया हूं, पंजाबी सरदार! लौंडिया का है, हीरा समझो गरीब हैं कोइलों में रखा तुमरे पास जाकर चमक बढ़वा ही करे गी।

लड़की की उम्र बमुश्किल तेरह या चौदह बरस की होगी। गंदुमी रंग, नाक चौड़ी, होंठ जैसे संतरे की फांकों, बड़ी बड़ी जर्द आंखें, बाल खुश्क बदनूदार, हाथों और कलाईयों पर मैल, दुबली पतली, सहमी हुई कबूतरी की तरह एक मैली सी फूलदार चादर ओढ़े खड़ी थी।

चचा लड़की को लेकर चंद क़दम आगे नीम के एक दरख़्त के नीचे जा खड़े हुए..... थोड़ी दूर ख़ामोशी सी तारी रही. फिर चचा की दबी दबी आवाज़ आने लगी “..... क्या नाम? बताओ ना! अरे बताओ हूं? क्या कहा? अच्छा अच्छा। वाह ! ख़ूब नाम है..... हां! हां! सर्दी लगती है? हां लगती होगी..... बोलो ना! तुम तो कुछ भी नहीं कहती मुंह क्यों छुपाती हो..... अरे रे रोती हो?अच्छा जाने दो.....रोती क्यों हो.....लो न सही ओओह ओहो..... अरे नहीं.....”

.....اوہ.....اوہ.....ارے نہیں.....“

”تم کا کرت ہو، چھوٹے پنجابی؟“ مجید نے مجھ سے مخاطب ہو کر پوچھا۔
”پڑھتا ہوں۔“

”پڑھت ہو؟.....ہو ہو ہو.....ہی ہی.....بابو ہو جاؤ گے۔“

چچا اور لڑکی واپس آ گئے۔

مجید نے مجسم سوال بن کر چچا کی طرف دیکھا۔ چچا بولے ابھی جینیتی ہے.....“
مجید نے لڑکی کی ٹھوڑی اٹھا کر کہا۔ ”ارے چھر ماتی کیوں ہے، سونے کے کنگن ملے
گیں.....چند ریالے گی.....“

لڑکی نے زرد زرد آنکھوں سے مجید کی طرف دیکھا..... اور پھر لمبی اور گہری سسکی بھر
کر خاموش ہو گئی۔

بڑھیا اور لڑکی کو واپس گھر کی طرف روانہ کر دیا گیا، اور ہم تینوں تاڑی خانہ پہنچے۔
یہ چچا کے سوخ کا کرشمہ تھا کہ ہمیں تین لوہے کی کرسیاں اور تین ٹانگ کی ایک
میز مل گئی۔

تاڑی کی بو ہر چہار جانب پھیل ہوئی تھی۔ سامنے جہاں دیوار پر ایک ”مندی
بیاریوں کا شرطیہ علاج“۔ نمایاں حروف میں رقم تھا ایک چاٹ والے کی دکان تھی۔ مزدور
لوگ تاڑی کے نشہ میں مست، وہاں بیٹکن کے پکڑے دہی ڈلوا ڈلوا کر کھا رہے تھے۔
دیوار کے سایہ میں ایک موگی بھکارن بیٹھی تھی۔ اس کی صورت مکروہ تھی۔ اور جسم پر ٹاٹ
کے چیتھرے لٹکے ہوئے تھے۔ جب کوئی شخص دہی آلو پتہ نالی کی طرف پھینکتا تو دبے پتلے
کتوں اور اس بھکارن کے درمیان پتہ حاصل کرنے کی کنگش مزدور لوگوں کی مسرت کا
سامان بہم پہنچاتی تھی، وہ خوش ہوتے تھے کہ دنیا میں کسی کی بے بضاعتی پر وہ ہنس سکتے ہیں
وہ وحشیانہ انداز سے دانت نکال نکال کر قہقہے لگاتے اور اچھل اچھل کر اپنے چوڑے پینٹے تھے۔
مجید دو آنخوروں میں تاڑی اور ایک مٹی کی چینی میں بھی ہوئی کھجی لایا۔ تاڑی فروش
نے ایک صراحی تاڑی سے بھر کر ہمارے سامنے رکھ دی۔ اب دونوں تاڑی پینے لگے۔

आजादी के बाद उर्दू अफसाना

“तुम का करत हो, छोटे पंजाबी ? ” मजीद ने मुझ से मुखातिब हो कर पूछा।

“पढ़ता हूँ”

“पढ़त हो ? ” हू हू हू ही ही बाबू हो जाओगे”।

चचा और लड़की वापस आ गए।

मजीद ने मुजस्सम⁽¹⁾ सवाल बन कर चचा की तरफ़ देखा, चचा बोले “अभी झेंपती है.....”

मजीद ने लड़की की ठोड़ी उठा कर कहा “अरे छरमाती क्यों है, सोने के कंगन मिलेंगे चुंदरिया मिलेगी.....”

लड़की ने ज़र्द ज़र्द आंखों से मजीद की तरफ़ देखा..... और फिर लम्बी और गहरी सिसकी भर कर खामोश हो गई।

बुढ़िया और लड़की को वापस घर की तरफ़ रवाना कर दिया गया, और हम तीनों ताड़ी खाना पहुंचे।

यह चचा के रसूख का करिश्मा था कि हमें तीन लोहे की कुर्सियां और तीन टांग की एक मेज़ मिल गई।

ताड़ी की बू हर चहार जानिब फैली हुई थी। सामने जहां दीवार पर एक “गंदी बीमारियों का शर्तिया इलाज” नुमायां हुरूफ़ में रक़म था एक चाट वाले की दुकान थी। मज़दूर लोग ताड़ी के नशे में मस्त, वहां बैंगन के पकौड़े दही डलवा डलवा कर खा रहे थे। दीवार के साये में एक गूंगी भिखारन बैठी थी। उसकी सूरत मकरूह थी, और जिस्म पर टाट के चीथड़े लटके हुए थे। जब कोई शख्स दही आलू पत्ता नाली की तरफ़ फेंकता तो दुबले पतले कुत्तों और उस भिखारन के दरमियान पत्ता हासिल करने की कशमकश मज़दूर लोगों की मसरत का सामान बहम पहुंचाती थी, वह खुश होते थे कि दुनिया में किसी की बे-बिज़ाअती⁽²⁾ पर वह हंस सकते हैं। वह वहशियाना अंदाज़ से दांत निकाल निकाल कर क़हक़हे लगाते और उछल उछल कर अपने चूतड़ पीटते थे।

मजीद दो आबख़ोरो⁽³⁾ में ताड़ी और एक मिट्टी की चीनी में भुनी हुई कलेजी लाया। ताड़ी फ़रोश ने एक सुराही ताड़ी से भर कर हमारे सामने रख दी।

1. जिस्म बन जाना 2. बे हैसियत 3. सिकोरों

آزادی کے بعد اردو افسانہ

لائسن کی دھندلی روشنی میں عجب عجب لوگ نظر آرہے تھے، نشہ میں چور وادی تباہی بک رہے تھے، کہیں ٹوٹے ہوئے آبخورے اور کہیں کوئی چوڑی ہوئی ہڈی پڑی تھی۔ اور کسی طرف کوئی کتا نشے میں بے ہوش شرابی کا منہ چاٹ رہا تھا۔
چچا نے دوبارہ آبخورہ بھر کر کہا، ”لیکن اس کی ٹانگیں بہت پتلی ہیں..... کمزور ہے بچاری.....“

”ابھی عمر ہی کا ہے۔“

بہت دیر تک دونوں میں کانا پھوسی ہوتی رہی۔ پھر مجید بلند آواز میں بول اٹھا۔
”ارے یابی حاجر..... اور حکم کے گلام ہیں..... وہ وہ مٹھائی کھلاؤں گا جو ایک باری یاد بھی کرو تم۔“
مگر جو بات ہم نے کہی وہ بھولنا نہیں۔“

”ارے نہیں صاحب! جب کہو بھی ہو جائے جس..... بھٹکر کا ہے۔“

اتنے میں ہم ایک شرابی کی طرف متوجہ ہو گئے۔ وہ چلا چلا کر کہہ رہا تھا۔ ”ارے کوئی ہماری بھی سنو۔ دیکھو یہ لونڈا.....“

”اماں جاؤ۔“ ایک اور بھاری بھرکم پہلوان نے اس کی پیٹھ پر دھول جما کر کہا.....
”اس کی آنکھیں چڑھی ہوئی تھیں۔ وہ ہاتھ میں تازی سے لبریز آبخورہ لے کر اٹھا۔ لڑکھڑاتے ہوئے قدموں کے ساتھ..... اس نے چھلکتا ہوا آبخورہ ہوا میں بلند کرتے ہوئے کہا۔ ”میں دیب داس ہوں..... دیب داس!..... (زور سے کھانس کر) دکھ کے..... دکھ کے..... ہا..... ہا!! دکھ کے اب دن.....“

اتنے میں ناکی کا لونڈا پہلے شرابی سے ہاتھ چھڑا کر بھاگا..... پہلوان نے زور کی لات اس شخص کے رسید کی۔ ”اے او..... آ..... ادھر آ..... چلا آ..... ہاں بیٹے..... ہاں توبہ کر..... ہاتھ جوڑ..... دعا مانگ۔ دیکھ جیسے میں مانگتا ہوں۔“

”یا الہی! اوے لگائی..... اور وعو وعو دو۔“

معاں اس کا تہہ کھل کر زمین پر آرہا، اس کے منہ سے قے کا پھوارہ نکل پڑا..... اور

आज़ादी के बाद उर्दू अफ़साना

अब दोनों ताड़ी पीने लगे।

लालटेन की धुंधली रौशनी में अजब अजब लोग नज़र आ रहे थे, नशे में चूर वाही तबाही बक रहे थे, कहीं टूटे हुए आबख़ोरे, कहीं कोई चिचोड़ी हुई हड्डी पड़ी थी— और किसी तरफ़ कोई कुत्ता नशा में बे होश शराबी का मुंह चाट रहा था।

चचा ने दोबारा आबख़ोरा भर कर कहा: “लेकिन उसकी टांगें बहुत पतली हैं..... कमज़ोर है बेचारी.....”

“अभी उम्र ही का है”

बहुत देर तक दोनों में काना फूसी होती रही, फिर मजीद बुलंद आवाज़ में बोल उठ। “अरे याबी हाज़िर और हुकुम के गुलाम हैं..... वह वह मिठाई खिलाऊंगा जो एक बारी याद भी करो तुम”

“मगर जो बात हम ने कही वह भूलना नहीं”

“अरे नहीं साहब! जब कहो तबी हो जाये जिस फ़िक्र का है”

इतने में हम एक शराबी की तरफ़ मुतवज्जेह हो गये। वह चिल्ला चिल्ला कर कह रहा था “अरे कोई हमरी भी सुनो। देखो यह लौंडा”

“अमां जाओ” एक और भारी भरकम पहलवान ने उसकी पीठ पर धौल जमाकर कहा..... उस की आंखें चढ़ी हुई थीं। वह हाथ में ताड़ी से लबरेज़ आबख़ोरा लेकर उठ। लड़खड़ाते हुए क़दमों के साथ..... उसने छलकता हुआ आबख़ोरा हवा में बुलंद करते हुए कहा “मै दीब दास हूं दीब दास!..... (ज़ोर से खांस कर) दुख के दुख के हा हा!! दुख के अब दिन.....”

इतने में नाई का लौंडा पहले शराबी से हाथ छुड़ाकर भागा। पहलवान ने ज़ोर की लात उस शख्स के रसीद की. “अबे ओ आ इधर आ चला आ हां बेटे हां तोबा कर, हाथ जोड़ दुआ मांग। देख जैसे मैं मांगता हूं:

“या इल्हाही! दे लुगाई और वऔ वऔ औ दो”

मअन⁽¹⁾ उसका तहमद खुल कर ज़मीन पर आ रहा, उसके मुंह से कै का

اس کے اترے سے منڈی ہوئی ناگوں پر تے کا مینہ برس گیا۔
تین چار دن کے بعد میں سینما دیکھنے کے بعد دس بجے کے قریب گھر جا رہا تھا،
سوچا، چلو تھوڑی دیر چچا سے گپ رہے۔

چچا ایک بھوجنالیہ میں سب سے اوپر کی منزل پر ایک کمرہ میں رہتے تھے۔
اوپر پہنچا۔ مگر دروازے کے پاس جا کر میں ٹھٹھک گیا، اندر سے کچھ باتوں کی بھٹک
سنائی دے رہی تھی۔

میں نے چپکے سے دروازے میں سے جھانکا، دیکھا کہ وہی لڑکی کھڑی تھی۔ چچا اس کے
منہ پر ہاتھ رکھے ہوئے تھے، مجید نے آگے جھک کر کہا۔ ”دیکھو! ت حرمہ کی کرے گی تو
حلال کر کے پینک دوں گا.....“

لڑکی نے انتہائی کرب کی حالت میں تڑپ کر خود کو آزاد کیا اور دروازے کی طرف
پہلی۔ وہ چلنا چاہتی تھی مگر مارے دہشت کے اس کے منہ سے آواز نہ نکلتی تھی۔ چچا بڑے
جوش و خروش کے ساتھ جھپٹے، انھوں نے اس کو دبوچا اور پلنگ پر بٹخ دیا
تھوڑی دیر بعد لڑکی نے جدوجہد بند کر دی.....

مجید نہایت اطمینان کے ساتھ گورونامہ کی تصویر کے پاس کھڑا بیڑی پی رہا تھا۔ اور
تصویر کو احترام کی نظروں سے دیکھنے میں مگن تھا۔
دوسرے دن چھٹی تھی۔ میرا ارادہ تھا چل کر اسٹیشن کے بک اسٹال سے کوئی رسالہ
وغیرہ خریدا جائے۔

جب بھوجنالیہ کے قریب پہنچا تو چچا بیڑیوں سے اتر رہے ہیں۔ مجھے اشارے سے
بلایا اور پوچھنے لگے کہ بھی اتنے دن کہاں رہے، دکھائی نہیں دیے۔

بیڑیوں کے پاس ہی پنڈت جی کی دکان تھی۔ پنڈت جی پان بھی بناتے تھے اور لسی
بھی بیچتے تھے۔ چچا کو دیکھتے ہی انھوں نے دونوں ہاتھ (کہنوں تک) جوڑ کر کہا۔ ”جے
واہرہ دجی کی۔“

”کیسے پنڈت جی، چت پر سن ہے نا؟“

आज़ादी के बाद उर्दू अफ़साना

फ़व्वारा निकल पड़ा और उस के उस्तरे से मुंडी हुई टांगों पर कैं का मेंह बरस गया।

तीन चार दिन के बाद मैं सिनेमा देखने के बाद दस बजे के करीब घर जा रहा था, सोचा, चलो थोड़ी देर चचा से गप रहे।

चचा एक भोजनालय में सब से ऊपर की मंज़िल पर एक कमरा में रहते थे।

ऊपर पहुंचा। मगर दरवाज़े के पास जाकर मैं ठिठक गया, अंदर से कुछ बातों की भनक सुनाई दे रही थी।

मैंने चुपके से दरज़ में से झांका, देखा कि वही लड़की खड़ी थी। चचा उसके मुंह पर हाथ रखे हुए थे, मजीद ने आगे झुक कर कहा: “देख बौत हरमजदगी करेगी तो हलाल करके फैंक दूंगा.....”

लड़की ने इंतहाई कर्ब की हालत में तड़प कर खुद को आज़ाद किया और दरवाज़े की तरफ़ लपकी। वह चिल्लाना चाहती थी मगर मारे दहशत के उसके मुंह से आवाज़ न निकलती थी। चचा बड़े जोश व ख़रोश के साथ झपटे, उन्होंने इसको दबोचा और पलंग पर पटक दिया।

थोड़ी देर बाद लड़की ने ज़िद्दो ज़िहद बंद कर दी

मजीद निहायत इतमिनान के साथ गुरूनानक की तस्वीर के पास खड़ा बीड़ी पी रहा था और तस्वीर को एहताराम की नज़रों से देखने में मगन था।

दूसरे दिन छुट्टी थी। मेरा इरादा था चल कर स्टेशन के बुक स्टाल से कोई रिसाला⁽¹⁾ वगैरा ख़रीदा जाए।

जब भोजनालय के करीब पहुंचा तो देखा कि चचा सीढ़ियों पर से उतर रहे हैं। मुझे इशारे से बुलाया और पूछने लगे कि भई इतने दिन कहाँ रहे, दिखाई नहीं दिये।

सीढ़ियों के पास ही पंडित जी की दुकान थी, पंडित जी पान भी बनाते और लस्सी भी बेचते थे। चचा को देखते ही उन्होंने दोनों हाथ (कुहनियों तक) जोड़ कर कहा: “जय वौहगुरू जी की”।

“कहिये पंडित जी, चित प्रसन्न है ना?”

चचा उस वक्त अकालियों वाली पगड़ी बांधे थे। खद्दर का लम्बा कुर्ता,

چچا اس وقت اکالیوں والی پگڑی باندھے تھے۔ کھدرا کا لہبا کرتا، گلے میں پیلے رنگ کی صافی اور پھر کرپان.....

”سردار جی آج تو بہت دیر سے اترے۔“ پنڈت جی نے سوال کیا۔

چچا نے نہایت متانت میں سر جھکا کر جواب دیا۔ ”پنڈت جی آج سکھ منی صاحب کا ہاتھ کرتے ہوئے دیر ہو گئی۔“

اتنے میں کچھ اور لوگ بھی آگئے، چچا اور پنڈت جی دونوں نے ایک بھکارن کو دھکارا پنڈت جی بولے ”ماپھ کر ماپھ کر..... حراجادی..... نکھرے مت دکھا..... بہت دیکھے۔“

عورت ڈر کر پیچھے ہٹ گئی۔ پنڈت جی نے مونچھوں کو ہٹا کر گنگا جل کی لٹیا منھ سے لگالی۔ اور پھر لوگوں کی طرف مخاطب ہو کر بولے۔ ”جب پھگانوں نے بھارت ورش پر حملہ کیا تو یہی لوگ تھے جنہوں نے ان کا مقابلہ کیا، ابلاؤں کی رکشا کی، بہت پروکاری لوگ ہیں یہ۔“

چچا نے اپنے دبلے پتلے کانڈھوں کو حرکت دی۔ اور پھر اپنی نونچ تلوار کو سنبھالتے ہوئے بولے۔ ”بھڑے ہیں پنڈت جی؟ دو گلاس لسی.....“

”چچا میں تو لسی پیکر آ رہا ہوں، مجھے اجازت دیجیے“ میں نے کہا
انٹیشن پر جا کر دیکھا تو اس قدر بھیڑ تھی کہ تل دھرنے کی جگہ نہ تھی۔ پلیٹ فارم تک پہنچنا ناممکن ہو گیا۔ لہذا باہر سے ہی تماشہ دیکھتا رہا، ایک شخص نے بلند آواز میں نعرہ لگایا۔
”بولوراشتر پتی پنڈت جواہر لال کی ہے!“

ساری مخلوق نے گلا پھاڑ پھاڑ کر کہا۔ ”راشتر پتی جواہر لال کی ہے! مہاتما گاندھی کی ہے!! بھارت ماتا کی ہے!!“

اور جب جواہر لال جی کبھی پر آ کر بیٹھ گئے تو اتنے میں چچا ہاتھ میں گیندے کے پھولوں کا ہار لیے نمودار ہوئے۔ متعدد بار پر نام کرنے کے بعد ہار پنڈت جی کے گلے میں پہنا دیا۔

गले में पीले रंग की साफ़ी और फिर किरपान.....

“सरदार जी आज तो बहुत देर से उतरे” पंडित जी ने सवाल किया।

चचा ने निहायत मतानत से सर झुका कर जवाब दिया। “पंडित जी! आज सिख मनी साहब का पाठ करते हुए देर हो गई।”

इतने में कुछ और लोग भी आ गये, चचा और पंडित जी दोनों ने एक भिखारन को धुतकारा, पंडित जी बोले “माफ़ कर माफ़ कर..... हरामजादी नखरे मत दिखाबहुत देखे”

औरत डर कर पीछे हट गई। पंडित जी ने मूँछों को हट कर गंगा जल की लुटिया मुंह से लगा ली। और फिर लोगों की तरफ़ मुखातिब हो कर बोले “जब फ़ग़ानियों ने भारत वर्ष पर हमला किया तो यही लोग थे जिन्होंने उनका मुकाबला किया, अबलाओं की रक्षा की, बहुत परोपकारी लोग हैं यह”

चचा ने अपने दुबले पतले कमज़ोर कांधों को हरकत दी। और फिर अपनी नौ इंच तलवार को संभालते हुए बोले “पेड़े हैं पंडित जी? दो गिलास लस्सी.....

“चचा मैं तो लस्सी पीकर आ रहा हूँ, मुझे इजाज़त दीजिये” मैं ने कहा।

स्टेशन पर जाकर देखा तो इस क़दर भीड़ थी कि तिल धरने की जगह न थी प्लेट फ़ार्म तक पहुंचना नामुमकिन हो गया, लिहाज़ा बाहर से ही तमाशा देखता रहा, एक शख्स ने बुलंद आवाज़ में नारा लगाया। “बोलो राष्ट्रपति पंडित जवाहर लाल की जय!” सारी मख़लूक़ ने गला फाड़ फाड़ कर कहा “राष्ट्रपति जवाहर लाल की जय! महत्मा गांधी की जय! भारत माता की जय!!!

और जब जवाहर लाल जी बाघी पर आकर बैठ गये तो इतने में चचा हाथ में गेंदे के फूलों का हार लिये नम्रदार हुये। मुतअद्दि⁽¹⁾ बार प्रणाम करने के बाद पंडित जी के गले में पहना दिया।

“मजीद खां” भी खद्दर का कुर्ता पहने कांग्रेसी रज़ाकार की हैसियत से इधर उधर दौड़ता फिर रहा था।

यकायक हटो, बचो, बढ़ो, जय राम जी की, राम राम, राष्ट्रपति हां हां, नहीं नहीं का शोर बुलंद हुआ। और जुलूस शहर की तरफ़ रवाना हो गया। सब

آزادی کے بعد اردو افسانہ

”مجید کہاں“ بھی کھدرا کرتا۔ پہنے کانگریس رضا کار کی حیثیت سے ادھر ادھر دوڑتا پھر رہا تھا۔

یکا یک ہٹو، بچو، بڑھو، جے رام جی کی، رام رام، راشٹر پتی ہاں ہاں، نہیں نہیں کا شور بلند ہوا۔ اور جلوس شہر کی طرف روانہ ہو گیا۔ سب لوگ حب قومی کے جوش میں نہایت عقیدت مندانہ انداز سے گارہے تھے

جھنڈا اونچا رہے ہمارا

جھنڈا اونچا رہے ہمارا

جھنڈا.....

چچا کی آواز سب سے بلند تھی۔

جب جلوس مجید کے محلہ کے پاس پہنچا تو سڑک کے کنارے بھیڑ میں مجھے وہی میلی کچی لڑکی دکھائی دی۔ وہ حیرت سے پھٹی پھٹی آنکھوں سے ان جھنڈا اونچا رکھنے والوں کو دیکھ رہی تھی، وہی گرد آلود بال، سبھی ہوئی بے زبان صورت، زرد زرد آنکھیں۔

معا غلی میں سے ایک کتا نکلا اور مجید کو دیکھ کر بے طرح بھونکنے لگا۔ وہ بھاگ کر بھیڑ میں گھس گیا۔

ایک ہوا کے جھونکے سے اس کو چپے کی خاک اڑی اور چچا کی چکنی داڑھی گرد سے اٹ گئی۔



आजादी के बाद उर्दू अफ़साना

लोग हुब्बे कौमी के जोश में निहायत अकीदत मंदांना अंदाज़ से गा रहे थे

झंडा ऊंचा रहे हमारा

झंडा ऊंचा रहे हमारा

झंडा

चचा की आवाज़ सब से ज़्यादा बुलंद थी।

जब जुलूस मजीद के मुहल्ले के पास पहुंचा तो सड़क के किनारे भीड़ में मुझे वही मैली कुचैली लड़की दिखाई दी। वह हैरत से फटी फटी आंखों से इन झंडा ऊंचा रखने वालों को देख रही थी, वही गर्द-आलूद⁽¹⁾ बाल, सहमी हुई बेजबान सूरत, जर्द जर्द आंखें।

मअन गली में से एक कुत्ता निकला और मजीद को देख कर बुरी तरह भौंकने लगा, वह भाग कर भीड़ में घुस गया।

एक हवा के झोंके से इस कूचे की खाक उड़ी और चचा की चिकनी दाढ़ी गर्द से अट गई।



الاؤ

گاؤں سے پورب کو ایک بڑا سا میدان ہے۔ کھیت کی سطح سے کچھ اونچا اور چورس۔ لوگ کہتے ہیں کہ پرانے زمانے میں کسی راجہ کا یہاں پر محل تھا۔ اسی کی مٹی اور اینٹ سے زمین اونچی ہو گئی ہے۔ میدان کے پوربی کنارے پر پتیل اور برگد کے بیڑ ہیں۔ اور اس کے بعد کھیت۔ اتر کی طرف ناگ پھنی کی گھنٹی اور لمبی قطار ہے اور اسکے بیچ میں کئی نیم یا پاکڑ کے بیڑ اور اس کے بعد کھیت۔ دکن میں ایک کنارے پر ایک بیڑ ہے۔ اس کے پاس ہی ایک کنواں اور اس کے بعد ایک کھیت۔ پورب دکن کو نے پر ایک بڑا سا گڑھا ہے جس میں برسات کا پانی جمع ہو کر کئی مہینے رہا کرتا ہے۔ لوگ کہتے ہیں کہ راج محل کا یہ پوکھر تھا اس میں رانی اپنی سہیلیوں کے ساتھ نہایا کرتی تھی۔ نہانے سے پہلے پوکھر میں گلاب کا عرق ڈال دیا جاتا تھا جس کی مہک دور دور تک پھیل جاتی تھی۔ چاندنی راتوں میں راجہ اور رانی دونوں ناؤ پر اس پوکھر کی سیر کیا کرتے تھے۔ یہ پوکھر بہت بڑا تھا۔ بھرتے بھرتے بحر گیا اور جو نشان باقی رہ گیا وہ بھی راجہ اور راج محل کی طرح مٹ جائے گا۔

گاؤں میں اب کسان ہی کسان رہتے ہیں۔ پر جا ہی پر جا..... راجہ کو مرے، برباد ہوئے تو زمانہ بیت گیا۔ اس کا راج محل تو میدان ہے۔.....

یہ میدان گاؤں والوں کے لیے سب کچھ ہے۔ ہر روز سارے گاؤں کے دھور اس میدان میں جمع ہوتے ہیں۔ لوگ اپنی اپنی بھینسوں کو کونٹوں پر دھوتے ہیں پھر گھر لے جاتے ہیں۔ فصل کٹنے پر کھلیان لگاتے ہیں۔ اوکھ پیڑنے کو کولھو بٹھاتے اور کولھو سار بناتے ہیں۔ گاؤں کے لڑکے صبح سے شام تک کھیلتے اور بڑے بوڑھے کسی پیڑ کے نیچے بیٹھ کر باتیں کرتے ہیں۔

अलाव

गांव से पूरब को एक बड़ा सा मैदान है। खेत की सतह से ऊँचा और चौरस। लोग कहते हैं कि पुराने ज़माने में किसी राजा का यहां पर महल था। उसी की मिट्टी और ईंट से ज़मीन ऊँची हो गई है। मैदान के पूरबी किनारे पर पीपल और बरगद के पेड़ हैं और उस के बाद खेत। उत्तर की तरफ़ नाग फनी की घनी और लम्बी क़तार है और उस के बीच में कई नीम या पाकड़ के पेड़ और उस के बाद खेत। दक्खिन में एक किनारे पर एक पीपल का पेड़ है। उस के पास ही एक कुवां और उस के बाद एक खेत। पूरब दक्खिन कोने पर एक बड़ा सा गढ़ा है जिस में बरसात का पानी जमा होकर कई महीने रहा करता है। लोग कहते हैं कि राज महल का यह पोखर था। उस में रानी अपनी सहेलियों के साथ नहाया करती थी। नहाने से पहले पोखर में गुलाब का अर्क डाल दिया जाता था जिस की महक दूर दूर तक फैल जाती थी। चौदनी रातों में राजा और रानी दोनों नाव पर उस पोखर कि सैर किया करते थे। यह पोखर बहुत बड़ा था। भरते भरते भर गया और जो निशान बाकी रह गया वह भी राजा और राज महल की तरह मिट जाएगा।

गांव में अब किसान ही किसान रहते हैं। प्रजा ही प्रजा ... राजा को मरे, बर्बाद हुए तो ज़माना बीत गया। उस का राज महल तो मैदान है।

यह मैदान गांव वालों के लिए सब कुछ है। हर रोज़ सारे गांव के छोर उस मैदान में जमा होते हैं। लोग अपनी अपनी भैंसों को कुंवे पर धोते हैं फिर घर ले जाते हैं। फ़सल कटने पर खलियान लगाते हैं। ऊख पेड़ने कोल्हू बिठते और कोल्हू सार बनाते हैं। गांव के लड़के सुबह से शाम तक खेलते और बड़े बूढ़े किसी पेड़ के नीचे बैठ कर बातें करते हैं।

کارٹک کا مہینہ تھا۔ ٹھنڈک اچھی خاصی پڑنے لگی تھی۔ اور میدان میں کنگی دھان کا کھلیان لگایا جانے لگا تھا گاؤں میں نئی زندگی پھیلی ہوئی تھی۔ کچھ لڑکے میدان میں کبڑی کھیل رہے تھے۔ عورتیں کنوئیں سے پانی بھر کر اپنے گھروں کو لے جا رہی تھیں۔ پھگوا پورب کی طرف آگ جلا کر اپنی لاٹھی کو سینک کر سیدھی کر رہا تھا۔ اسی دن وہ اپنی بہن کے گھر دھرم پور سے آیا تھا۔ بہنوئی نے چلتے وقت یہ لاٹھی اپنی بسواڑی میں سے کاٹ کر دی تھی۔ لاٹھی نیچے کی طرف سے ذرا نیڑھی تھی اس کا سیدھا کرنا ضروری تھا۔

پھگوانے لاٹھی سیدھی کرنے کو الاؤ جلا رکھا تھا۔ پہلے لاٹھی کو سینک کر پھر پیپل کی چیز میں پھنسا کر اسے سیدھا کرتا۔ وہ اپنی بہن کے یہاں سے ایک گیت سیکھ کر آیا تھا۔ اس گیت کو ہلکے ہلکے سروں میں گاتا جا رہا تھا۔ ساتھ ہی اس کے دماغ میں بہت باتیں گھوم رہی تھیں۔ سب سے زیادہ یہ کہ گاؤں میں ایک بہت بڑی سجا ہونی چاہیے۔ ٹھیک ویسی ہی یا اس سے بڑی جیسی اس کی بہن کی سسرال میں ہوئی تھی۔ اور اس سجا میں وہ کھڑا ہو کر کل لوگوں کو ساری باتیں سمجھائے جیسے وہاں ایک آدمی نے سمجھایا تھا۔

پھگوا اپنے خیالوں میں نمن تھا کہ اکلو آگیا۔ یہ ادھیڑ عمر کا آدمی تھا اور گاؤں کے ناطے میں پھگوا کا چچا تھا۔ اکلو نے آتے ہی کہا۔

”بیٹا لاٹھی تو اچھی ہے مگر اس میں گڑاسا لگے تب“

پھگوانے پلٹ کر دیکھا اور بولا:

”ہاں چچا! پر گڑاسا اچھا سا مل جائے تب نا۔“

شام ہو چکی تھی۔ دیرے دیرے اندھیرا بڑھتا جا رہا تھا۔ لاٹھی سیدھی بھی ہو چکی تھی۔ اس نے خوب گھما گھما کر لاٹھی کو دیکھا پھر پیپل کے پڑ کے سہارے کھڑا کر کے دو قدم پیچھے ہٹ کر دیکھنے لگا۔ اکلو بھی لاٹھی کو ایک خاص نظر سے دیکھتا رہا جس کا مطلب یہی ہو سکتا ہے کہ لاٹھی اچھی ہے اور اگر مل جائے تو بہت اچھا ہو۔

ابھی لاٹھی کو یہ دونوں دیکھ ہی رہے تھے کہ سامو اور بازو بھی گھومتے پھرتے آگئے۔

بازو نے آتے ہی کہا:

आजादी के बाद उर्दू अफसाना

कार्तिक का महीना था। ठण्डक अच्छी खासी पड़ने लगी थी और मैदान में कनकी धान का खलियान लगाया जाने लगा था। गांव में नई जिन्दगी फैली हुई थी। कुछ लड़के मैदान में कबड्डी खेल रहे थे। औरतें कुंवें से पानी भर कर अपने घरों को ले जा रही थीं। फगुआ पूरब की तरफ आग जलाकर अपनी लाठी को सेंक कर सीधी कर रहा था। उसी दिन वह अपनी बहन के घर धरमपूर से आया था। बहनोई ने चलते वक्त यह लाठी अपनी बसवाड़ी में से काट कर दी थी। लाठी नीचे की तरफ से ज़रा टेढ़ी थी उस का सीधा करना ज़रूरी था।

फगुआ ने लाठी सीधी करने को अलाव जला रखा था। पहले लाठी को सेंक कर फिर पीपल की चीड़ में फंसाकर इसे सीधा करता। वह अपनी बहन के यहां से एक गीत सीख कर आया था। इस गीत को हलके हलके सुरों में गाता जा रहा था। साथ ही उस के दिमाग में बहुत बातें घूम रही थीं। सब से ज़्यादा यह कि गावों में एक बहुत बड़ी सभा होनी चाहिए। ठीक वैसी ही या उस से बड़ी जैसी उस की बहन की ससुराल में हुई थी। और उस सभा में वह खड़ा हो कर कुल लोगों को सारी बातें समझाये जैसे वहां एक आदमी ने समझाया था।

फगुआ अपने ख्यालों में मगन था कि अकलू आ गया। यह अधेड़ उम्र का आदमी था और गांव के नाते में फगुआ का चाचा था। अकलू ने आते ही कहा:

“बेटा लाठी तो अच्छी है मगर इस में गड़ासा लगे तब”

फगुआ ने पलट कर देखा और बोला:

“हां चाचा पर गड़ासा अच्छा सा मिल जाये तब न”

शाम हो चली थी। धीरे धीरे अंधेरा बढ़ता जा रहा था। लाठी सीधी भी हो चली थी। उस ने खूब घुमा घुमा कर लाठी को देखा—फिर पीपल के पेड़ के सहारे खड़ा करके दो कदम पीछे हट कर देखने लगा। अकलू भी लाठी को एक खास नज़र से देखता रहा जिसका मतलब यही हो सकता है कि लाठी अच्छी है अगर मिल जाये तो बहुत अच्छा हो।

अभी लाठी को यह दोनों देख ही रहे थे कि सामु और बादू भी घूमते फिरते आ गये बादू ने आते ही कहा।

“अरे भय्या! अभी इतना जाड़ा तो नहीं पड़ा। अभी से अलाव तापने लगे ?

آزادی کے بعد اردو افسانہ

”ارے بھیا! ابھی اتنا جاڑا تو نہیں پڑا۔ ابھی سے الاؤ تاپنے لگے؟“

اکلو بولا:

”چھاگو اپنی لائچی سیدھی کر رہا تھا۔ الاؤ کون تاپے گا ابھی۔“

بازھو بولا:

مگر آگ بھلی معلوم ہوتی ہے بھائی۔“

وہ آگ کے پاس بیٹھ گیا اور آگ تاپنے لگا۔ اس کے بیٹھے ہی اور لوگ بھی بیٹھ گئے۔ سانول اسی طرف آ رہا تھا اور ان لوگوں کی باتیں سن چکا تھا۔ وہ آتے ہی بولا:

”واہ! بازھو چچا پہلے تو دوسرے کو ٹوکا اور سب سے پہلے بیٹھے بھی آگ تاپنے واہ!“

بازھو بولا:

”ہاں بیٹا! اب آگ بھلی معلوم ہوتی ہے۔ اور ہم نے ٹوکا کب تھا۔ ارے ایسے ہی

بول رہا تھا۔“

سب کے سب آگ تاپنے لگے۔ آگ ابھی زیادہ تھی اس لیے کچھ دور ہی دور بیٹھے۔ بازھو نے پاؤں پھیلاتے ہوئے کہا:

”ارے یہ لوٹے سب اتنے بد معاش ہوتے جا رہے ہیں کہ کیا کہا جائے۔“

سانول نے کہا:

”کیا چچا! ہم لوگوں نے تو کوئی بد معاشی نہیں کی۔“

بازھو بولا:

’نہیں۔ تم سب کی بات نہیں۔ یہی تو میرا کہنا ہے۔ تم سب جوان اور بال بچے والے ہوئے۔ کبھی کوئی اونچی نیچی بات دیکھنے میں نہ آئی۔ پر اب کی دنیا ہی بدلتی جا رہی ہے۔ دیکھ ابھی راستے میں آرہے تھے تو دیکھا کہ جھمبی اور جمیدو کے دونوں لڑکے ریٹر (ارنڈ) کی ڈنسل جلا کر بیزی کی طرح بھک بھک کھینچ کر دھواں اڑا رہے تھے۔ ڈانٹا تو دونوں کھانتے ہوئے بھاگے۔ سب کا کلیجہ جل جائے گا۔“

اتنے میں جھمبی آگیا اور بازھو نے اس سے بھی یہ بات دہرا دی لیکن جھمبی نے کہا:

अज़ादी के बाद उर्दू अफ़साना

अकलु बोला:

‘फ़ग़ू अपनी लाठी सीधी कर रहा था। अलाव कौन तापे गा अभी।’

बादू बोला:

‘‘मगर आग भली मालूम होती है भाई।

वह आग के पास बैठ गया और आग तापने लगा इस के बैठते ही और लोग भी बैठ गये। सावंल उसी तरफ़ आ रहा था और इन लोगों की बातें सुन चुका था। वह आते ही बोला:

‘‘वाह! बादू चाचा पहले तो दूसरे को टोका और सबसे पहले बैठे भी आग तापने, वाह!’’

बादू बोला—:

‘‘हां बेटा! अब आग भली मालूम होती है और हम ने टोका कब था। अरे ऐसे ही बोल रहा था।’’

सब के सब आग तापने लगे। आग अभी ज़्यादा थी इसलिए कुछ दूर ही दूर बैठे। बादू ने पांव फैलाते हुए कहा।

‘‘अरे यह लौन्डे सब इतने बदमाश होते जा रहे हैं कि क्या कहा जाए।’’

सावंल ने कहा ‘‘क्या चाचा! हम लोगों ने तो कोई बदमाशी नहीं की’’

बादू बोला:

‘‘नहीं, तुम सब की बात नहीं। यही तो मेरा कहना है। तुम सब जवान और बालबच्चे वाले हुए। कभी कोई ऊंची नीची बात देखने में न आई। पर अबकी दुनिया ही बदलती जा रही है। देख अभी रास्ते में आ रहे थे तो देखा कि झेबी और छेदू के दोनों लड़के रेड़ (अरण्ड) की डण्ठल जलाकर बीड़ी की तरह भुक भुक खींच कर धुवाँ उड़ा रहे थे। डांट तो दोनों खांसते हुए भागे। सब का कलेजा जल जाएगा।’’

इतने में झेबी आ गया और बादू ने उससे भी यह बात दुहरा दी लेकिन झेबी ने कहा:

‘‘भय्या! अब ऊजमाना ही न रहा। हम सब भी कभी लड़के थे। एक दफ़ा का किस्सा सुनोगे तो दंग रह जाओगे। अभी कल की बात है हम मैदान से आ रहे

”بھیا۔ اب او جمانا ہی نہ رہا۔ ہم سب بھی کبھی لڑکے تھے۔ ایک دفعہ کا قصہ سنو گے تو دنگ رہ جاؤ گے۔ ابھی کل کی بات ہے ہم میدان سے آرہے تھے میرے ہاتھ میں لونٹا تھا۔ خیال ہوا کہ بڑے کنوئیں پر لونٹا مانجھ کر پانی بھر لیں۔ جیسے ہی کنوئیں پر پہنچے تو دیکھا ریتو کھوا کی عورت کا راستہ روکے کھڑا ہے۔ وہ کہہ رہی ہے، جانے دو ریتو تو ریتو کہتا ہے ایسے نہیں بھوجی ویسے کہو سوری راہ چھوڑ دو گردھاری دیر ہوئی یاد ہے کرشن لیلہ والا گاتا۔ جب اس نے ہالٹی اٹھا کر کہا کہ سارا پانی اچھل دوں گی تو راستے سے بھاگا“

”بچا! یہ بھی کوئی نئی بات ہے۔ بھوجائی ہے وہ ہنسی ٹھٹھا کرتا ہوگا۔ جانتے ہی ہو ریتو کیسا مسوڑ ہے۔“

لیکن جھمبی نے بزرگانہ انداز میں کہا:

”ہم! یہ بھی کیا ٹھٹھا ہے۔ ایسے ہی لڑکے خراب ہو جاتے ہیں۔ یہ تو ہم نے دیکھا تھا۔ کوئی دُوسرا دیکھ لیتا تو نہ جانے کتنی باتیں جوڑ کر کہتا اور بدنامی ہوتی۔ گاؤں میں ایسی بات کبھی نہیں ہوئی“

سانول چپ ہو گیا اور بازو نہ جانے کب تک بولتا رہتا لیکن سامو نے سچ ہی میں روک کر کہا:

”ارے پھاگو تو نے تو کچھ کہا نہیں۔ سنا ہے دھرم پور میں بڑی بڑی سبھا ہوئی بڑے بڑے لوگ جمع ہوئے کسانوں کے فائدے کی بات ہوئی۔“

پھاگو نے اس انداز سے سب پر نگاہ ڈالی جیسے وہی اکیلا سب کچھ جانتا ہے۔ باقی سب کاٹھ کے الو ہیں۔ پھر بولا:

”ہاں بہت بڑی سبھا ہوئی تھی۔ ایک سادھو جی بھی آئے تھے۔ وہ سب کو ایک بات کہہ گئے۔ سب کسان ایک ہو جائیں۔ آپس میں مل جل کر رہیں۔ تب ہی زمیندار کے ظلم سے بچ سکتے ہیں۔“

سانول بولا:

आजादी के बाद उर्दू अफसाना

थे। मेरे हाथ मे लोट था। ख्याल हुआ कि बड़े कूवें पर लोट मांजकर पानी भर लें। जैसे ही कूवें पर पहुंचे तो देखा रीतू, कलूवा की औरत का रास्ता रोके खड़ा है। वह कह रही है, जाने दो रीतू, तो रीतू कहता है ऐसे नहीं भौजी जी वैसे कहो, मोरी राह छोड़ दो गिरधारी देर हुई।

याद है कृष्ण लीला वाला गाना। जब उस ने बालटी उठकर कहा कि सारा पानी उझल दूंगी तो रास्ते से भागा''।

“चाचा यह भी कोई नई बात है। भौजाई है वह हंसी ठट्ठा करता होगा। जानते ही हो रीतू कैसा हंसोड़ है।”

लेकिन झेबी ने बुजुर्गाना अंदाज में कहा।

“हुश! यह भी क्या ठट्ठा है, ऐसे ही लड़के खराब हो जाते हैं। यह तो हम ने देखा था। कोई दूसरा देख लेता तो न जाने कितनी बातें जोड़कर कहता और बदनामी होती। गांव में ऐसी बात कभी नहीं हुई।”

सांवल चुप हो गया और बादू न जाने कब तक बोलता रहता लेकिन सामू ने बीच में रोक कर कहा:

“अरे फागू तूने तो कुछ कहा नहीं। सुना है धरम पूर में बड़ी बड़ी सभा हुई, बड़े बड़े लोग जमा हुए। किसानों के फ़ायदे की बात हुई।” फागू ने इस अन्दाज से सब पर निगाह डाली जैसे वही अकेला कुछ सब जानता है। बाकी सब काठ के उल्लू हैं। फिर बोला:

“हां बहुत बड़ी सभा हुई थी। एक साधूजी भी आए थे। वह सब को एक बात कह गए। सब किसान एक हो जाएं। आपस में मिल जुलकर रहें। तब ही ज़मीनदार के जुल्म से बच सकते हैं।”

सांवल बोला:

“भय्या बात पते की है। हम लोगों पर जितना जुल्म होता है उसे कौन जाने। साल भर मेहनत करके उपजाते हैं और हमारे ही बाल-बच्चे भूखों मरते हैं।”

आग कुछ धीमी होती चली इस लिये बादू कुछ और भी आग से करीब हो गया और बोला:

”بھیا بات پتے کی ہے۔ ہم لوگوں پر جتنا ظلم ہوتا ہے اسے کون جانے۔ سال بھر محنت کر کے اچھاتے ہیں اور ہمارے بچے بھوکوں مرتے ہیں۔“

آگ کچھ جیسی ہو چلی تھی اس لیے بازو کچھ اور بھی آگ سے قریب ہو گیا اور بولا:

”بات تو ٹھیک ہے پر ہونا مشکل ہے نا۔“

پھاگو بولا:

”مشکل کیا ہے۔ آج سے ہم لوگ ٹھان لیں کہ آپس میں مل جل کر رہیں گے۔ زمیندار کو بیگار نہیں دیں گے۔ کوئی ناجائز دباؤ نہیں سہیں گے، بس! دھرم پور میں تو ایسا ہی ہوا ہے۔ اب تو وہاں چین ہی چین ہے۔“

ابھی بات آگے نہیں بڑھی تھی کہ طوفانی میاں آ گئے۔ یہ بوڑھے آدمی تھے اور تیس برس سے گاؤں میں کرگھا چلاتے تھے۔ طوفانی میاں نے آستہ ہی اپنا ٹھریا (معمولی قسم کا حقہ) ذرا الگ رکھ کر ایک دم لگایا اور اس انداز سے سب کی طرف متوجہ ہوئے جیسے ایک مجسٹریٹ وکیلوں کی بحث سننے کے لیے تیار ہو، لیکن طوفانی میاں کو متوجہ دیکھ کر سب چپ ہو گئے جیسے وہ اب کچھ کہنے والے تھے۔

”ارے سب چپ ہو گئے بات کیا تھی؟“

سانول نے جواب دیا:

”پھاگو دھرم پور گیا تھا طوفانی پچا، وہیں کی بات تھی“

”کیا بات تھی؟“

طوفانی میاں نے اس انداز میں سوال کیا جیسے اگر انھیں بتایا نہ گیا تو پھر کوئی بات ہوئی ہی نہیں۔ سب کا سننا بیکار ہوا۔ پھاگو نے پھر سے بات دہرائی۔ طوفانی میاں نے غصے کا لمبا دم لگا کر بزرگانہ انداز میں کہا:

”بات تو ٹھیک ہے۔ مگر بھائی یہ کرم کی لکھی باتیں ہیں۔ آدمی کیا کر سکتا ہے۔ یہ

سب خدائی کارخانہ ہے۔“

आज़ादी के बांद उर्दू अफ़साना

“बात तो ठीक है पर होना मुश्किल है ना”

फगू बोला:

“मुश्किल क्या है। आज से हम लोग ठान लें कि आपस में मिलजुलकर रहेंगे। ज़मीनदार को बेगार नहीं देंगे। कोई नाजाइज़ दबाव नहीं सहेंगे। बस! धरमपुर में ऐसा ही हुआ है। अब वहां तो चैन ही चैन है।”

अभी बात आगे नहीं बढ़ी थी कि तूफ़ानी मियां आ गए। यह बूढ़े आदमी थे और तीस बरस से गांव में करघा चलाते थे। तूफ़ानी मियां ने आते ही अपना ठरया (मामूली किस्म का हुक्का) ज़रा अलग रख कर एक दम लगाया और इस अन्दाज़ से सब की तरफ़ मुतक्ज्जह⁽¹⁾ हुए कि जैसे एक मजिस्ट्रेट वकीलों की बहस सुनने के लिए तैयार हो लेकिन तूफ़ानी मियां को मुतक्ज्जह देख कर सब चुप होगए जैसे अब वह कुछ कहने वाले थे।

“अरे सब चुप होगए, बात क्या थी?”

सांवल ने जवाब दिया:

“फगू धरमपुर गया था तूफ़ानी चाचा, वहीं की बात थी।”

“क्या बात थी?”

तूफ़ानी मियां ने इस अंदाज़ में सवाल किया जैसे अगर उन्हें बताया ना गया तो फिर कोई बात हुई ही नहीं। सब का सुनना बेकार हुआ। फगू ने फिर से सारी बात दोहरा दी। तूफ़ानी मियां ने हुक्के का लम्बा दम लगाकर बुर्जुगाना अंदाज़ में कहा:

“बात तो ठीक है मगर भाई यह करम की लिखी बातें हैं। आदमी क्या कर सकता है। यह सब खुदाई कारख़ाना है।

“तूफ़ानी मियां ने एक ही जुमले में सब की हिम्मत तोड़ दी। अब भला खुदाई कारख़ाने में बहस करने का सवाल कैसे पैदा होता। छक्कू तेली ने कहा:

“तूफ़ानी मियां ने सोलह आने ठीक बात कही है। परमात्मा ने सदा के लिए आदमी को छोट बड़ा बनाया है। अगर ऐसा न होता तो अपना काम ही न चलता।”

طوفانی میاں نے ایک ہی جملے میں سب کی ہمت توڑ دی۔ اب بھلا خدائی کارخانہ میں بحث کرنے کا سوال کیسے پیدا ہوتا۔ چکو تیلی نے کہا:

”طوفانی میاں نے سولہ آنے ٹھیک بات کہی ہے۔ پر ماتما نے سدا کے لیے آدمی کو چھوٹا بڑا بنایا ہے۔ اگر ایسا نہ ہوتا تو اپنا کام ہی نہ چلتا۔“

چٹو دھوبی نے اور آگے بڑھ کر داد دی اور کہا:

”ہونہہ اگر حمید ار نہ رہے گا تو کون رہے گا؟ سب حمید ار ہو جائیں گے تو پھر کھیتی کون کرے گا؟“

دلو چپ بیٹھا سن رہا تھا۔ وہ بڑا جوشیلا تھا۔ سب کی باتیں سن کر اس کا خون کھول رہا تھا۔ لیکن اس کا چچا طوفانی بیٹھا تھا۔ بات آ کر اس کے ہونٹوں پر رک جاتی تھی لیکن اب اس سے ضبط نہ ہو سکا۔ اس نے کہا:

”اپنے کیسے سب کچھ ہو سکتا ہے“

طوفانی میاں نے اور ان کے ساتھ دوسروں نے اس کو آنکھیں نکال کر دیکھا۔ وہ حال ہی میں کلکتہ سے آیا تھا۔ کلکتہ میں وہ جہاز گھاٹ پر قلی کا کام کرتا تھا۔ دن رات محنت۔ چین، جاپان اور امریکہ سے آیا ہوا مال جہاز سے اتار کر کرتا تھا۔ اس کو کہنی سے ہوز جھکڑنا پڑتا تھا۔ وہ پہلے کئی ہڑتالوں میں شریک ہو چکا تھا اور وہ دیہات میں زمینداروں کے ظلم سے بھی واقف تھا اس نے کہا:

”ہم لوگوں کو انب تیار ہونا ہی پڑے گا“

سانول نے کہا:

”ٹھیک کہتے ہو دو۔“

طوفانی میاں نے قہر آلود نگاہوں سے دلو کو دیکھا اور بڑبڑاتے ہوئے اٹھے۔ ”ج ہے کلکتہ جانے سے آدمی کا دماغ خراب ہو جاتا ہے۔“ اس کے ساتھ ہی چٹو اور چکو اور ایک سو آدمی اٹھ کر چلے گئے اور اس انداز سے جیسے اس جگہ پر کوئی آفت آنے والی ہے لیکن ان لوگوں کو اس کی پروا نہ ہوئی بلکہ سانول نے کہا:

आजादी के बाद उर्दू अफसाना

छट्टू धोबी ने और आगे बढ़कर दाद दी और कहा:

“हुंह अगर जमीनदार नहीं रहेगा तो और कौन रहेगा? सब जमीनदार हो जाएँ तो फिर खेती कौन करेगा?”

दल्लू चुप चाप बैठ सुन रहा था। वह बड़ा जोशीला था। सब की बातें सुनकर उस का खून खौल रहा था। लेकिन उस का चाचा तूफ़ानी बैठ था। बात आ आ कर उस के होंठों पर रुक जाती थी लेकिन अब उस से ज़ब्त⁽¹⁾ न हो सका। उस ने कहा:

“अपने किए सब कुछ हो सकता है।”

तूफ़ानी मियां ने और उन के साथ दूसरों ने उस को आंखें निकाल कर देखा। वह हाल ही में कलकत्ता से आया था। कलकत्ता में वह जहाज़ घाट पर कुली का काम करता था। दिन रात मेहनत। चीन, जापान और अमेरीका से आया हुआ माल जहाज़ से उतारा करता था। उस को कम्पनी से रोज़ इगड़ना पड़ता था। वह पहले कई हड़तालों में शरीक हो चुका था और वह देहात में ज़मीनदारों के जुल्म से भी वाकिफ़ था। उस ने कहा:

“हम लोगों को अब तैयार होना ही पड़ेगा।”

सांवल ने कहा:

“ठीक कहते हो दल्लू”

तूफ़ानी मियां ने क़हर-आलूद⁽²⁾ निगाहों से दल्लू को देखा और बड़बड़ाते हुए उठे। “सच है कलकत्ता जाने से आदमी का दिमाग़ ख़राब हो जाता है” उस के साथ ही छक्कू और छट्टू और एक दो आदमी उठ कर चले गए और इस अन्दाज़ से जैसे उस जगह पर कोई आफ़त आने वाली है लेकिन उन लोगों को उस की परवाह न हुई। बल्कि सांवल ने कहा:

“जुल्म पर जुल्म है, परसों ही की बात है, मेघ को पटवारी जी ने मारा है। बात यह थी कि पटवारी जी चाहते थे मेघ की औरत आकर उन का चौका करे और उस ने इनकार कर दिया।”

“यह सब अब नहीं चल सकता। कल मेघ को कहा जाए कि वह भी काम

”جلم پر جلم ہے پرسوں ہی کی بات ہے، میگھ کو پٹواری جی نے مارا ہے۔ بات یہ تھی کہ پٹواری جی چاہتے تھے میگھ کی عورت آکر ان کا چوکا کرے اور اس نے انکار کر دیا۔“

”یہ سب اب نہیں چل سکتا۔ کل میگھ کو کہا جائے کہ وہ بھی کام کرنے نہ جائے۔“

دلو نے رائے پیش کی اور سب نے ہاں کہی۔ پھر آگے چل کر کیا ہو گا اس پر بحث رہی لیکن سب نے نتیجے سے بے پروا ہو کر یہی فیصلہ کیا کہ پٹواری جی کو رسید نہ دیا جائے۔ دباؤ ڈال کر دودھ کھی وصول کر لیتے ہیں، وہ بھی بند اور بیگاری آخری طور پر ختم۔“

”بیگار ختم“ کہتے وقت دلو نے تھوڑا سا کوڑا کرکٹ اٹھا کر الاؤ میں ڈال دیا۔ الاؤ سے پھر ایک بار تھوڑی سی آگ بلند ہوئی اور بجھ گئی۔ سانول نے کہا:

”تب دلو ٹھیک ہے نا؟“

دلو نے کہا:

”بچی بات ہے بھائی۔ مرد بات سے نہیں پلٹتا۔“

پھاگو نے کہا۔ ”بالکل ٹھیک۔“

پھر سیتل بولا:

”لیکن دلو بھیا۔ وہ جو پنڈت جی آتے ہیں نا۔ کہتے تھے کہ تم سب چپ چاپ بیٹھے رہو یہ سب کام کا گھریس کر دے گی۔“

سیتل کے بولنے سے جن کو بھی ہمت ہوئی۔ وہ بھی اپنے ماموں کے گھر گیا تھا۔ وہاں مسلمانوں کا ایک بڑا جلسہ ہوا تھا جس میں کانگریس کی برائیاں وہ سن چکا تھا۔ اس نے کہا:

”دلو بھائی۔ کانگریس۔ مولانا صاحب تو کہتے تھے۔“

دلو نے ذرا حیکمے انداز میں کہا:

”دھت۔ یہ سب کہتے ہیں۔ گریب کا کوئی سالانہ نہیں ہوتا۔ اپنے کرنا ہو گا جو ہو۔“

یہ کہتے ہوئے دلو اٹھ کھڑا ہوا۔ رات بھی کافی جا چکی تھی الاؤ بھی بجھ چکا تھا اور فضا میں خنڈک کافی پیدا ہو چکی تھی۔ دلو کے اٹھتے ہی سب کے سب اٹھ گئے۔

आजादी के बाद उर्दू अफ़साना

करने न जाएँ”

दल्लू ने राय पेश की और सब ने हाँ कही। फिर आगे चल कर क्या होगा उस पर बहस रही लेकिन सब ने नतीजे से बेपरवाह होकर यही फ़ैसला किया कि पटवारी जी को रसीद न दिया जाए। दबाव डालकर दूध घी वसूल कर लेते हैं, वह भी बन्द और बेगारी आख़री तौर पर ख़त्म।”

“बेगार ख़त्म” कहते वक़्त दल्लू ने थोड़ा सा कूड़ा करकट उठाकर अलाव में डाल दिया। अलाव से फिर एकबार थोड़ी सी आग बुलन्द हुई और बुझ गई सांवल ने कहा:

“तब दल्लू ठीक है ना?”

दल्लू ने कहा:

“पक्की बात है भाई! मर्द बात से नहीं पलटता।”

फागू ने कहा: “बिल्कुल ठीक”

फिर सीतल बोला:

“लेकिन दल्लू भय्या, वह जो पण्डित जी आते हैं ना। कहते थे कि तुम सब चुपचाप बैठे रहो, यह सब काम कांग्रेस कर देगी।”

सीतल के बोलने से जुम्न को भी हिम्मत हुई। वह भी अपने मामू के घर गया था। वहाँ मुसलमानों का एक बड़ा जलसा हुआ था जिस में कांग्रेस की बुराईयां वह सुन चुका था। उस ने कहा:

“दल्लू भाई कांग्रेस मौलाना साहब तो कहते थे।”

दल्लू ने ज़रा तीखे अन्दाज़ में कहा:

“धत; यह सब बकते हैं। गरीब का कोई साला नहीं होता। अपने करना होगा जो हो।”

यह कहते हुए दल्लू उठ खड़ा हुआ। रात भी काफ़ी जा चुकी थी, अलाव भी बुझ चुका था और फ़िज़ा में ठण्डक काफ़ी पैदा हो चुकी थी। दल्लू के उठते ही सब के सब उठ गए।

दूसरे दिन सुबह से सारे गांव में हलचल थी। बूढ़े, बच्चे और जवान सब के सब कुछ न कुछ इसी क़िस्म की बातें कर रहे थे। जवान तो हर दरवाज़े पर कहते

دوسرے دن صبح سے سارے گاؤں میں ہلچل تھی۔ بوڑھے بچے اور جوان سب کے سب کچھ نہ کچھ اسی قسم کی باتیں کر رہے تھے۔ جوان تو ہر دروازے پر کھتے پھرتے تھے ”آج سہا ہوگی“ بچے تماشا سمجھ رہے تھے اور بوڑھے نتیجہ پر غور کر رہے تھے کہ بھس میں چنگاری پڑ گئی۔ پنواری نے اندر مہتو اور طوطا رام کو بلا کر خوب ڈانٹا، گالیاں دیں اور صاف صاف کہہ دیا کہ اگر اس سال تم لوگوں نے بقایا بے باقی نہیں کر دیا تو کوئی کھلیان سے ایک دانہ بھی اٹھا کر نہ لے جاسکے گا۔ اس سے جوش اور بھی بڑھ گیا۔

شام کو دو چار نو جوان میدان میں جمع ہوئے مگر زیادہ تر لوگ کترا کر نکل گئے سہا کرنے والوں کو سخت غصہ ہوا۔ وہ سب کے گھروں میں پھر گئے اور سب سے کہا۔ ”سب کا حشر طوطا رام اور اندر مہتو کا ہوگا۔ تم سب چڑیوں کی ٹولی کی طرح چھیں چھیں کرتے رہ جاؤ گے اور پنواری تمہیں باز کی طرح ہر روز شکار کرے گا۔ آج وہ کل وہ“

صبح اٹھ کر سانول منہ دھوئے بیٹھا تھا کہ پیادے نے آکر کہا:

”سانول بھائی! جہیں پنواری جی نے بلایا ہے۔ کوئی ضروری بات ہے“

سانول کا ماتھا ٹھنکا تو ضرور لیکن وہ چور نہیں تھا جو منہ چھپاتا، منہ ہاتھ دھو کر اس نے کچھ کھایا پیا اور کچہری کی طرف چلا۔ راستے میں اسے خیال آیا کہ اس کی خبر دلو کو بھی کرتا جائے۔ جیسے ہی دلو کے گھر کی طرف مڑا، پھاگو اور دلو آتے دکھائی پڑے۔ پھاگو نے سانول کو دیکھتے ہی کہا:

”بھیا جانتے ہو کچہری سے بلاوا آیا تھا۔ گماشتہ جی بھی آئے ہوئے ہیں اور یہ بھی معلوم ہوا ہے کہ مالک سے کوئی خاص حکم لے کر آئے ہیں کیا رائے ہے؟“

سانول نے جواب دیا:

”چلو تمہارے والان میں بیٹھ کر بات کریں گے“

تینوں گئے اور بیٹھ کر باتیں کرنے لگے۔ پھاگو نے یہ بھی بتایا کہ ان کی ساری باتیں پنواری کے کانوں تک چھو دھو بی پہنچاتا ہے۔ اس سے سانول کو بڑا غصہ آیا اور وہ بولا:

”دو سالے کو پکڑ کر چار لائیں۔ ہم لوگوں سے کچھ کھو کھو کر بات پوچھتا ہے اور

आज़ादी के बाद उर्दू अफ़साना

फिरते थे "आज सभा होगी" बच्चे तमाशा समझ रहे थे और बूढ़े नतीजा पर गौर कर रहे थे कि भुस में बिंगारी पड़ गई। पटवारी ने इन्दर महतो और तोताराम को बुलाकर खूब डांट, गालियाँ दीं और साफ़ साफ़ कह दिया कि अगर इस साल तुम लोगों ने बकाया बेबाक़⁽¹⁾ नहीं कर दिया तो कोई खलियान से एक दाना भी उठा कर न ले जा सकेगा। इस से जोश और भी बढ़ गया।

शाम को दो चार नौजवान मैदान में जमा हुए मगर ज़्यादातर लोग कतराकर निकल गए। सभा करने वालों को सख़्त गुस्सा हुआ। वह सब के घरों में फिर गए और सब से कहा। "सब का हथ्र तोताराम और इन्दर महतो का होगा। तुम सब चिड़ियों की टोली की तरह चें चें करते रह जाओगे और पटवारी तुम्हें बाज़ की तरह हर रोज़ शिकार करेगा, आज वह, कल वह"

सुबह उठकर सांवल मुंह धोने बैठा था कि प्यादे ने आकर कहा:

"सांवल भाई! तुम्हें पटवारी जी ने बुलाया है, कोई ज़रूरी बात है" सांवल का माथा ठनका तो ज़रूर, लेकिन वह चोर नहीं था जो मुंह छुपाता, मुंह हाथ धोकर उस ने कुछ खाया पिया और कचहरी की तरफ़ चला। रास्ते में उसे ख़याल आया कि इस की ख़बर दल्लू को भी करता जाए। जैसे ही दल्लू के घर की तरफ़ मुड़ा, फ़गू और दल्लू आते दिखाई पड़े। फ़गू ने सांवल को देखते ही कहा:

"भय्या जानते हो कचहरी से बुलावा आया था। गुमाश्ता जी भी आए हुए हैं, और यह भी मालूम हुआ है कि मालिक से कोई ख़ास हुक्म लेकर आए हैं, क्या राय है?"

सांवल ने जवाब दिया।

"चलो तुम्हारे दालान में बैठकर बात करेंगे"

तीनों गए और बैठ कर बातें करने लगे। फ़गू ने यह भी बताया कि उन की सारी बातें पटवारी के कानों तक छट्टू धोबी पहुंचाता है। उस से सांवल को बड़ा गुस्सा आया और वह बोला:

"दो साले को पकड़ कर चार लाठी, हम लोगों से खच्चड़ खोद खोद कर बात पूछता है और अपने बाबा को कह कर आता है हरामी"

1. अदा कर देना

اپنے باوا کو کہہ کر آتا ہے حرامی !

دلو نے کہا:

”غصہ کرنے کی بات نہیں سانول۔ کام کرتا ہے۔ دھیرج سے کام کرتا ہوگا۔ سانول

نے کہا:

”ایسے سالوں کو سزا ضرور ملنی چاہیے“

پھاگو نے پوچھا:

”تو اب کیا ہوگا؟“

سانول نے کہا:

”ڈرنے کی بات کیا ہے۔ ٹھہرو پنواری نے بلایا ہے وہاں سے ہو آؤں۔ دیکھوں

بات کیا ہے؟“

سانول چلا گیا۔ دلو اور پھاگو کچہری سے ہو کر آئے تھے۔ ان دونوں پر ڈانٹ پڑ چکی تھی لیکن ان دونوں نے سانول سے باتیں اس لیے نہیں کہیں کہ وہ اور بھی غصہ ہو جائے گا۔ ذرا سی بات میں اس کو غصہ آ جاتا ہے اور روکنے کی کوشش اس لیے نہ کی کہ وہ ہرگز نہ رکتا بلکہ بات اور بھی بڑھنے کا ڈر تھا۔ وہ دونوں دیر تک چپ رہے لیکن پھاگو نے کہا:

”دلو بھائی سانول کو وہاں نہ جانے دینا۔ گماشتہ جی اگر میز مے ہو کر بولیں گے تو سانول بھیا نہیں سہ سکتے۔ وہ تیکھے مزاج کے آدمی ہیں“

”دلو نے ایک لمبے سانس کے ساتھ کہا:

”ٹھیک ہے۔ پر نہ جانے پر بھی تو بات بڑھتی ہے اب جو بھی ہو دیکھا جائے گا“

پھاگو بولا:

”پھر بھی.....“

یکا یک وہ چپ ہو گیا۔ سانول تیزی کے ساتھ سامنے سے آرہا تھا۔ اس کا چہرہ لال ہو رہا تھا اور دھوتی پھٹی ہوئی تھی۔ ابھی وہ دلو سے کچھ کہہ بھی نہ سکا کہ سانول آگیا اور

آتے ہی بولا:

आज़ादी के बाद उर्दू अफ़साना

दल्लू ने कहा:

“गुस्सा करने की बात नहीं सांवल, काम करना है। धीरज से काम करना होगा”

सांवल ने कहा:

“ऐसे सालों को सज़ा ज़रूर मिलनी चाहिए।”

फ़गू ने पूछा:

“तो अब क्या होगा?”

सांवल ने कहा:

“डरने की बात क्या है। ठहरो पटवारी ने बुलाया है वहां से हो आऊं। देखूं बात क्या है?”

सांवल चला गया। दल्लू और फ़गू कचहरी से होकर आए थे। उन दोनों पर डांट पड़ चुकी थी लेकिन उन दोनों ने सांवलसे बातें इसलिए नहीं कही कि वह और भी गुस्सा हो जाएगा। ज़रा सी बात में उस को गुस्सा आ जाता है और रोकने की कोशिश इसलिए न की कि वह हरगिज़ न रुकता बल्कि बात और भी बढ़ने का डर था। वह दोनों देर तक चुप रहे लेकिन फ़गू ने कहा:

“दल्लू भाई सांवल को वहां न जाने देना। गुमाश्ता जी अगर टेढ़े होकर बोलेंगे तो सांवल भय्या नहीं सह सकते। वह तीखे मिज़ाज के आदमी हैं।”

दल्लू ने एक लम्बे सांस के साथ कहा।

“यह ठीक है पर न जाने पर भी तो बात बढ़ती है। अब जो भी हो देखा जाएगा।”

फ़गू बोला:

“फिर भी”

यकायक वह चुप होगया। सांवल तेज़ी के साथ सामने से आ रहा था। उस का चेहरा लाल हो रहा था और धोती फटी हुई थी। अभी वह दल्लू से कुछ कह भी न सका कि सांवल आ गया और आते ही बोला:

“फ़गू लाठी तो दे.....”

दल्लू और फ़गू दोनों खड़े होगए। दोनों ने सांवल को समझाया मगर वह

”پھاگو لاٹھی تو دے۔“

دلو اور پھاگو دونوں کھڑے ہو گئے۔ دونوں نے سانول کو سمجھایا مگر وہ ختا جا رہا تھا۔ اس نے بتایا کہ وہاں پنواری اور گماشتہ نے ڈانٹا۔ اس پر گماشتہ نے پھانک بند کر دیا اور چاہتا تھا کہ مار پیٹ کرے مگر وہ اس طرف کی دیوار کو جو نیچی ہے، پھاند کر بھاگ آیا ہے۔ اس نے یہ بھی بتایا کہ چھٹو اور جھمی حجام سارے فساد کی جڑ ہیں اور وہ ان دونوں سے بدلہ ضرور لے گا۔

دلو ہوشیار آدمی تھا۔ اس نے سانول کو ایک کمرے میں بند کر دیا اور باہر سے کنڈی لگا دی۔ پھاگو کچھ جوش میں تھا اور کچھ ڈر رہا تھا۔ دلو پر کوئی خاص اثر نہ تھا۔ وہ ایسے جھگڑے گلگتے میں بار بار دیکھ چکا تھا۔ پھاگو کے لیے بات نئی تھی۔ جوش تو ضرور تھا مگر ایک تو دل کا کچا تھا اور دوسرے سمجھ بھی زیادہ نہ تھی۔ وہ گھبرا کر دلو کا منہ دیکھنے لگا پھر بولا:

”اب کیا ہوگا دلو بھائی؟“

دلو بولا:

”دیکھا جائے گا۔“

اتنے میں گاؤں کے کچھ بڑے بوڑھے آگئے اور لگے دونوں کو سمجھانے۔ دلو سب کی بات کا ٹھنڈے دل سے جواب دیتا گیا۔ سب سے یہ بھی کہہ دیا کہ اب کوئی بات نہ ہوگی۔ سانول چلا گیا۔ لیکن جب کچھ جوان آدمی آئے تو ان سے بولا:

”بولو اب کیا ارادہ ہے؟ اب عزت چاہتے ہو یا ذلت؟“

ذلت کون چاہتا ہے؟ سب نے کہا کہ کچھ بھی ہو ہم ساتھ دیں گے۔ لیکن دلو نے سب کو سمجھایا کہ کوئی اونچی نیچی بات نہ ہونے پائے۔ اب صرف کام یہ کرنا ہے کہ آس پاس کے گاؤں میں لوگوں کو تیار کیا جائے۔ ابھی بات ختم بھی نہ ہونے پائی تھی کہ کچھری سے زمیندار کے پیادے لائیاں لے کر سانول کو پوچھنے آگئے۔ دلو نے کہہ دیا کہ وہ کہیں چلا گیا ہے لیکن جھمی حجام نے دیکھ لیا تھا کہ وہ اس مکان میں آیا ہے اور ان دونوں نے اس کو کمرے میں بند کر دیا ہے۔ جھمی نے پیادوں کو بتا دیا تھا اور پیادوں نے بات بات میں

आज़ादी के बाद उर्दू अफ़साना

तनता जा रहा था।

उस ने बताया कि वहां पटवारी और गुमास्ता ने झंटा। उस पर गुमास्ता ने फाटक बन्द करवा दिया और चाहता था कि मार पीट करे मगर वह उस तरफ़ की दीवार को जो नीची है, फांदकर भाग आया है। उसने यह भी बताया कि छेदू और छेबी हजाम सारे फ़साद की जड़ हैं और वह उन दोनों से बदला ज़रूर लेगा।

दल्लू होशियार आदमी था। उस ने सांवल को एक कमरे में बन्द कर दिया और बाहर से कुण्डी लगा दी। फगू कुछ जोश में था और कुछ डर रहा था। दल्लू पर कोई ख़ास असर न था। वह ऐसे झगड़े कलकत्ता में बारबार देख चुका था। फगू के लिए बात नई थी। जोश तो ज़रूर था मगर एक तो दिल का कच्चा था और दूसरे समझ भी ज़्यादा न थी। वह घबराकर दल्लू का मुँह देखने लगा फिर बोला:

“अब क्या होगा दल्लू भाई?”

दल्लू बोला:

“देखा जाएगा.....”

इतने में गांव के कुछ बड़े बूढ़े आ गए और लगे दोनों को समझाने। दल्लू सब की बात का ठण्डे दिल से जवाब देता गया। सब से यह भी कह दिया कि अब कोई बात न होगी। सांवल चला गया। लेकिन जब कुछ जवान आदमी आए तो उन से बोला।

“बोलो अब क्या इरादा है? अब इज़्ज़त चाहते हो या ज़िल्लत⁽¹⁾?”

ज़िल्लत कौन चाहता है? सब ने कहा कि कुछ भी हो हम साथ देंगे। लेकिन दल्लू ने सब को समझाया कि कोई ऊंची नीची बात न होने पाए। अब सिर्फ़ काम यह करना है कि आस पास के गांव में लोगों को तैयार किया जाए। अभी बात ख़त्म भी न होने पाई थी कि कचहरी से ज़मीनदार के प्यादे लाठियां लेकर सांवल को पूछने आ गए। दल्लू ने कह दिया कि कहीं चला गया है लेकिन छेबी हजाम ने देख लिया था कि वह उसमें आया है और उन दोनों ने उसको कमरे में बन्द कर दिया है। छेबी ने प्यादों को बता दिया था और प्यादों ने बात बात में कह दिया कि छेबी से मालूम हो चुका है कि वह उसी मकान में है। एक दो ने यह

کہہ دیا کہ جھبھی سے معلوم ہو چکا ہے کہ وہ اس مکان میں ہے۔ ایک دو نے یہ بھی کہا کہ وہ اسے پکڑ کر لے جائے بغیر نہیں رہیں گے

اب دو کو تاب نہ رہی۔ اس کا چہرہ غصے سے لال ہو گیا۔ ہونٹ کاپنے لگے۔ اس نے تن کر کہا:

”تم اسے نہیں لے جا سکتے۔ اگر تم زمین لال کرنا چاہتے ہو تو کنڈی کو ہاتھ لگاؤ“
 پیادے آگے بڑھنا چاہتے تھے مگر پندرہ بیس آدمیوں کو دیکھ کر ان کی ہمت نہ پڑی۔
 ان میں سے ایک دو نے یہ بھی رائے دی کہ چل کر مالک سے سارا حال کہہ سنانا چاہیے۔
 بغیر حکم کے جھٹڑا مول لینا ٹھیک نہیں۔

اس وقت سے شام تک ایک ہی خبر اڑتی رہی۔ گماشتہ جی دوسری جگہوں سے آدمی بلوا رہے ہیں کہ گاؤں کو لوٹ لیا جائے۔ کھلیان پر قبضہ کر لیا جائے۔ اب کھلم کھلا لڑائی کا اعلان تھا۔ گاؤں کے بڑے بوڑھے چپ تھے۔ اب کس کی طرف سے بولتے اور کس کو سمجھاتے۔ اور ان کی سنتا بھی کون تھا۔ ایک طرف تھا حکومت کا غرور اور دوسری طرف عزت کا احساس۔ ان دونوں میں سمجھوتے کی گنجائش کہاں ہے۔

بات بڑھی تو کام بھی بڑھ گیا۔ آس پاس کے سارے گاؤں میں سنسنی پھیل گئی۔ ہر گاؤں کے لوگ اٹھ کھڑے ہوئے۔ سب کے ساتھ ایک ہی جیسی بات تھی۔ ہر ایک کو ایک ہی قسم کی مصیبت کا سامنا تھا۔ اب سب کے سب ایک دوسرے کی مدد کرنے پر تیار تھے۔ زمیندار کے کارندے کسانوں سے زیادہ عقل مند ہوتے ہیں۔ ان کا کام ہی ہے کسانوں پر زمیندار کا رعب باقی رکھنا۔ ان کے لیے کام کرنا تحصیل وصول کرنا اور حکم نہ ماننے والوں کی سزا۔ سر اٹھانے والوں کا سر کھٹانا۔ اسی لیے تو زمیندار انہیں رکھتا ہے۔ یہ لوگ سب کچھ جانتے ہیں۔ کس وقت کیا کام کرنا چاہیے۔ نفل بان جانتا ہے کہ ہاتھی کس طرح قبضے میں رکھا جاتا ہے۔ پنواری جی کچہری سے نکلے اور تھانہ پہنچے۔ ایک رپورٹ لکھوائی کہ گاؤں کے کسان کچہری کو لوٹنا اور کھلیان سے سارا غلہ اٹھا لینا چاہتے ہیں۔ گماشتہ جی گئے اور مالک کے کان بھرے اور بہکے ہوئے کسانوں کو راستے پر لانے کا

आजादी के बाद उर्दू अफ़साना

भी कहा कि उसे पकड़ कर ले जाए बग़ैर नहीं रहेंगे।

अब दल्लू को ताब न रही। उस का चेहरा गुस्से से लाल होगया। होंठ कांपने लगे। उसने तन कर कहा:

“तुम उसे नहीं ले जा सकते। अगर तुम ज़मीन लाल करना चाहते हो तो कुण्डी को हाथ लगाओ।”

प्यादे आगे बढ़ना चाहते थे मगर पन्द्रह बीस आदमियों को देखकर उन की हिम्मत न पड़ी।

उन में से एक दो ने यह भी राय दी कि चलकर मालिक से सारा हाल कह सुनाना चाहिए। बग़ैर हुक्म के झगड़ा मोल लेना ठीक नहीं।

उस वक़्त से शाम तक एक ही ख़बर उड़ती रही। गुमाश्ता जी दूसरी जगहों से आदमी बुलवा रहे हैं कि गांव को लूट लिया जाए। खलियान पर कब्ज़ा कर लिया जाए। अब खुल्लम खुल्ला लड़ाई का एलान था। गांव के बड़े बूढ़े चुप थे। अब किस की तरफ़ से बोलते और किसको समझाते। और उनकी सुनता भी कौन था। एक तरफ़ था हुक्मत का गुरुर और दूसरी तरफ़ इज़्ज़त का एहसास। उन दोनों में समझौते की गुंजाइश कहां है।

बात बढ़ी तो काम भी बढ़ गया। आस पास के सारे गांव में सनसनी फैल गई। हर गांव के लोग उठ खड़े हुए। सब के साथ एक ही जैसी बात थी। हर एक को एक ही किस्म की मुसीबत का सामना था। अब सब के सब एक दूसरे की मदद करने पर तैयार थे।

ज़मीनदार के कारिन्दे किसानों से ज़्यादा अक्लमन्द होते हैं। उन का काम ही है किसानों पर ज़मीनदार का रोब बाकी रखना। उन के लिए काम करना, तहसील वसूल करना और हुक्म न मानने वालों को सज़ा देना। सर उठाने वालों का सर कुचलना। इसी लिए तो ज़मीनदार उन्हें रखता है। यह लोग सब कुछ जानते हैं। किस वक़्त क्या काम करना चाहिए। फ़ीलबान जानता है कि हाथी किस तरह कब्जे में रखा जाता है।

पटवारी जी कचहरी से निकले और थाना पहुंचे। एक रिपोर्ट लिखवाई कि गांव के किसान कचहरी को लूटना और खलियान से सारा गुल्ला उठ लेना चाहते हैं। गुमाश्ता जी गए और मालिक के कान भरे और बहके हुए किसानों को रास्ते

سامان ہو گیا۔ یہ لوگ گاؤں میں چڑیوں کی طرح چھیں چھیں کرتے رہے۔
 دو چار دن بھی نہ گزرے تھے کہ سانول، دلو اور پھاگو کے ساتھ کئی آدمیوں کو دفعہ
 ۱۴۴ کا نوٹس مل گیا۔ وہ تو کھلیان کی طرف جاسکتے تھے اور نہ پچھری کی طرف۔ گاؤں
 میں ایک بڑی سبھا ہوئی تو یہ لوگ میدان میں نہ جاسکے۔ وہاں کھلیان تھا۔
 سبھا ہونے کے بعد کچھ اور لوگ بھی سامنے آگئے اور ان پر بھی نظر کڑی پڑنے لگی
 لیکن آگ جو سلی تھی وہ بھی نہیں بڑھتی ہی گئی۔

سانول صبح سویرے اپنی ضرورت سے کھیتوں کی طرف جا رہا تھا۔ اس کے ایک ہاتھ
 میں پانی کا بھرا ہوا لوٹا تھا۔ سامنے جھمبی آتا ہوا دکھائی پڑا۔ سانول ٹھہر گیا۔ جھمبی جیسے ہی
 پاس آیا سانول بولا:

”تم کو ہم سب سے پیر کا ہے کا جھمبی بھائی۔ تم کو سوچنا چاہیے کہ تم بھی کسان ہو۔“
 جھمبی بولا:

”تم لوگ جھوٹ موٹ بدنام کرتے ہو“
 سانول کو اس کا یہ کہنا دھوکا نہیں دے سکتا تھا۔ وہ سب کچھ جانتا تھا بولا:
 ”دیکھو جھمبی بھائی۔ یہ سب کہنے سے ہم نہ مانیں گے۔ یاد ہے تم کو۔ اس پٹواری
 نے تم کو مارا تھا۔ بات ذرا سی تھی تا۔ ایک دن بدن میں تیل ملنے نہ گئے تھے۔ اپنی بے
 عزتی بھی بھول گئے؟“

جھمبی کتر کر نکل جاتا چاہتا تھا بولا:
 ”بے کار باتیں کرنے کا کوئی فائدہ نہیں۔“
 سانول نے کہا:

”یہی تو کہتا ہوں۔ ایسی بات کیوں کرتے ہو جس سے تمہارا کوئی فائدہ نہیں ہے۔“
 لیکن سانول اس بات کو بھول گیا تھا کہ پھاگو کا باپ گاؤں کا براہل تھا اور اسی
 زمانے میں بہت سا کھیت جھمبی سے لے کر زمیندار نے پھاگو کے باپ کو دے دیا تھا۔ اس
 سے اس کا دل اب تک صاف نہیں ہوا تھا۔ گو بات بہت پرانی ہو چکی تھی۔ جھمبی نے کہا:

पर लाने का सामान हो गया। यह लोग गांव में चिड़ियों की तरह चीं चीं करते रहे।

दो चार दिन भी न गुज़रे थे कि सांवल, दल्लू और फागू के साथ कई आदमियों को दफ़्तर⁽¹⁾ 144 का नोटिस मिल गया। वह न तो खलियान की तरफ़ जा सकते थे और न कचहरी की तरफ़। गांव में एक बड़ी सभा हुई तो यह लोग मैदान में न जा सके। वहां खलियान था।

सभा होने के बाद कुछ और लोग भी सामने आ गए और उन पर भी कड़ी नज़र पड़ने लगी लेकिन आग जो सुलगी थी वह बुझी नहीं बढ़ती ही गई।

सांवल सुबह सवेरे अपनी ज़रूरत से खेतों की तरफ़ जा रहा था। उस के एक हाथ में पानी का भरा हुआ लोटा था। सामने छेबी आता हुआ दिखाई पड़ा। सांवल ठहर गया झेबी जैसे ही पास आया सांवल बोला:

“तुम को हम सबसे बैर काहेका है भाई तुमको सोचना चाहिए के तुम भी किसान हो”

छेबी बोला:

“तुम लोग झूटमूट बदनाम करते हो”

सांवल को इस का यह कहना धोखा नहीं दे सकता था। वह सब कुछ जानता था बोला:

“देखो छेबी भाई! यह सब कहने से हम न मारेंगे। याद है तुमको। उस पटवारी ने तुमको मारा था। बात ज़रा सी थी ना। एक दिन बदन में तेल मलने न गए थे। अपनी बेइज़्ज़ती भी भूल गए?”

छेबी कतरा कर निकल जाना चाहता था। बोला:

“बेकार बातें करने का कोई फ़ायदा नहीं।”

सांवल ने कहा:

“यही तो कहता हूं। ऐसी बात क्यों करते हो जिससे तुम्हारा कोई फ़ायदा नहीं है।”

लेकिन सांवल इस बात को भूल गया था के फागू का बाप गांव का बराहिल

”سنو سانول! تم بچ میں نہ پڑو۔ بھاگو کے باپ نے بڑا جلم ڈھایا ہے ہم پر.....“
 ”یہ بات بڑی پرانی ہو چکی اسے بھول جاؤ۔ یا کہو تو پھاگو سے کہہ کر تمہارا کھیت
 دلوادوں لیکن تم یہ تو سوچو کھیت تم سے بازو چا جانے تو لیا نہیں۔ لیا تو تھا زمیندار ہی نے۔
 قصور کس کا ہے؟“

مگر جھمبی پر ان باتوں کا اثر کیا ہوتا۔ اس نے کہا:
 ”سانول! میں تم سے بحث کرنے نہیں آیا ہوں۔“
 ”سب ٹھیک۔ پر یہ تو بتاؤ اس دن تم پیادے کیوں لائے تھے۔ ان کو کیوں بتایا تھا
 کہ سانول پھاگو کے گھر پر ہے۔ میرے باپ نے تو تمہارا کھیت نہیں لیا تھا“
 جھمبی کھسیا گیا اور اس نے کہا:
 ”مجھے بحث کرنے کی فرصت نہیں“

وہ دو قدم آگے بڑھا لیکن سانول نے اس کا راستہ روک لیا اور ذرا ٹھیکھا ہو کر بولا:
 ”سنو جھمبی بھائی! تمہیں جواب دینا ہو گا۔ کسی کی راہ میں کانٹے بچھانا اچھا نہیں۔
 یہ تمہارے حق میں برا ہو گا۔“

جھمبی جانتا تھا کہ سانول غصیل آدمی ہے۔ اس لیے وہ کسی طرح بات کاٹ کر نکل
 جانا چاہتا تھا۔ وہ خوب اچھی طرح جانتا تھا کہ پھاگو کے باپ پر جو الزام رکھ رہا تھا وہ بھی
 غلط تھا۔ وہ یہ بھی جانتا تھا کہ گاؤں میں کسی نے کچھ اس کا بگاڑا نہیں تھا۔ اور وہ صرف
 اپنے فائدے کے لیے گاؤں بھر کے آدمیوں کو نقصان پہنچا رہا تھا اور پٹواری تک خبر
 پہنچانے کے بعد گاؤں کے سارے لوگوں سے الگ سا ہو گیا تھا مگر اب برے کے
 پسندے پڑ گیا تھا۔ سانول کو جواب دئے بغیر چلے جانا ممکن نہ تھا۔ اس نے کہا:
 ”سانول دیر ہو رہی ہے۔ ہمیں کام ہے راستہ چھوڑ دو۔“

اگر کھلا ہو راستہ ہوتا تو شاید جھمبی کسی دوسری طرف سے چلا جاتا مگر راستہ کے لیے
 ایک ہی جگہ ٹھہری تھی اور اس کے دونوں طرف اوکھ کے گھنے کھیت تھے جن میں آدمی سے
 زیادہ اونچے اوکھ لہلہا رہے تھے۔ راستہ بالکل نہ تھا اس کے کہنے پر بھی سانول نے راستہ نہ

आज़ादी के बाद उर्दू अफ़साना

था और उसी ज़माने में बहुत सा खेत छेबी से लेकर ज़मीनदार ने फ़ग़ू के बाप को दे दिया था। उससे उस का दिल अब तक साफ़ नहीं हुआ था। गो बात बहुत पुरानी हो चुकी थी। झेबी ने कहा:

“सुनो सांवल! तुम बीच में न पड़ो। फ़ग़ू के बाप ने बड़ा जुल्म ढाया है हमपर.....”

यह बात बड़ी पुरानी हो चुकी इसे भूल जाओ। या कहो तो फ़ग़ू से कह कर तुम्हारा खेत दिलवा दूं लेकिन यह तो सोचो खेत तुम से बाढ़ू चाचा ने तो लिया नहीं। लिया तो था ज़मीनदार ही ने। क़सूर किस का है?”

मगर छेबी पर इन बातों का असर क्या होता। उस ने कहा:

“सांवल! मैं तुम से बहस करने नहीं आया हूँ.....”

“सब ठीक। पर यह तो बताओ उस दिन प्यादे क्यों लाए थे। उन को क्यों बताया था कि सांवल फ़ग़ू के घर पर है। मेरे बाप ने तो तुम्हारा खेत नहीं लिया था।”

छेबी खिसया गया और उसने कहा:

“मुझे बहस करने की फ़ुरसत नहीं।”

वह दो क़दम आगे बढ़ा लेकिन सांवल ने उस का रास्ता रोक लिया और ज़रा तीखा होकर बोला:

“सुनो छेबी भाई! तुम्हें जवाब देना होगा, किसी की राह में कांटे बिछाना अच्छा नहीं। यह तुम्हारे हक़ में बुरा होगा।”

झेबी जानता था कि सांवल बड़ा गुस्सेल⁽¹⁾ आदमी है। इस लिए वह किसी तरह बात काटकर निकल जाना चाहता था। वह खूब अच्छी तरह जानता था कि फ़ग़ू के बाप पर जो इल्ज़ाम रख रहा था वह भी ग़लत था। वह यह भी जानता था कि गांव में किसी ने कुछ उसका बिगाड़ा नहीं था और वह सिर्फ़ अपने फ़ायदे के लिए गांव भर के आदमियों को नुक़सान पहुंचा रहा था और पटवारी तक ख़बर पहुंचाने के बाद गांव के सारे लोगों से अलग सा हो गया था मगर अब बुरे के फ़न्दे पड़ गया था। सांवल को जवाब दिए बग़ैर चले जाना मुमकिन न था। उस ने

1. गुस्से वाला

آزادی کے بعد اردو افسانہ

دیا تو جھمی نے چاہا اس کو ہٹا کر چلا جائے۔ لیکن سانول نے اس کا ہاتھ پکڑ لیا۔ جھمی نے جھکے سے ہاتھ چھڑا لیا اور بولا:

”لڑنا چاہتے ہو کیا؟“

سانول بولا:

”ہم لڑنا نہیں چاہتے لیکن اس کی ضرورت پڑی تو باز بھی نہ آئیں گے۔ ہم تم سے یہی پوچھ رہے ہیں کہ تم نے ایسا کیوں کیا؟“

جھمی کو غصہ آچکا تھا اس نے کہا:

”کیا تو اس میں کسی کے باپ کا کیا“

سانول کو ایسی باتوں کی تاب کہاں تھی۔ وہ دیر سے اپنے غصے کو دبائے ہوئے تھا۔ گالی جھمی کے منہ سے نکل ہی تھی کہ پانی سے بھرا لوٹا اس نے جھمی کے سر پر دے مارا جھمی کے سر سے خون اور لوٹے سے پانی بہنے لگا اور وہ پکڑا کر گر گیا۔

بات اور زیادہ بڑھ گئی۔ شکار خود ہی پھنس گیا۔ پولیس آئی اور سانول کو گرفتار کر لیا گیا۔ لیکن سوال یہ تھا گواہ کہاں سے آئے؟ مقدمہ میں دوسرے لوگ کیسے پھنسیں۔ مگر روپیہ ہو تو یہ بھی مشکل نہیں روپیہ خرچ کرنے والا ہونا چاہیے۔ کام کون سا ہے جو نہیں ہوتا۔ روپیہ ہو تو امیثور بھی خوش ہوتا ہے۔ مندر اور دھرم شالے بنا کر اور کسی کو پھنسا لینا کیا مشکل ہے۔ زمیندار نے فیصلہ کر لیا کہ چاہے گاؤں اجڑ جائے لیکن سر اٹھانے والوں کا سر کچلا ضرور جانا چاہیے۔

ایک طرف سانول کا مقدمہ کھلا دوسری طرف دلو اور پھاگو اور دوسروں کے خلاف دھڑا دھڑا رہپور نہیں ہونے لگیں۔ یہاں تک کہ جب پورا غلہ کھلیان میں آ گیا تو ان سب پر، جن پر کسی طرح کا شک تھا دفعہ ۱۴۳ کے نوٹس کی تعمیل ہو گئی۔ سب کے سب ڈر سے کانپ رہے تھے۔ زمینداری تھی زمیندار کی اور راج تھا پٹواری کا۔

آخر اس طرح کب تک چلتا۔ لوگ اکٹا گئے غریبوں کے پاس اتنا روپیہ کہاں سے آئے جو مقدمہ لڑیں۔ اس لیے چپ رہنا ہی بہتر۔ لیکن چپ رہیں تو کب تک۔ دلو نے

आज़ादी के बाद उर्दू अफ़साना

कहा:

“सांवल देर हो रही है, हमें काम है, रास्ता छोड़ दो।”

अगर खुला हुआ रास्ता होता तो शायद छेबी किसी दूसरी तरफ़ से चला जाता मगर रास्ता के लिए एक ही पगडंडी थी और उसके दोनों तरफ़ ऊख के घने खेत थे जिन में आदमी से ज़्यादा ऊंचे ऊख लहलहा रहे थे। रास्ता बिल्कुल न था। उस के कहने पर भी सांवल ने रास्ता न दिया तो छेबी ने चाहा उसको हटकर चला जाए। लेकिन सांवल ने उस का हाथ पकड़ लिया। छेबी ने झटके से हाथ छुड़ा लिया और बोला:

“लड़ना चाहते हो क्या?”

सांवल बोला:

“हम लड़ना नहीं चाहते लेकिन उसकी ज़रूरत पड़ी तो बाज़ भी न आएंगे। हम तुम से यही पूछ रहे हैं कि तुमने ऐसा क्यों किया?”

छेबी को गुस्सा आ चुका था उस ने कहा:

“किया तो इस में किसी के बाप का क्या.....”

सांवल को ऐसी बातों की ताब कहां थी। वह देर से अपने गुस्से को दबाए हुए था। गाली छेबी के मुंह से निकली ही थी कि पानी से भरा लोटा उस ने छेबी के सर पर दे मारा। छेबी के सर से खून और लोटे से पानी बहने लगा और वह चकरा कर गिर गया।

बात और ज़्यादा बढ़ गई। शिकार खुद ही फंस गया। पुलिस आई और सांवल गिरफ़्तार कर लिया गया। लेकिन सवाल यह था कि गवाह कहां से आए? मुक़द्दमा में दूसरे लोग कैसे फंसें, मगर रूपया हो तो यह भी मुश्किल नहीं। रूपया खर्च करने वाला होना चाहिए। काम कौन सा है जो नहीं होता। रूपया हो तो ईश्वर भी खुश हो सकता है। मन्दिर और धर्मशाले बनाकर और किसी को फंसा लेना क्या मुश्किल है। ज़मीनदार ने फ़ैसला कर लिया कि चाहे गांव उजड़ जाए लेकिन सर उठाने वालों का सर कुचला ज़रूर जाना चाहिए।

एक तरफ़ सांवल का मुक़द्दमा खुला, दूसरी तरफ़ दल्लू और फगू और दूसरों के खिलाफ़ धड़ा धड़ रिपोर्टें होने लगीं। यहां तक कि जब पूरा गुल्ला

پھاگو کو ایک دن بلا کر کہا:

”اب کچھ کرنا چاہیے۔ اگر چپ رہے تو مطلب یہ کہ پٹواری جی من مانی کرتے جائیں گے۔ اب جو بھی ہو۔“

پھاگو اور دوسرے لوگوں نے بھی رائے کا ساتھ دیا اور بات طے پائی کہ جب تک کھلیان اٹھے دوسرے گاؤں میں جلسے کیے جائیں اور اسی پر عمل بھی کیا گیا۔ جب آس پاس کے سارے گاؤں میں تحریک چل پڑی تو دوسرے لوگ بھی جن پر اس کا اثر پڑ سکتا تھا، سر جوڑ کر بیٹھے اور سر پر آنے والی آفت سے بچنے کی ترکیبیں سوچنے لگے۔

بات بڑھتی گئی اور اس کا اثر بھی بڑھتا گیا۔ دھنی رام بھی ایک کسان تھا جو ان لوگوں کے ساتھ پورے جوش سے کام کر رہا تھا جب سانول کی ضمانت نہیں ہوئی تو وہ کچھ بول پڑا اور سب کے ساتھ بد معاشوں کی فہرست میں اس کا نام بھی آگیا اور نشانہ بن گیا۔

ایک دن صبح ہونے سے پہلے ہی وہ کسی کام سے دوسرے گاؤں جا رہا تھا۔ بیچ میں راستہ تھا اور دونوں طرف اکٹھ کا کھیت، ہر طرف سناٹا اور اندھیرا تھا۔ وہ بہت دور جا بھی نہ سکا تھا کہ پیچھے سے کسی نے اس کے سر پر لٹھی ماری۔ وہ گر پڑا پھر ایک دو چار پانچ دس۔ وہ ادھ مرا ہو گیا۔ سارے گاؤں میں اس سے کھلیلی مچ گئی۔

پولیس آئی۔ بہت سے لوگ گرفتار ہوئے۔ گرفتار ہونے والوں میں دلو، پھاگو، جمن، ہر کھو، سبھی تھے۔ یہ سب کے سب تھانے سدھارے۔ ان پر کھیت کاٹنے، کھلیان لونے اور دھنی رام پر حملہ کرنے کا الزام تھا۔ سب کا جیل جانا یقینی۔ پٹواری خوش۔ سارے بد معاش پکڑے جا چکے تھے۔ وہ اپنی کامیابی پر خوش تھا۔ لیکن آئندہ کیا ہوگا؟ یہ سوال لرزہ خیز طور پر اس کے دماغ میں پیدا ہو جایا کرتا تھا۔

کھلیان بھرتا جا رہا تھا لیکن اب کھلیان میں کسانوں سے زیادہ پولیس کے سپاہی نظر آتے تھے۔ انھیں کھلیان کی حفاظت کرنا تھی۔ کسان سارے بے ایمان ہو چکے تھے اور اس کی سزا بھی پا چکے تھے۔ مگر یہ بوزھے اور بچے جو گاؤں میں بیچ رہے تھے وہ بھی تو آخر کسان ہی تھے۔

आजादी के बाद उर्दू अफसाना

खलियान में आ गया तो उन सब पर जिन पर किसी तरह का शक था दफ्तर 144 के नोटिस की तामील हो गई। सब के सब डर से कांप रहे थे। ज़मीनदारी थी ज़मीनदार की और राज था पटवारी का।

आखिर इस तरह कब तक चलता। लोग उकता गए, ग़रीबों के पास रूपया कहां से आए, जो मुक़द्दमा लड़ें, इस लिए चुप रहना ही बेहतर, लेकिन चुप रहें तो कब तक। दल्लू ने फ़गू को एक दिन बुलाकर कहा।

अब कुछ करना चाहिए, अगर चुप रहे तो मतलब यह कि पटवारी जी मन मानी करते जाएंगे, अब जो भी हो."

फ़गू और दूसरे लोगों ने भी राय का साथ दिया और बात तय पाई कि जब तक खलियान उठे, दूसरे गांव में जलसे किए जायें और उस पर अमल भी किया गया। जब आस पास के सारे गांव में तहरीक चल पड़ी तो दूसरे लोग भी जिन पर इसका असर पड़ सकता था, सर जोड़कर बैठे और सर पर आने वाली आफ़त से बचने की तरकीबें सोचने लगे।

बात बढ़ती गई और इसका असर भी बढ़ता गया। धनी राम भी एक किसान था जो इन लोगों के साथ पूरे जोश से काम कर रहा था। जब सांवल की ज़मानत नहीं हुई तो वह कुछ बोल पड़ा और सब के साथ बदमाशों की फ़हरिस्त में उसका नाम भी आ गया और निशाना बन गया।

एक दिन सुबह होने से पहले ही वह किसी काम से दूसरे गांव जा रहा था, बीच में रास्ता था और दोनों तरफ़ ऊख का खेत, हर तरफ़ सन्नाट और अंधेरा था। वह बहुत दूर जा भी नहीं सका था कि पीछे से किसी ने उसके सर पर लाठी मारी। वह गिर पड़ा। फिर एक दो चार पांच दस, वह अधमरा हो गया, सारे गांव में इससे खलबली मच गई।

पुलिस आई। बहुत से लोग गिरफ़्तार हुए। गिरफ़्तार होने वालों में दल्लू, फ़गू, जुम्नन, हरखू सभी थे। ये सब के सब थाने सिधारे, उन पर खेत काटने, खलियान लूटने और धनी राम पर हमला करने का इल्ज़ाम था, सब का जेल जाना रक़ीनी। पटवारी खुश सारे बदमाश पकड़े जा चुके थे। वह अपनी कामयाबी पर

آزادی کے بعد اردو افسانہ

پوس کا مہینہ تھا۔ کڑا کے کی سردی پڑ رہی تھی۔ کھلیان کی حفاظت کرنے والے سپاہی اپنے گرم کوٹوں کے باوجود ٹھنڈک سے سکڑتے جا رہے تھے۔ سب نے مل کر بڑا سا الاؤ جلایا تھا۔ آگ تاپ رہے تھے اور کہانیاں کہی جا رہی تھیں۔ الاؤ بجھنے لگا ایک سپاہی اٹھتے ہوئے بولا:

”ایک دن ساری چیز اسی طرح ختم ہو جائے گی“

دوسرا بولا:

”سالے پنواری کا کھجڑ — اوہ لائن میں کیسے آرام سے رہتے ہیں اس وقت“
اس کے اٹھتے ہی دوسرے سپاہی بھی اٹھ کر جھونپڑے میں چلے گئے اور الاؤ بجھ گیا۔
کھلیان میں سپاہیوں کا شور گاؤں کے سنائے میں مل گیا۔



आज़ादी के बाद उर्दू अफ़साना

खुश था लेकिन आइन्दा क्या होगा, यह सवाल लरज़ाख़ेज़⁽¹⁾ तौर पर उसके दिमाग़ में पैदा हो जाया करता था।

खलियान भरता जा रहा था लेकिन अब खलियान में किसानों से ज़्यादा पुलिस के सिपाही नज़र आते थे। उन्हें खलियान की हिफ़ज़त करना थी। किसान सारे बेईमान हो चुके थे और उसकी सज़ा भी पा चुके थे मगर यह बूढ़े और बच्चे जो गांव में बच रहे थे वह भी तो आखिर किसान ही थे।

पूस का महीना था, कड़ाके की सर्दी पड़ रही थी। खलियान की हिफ़ज़त करने वाले सिपाही अपने गरम कोटों के बावजूद ठंडक से सुकड़ते जा रहे थे। सब ने मिलकर बड़ा सा अलाव जलाया था। आग ताप रहे थे और कहानियां कही जा रही थीं। अलाव बुझने लगा, एक सिपाही उठते हुए बोला:

“एक दिन सारी चीज़ें इसी तरह ख़त्म हो जाएंगी”।

दूसरा बोला:

“साले पटवारी का खच्चड़ ... ओह लाइन में कैसे आराम से रहते हैं इस वक़्त”।

उसके उठते ही दूसरे सिपाही भी उठ कर झोंपड़े में चले गए और अलाव बुझ गया। खलियान में सिपाहियों का शोर गांव के सन्नाटे में मिल गया।



1. कंफा देने वाला

چوتھی کا جوڑا

سہ دری کے چوکے پر آج بھر صاف ستھری جازم بھی تھی۔ ٹوٹی پھوٹی، کچریل کی جھرنوں میں سے دھوپ کے آڑے تر جمے قتلے پورے دالان میں بکھرے ہوئے تھے۔ محلے ٹولے کی عورتیں خاموش اور سہمی ہوئی سی بیٹھی ہوئی تھیں جیسے کوئی بڑی واردات ہونے والی ہو۔ ماؤں نے بچے چھاتیوں سے لگا لیے تھے۔ کبھی کبھی کوئی منحنی سا چڑچڑا سا بچہ رسد کی کمی کی دہائی دے کر چلا اٹھتا۔

”نائیں نائیں میرے لال“ دلی پتلی ماں اسے اپنے گھٹنے پر لٹا کر یوں ہلاتی جیسے دھان ملے چاول سوپ میں پھنک رہی ہو۔ اور بچہ ہنکارے بھر کر خاموش ہو جاتا۔ آج کتنی آس بھری نگاہیں کبرئی کی ماں کے متشکر چہرے کو تیک رہی تھیں۔ چھوٹے عرض کی ٹول کے دو پاٹ تو جوڑ لیے گئے تھے مگر ابھی سفید گزری کا نشان بیونتنے کی کسی کو ہمت نہ پڑی تھی۔ کانٹ چھانٹ کے معاملہ میں کبرئی کی ماں کا رجبہ بہت اونچا تھا۔ ان کے سوکھے سوکھے ہاتھوں نے نہ جانے کتنے جہیز سنوارے تھے، کتنے چھٹی چھوچھک تیار کیے تھے اور کتنے ہی کفن بیونتے تھے، جہاں کہیں محلے میں کپڑا کم پڑ جاتا اور لاکھ جتن پر بھی بیونت نہ بیٹھتی۔ کبرئی کی ماں کے پاس کیس لایا جاتا۔ کبرئی کی ماں کپڑے کی کان نکالتیں، کلف توڑتیں، کبھی ٹکون بناتیں۔ کبھی چوکھونا کرتیں اور دل ہی دل میں قہقہی چلا کر آنکھوں سے ناپ تول کر مسکرا پڑتیں۔

”آستین اور گھیر تو نکل آئے گا۔ گریبان کے لیے کتر میری بچی سے لے لو“ اور مشکل آسان ہو جاتی۔ کپڑا تراش کر وہ کترنوں کی پنڈی بنا کر پکڑا دیتیں۔ پر آج تو سفید گزری کا ٹکڑا بہت ہی چھوٹا تھا۔ اور سب کو یقین تھا کہ آج تو کبرئی کی ماں کی ناپ تول ہار

चौथी का जोड़ा

सहदरी के चौके पर आज फिर साफ़ सुथरी जाज़िम बिछी थी। टूटी फूटी खपरैल के झरनों में से धूप के आड़े तिरछे क़तले पूरे दालान में बिखरे हुए थे। मुहल्ले टोले की औरतें ख़ामोश और सहमी हुई सी बैठी हुई थीं, जैसे कोई बड़ी वारदात होने वाली हो। माओं ने बच्चे छातियों से लगा लिये थे। कभी कभी कोई मुन्हनि⁽¹⁾ सा चिड़चिड़ा सा बच्चा रसद की कमी की दुहाई दे कर चिल्ला उठता।

“नाई नाई मेरे लाल” दुबली पतली मां उसे अपने घुटने पर लियकर यूँ हिलाती जैसे धान मिले चावल सूप में फटक रही हो। और बच्चा हुंकारे भर कर ख़ामोश हो जाता।

आज कितनी आस भरी निगाहें कुबरा की मां के मुतफ़्रविकर⁽²⁾ चेहरे को तक रही थीं। छोटे अर्ज की टूल के दो पाट जोड़ लिए गए थे मगर अभी सफ़ेद ग़जी का निशान ब्योंतने की किसी को हिम्मत न पड़ी थी। कांट छ़ांट के मामला में कुबरा की मां का रुतबा बहुत ऊंचा था। उन के सूखे-सूखे हाथों ने न जाने कितने जहेज़ संवारे थे, कितने छटी छोछक तैयार किए थे और कितने ही कफ़न ब्योंते थे। जहां कहीं मुहल्ले में कपड़ा कम पड़ जाता और लाख जतन पर भी ब्योंत न बैठती कुबरा की मां के पास केस लाया जाता। कुबरा की मां कपड़े की कान निकालतीं, कलफ़ तोड़तीं, कभी तिकोन बनातीं, कभी चौखूंट करतीं, और दिल ही दिल में कैंची चलाकर आंखों से नाप तौल कर मुस्कुरा पड़तीं।

“आस्तीन और घेर तो निकल आएगा। गिरेबान के लिये कुतरमेरी बक्ची से ले लो” और मुश्किल आसान हो जाती, कपड़ा तराश कर वह कतरनों की पिण्डी बना कर पकड़ा देतीं।

1. दुबला पतला 2. चिन्तन शील

جائے گی۔ جب ہی تو سب دم سادھے ان کا منہ تک رہی تھیں۔ کبریٰ کی ماں کے پر استقلال چہرے پر فکر کی کوئی شکل نہ تھی۔ چار گرہ گزری کے کھڑے کو وہ نگاہوں سے بیونت رہی تھی۔ لال ٹول کا عکس ان کے نیلگوں زرد چہرے پر شفق کی طرح پھوٹ رہا تھا۔ وہ اداس اداس گہری جھریاں اندھیری گھٹاؤں کی طرح ایک دم اجاگر ہو گئیں جیسے گھنے جنگل میں آگ بھڑک اٹھی ہو۔ اور انھوں نے مسکرا کر فینچی اٹھالی۔

محلہ والیوں کے جنگٹے سے ایک لمبی اطمینان کی سانس ابھری۔ گود کے بچے بھی ٹھسک دیے گئے۔ چیل جیسی نگاہوں والی کنواریوں نے لپا جھپ سوئی کے ناکوں میں ڈورے پروئے۔ نئی بیایا دلہنوں نے انگشتاں پہن لیے۔ کبریٰ کی ماں کی قینچی چل پڑی تھی۔

دو پہر کا کھانا بننا کر اسی طرح بی ماں سے درمی کی چوکی پر جا بیٹھتی ہیں اور بچتی کھول کر رنگ برنگے کپڑوں کا جال بکھیر دیا کرتی ہیں۔ کوئٹی کے پاس بیٹھی برتن مانگھتی ہوئی کبریٰ کن اکھیوں سے ان لال کپڑوں کو دیکھتی تو ایک سرخ چھپکلی سی اس کے زردی مائل نیا لے رنگ میں لپک اٹھتی۔ روپہلی کٹوریوں کے جال جب پو لے پو لے ہاتھوں سے کھول کر اپنے زانوؤں پر پھیلاتیں تو ان کا مرجھایا ہوا چہرہ ایک عجیب ارمان بھری روشنی سے جگمگا اٹھتا۔ گہری صندوق جیسی شکلوں پر کنواریوں کا عکس ننھی ننھی مشعلوں کی طرح جگمگانے لگتا۔ ہر ٹانگے پر زری کا کام ہلتا اور مشعلیں کپکپا اٹھتیں۔

یاد نہیں کب اس شبنمی دوپٹے کے بنے گلے تیار ہوئے اور گاڑی کے بھاری قبر جیسے صندوق کی تہہ میں ڈوب گئے۔ کٹوریوں کے جال دھندلا گئے۔ گنگا جمنی کرنیں ماند پڑ گئیں۔ طولی کے لچھے اداس ہو گئے مگر کبریٰ کی بارات نہ آئی جب ایک جوڑا پرانا ہو جاتا تو اسے چالے کا جوڑا کہہ کر سینٹ دیا جاتا اور پھر ایک نئے جوڑے کے ساتھ نئی امیدوں کا افتتاح ہو جاتا۔ بڑی چھان بین کے بعد نئی دلہن چھاننی جاتی۔ سہ درمی کے چوکے پر صاف ستھری جازم پچھتی محلے کی عورتیں ہاتھ میں پان دان اور بظلوں میں بچے دبائے جھانجھن بجاتی آن پہنچتیں۔

”چھوٹے کپڑے کی گوٹ تو اتر آئے گی۔ پر بچیوں کا کپڑا نہ نکلے گا۔“

आज़ादी के बाद उर्दू अफ़साना

पर आज तो सफ़ेद गज़ी का टुकड़ा बहुत ही छोटा था और सब को यकीन था कि आज तो कुबरा की मां की नाप तौल हार जाएगी, जब ही तो सब दम साधे उन का मुंह तक रही थीं। कुबरा की मां के पुर-इस्तक़लाल⁽¹⁾ चेहरे पर फ़िज़ की कोई शक़ल न थी। चार गिरह गज़ी के टुकड़े को वह निगाहों से ब्योत रही थीं। लाल टेल का अक्स उन के नीलगूँ ज़र्द चेहरे पर शफ़क़ की तरह फूट रहा था। वह उदास उदास गहरी झुर्रियां अन्धेरी घटाओं की तरह एक दम उजागर हो गईं जैसे घने जंगल में आग भड़क उठी हो, और उन्होंने मुस्कुराकर कैंची उठा ली।

मुहल्ला वालियों के जमघटे से एक लम्बी इतमिनान की सांस उभरी। गोद के बच्चे भी ठसक दिये गये। चील जैसी निगाहों वाली कुंवारियों ने लपा झप सुई के नाकों में डोरे पिरोए, नई ब्याही दुल्हनों ने अंगुशताने⁽²⁾ पहन लिये। कुबरा की मां की कैंची चल पड़ी थी।

दोपहर का खाना निबटा कर इसी तरह बी मां सहदरी की चौकी पर जा बैठती हैं और बक्ची खोल कर रंग बिरंगे कपड़ों का जाल बखेर दिया करती हैं। कोण्डी के पास बैठी बरतन मांझती हुई कुबरा कनखियों से उन लाल कपड़ों को देखती तो एक सुर्ख छिपकली सी उस के ज़र्दी माएन मटियाले रंग में लपक उठती। रूपहली कटोरियों के जाल जब पोले पोले हाथों से खोल कर अपने जानूओं⁽³⁾ पर फैलातीं तो उन का मुझाया हुआ चेहरा एक अजीब अरमान भरी रौशनी से जगमगा उठता। गहरी संदूकों जैसी शिकनों पर कटोरियों का अक्स नन्ही नन्ही मशालों की तरह जगमगाने लगता। हर टांके पर ज़री का काम हिलता और मशालें कपकपा उठतीं।

याद नहीं कब उस शबनमी दोपट्टे के बने टके तैयार हुए और गाड़ी के भारी क़ब्र जैसे सन्दूक की तह में डूब गए। कटोरियों के जाल धुंधला गए। गंगा जमनी किरनें मांद पड़ गईं। तूली के लच्चे उदास हो गए मगर कुबरा की बारात न आई जब एक जोड़ा पुराना हो जाता तो उसे चाले का जोड़ा कह कर सैत दिया जाता और फिर एक नए जोड़े के साथ नई उम्मीदों का इफ़्तताह⁽⁴⁾ हो जाता। बड़ी छान बीन के बाद नई दुल्हन छांटि जाती। सह दरी के चौके पर साफ़ सुथरी जाज़िम बिछती मुहल्ले की औरतें हाथ में पानदान और बग़लों में बच्चे दबाए

1. स्थायित्व पूर्ण 2. पीतल का वह खोल जो दर्जी उंगलियों में पहनते हैं 3. जांघों

4. आरम्भ

”لو بوا، لو اور سنو، تو کیا گھوڑی ماری ڈل کی چولیس پڑیں گی“ اور پھر سب کے چہرے فکر مند ہو جاتے۔ کبریٰ کی ماں خاموش کیسا گر کی طرح آنکھوں کے فیتے سے طول و عرض ناپتیں اور بیویاں آپس میں چھوٹے کپڑے کے متعلق کھسر پھسر کر کے قہقہہ لگاتیں۔ ایسے میں کوئی مچلی کوئی سہاگ یا بتا چھیڑ دیتی۔ کوئی چار ہاتھ آگے والی خیالی سمہنوں کو گالیاں سناتے لگتیں بے ہودہ گندے مذاق اور جہلیں شروع ہو جاتیں۔ ایسے موقعوں پر کنواری بالیوں کو سہ دری سے دور سر ڈھاٹ کر کچھریل میں بیٹھنے کا حکم دے دیا جاتا اور جب کوئی نیا قہقہہ سہ دری سے ابھرتا تو بے چاریاں ایک شہنشاہی سانس بھر کر رہ جاتیں۔ اللہ! یہ قہقہہ انہیں خود کب نصیب ہوں گے۔

اس چہل پہل سے دور کبریٰ شرم کی ماری پھروں والی کوٹھری میں سر جھکائے بیٹھی رہتی۔ اتنے میں کتر بیونت نہایت نازک مرحلہ پر پہنچ جاتی۔ کوئی کلی الٹی کٹ جاتی اور اس کے ساتھ بیویوں کی مت بھی کٹ جاتی۔ کبریٰ سہم کر دروازے کی آڑ سے جھانکتی۔

یہی تو مشکل تھی کوئی جوڑا اللہ مارا چین سے نہ سلنے پایا جو کلی الٹی کٹ جائے تو جان لو نائن کی لگائی ہوئی بات میں ضرور کوئی اڑنگا لگے گا۔ یا تو دولہا کی کوئی داشتہ نکل آئے گی یا اس کی ماں ٹھوس کڑوں کا اڑنگا باندھے گی۔ جو گوٹ میں کان آجائے تو سمجھ لیا تو مہر پر بات ٹوٹے گی یا بھرت کے پاپوں کے پلنگ پر جھکڑا ہوگا۔ چوتھی کے جوڑے کا شگون بڑا نازک ہوتا ہے۔ بی اماں کی ساری مشاقی اور سکھڑا پا دھرا رہ جاتا ہے۔ نہ جانے عین وقت پر کیا ہو جاتا کہ دھنیا برابر بات طول پکڑ جاتی بسم اللہ کے زور سے سکھڑا پاں نے جہیز جوڑنا شروع کر دیا تھا۔ ذرا سی کتر بھی بچی تو تیلے دانی یا شیشی کا غلاف سی کر دھنگ مو کر دے سنوار کر رکھ دیتیں۔ لڑکی کا کیا ہے۔ کھیرے گلڑی کی طرح بڑھتی ہے جو برات آگئی تو یہی سلیقہ کام آئے گا۔

اور جب سے ابا گزرے سلیقہ کا بھی دم پھول گیا۔ حمیدہ کو ایک دم اپنے ابا یاد آگئے۔ ابا کتنے دبلے پتلے لمبے جیسے محرم کا علم۔ ایک بار جھک جاتے تو سیدھے کھڑا ہوتا دھوار تھا۔ صبح ہی صبح اٹھ کر نیم کی مسواک توڑ لیتے اور حمیدہ کو گھٹنے پر بٹھا کر نہ جانے کیا سوچا کرتے۔ پھر سوچتے سوچتے نیم کی مسواک کا کوئی پھونڈا حلق میں چلا جاتا اور وہ کھانستے ہی

आजादी के बाद उर्दू अफसाना

झांझन बजाती आन पहुँचती।

“छोटे कपड़े की गोट तो उतर आएगी, पर बच्चियों का कपड़ा न निकलेगा।”

“लो बुआ, लो और सुनो, तो क्या निगौड़ी मारी डल की चूल् पड़ेगी” और फिर सब के चेहरे फ़िक्रमन्द हो जाते। कुबरा की मां ख़ामोश कीमियागर⁽¹⁾ की तरह आँखों के फीता से तूलो अर्ज नापती और बीवियां आपस में छोटे कपड़े के मुतअल्लिक खुसर फुसर करके कहकहा लगातीं। ऐसे में कोई मंचली कोई सुहाग या नब्बा छेड़ देती। कोई चार हाथ आगे वाली ख़याली समधनों को गालियां सुनाने लगती। बेहूदा गंदे मज़ाक और चुहलें शुरू हो जातीं। ऐसे मौकों पर कुंवारी बालियों को सहदरी से दूर सर ढांक का खपरेल में बैठने का हुक्म दे दिया जाता और जब कोई नया कहकहा सहदरी से उभरता तो बेचारियां एक ठण्डी सांस भर कर रह जातीं। अल्लाह यह कहकहे उन्हें खुद कब नसीब होंगे।

इस चहल पहल से दूर कुबरा शर्म की मारी मच्छरों वाली कोठरी में सर झुकाए बैठी रहती। इतने में कतर ब्योत निहायत नाजुक मरहला पर पहुँच जाती। कोई कली उल्टी कट जाती और उस के साथ बीवियों की मत भी कट जाती। कुबरा सहम कर दरवाजे की आड़ से झाँकती।

यही तो मुश्किल थी कोई जोड़ा अल्लाह मारा चैन से न सिलने पाया जो कली उल्टी कट जाये तो जान लो नाइन की लगाई हुई बात में ज़रूर कोई अड़ंगा लगेगा, या तो दुल्हा की कोई दाशता निकल आएगी या उस की मां ठोस कड़ों का अड़ंगा बांधेगी, जो गोट में कान आजाए तो समझ लो या तो मेहर पर बात टूटेगी या भरत के पायों के पलंग पर झगड़ा होगा। चौथी के जोड़े का शगुन बड़ा नाजुक होता है। बी अम्मा की सारी मशशाकी⁽²⁾ और सुघड़ापा धरा रह जाता है। न जाने ऐन वक़्त पर क्या हो जाता के धनिया बराबर बात तूल पकड़ जाती बिस्मिल्लाह के जोर से सुघड़ मां ने जहेज़ जोड़ना शुरू कर दिया था। ज़रा सी कत्तर भी बची तेले दानी या शीशी का ग़िलाफ़ सी कर धंग गो-करो से संवार कर रख देती। लड़की का क्या है, खीरे ककड़ी की तरह बढ़ती है। जो बरात आ गई तो यही सलीका काम आएगा।

آزادی کے بعد اردو افسانہ

چلے جاتے۔ حیدرہ بڑا کران کی گود سے اتر آتی کھانسی کے دھکوں سے یوں ہی مل مل جاتا اسے قطعی پسند نہ تھا۔ اس کے ننھے سے غصے پر وہ اور ہنسنے اور کھانسی سینہ میں بے طرح الجھتی۔ جیسے گردن کئے کبوتر پھڑ پھڑا رہے ہوں۔ پھر بھی اماں آکر انھیں سہارا دیتیں۔ پیٹھ پر دھپ دھپ ہاتھ مارتیں۔

”تو بہ ہے ایسی بھی کیا ہنسی؟“

اچھو کے دباؤ سے سرخ آنکھیں اوپر اٹھا کر ابا بے کسی سے مسکراتے۔ کھانسی تو رک جاتی مگر وہ دیر تک بیٹھے ہانپا کرتے۔

”کچھ دوا دارو کیوں نہیں کرتے۔ کتنی بار کہا تم سے“

”بڑے شفا خانے کا ڈاکٹر کہتا ہے سوئیاں لگواؤ اور روز تین پاؤ دودھ اور آدمی چھٹانک مکھن۔“

”اے خاک پڑے ان ڈاکٹروں کی صورت پر۔ بھلا ایک تو کھانسی اور اوپر سے چکنائی، بلغم نہ پیدا کر دے گی۔ حکیم کو دکھاؤ۔“

”دکھاؤں گا۔“ ابا حقہ گزراتے اور پھر اچھو لگتا۔

”آگ لگے اس موئے حقے کو اسی نے تو یہ کھانسی لگائی ہے جو ان بیٹی کی طرف بھی دیکھتے ہو آنکھ اٹھا کر۔“

اور ابا کبریٰ کی جوانی کی طرف رحم طلب نگاہوں سے دیکھتے۔ کبریٰ جوان تھی۔ کون کہتا تھا جوان تھی۔ وہ جیسے بسم اللہ کے دن سے ہی اپنی جوانی کی آمد کی سناؤنی سن کر ٹھک کر رہ گئی تھی۔ نہ جانے کیسی جوانی آئی تھی کہ نہ تو اس کی آنکھوں میں کرنیں ناچیں نہ اس کے رخساروں پر زلفیں پریشاں ہوئیں۔ نہ اس کے سینے پر طوفان اٹھے اور نہ کبھی اس نے سادوں بھادوں کی گھٹاؤں سے چل چل کر پریم یا ساجن مانگے۔ وہ جھکی جھکی سبھی سبھی جوانی جو نہ جانے کب دبے پاؤں اس پر ریگ آئی۔ دیسے ہی چپ چاپ نہ جانے کدھر چل دی۔ مینا برس نمکین ہوا اور پھر کڑوا ہو گیا۔

ابا ایک دن چوکھٹ پر اوندھے منہ گرے اور انھیں اٹھانے کے لیے کسی حکیم یا ڈاکٹر

आज़ादी के बाद उर्दू अफ़साना

और जब से अब्बा गुज़रे सलीका का भी दम फूल गया। हमीदा को एक दम अपने अब्बा याद आ गए। अब्बा कितने दुबले पतले लम्बे जैसे मुहर्रम का अलम।⁽¹⁾ एक बार झुक जाते तो सीधे खड़ा होना दुश्वार था। सुबह ही सुबह उठकर नीम की मिस्वाक तोड़ लेते और हमीदा को घुटने पर बिठाकर न जाने क्या सोचा करते। फिर सोचते सोचते नीम की मिस्वाक का कोई फ़ौसड़ा हलक़ में चला जाता और वह खांसते ही चले जाते। हमीदा बिगड़ कर उन की गोद से उतर आती खांसी के धक्कों से यूँ ही हिल हिल जाना उसे क़तई पसंद न था। उस के नन्हे से गुस्से पर वह और हंसते और खांसी सीना में बे तरह उलझती जैसे गर्दन कटे कबूतर फड़फड़ा रहे हों। फिर भी अम्मा आकर उन्हें सहारा देती। पीठ पर धप धप हाथ मारती।

“तौबा है ऐसी भी क्या हंसी?”

उच्छू के दबाव से सुर्ख़ आंखें ऊपर उठा कर अब्बा बेकसी से मुस्कराते, खांसी तो रुक जाती मगर वह देर तक बैठे हांपा करते।

कुछ दवा दारू क्यों नहीं करते, कितनी बार कहा तुम से”

बड़े शिफ़ा ख़ाने का डाक्टर कहता है सूईयां लगवाओ और रोज़ तीन पाव दूध और आधी छटांक मक्खन”।

“ऐ ख़ाक पड़े इन डाक्टरों की सूरत पर, भला एक तो खांसी ऊपर से चिकनाई, बलग़म न पैदा कर देगी, हकीम को दिखाओ”

“दिखाऊंगा” अब्बा हुक्का गुड़गुड़ाते और फिर उच्छू लगता।

“आग़ लगे इस मूए हुक्के को इसी ने तो यह खांसी लगाई है। जवान बेटी की तरफ़ भी देखते हो आंख उठा कर।”

और अब्बा कुबरा की जवानी की तरफ़ रहम तलब निगाहों से देखते। कुबरा जवान थी। कौन कहता था जवान थी। वह तो जैसे बिस्मिल्लाह के दिन से ही अपनी जवानी की आमद की सुनाउनी सुन कर ठिठक कर रह गई थी। न जाने कैसी जवानी आई थी कि न तो उस की आंखों में किरणें नाचीं न उस के रुख़्सारों⁽²⁾ पर जुल्फ़ें परेशां हुईं, न उसके सीने पर तूफ़ान उठे और न कभी उसने सावन भादों की घटाओं से मचल मचल कर प्रीतम या साजन मांगे। वह झुकी

کافضہ کام نہ آسکا۔

اور حیدرہ نے بیٹھی روٹی کے لیے ضد کرنی چھوڑ دی۔

اور کبریٰ کے پیغام نہ جانے کدھر راستہ بھول گئے۔ جانو کسی کو معلوم نہیں کہ اس ٹاٹ کے پردے کے پیچھے کسی کی جوانی آخری سسکیاں لے رہی ہے اور ایک نئی جوانی سانپ کے پھن کی طرح اٹھ رہی ہے۔

مگر بی اماں کا دستور نہ ٹوٹا۔ وہ اسی طرح روز دوپہر کو سہ دری میں رنگ برنگے کپڑے پھیلا کر گزریوں کا کھیل کھیلا کرتی ہیں۔

کہیں نہ کہیں سے جوڑ جمع کر کے شبرات کے مہینے میں کرپ کا دوپٹہ ساڑھے سات روپیہ میں خرید ہی ڈالا۔ بات ہی ایسی تھی کہ بغیر خریدے گزارا نہ تھا۔ مچھلے ماموں کا تار آیا کہ ان کا بڑا لڑکا راحت پولیس کی ٹریننگ کے سلسلے میں آرہا ہے۔ بی اماں کو تو بس جیسے ایک دم گھبراہٹ کا دورہ پڑ گیا۔ جانو چونکھٹ پر برات آن کھڑی ہوئی ہو اور انھوں نے ابھی دہن کی مانگ کی افشاں بھی نہیں کتری۔ ہول سے ان کے چھکے چھوٹ گئے۔ جھٹ اپنی منہ بولی بہن بندو کی ماں کو بلا بھیجا کہ

”بہن میرا مری کا منہ دیکھو جو اسی گھڑی نہ آؤ۔“

اور پھر دونوں میں کھسر پھسر ہوئی۔ بیچ میں ایک نظر دونوں کبریٰ پر بھی ڈال لیتیں، جو دالان میں بیٹھی چاول پھنک رہی تھی۔ وہ اس کا نا پھوسی کی زبان کو اچھی طرح سمجھتی تھی۔

اسی وقت بی اماں نے کانوں کی چار ماشہ کی ٹوٹکیں اتار کر منہ بولی بہن کے حوالے کیں کہ جیسے تیسے کر کے شام تک تولہ بھرگو کر چھ ۶، ماشے سلمہ ستارہ اور پاؤ گز نیفے کے لیے نول لادیں۔ باہر کی طرف دالا کمرہ جھاڑ پونچھ کر تیار کیا۔ تھوڑا سا چونا منگا کر کبریٰ نے اپنے ہاتھوں سے کمرہ پوت ڈالا۔ کمرہ تو چنا ہو گیا مگر اس کی ہتھیلیوں کی کھال اڑ گئی۔ اور جب وہ شام کو مسالہ پینے بیٹھی تو چکر کھا کر دوہری ہو گئی۔ ساری رات کروٹیں بدلتے گزری۔ ایک تو ہتھیلیوں کی وجہ سے دوسرے صبح کی گاڑی سے راحت آرہے تھے۔

”اللہ! میرے اللہ، اب کے تو میری آپا کا نصیبہ کھل جائے میرے اللہ میں سو رکعت

आज़ादी के बाद उर्दू अफ़साना

झुकी सहमी सहमी जवानी जो न जाने कब दबे पांव उस पर रेंग आई, वैसे ही चुप चाप न जाने किधर चल दी। मीठा बरस नमकीन हुआ और फिर कड़वा हो गया।

अब्बा एक दिन चौखट पर औंधे मुंह गिरे और उन्हें उठाने के लिये किसी हकीम या डाक्टर का नुस्खा काम न आ सका।

और हमीदा ने मीठी रोटी के लिये ज़िद करनी छोड़ दी।

और कुबरा के पैग़ाम न जाने किधर रास्ता भूल गए। जानो किसी को मालूम नहीं कि इस टाट के परदे के पीछे किसी की जवानी आख़री सिस्कियां ले रही है और एक नई जवानी सांप के फन की तरह उठ रही है।

मगर बी अम्मां का दस्तूर न टूट। वह उसी तरह रोज़ दोपहर को सहदरी में रंग बिरंगे कपड़े फैला कर गुड़ियों का खेल खेला करती हैं।

कहीं न कहीं से जोड़ जमा कर के शोबरात के महीने में क्रेप का दुपट्टा साढ़े सात रुपये में ख़रीद ही डाला। बात ही ऐसी थी कि बग़ैर ख़रीदे गुज़ारा न था। मंज़िले मामू का तार आया कि उन का बड़ा लड़का राहत पुलिस की ट्रेनिंग के सिलसिले में आ रहा है। बी अम्मां को तो बस जैसे एक दम घबराहट का दौरा पड़ गया जानो चौखट पर बरात आन खड़ी हुई हो और उन्होंने ने अभी दुल्हन की मांग की अफ़्सां भी नहीं कतरी। हौल से उनके छक्के छूट गए। झट अपनी मुंह बोली बहन बिन्दू की मां को बुला भेजा कि

“बहन मेरा मरी का मुंह देखो जो इसी घड़ी न आओ”

और फिर दोनों में खुसुर फुसुर हुई बीच में एक नज़र दोनों कुबरा पर भी डाल लेतीं, जो दालान में बैठी चावल फटक रही थी। वह उस काना फूसी की ज़बान को अच्छी तरह समझती थी।

उसी वक़्त बी अम्मां ने कानों की चार माशा की लौंगें उतार कर मुंह बोली बहन के हवाले कीं के जैसे तैसे कर कि शाम तक तोला भर गोकर छः माशे सलमा सितारा और पाव गज़ नेफ़्रे के लिये नवल ला दें। बाहर की तरफ़ वाला कमरा झाड़ पोंछ कर तैयार किया। थोड़ा सा चूना मंगा कर कुबरा ने अपने हाथों से कमरा पोत डाला। कमरा तो चिढ़ा हो गया मगर उस की हथैलियों की खाल उड़ गई। और जब वह शाम को मसाला पीसने बैठी तो चक्कर खाकर दोहरी हो

نفل تیری درگاہ میں پڑھوں گی۔“ حمیدہ نے فجر کی نماز پڑھ کر دعا مانگی۔
صبح جب راحت بھائی آئے تو کبرئی پہلے ہی سے چھروں والی کوٹھری میں جا چھپی
تھی۔ جب سیوہوں اور پرائٹوں کا ناشتہ کر کے بیٹھک میں چلے گئے تو دیرے دیرے نئی
دہن کی طرح چدرکتی کبرئی کوٹھری سے نکلی۔ اور جوٹھے برتن اٹھا لیے۔
”لاؤ میں دھو دوں بی آپا“ حمیدہ نے شرارت سے کہا۔

”نہیں“ وہ شرم سے جھک گئی۔

حمیدہ چیمیزتی رہی۔ بی اماں مسکراتی رہیں۔ اور کرپ کے دوپٹے میں لپا ہانکتی رہیں۔
جس راستہ کان کی لوٹکیں گئی تھیں اسی راستہ پیڑ اور چاندی کی پازیب بھی چل دی
اور پھر ہاتھوں کی دودو چوڑیاں بھی جو سٹھلے ماموں نے رٹا پاتا رہنے پر دی تھیں۔ روکھی
سوکھی خود کھا کر آئے دن راحت کے لیے پراٹھے تلے جاتے، کوفتے بجنے جاتے، پلاؤ
مکھتے، خود سوکھا نوالہ پانی سے اتار کر وہ ہونے والے داماد کو گوشت کے لچھے کھلاتیں۔

”زمانہ بڑا خراب ہے بیٹی“ وہ حمیدہ کو منہ پھسلاتے دیکھ کر کہا کرتیں اور وہ سوچا
کرتی ”ہم بھوکے رہ کر داماد کو کھلا رہے ہیں۔ بی آپا صبح سویرے اٹھ کر جادو کی مشین کی
طرح جٹ جاتی ہے۔ نہار منہ پانی کا گھونٹ پی کر راحت کے لیے پراٹھے تلتی ہے۔ دودھ
اودھاتی ہے تاکہ موٹی سی بالائی پڑے۔ اس کا بس نہیں تھا کہ وہ اپنی چر بی نکال کر ان
پرائٹوں میں بھر دے اور کیوں نہ بھرے آخر کو ایک دن وہ اس کا اپنا ہو جائے گا۔ جو کچھ
کمائے گا اس کی ہتھیلی پر رکھ دے گا۔ پھل دینے والے پودے کو کون نہیں سینچتا؟ پھر جب
ایک دن پھول کھلیں گے اور پھلوں سے لدی ہوئی ڈالی جھکے گی تو یہ طعنہ دینے والوں کے
منہ پر کیسا جوتا پڑے گا اور اس خیال ہی سے میری بی آپا کے چہرے پر سہاگ کھل اٹھتا۔
کانوں میں شہنائیاں بجنے لگتیں اور وہ راحت بھائی کے کمرے کو پلکوں سے جھاڑتیں۔ اس
کے کپڑوں کو پیار سے تھہرتیں جیسے وہ کچھ ان سے کہتے ہوں۔ وہ ان کے بدبودار چہروں
جیسے سڑے ہوئے موزے دھوتیں۔ بساندھی بنیان اور ناک سے تھڑے ہوئے رومال
صاف کرتیں۔ اس کے تھل میں چھپاتے ہوئے ٹکے کے غلاف پر Sweet dream

आज़ादी के बाद उर्दू अफ़साना

गई। सारी रात करवटें बदलते गुज़री। एक तो हथैलियों की वजह से दूसरे सुबह की गाड़ी से राहत आ रहे थे।

“अस्लाह! मेरे अस्लाह मियां अब के तो मेरी आपा का नसीबा खुल जाए मेरे अस्लाह मैं सौ रकअत नफ़िल तेरी दरगाह में पढ़ूंगी।” हमीदा ने फ़ज़र की नमाज़ पढ़ कर दुआ मांगी।

सुबह जब राहत भाई आए तो कुबरा पहले ही से मच्छरों वाली कोठरी में जा छुपी थी। जब सेवैयों और पराठों का नाश्ता करके बैठक में चले गए तो धीरे धीरे नई दुल्हन की तरह पैर रखती कुबरा कोठरी से निकली, और जूटे बरतन उठा लिये।

“लाओ मैं धो दूँ बी आपा” हमीदा ने शरारत से कहा।

“नहीं” वह शर्म से झुक गई।

हमीदा छेड़ती रही, बी अम्मां मुस्कराती रहीं और क्रेप के दुपट्टे में लप्पा टंकती रहीं।

जिस रास्ता कान की लौंगें गई थीं उसी रास्ता पत्ता और चांदी की पाज़ेब भी चल दीं। और फिर हाथों की दो दो चूड़ियां भी जो संझले मामूं ने रंझपा उतारने पर दी थी। रूखी सूखी खुद खा कर आए दिन राहत के लिये पराठे तले जाते, कोफ़्ते भुने जाते, पुलाव महकते, खुद सूखा निवाला पानी से उतार कर वह होने वाले दामाद को गोश्त के लच्छे खिलातीं।

“ज़माना बड़ा ख़राब है बेटी” वह हमीदा को मुंह फैलाते देख कर कहा करतीं और वह सोचा करती “हम भूखे रह कर दामाद को खिला रहे हैं। बी आपा सुबह सवेरे उठकर जादू की मशीन की तरह जुट जाती है, नहार मुंह पानी का घूँट पी कर राहत के लिये पराठे तलती है, दूध औँटती है ताकि मोटी सी बलाई पड़े। उसका बस नहीं था कि वह अपनी चरबी निकाल कर उन पराठों में भर दे और क्यों न भरे आख़िर को एक दिन वह उस का अपना हो जाएगा, जो कुछ कमाएगा उसकी हथेली पर रख देगा, फल देने वाले पौधे को कौन नहीं सींचता? फिर जब एक दिन फूल खिलेंगे और फलों से लदी हुई डाली झुकेगी तो यह ताना देने वालों के मुंह पर कैसा जूता पड़ेगा और इस ख़याल ही से मेरी बी आपा के चेहरे पर सुहाग खिल उठता। कानों में शहनाइयां बजने लगतीं और वह राहत भाई के

کاڑھیں۔ پر معاملہ چاروں کو نے چو کس نہیں بیٹھ رہا تھا۔ راحت صبح سویرے اٹھ پڑھے ڈٹ کر کھاتا اور شام کو آکر کوفتے کھا کر سو جاتا اور بی اماں کی منہ بولی بہن جیکسانہ انداز میں کھسکھس کرتی۔

”بڑا شرمیلا ہے بے چارہ“ بی اماں تادیلیں پیش کرتی۔ ”ہاں یہ تو ٹھیک ہے پر ابھی کچھ تو بچہ چلے رنگ ڈھنگ سے، کچھ آنکھوں سے۔“

”اے نوج خدا نہ کرے جو میری لونڈیاں آنکھیں لڑائیں۔ اس کا آنجل بھی نہیں دیکھا ہے کسی نے۔“ بی اماں فخر سے کہتی۔

”اے تو پردہ تروانے کو کون کہے ہے“ بی آپا کے کپے مہاسوں کو دیکھ کر انھیں بی اماں کی دور اندیشی کی داد دینی پڑتی۔

”اے بہن تم تو بچ بچ میں بہت بھولی ہو۔ یہ میں کب کہوں ہوں یہ چھوٹی گھوڑی کون سی بقرعید کو کام آئے گی۔“ وہ میری طرف دیکھ کر ہنستیں ”اری اونک چڑھی بہنوئی سے کوئی بات چیت، کوئی ہنسی مذاق، اذھ، اری چل دیوانی۔“

”اے تو میں کیا کروں خالہ؟“

”راحت میاں سے بات چیت کیوں نہیں کرتی؟“

”بسیا ہمیں تو شرم آتی ہے۔“

”اے ہے وہ تجھے تو چھاڑ ہی تو کھائے گا نا؟“ بی اماں چڑ کر بولیں۔

”نہیں تو۔ مگر.....“ میں لا جواب ہو گئی اور پھر مسکوت ہوئی بڑی سوچ بچار کے بعد

کھلی کے کباب بنائے گئے۔ آج بی آپا بھی کئی بار مسکرا پڑیں۔ چپکے سے بولیں:

”دیکھو ہنستا نہیں۔ نہیں تو سارا کھیل بگڑ جائے گا۔“

”نہیں ہنسوں گی۔“ میں نے وعدہ کیا۔

”کھانا کھا لیجئے۔“ میں نے چوکی پر کھانے کی سینی رکھتے ہوئے کہا۔ پھر چوہنی کے

نیچے رکھے ہوئے لوٹنے سے ہاتھ دھوتے وقت میری طرف سر سے پاؤں تک دیکھا تو

سر ہٹ بھاگی وہاں سے۔

आज़ादी के बाद उर्दू अफ़साना

कमरे को पलकों से झाड़ती, उसके कपड़े को प्यार से तह करतीं जैसे वह कुछ उनसे कहते हों। वह उन के बदबूदार चूहों जैसे सड़े हुए मोज़े धोतीं, बसांधी बनियान और नाक से लिथड़े हुए रूमाल साफ़ करतीं। उसके तेल में चिपचिपाते हुए तकिये के गिलाफ़ पर Sweet dream काढ़तीं। पर मामला चारों कोने चौकस नहीं बैठ रहा था। राहत सुबह सवेरे अण्डे पराटे डट कर जाता और शाम को आकर कोफ़्ते खाकर सो जाता और बी अम्मां की मुंह बोली बहन हकीमाना अंदाज़ में खुसुर फुसुर करतीं।

“बड़ा शर्मीला है बेचारा” बी अम्मां तावीलें⁽¹⁾ पेश करतीं। “हां यह तो ठीक है पर अभी कुछ तो पता चले रंगदंग से, कुछ आंखों से।”

“ऐ नौज खुदा न करे जो मेरी लौंडियां आंखें लड़ाएं। उस का आंचल भी नहीं देखा है किसी ने।” बी अम्मां फ़ख़ से कहतीं।

“ऐ तो परदा तुड़वाने को कौन कहे है।” बी आपा के पके मुहासों को देख कर उन्हें बी अम्मां की दूरअनदेशी की दाद देनी पड़ती।

“ऐ बहन तुम तो सच-मुच में बहुत भोली हो। यह मैं कब कहूँ हूँ यह छोटी निगोड़ी कौन सी बकरीद को काम आयेगी।” वह मेरी तरफ़ देख कर हंसतीं। अरी ओ नक चढ़ी बहनोई से कोई बात चीत, कोई हंसी मज़ाक़, ऊंह, अरी चल दीवानी।”

“ऐ तो मैं क्या करूं ख़ाला?”

“राहत मियां से बात चीत क्यों नहीं करती?”

“भय्या! हमें तो शरम आती है।”

“ऐ हे वह तुझे तो फ़ाड़ ही तो खाएगा ना?” बी अम्मां चिढ़ कर बोलीं।

“नहीं तो, मगर.....”

मैं लाजवाब हो गई और फिर मिस्कोट हुई बड़ी सोच विचार के बाद खली के कबाब बनाए गए। आज बी आपा भी कई बार मुस्कुरा पड़ीं। चुपके से बोलीं।

“देखो हंसना नहीं, नहीं तो सारा खेल बिगड़ जाएगा।”

“नहीं हसूँ गो” मैंने वादा किया।

“खाना खा लीजिए।” मैं ने चौकी पर खाने की सेनी रखते हुए कहा। फिर

میرا دل دھک دھک کرنے لگا۔ اللہ تو بہ کیا خناس آنکھیں ہیں! ”جاگڑی اری اری دیکھ تو سہی وہ کیسا منہ بناتا ہے۔ اے ہے سارا مزا کرکرا ہو جائے گا۔“

آپا بی نے ایک بار میری طرف دیکھا ان کی آنکھوں میں التجا تھی۔ لوٹی ہوئی براتوں کا غبار تھا اور چوٹی کے پرانے جوڑوں کی ماند اداسی۔ میں سر جھکائے جا کر پھر کھبے سے لگ کر کھڑی ہو گئی۔

راحت خاموش کھاتے رہے۔ میری طرف نہ دیکھا کھلی کے کباب کھاتے دیکھ کر مجھے چاہیے تھا کہ مذاق اڑاؤں۔ قہقہہ لگاؤں کہ ”واہ جی واہ دولہا بھائی! کھلی کے کباب کھا رہے ہیں؟“ مگر جانو کسی نے میرا زخروہ دبوچ لیا ہو۔

بی اماں نے جل کر مجھے واپس بلا لیا۔ اور منہ ہی منہ میں مجھے کونے لگیں۔ اب میں ان سے کیا کہتی کہ وہ تو مزے سے کھا رہا ہے کبخت! ”راحت بھائی! کوفتے پسند آئے؟“ بی اماں کے سکھانے پر میں نے پوچھا۔ جواب ندارد۔

”بتائیے نا؟“

”اری ٹھیک سے جا کر پوچھ“ بی اماں نے شہو کا دیا۔
 ”آپ نے لا کر دیے اور ہم نے کھائے۔ مزید اری ہوں گے۔“
 ”ارے واہ رے جنگلی“ بی اماں سے نہ رہا گیا۔
 ”تمہیں پتہ بھی نہ چلا۔ کیا مزے سے کھلی کے کباب کھا گئے۔“
 ”کھلی کے؟ ارے تو روز کا ہے کے ہوتے ہیں۔ میں تو عادی ہو چلا ہوں کھلی اور بھونہ کھانے کا۔“

بی اماں کا منہ اتر گیا۔ بی آپا کی جھکی ہوئی پلکیں اوپر نہ اٹھ سکیں دوسرے روز بی آپا نے روزانہ سے دو گنی سلائی کی اور پھر جب شام کو میں کھانے لے کر گئی تو بولے:

आज़ादी के बाद उर्दू अफ़साना

चौपट्टी के नीचे रखे हुए लोटे से हाथ धोते वक़्त मेरी तरफ़ सर से पांव तक देखा तो सरपट भागी वहां से।

मेरा दिल धक-धक करने लगा। अस्ताह तौबा क्या खन्नास आंखें हैं।

“जा निगोड़ी अरी अरी देख तो सही। वह कैसा मुंह बनाता है। ऐ हे, सारा मज़ा किरकिरा हो जाएगा।”

आपा बी ने एक बार मेरी तरफ़ देखा। उन की आंखों में इलतिजा थी। लौटी हुई बारातों का गुबार था और चौथी के पुराने जोड़ों की मांद उदासी। मैं सर झुकाए जाकर फिर खम्बे से लग कर खड़ी हो गई।

राहत खामोश खाते रहे। मेरी तरफ़ न देखा। खली के कबाब खाते देख कर मुझे चाहिए था कि मज़ाक़ उड़ाऊँ। कहकहा लगाऊँ कि

वाह जी वाह दूल्हा भाई! खली के कबाब खा रहे हैं? मगर जानो किसी ने मेरा नरख़ुरा दबोच लिया हो।

बी अम्मां ने जल कर मुझे वापस बुला लिया। और मुंह ही मुंह में मुझे कोसने लगीं। अब मैं उन से क्या कहती कि वह तो मज़े से खा रहा है कमबख़्त!

“राहत भाई! कोफ़्तो पसन्द आए?” बी अम्मां के सिखाने पर मैंने पूछा।”

जवाब नदारद।

“बताइए ना?”

“अरी ठीक से जाकर पूछ” बी अम्मां ने टहोका दिया।

“आप ने लाकर दिए और हमने खाए, मज़ेदार ही होंगे।”

“अरे वाह रे जंगली” बी अम्मां से न रहा गया। “तुम्हें पता भी न चला, क्या मज़े से खली के कबाब खा गए!”

“खली के? अरे तो रोज़ काहे के होते हैं। मैं तो आदी हो चला हूँ खली और भूसा खाने का।”

बी अम्मां का मुंह उतर गया। बी आपा की झुकी हुई पलकें ऊपर न उठ सकीं दूसरे रोज़ बी आपा ने रोज़ाना से दुगनी सिलाई की और फिर जब शाम को मैं खाना लेकर गई तो बोले।

“कहिए आज क्या लाई हैं? आज तो लकड़ी के बुरादे की बारी है।”

“क्या हमारे यहां का खाना आपको पसन्द नहीं आता?” मैंने जलकर कहा।

آزادی کے بعد اردو افسانہ

”کیسے آج کیا لائی ہیں؟ آج تو لکڑی کے برادے کی باری ہے۔“
 ”کیا ہمارے یہاں کا کھانا آپ کو پسند نہیں آتا؟“ میں نے جل کر کہا۔
 ”یہ بات نہیں کچھ عجیب سا معلوم ہوتا ہے۔ کبھی کھلی کے کباب تو کبھی بھوسہ کی
 ترکاری۔“

میرے تن بدن میں آگ لگ گئی۔ ہم سوکھی روٹی کھا کر اسے ہاتھی کی خوراک
 دیں۔ کھی جیتے پراٹھے ٹھسائیں۔ بیری بی آپا کو جو شاندار نصیب نہیں اور اسے دودھ ملائی
 گھلوائیں۔ میں بھنا کر چلی آئی۔

بی اماں کی منہ بولی بہن کا نسخہ کام آگیا اور راحت نے دن کا زیادہ حصہ گھر ہی میں
 گزارنا شروع کر دیا۔ بی آپا تو چولہے میں بجلی رہیں۔ بی اماں چوٹی کے جوڑے سیا کرتیں
 اور راحت کی غلیظ آنکھیں تیر بن کر میرے دل میں چبھا کرتیں۔ بات بے بات چھیڑنا۔
 کھانا کھاتے وقت کبھی پانی تو کبھی نمک کے بہانہ سے اور ساتھ ساتھ جملہ بازی۔ میں
 کھیا کر بی آپا کے پاس جا بیٹھتی۔ جی چاہتا کسی دن صاف کہہ دوں کہ کسی کی بکری اور کون
 ڈالے دانہ گھاس۔ اے بی، مجھ سے تمہارا یہ بتل نہ تا تھا جائے گا۔ مگر بی آپا کے الجھے
 ہوئے بالوں پر چولہے کی اڑتی ہوئی راکھ..... نہیں..... میرا کلیجہ دھک سے ہو گیا۔ میں
 نے ان کے سفید بال لٹ کے نیچے چھپا دیے۔ ناس جائے اس کبخت نزلہ کا پجاری کے
 بال پکنے شروع ہو گئے۔

راحت نے پھر کسی بہانہ سے مجھے پکارا۔

”اٹھ“ میں جل گئی۔ پر بی آپا نے کئی ہوئی مرغی کی طرح جو پلٹ کر دیکھا تو مجھے جانا
 ہی پڑا۔

”آپ ہم سے خفا ہو گئیں؟“ راحت نے پانی کا کٹورہ لے کر میری کٹائی پکڑ لی۔
 میرا دم نکل گیا اور بھاگی ہاتھ جھٹک کر۔

”کیا کہہ رہے تھے؟“ بی آپا نے شرم و حیا سے کھٹی ہوئی آواز میں کہا۔ میں چپ
 چاپ ان کا منہ بکٹنے لگی۔

“यह बात नहीं कुछ अजीब सा मालूम होता है। कभी खली के कबाब तो कभी भूसा की तरकारी।”

मेरे तन बदन में आग लग गई। हम सूखी रोटी खाकर उसे हाथी की खुराक दें। घी टपकते पराठे दुसाएँ। मेरी बी आपा को जोशान्दा नसीब नहीं और इसे दूध मलाई निगलवाएँ। मैं भिन्नाकर चली आई।

बी अम्मां की मुंह बोली बहन का नुस्खा काम आ गया और राहत ने दिन का ज्यादा हिस्सा घर ही में गुज़ारना शुरू कर दिया। बी आपा तो चूल्हे में झुकी रहतीं। बी अम्मां चौथी के जोड़े सिया करतीं और राहत की ग़लीज़⁽¹⁾ आंखें तीर बनकर मेरे दिल में चुभा करतीं। बात बे बात छेड़ना। खाना खिलाते वक़्त कभी पानी तो कभी नमक के बहाने से और साथ साथ जुमलाबाज़ी। मैं खिसयाकर बी आपा के पास जा बैठती। जी चाहता किसी दिन साफ़ कह दूं कि किसी की बकरी और कौन डाले दाना घास, ऐ बी, मुझ से तुम्हारा यह बैल न नाथा जाएगा। मगर बी आपा के उलझे हुए बालों पर चूल्हे की उड़ती राख नहीं..... मेरा कलेजा धक से हो गया। मैंने उन के सफ़ेद बाल लट के नीचे छुपा दिए। नास जाए उस कमबख़्त नज़ला का बेचारी के बाल पकने शुरू हो गए।

राहत ने फिर किसी बहाने से मुझे पुकारा।

“ऊँह” मैं जल गई। पर बी आपा ने कटी हुई मुर्गी की तरह जो पलट कर देखा तो मुझे जाना ही पड़ा।

“आप हम से खफ़्र हो गई?” राहत ने पानी का कटोरा ले कर मेरी कलाई पकड़ ली। मेरा दम निकल गया और भागी हाथ झटक कर।

“क्या कह रहे थे?” बी आपा ने शर्मो हया से घुटी हुई आवाज़ में कहा। मैं चुप चाप उन का मुंह तकने लगी।

“कह रहे थे किस ने पकाया है खाना। वाह-वाह जी चाहता है खाता ही चला जाऊँ। पकाने वाली के हाथ खा जाऊँ.....ओह.....नहीं-खा नहीं जाऊँ बल्कि चुम लूँ” मैं ने जल्दी-जल्दी कहना शुरू किया और बी आपा का खुरदरा हल्दी धनिया की बसांद में सड़ा हाथ अपने गाल से लगाया। मेरे आसूँ निकल

”کہہ رہے تھے کس نے پکایا ہے کھانا۔ واہ واہ جی چاہتا ہے کھاتا ہی چلا جاؤں۔ پکانے والی کے ہاتھ کھا جاؤں..... اوہ..... نہیں..... کھا نہیں جاؤں بلکہ چوم لوں۔“ میں نے جلدی جلدی کہنا شروع کیا اور بی آپا کا کھر در اہلدی دھنیا کی بساند میں سڑا ہاتھ اپنے گال سے لگا لیا۔ میرے آنسو نکل آئے۔ ”یہ ہاتھ“ میں نے سوچا جو صبح سے شام تک مسالہ پیٹے ہیں، پانی بھرتے ہیں، پیاز کاٹتے ہیں، بستر بچھاتے ہیں، جوتے صاف کرتے ہیں، یہ بے کس غلام صبح سے شام تک جپے ہی رہتے ہیں۔ ان کی بیگار کب ختم ہوگی۔ کیا ان کا کوئی خریدار نہ آئے گا؟ کیا انھیں کبھی کوئی پیار سے نہ چومے گا؟ کیا ان میں کبھی مہندی نہ رچے گی؟ کیا ان میں کبھی سہاگ کا عطر نہ بے گا؟ جی چاہا زور سے چیخ پڑوں۔

”اور کیا کہہ رہے تھے؟ بی آپا کے ہاتھ تو اتنے کھر درے تھے پر آواز اتنی رسیلی اور میٹھی تھی کہ اگر راحت کے کان ہوتے تو..... مگر راحت کے نہ کان تھے نہ ناک بس دوزخ جیسا پیٹ تھا۔

اور کہہ رہے تھے ”اپنی بی آپا سے کہنا اتنا کام نہ کیا کریں اور جو شانہ پیا کریں۔“
”چل جھوٹی“

”ارے واہ جھوٹے ہوں گے آپ کے وہ.....“

”اری چپ مرداز“ انھوں نے میرا منہ بند کر دیا۔

”دیکھ تو سوئٹر بن گیا ہے۔ انھیں دے آ۔ پر دیکھ تجھے میری قسم میرا نام نہ لہو“
”نہیں بی آپا۔ انھیں نہ وہ دودھ سوئٹر۔ تمھاری ان مٹھی بھر ہڈیوں کو سوئٹر کی کتنی ضرورت ہے؟“ میں نے کہنا چاہا پر نہ کہہ سکی۔

”آپا بی تم خود کیا پہنو گی؟“

”ارے مجھے کیا ضرورت ہے، چولہے کے پاس تو دیے ہی جھلسی رہتی ہوں۔“

سوئٹر دیکھ کر راحت نے اپنی ایک امد و شرارت سے اوپر تان کر کہا۔

”کیا یہ سوئٹر آپ نے بنا ہے؟“

”نہیں تو“

आज़ादी के बाद उर्दू अफ़साना

आये। “यह हाथ” मैं ने सोचा जो सुबह से शाम तक मसाला पीसते हैं, पानी भरते हैं, प्याज़ काटते हैं, बिस्तर बिछाते हैं, जूते साफ़ करते हैं, यह बेकस गुलाम सुबह से शाम तक जुटे ही रहते हैं। इन की बेगार कब ख़त्म हो गी। क्या इन का कोई ख़रीदार न आयेगा? क्या इन्हें कभी कोई प्यार से न चूमे गा? क्या इन में कभी मेहंदी न रचेगी? क्या इन में कभी सुहाग का इत्र ना बसेगा? जी चाहा जोर से चीख़ पड़ूँ

“और क्या कह रहे थे?” बी आपा के हाथ तो इतने खुरदरे थे पर आवाज़ इतनी रसीली और मीठी थी के अगर राहत के कान होते तो.....मगर राहत के न कान थे, न नाक, बस दोजख़ जैसा पेट था।

और कह रहे थे, अपनी बी आपा से कहना कि इतना काम न किया करे और जुझान्दा पिया करें

“चल झूठी”

“अरे वाह झूठे होंगे आप के वह.....”

“अरी चुप मुरदार”—उन्होंने मेरा मुंह बन्द कर दिया।

“देख तो स्वेटर बन गया है इन्हें दे आ—पर देख तुझे मेरी कसम मेरा नाम न लिजियो”

“नहीं बी आपा—उन्हें न दो। वह स्वेटर। तुम्हारी इन मुट्ठी भर हड्डियों को स्वेटर की कितनी ज़रूरत है” मैं ने कहना चाहा पर न कह सकी।

“आपा बी तुम खुद क्या पहनोगी”

“अरे मुझे क्या ज़रूरत है चूल्हे के पास तो वैसे ही झुलसी रहती हूँ”

स्वेटर देख कर राहत ने अपनी एक अबरु शरारत से ऊपर तान कर कहा
“क्या यह स्वेटर आप ने बुना है?”

“नहीं तो”

“तो भई हम नहीं पहनेंगे”

मेरा जी चाहा कि इस का मुंह नोच लूँ। कमीने मिट्टी के तूदे, यह स्वेटर उन हाथों ने बुने हैं जो जीते जागते गुलाम हैं। इस के एक एक फन्दे में किसी नसीबो जली के अरमानो की गरदने फंसी हुई हैं। यह उन हाथों का बुना हुआ है जो नन्हें

”تو بھی ہم نہیں پہنیں گے۔“

میراجی چاہا کہ اسکامنہ نوج لوں۔ کہینے، مٹی کے تودے، یہ سوئٹران ہاتھوں نے بنے ہیں جو جیتے جاگتے غلام ہیں۔ اس کے ایک ایک پسندے میں کسی نصیبوں جلی کے ارمانوں کی گردنیں پھنسی ہوئی ہیں۔ یہ ان ہاتھوں کا بنا ہوا ہے جو ننھے پنگورے جھلانے کے لیے بنائے گئے ہیں۔ ان کو تھام لو گدھے کہیں کے۔ اور یہ دو چوار بڑے سے بڑے طوفان کے تھیزوں سے تمہاری زندگی کی تاؤ کو بچا کر پار لگا دیں گے۔ یہ ستار کی گت نہ بجا سکیں گے۔ منی پور اور بھارت تاہم کی مدرانہ دکھا سکیں گے۔ انھیں پیانو پر رقص کرنا نہیں سکھایا گیا۔ انھیں پھولوں سے کھیلنا نہیں نصیب ہوا۔ مگر یہ ہاتھ تمہارے جسم پر چربی چڑھانے کے لیے صبح سے شام تک سلائی کرتے ہیں۔ صابن اور سوڈے میں ڈبکیاں لگاتے ہیں۔ چولہے کی آج سہتے ہیں۔ تمہاری غلاظتیں دھوتے ہیں تاکہ تم اگلے چنے بگلا بھگتی کا ڈھونگ رچائے رہو۔ محنت نے ان میں زخم ڈال دئے ہیں۔ ان میں کبھی چوڑیاں نہیں کھکتی ہیں۔ انھیں کبھی کسی نے پیار سے نہیں تھاما۔

مگر میں چپ رہی۔ بی اماں کہتی ہیں میرا دماغ تو میری نئی نئی سہیلیوں نے خراب کر دیا ہے۔ وہ مجھے کیسی نئی نئی باتیں بتایا کرتی ہیں۔ کیسی ڈراؤنی موت کی باتیں بھوک اور کال کی باتیں۔ دھڑکتے ہوئے دل کے ایک دم چپ ہو جانے کی باتیں۔

”یہ سوئٹرو آپ ہی پہن لیجئے۔ دیکھئے نا آپ کا کرتہ ہار یک کتنا ہے۔“

جنگلی بلی کی طرح میں نے اس کا منہ ناک گریبان اور بال نوج ڈالے اور اپنی پلنگڑی پر جاگری۔ بی آپا نے آخری روٹی ڈال کر جلدی جلدی تسلی میں ہاتھ دھوئے اور آئجل سے پونچھتی ہوئی میرے پاس آ بیٹھیں۔

”وہ بولے!“ ان سے نہ رہا گیا تو دھڑکتے ہوئے دل سے پوچھا۔

”بی آپا! یہ راحت بھائی بڑے خراب آدمی ہیں۔“ میں نے سوچا میں آج سب کچھ

بتا دوں گی۔

”کیوں؟“ وہ مسکرائیں۔

”مجھے اچھے نہیں لگتے..... دیکھئے میری ساری چوڑیاں چورہ ہو گئیں۔“ میں نے

आजादी के बाद उर्दू अफसाना

पंगोरे झुलाने के लिये बनाये गये हैं इन को धाम लो गधे कहीं के और यह दो पतवार बड़े से बड़े तूफ़ान के थपेड़ों से तुम्हारी जिन्दगी की नाव को बचा कर पार लगा देंगे। यह सितार की गत न बजा सकेंगे। मनीपूर और भरत नाट्यम की मुद्रा न दिखा सकेंगे।

इन्हें प्यानो पर रक्त्स करना नहीं सिखाया गया। इन्हें फूलों से खेलना नहीं नसीब हुआ। मगर यह हाथ तुम्हारे जिस्म पर चर्बी चढ़ाने के लिये सुबह से शाम तक सिलाई करते हैं। साबुन और सोड़े में डुबकियां लगाते हैं। चूल्हे की आंच सहते हैं। तुम्हारी गेलाजतें⁽¹⁾ धोते हैं ताकि तुम उजले चिट्टे बगुला भगती का ढोंग रचाए रहो। मेहनत ने उनमें ज़ख़्म डाल दिए हैं। उनमें कभी चूड़ियाँ नहीं खनकती हैं। उन्हें कभी किसी ने प्यार से नहीं धामा।

मगर मैं चुप रही। बी अम्मां कहती हैं मेरा दिमाग़ तो मेरी नई-नई सहेलियों ने ख़राब कर दिया है। वह मुझे कैसी नई-नई बातें बताया करती हैं। कैसी डरावनी मौत की बातें, भूख और काल की बातें। धड़कते हुए दिल के एकदम चुप हो जाने की बातें। "यह स्वेटर तो आप ही पहन लीजिए। देखिये ना आप का कुर्ता बारीक कितना है।" जंगली बिल्ली की तरह मैंने उसका मुंह, नाक, गिरेबां और बाल नोच डाले और अपनी पलंगड़ी पर जा गिरी। बी आपा ने आख़री रोटी डालकर जल्दी जल्दी तसले में हांथ धोए और आंचल से पोंछती हुई मेरे पास आ बैठी।

"वह बोले!" उनसे न रहा गया तो धड़कते हुए दिल से पूछा।

"बी आपा! यह राहत भाई बड़े ख़राब आदमी हैं" मैंने सोचा मैं आज सब कुछ बता दूंगी।

"क्यों?" वह मुसकुराई।

"मुझे अच्छे नहीं लगतेदेखिए मेरी सारी चूड़ियाँ चूरा हो गई।" मैंने कांपते हुए कहा।

"बड़े शरीर हैं" उन्होंने रोमान्टिक आवाज़ में शर्माकर कहा।

"बी आपा..... सुनो बी आपा! यह राहत अच्छे आदमी नहीं" मैंने सुलगकर कहा। "आज मैं बी अम्मां से कह दूंगी।"

کا بچے ہوئے کہا:

”بڑے شریر ہیں۔“ انھوں نے رومانک آواز میں شرما کر کہا۔

”بی آپا..... سنو بی آپا۔ یہ راحت اچھے آدمی نہیں۔“ میں نے سلگ کر کہا۔

”آج میں بی اماں سے کہہ دوں گی۔“

”کیا ہوا؟“ بی اماں نے جانماز بچھاتے ہوئے کہا۔

”دیکھو میری چوڑیاں بی اماں۔“

”راحت نے توڑ ڈالیں۔“ بی اماں سرسرت سے چپک کر بولیں۔

”ہاں!“

”خوب کیا۔ تو اسے ستاتی بھی تو بہت ہے۔ اے ہے تو دم کا ہے کو نکل گیا۔ بڑی

موسم کی بنی ہوئی ہو کہ ہاتھ لگایا اور پکھل گئیں۔“ پھر چکار کر بولیں۔ خیر تو بھی چوتھی میں

بدلہ لے لیجھ۔ وہ کسر نکالو کہ یاد ہی کریں میاں جی۔“ یہ کہہ کر انھوں نے نیت باندھ لی۔

منہ بولی بہن سے پھر کانفرنس ہوئی۔ اور معاملات کو امید افزا راستے پر گامزن دیکھ کر

از حد خوشنودی سے مسکرایا گیا۔

”اے ہے تو بڑی ہی شمس ہے۔ اے ہم تو اپنے بہنوئوں کا خدا کی قسم ناک میں دم

کر دیا کرتے تھے۔“

اور وہ مجھے بہنوئوں سے چھیڑ چھاڑ کے ہٹکنڈے بتانے لگیں کہ کس طرح انھوں

نے صرف چھیڑ چھاڑ کے تیر بہدف نسخے سے ان دو میری بہنوں کی شادی کرائی جن کی ناو

پار گلتے کے سارے مواقع ہاتھ سے نکل چکے تھے۔ ایک تو ان میں سے حکیم جی تھے جہاں

بے چارے کو لڑکیاں بالیاں چھیڑتیں۔ شرمانے لگتے اور شرما تے شرما تے اختلاج کے

دورے پڑنے لگتے۔ اور ایک دن ماموں صاحب سے کہہ دیا کہ مجھے غلامی میں لے لیجئے۔

دوسرے داسرے کے دفتر میں کلرک تھے۔ جہاں سنا کہ باہر آئے ہیں لڑکیاں

چھیڑنا شروع کر دیتی تھیں۔ کبھی گھوڑیوں میں مرج بھر کے بھیج دیں کبھی سویوں میں نمک

ڈال کر کھلا دیا۔

आज़ादी के बाद उर्दू अफ़साना

“क्या हुआ?” बी अम्मां ने जा नमाज़ बिछाते हुए कहा।

“देखो मेरी चूड़ियाँ बी अम्मां”

“राहत ने तोड़ डालीं” बी अम्मां मुसरत से चहककर बोलीं

“हां!”

“खुब किया, तू उसे सताती भी तो बहुत है। ऐ हे, तो दम काहे को निकल गया। बड़ी मोम की बनी हुई हो कि हाथ लगाया और पिघल गई फिर चुमकार कर बोलीं “खैर तूभी चौथी में बदला ले लिजियो वह कसर निकालियो कि याद ही करें मियांजी” यह कहकर उन्होंने ने नीयत बांध ली। मुंहबोली बहन से फिर कानफ्रेन्स हुई। और मामलात को उम्मीद अफ़ज़ा रास्ते पर गामज़न देखकर अज़हद्⁽¹⁾ खुशनूदी⁽²⁾ से मुसकुराया गया।

“ऐ हे, तू बड़ी ही ठस है। ऐ हम तो अपने बहनोईयों का खुदा की क़सम नाक में दम कर दिया करते थे। और वह मुझे बहनोईयों से छेड़छाड़ के हथकण्डे बताने लगीं कि किस तरह उन्होंने सिर्फ़ छेड़छाड़ के तीर बहदफ़ नुस्खे से उन दो ममेरी बहनों की शादी कराई जिन की नाव पार लगने के सारे मवाके हाथ से निकल चुके थे। एक तो उनमें से हकीम जी थे जहां बेचारे को लड़कियां बालियां छेड़तीं शर्माने लगते और शर्माते शर्माते इख़्तिलाज⁽³⁾ के दौरे पड़ने लगते और एक दिन मामूं साहब से कह दिया कि मुझे गुलामी में ले लीजिये।

दूसरे वायसराय के दफ़्तर में कलर्क थे। जहां सुना कि बाहर आए हैं लड़कियां छेड़ना शुरु कर देती थीं। कभी-कभी गुलोरियों में मिर्च भरकर भेज दें। कभी सेवईयों में नमक डालकर खिला दिया।

ऐ लो वह तो रोज़ आने लगे। आंधी आए पानी आए, क्या मजाल जो वह न आएँ। आख़िर एक दिन कहलवा ही दिया। अपने एक जान पहचान वाले से कहा कि उनके यहां शादी करवा दो। पूछा कि “भई किससे?” तो कहा किसी से भी करवा दो और खुदा झूठ न बुलाए तो बड़ी बहन की सूरत थी कि देखो तो जैसे बेचा चला आता है। छोटी तो बस सुबहानल्लाह एक आंख पूरब तो दूसरी पश्चिम। पंद्रह तोले सोना दिया है। बाप ने बड़े साहब के दफ़्तर में नौकरी अलग दिलवाई।

اے لو وہ تو روز آنے لگے۔ آندھی آئے پانی آئے، کیا مجال جو وہ نہ آئیں۔ آخر ایک دن کہلوا ہی دیا۔ اپنے ایک جان بچان والے سے کہا کہ ان کے یہاں شادی کرا دو۔ پوچھا کہ ”بھئی کس سے؟“ تو کہا ”کسی سے بھی کرا دو“۔ اور خدا جھوٹ نہ بلائے تو بڑی بہن کی صورت تھی کہ دیکھو تو جیسے بیجا چلا آتا ہے۔ چھوٹی تو بس سبحان اللہ ایک آنکھ پورب تو دوسری پچھم۔ پندرہ تو لے سونا دیا ہے۔ باپ نے بڑے صاحب کے دفتر میں نوکری الگ دلوائی۔

”ہاں بھئی جس کے پاس پندرہ تو لے سونا ہو اور بڑے صاحب کے دفتر کی نوکری اسے لڑکا ملنے کیا دیر لگتی ہے۔“ بی اماں نے ٹھنڈی سانس بھر کر کہا۔
 ”یہ بات نہیں ہے بہن۔ آج کل کے لڑکوں کا دل بس تھالی کا یلگن ہوتا ہے۔ جدھر جھکاؤ ادھر ہی لڑھک جائے گا۔“

مگر راحت تو یلگن نہیں اچھا خاصا پہاڑ ہے، جھکاؤ دینے پر کہیں میں ہی نہ پس جاؤں۔ میں نے سوچا۔ پھر میں نے آپا کی طرف دیکھا۔ وہ خاموش دہلیز پر بیٹھی آنا گوندھ رہی تھیں اور سب کچھ سنتی جا رہی تھیں ان کا بس چلتا تو زمین کی چھائی پھاڑ کر اپنے کنوارے پن کی لعنت سمیت اس میں سا جاتیں۔

”کیا میری آپا مرد کی بھوک ہے؟ نہیں۔ وہ بھوک کے احساس سے پہلے ہی سہم چکی ہے۔ مرد کا تصور اس کے ذہن میں ایک امنگ بن کر نہیں ابھرا بلکہ روٹی کپڑے کا سوال بن کر ابھرا ہے۔ وہ ایک بیوہ کی چھائی کا بوجھ ہے۔ اس بوجھ کو دھکیلتا ہی ہوگا۔“

مگر اشاروں کنایوں کے باوجود راحت میاں نہ تو خود منہ سے پھولے اور نہ ان کے گھر ہی سے پیغام آیا۔ تھک ہار کر بی اماں نے پیروں کے توڑے گردی رکھ کر پیر مشکل کشا کی نیا زدا ڈالی۔ دوپہر بھر عجلہ ٹولہ کی لڑکیاں صحن میں اودھم مچاتی رہیں۔ بی آپا شرمائی لجائی چمھروں والی کوٹھری میں اپنے خون کی آخری بوندیں چوسانے کو جا بیٹھتیں، بی اماں کمزوری میں اپنی چوکی پر بیٹھی چوٹی کے جوڑے میں آخری ٹانگے لگاتی رہیں۔ آج ان کے چہروں پر منزلوں کے نشان تھے۔ آج مشکل کشائی ہوگی بس آنکھوں کی سونیاں رہ گئی ہیں۔ وہ بھی نکل جائیں گی۔ آج ان کی جھریوں میں پھر مشعلیں تھر تھرا رہی تھیں۔ بی آپا کی سہیلیاں ان کو چھیڑ رہی تھیں اور وہ خون کی بچی کچی بوندوں کو تاؤ میں لا رہی تھیں۔ آج کئی

आजादी के बाद उर्दू अफसाना

“हां भई जिसके पास पंद्रह तोले सोना हो और बड़े साहब के दफ्तर की नौकरी उसे लड़का मिलते क्या देर लगती है।” बी अम्मां ने ठंडी सांस भरकर कहा।

यह बात नहीं है बहन। आजकल के लड़कों का दिल बस थाली का बैगन होता है जिधर झुकाओ उधर ही लुढ़क जाएगा।

मगर राहत तो बैगन नहीं अच्छा खासा पहाड़ है। झुकाव देने पर कहीं मैं ही न पिस जाऊं। मैंने सोचा, फिर मैंने आपा की तरफ देखा। वह खामोश दहलीज पर बैठी आट गूंध रही थी। और सब कुछ सुनती जा रही थी। उनका बस चलता तो ज़मीन की छाती फड़ककर अपने कुंआरेपन की लानत समेत उस में समा जाती।

क्या मेरी आपा मर्द की भूखी है? नहीं, वह भूख के एहसास से पहले ही सहम चुकी है। मर्द का तसक्कुर⁽¹⁾ उस के ज़ेहन में एक उमंग बन कर नहीं उभरा बल्कि रोटी कपड़े का सवाल बनकर उभरा है। वह एक बेवा की छाती का बोझ है। उस बोझ को धकेलना ही होगा।

मगर इशारों कनायों के बावजूद राहत मियां न तो खुद मुंह से फूटे और न उनके घर ही से पैग़ाम आया। थक हारकर बी अम्मां ने पैरों के तोड़े गिरवी रखकर पीरे मुश्किल-कुशा⁽²⁾ की नियाज़ दिला डाली। दोपहर भर मुहल्ला टोला की लड़कियां सेह्न में उथम मचाती रहीं। बी आपा शरमाई लजाई मच्छरों वाली कोठरी में अपने खून की आखरी बूंदें चुसाने को जा बैठतीं। बी अम्मां कमज़ोरी में अपनी चौकी पर बैठी चौथी के जोड़े में आखरी टांके लगाती रहीं। आज उन के चेहरों पर मन्जिलों के निशान थे। आज मुश्किलकुशाई होगी। बस आँखों की सूईयां रह गई हैं। वह भी निकल जाएगी। आज उन की झुर्रियों में फिर मशालें धरधरा रही थीं। बी आपा की सहेलियां उन को छेड़ रहीं थीं और वह खून की बची खूची बूंदों को ताव में ला रही थीं। आज कई रोज़ से उन का बुखार नहीं उतरा था। थके हारे दीये की तरह उन का चेहरा एकबार टिमटिमाता और फिर बुझ जाता। इशारे से उन्होंने मुझे अपने पास बुलाया। आंचल हटकर नियाज़ के मलीदे की तृशतरी मुझे थमा दी।

“इस पर मौलवी साहब ने दम किया है” उन की बुखार से दहकती हुई

آزادی کے بعد اردو افسانہ

روز سے ان کا بخار نہیں اترتا تھا۔ تھکے ہارے دئے کی طرح ان کا چہرہ ایک ہارٹھماتا اور پھر بجھ جاتا۔ اشارے سے انہوں نے مجھے اپنے پاس بلایا۔ آنجل ہٹا کر نیاز کے طیدے کی فطری مجھے تھما دی۔

”اس پر مولوی صاحب نے دم کیا ہے۔“ ان کی بخار سے دہکتی ہوئی گرم گرم سانس میرے کان میں لگی۔

فطری لے کر میں سوچنے لگی۔ مولوی صاحب نے دم کیا ہے..... یہ مقدس طیدہ اب راحت کے تندور میں جھونکا جائے گا۔ وہ تندور جو چھ مہینے سے ہمارے خون کے چینٹوں سے گرم رکھا گیا۔ یہ دم کیا ہوا طیدہ مراد بر لائے گا۔ میرے کانوں میں شادیاں بجنے لگے۔ میں بھاگی بھاگی کوشے سے برات دیکھنے جا رہی ہوں دولہا کے منہ پر لبسا سا سہرا پڑا ہے جو گھوڑے کی عیالوں کو چوم رہا ہے.....

چوتھی کا شہابی جوڑا پہنے، پھولوں سے لدی، شرم سے غڑ حال، آہستہ آہستہ قدم تولتی ہوئی بی آپا چلی آ رہی ہیں۔..... چوتھی کا زرتار جوڑا جھلجھل کر رہا ہے۔ بی اماں کا چہرہ پھول کی طرح کھلا ہوا ہے۔..... بی آپا کی حیا سے بوجھل نگاہیں ایک بار اوپر اٹھتی ہیں۔ شکرے کا ایک آنسو ڈھلک کر افشاں کے ذروں میں قفقے کی طرح الجھ جاتا ہے۔

”یہ سب تیری ہی محبت کا پھل ہے۔“ بی آپا کی خاموشی کہہ رہی ہے۔..... حمیدہ کا گلا بھرا آیا.....

”جاؤ تا میری بہنو۔“ بی آپا نے اسے جگا دیا اور وہ چمک کر اوزمٹی کے آنجل سے آنسو پوچھتی ڈیوڈی کی طرف بڑھی۔

”یہ..... یہ طیدہ“ اس نے اچھلتے ہوئے دل کو قابو میں رکھتے ہوئے کہا..... اس کے پیر لہز رہے تھے۔ جیسے وہ سانپ کی بانہی میں گھس آئی ہو۔ اور پھر پہاڑ کھسکا..... اور منہ کھول دیا۔ وہ ایک قدم پیچھے ہٹ گئی۔ مگر دور کہیں ہارات کی شہنائیوں نے چیخ لگائی۔ جیسے کوئی ان کا گلا گھونٹ رہا ہو۔ کانپتے ہاتھوں سے مقدس طیدہ کا نوالہ ہٹا کر اس نے راحت کے منہ کی طرف بڑھا دیا۔

ایک جھٹکے سے اس کا ہاتھ پہاڑ کی کھوہ میں ڈوبتا چلا گیا..... نیچے تھفن اور تاریکی کے اتھاہ غار کی گہرائیوں میں اور ایک بڑی سی چٹان نے اس کی چیخ کو گھونٹ دیا۔

आज़ादी के बाद उर्दू अफ़साना

गरम गरम सांस मेरे कान में लगी।

तशतरी लेकर मैं सोचने लगी, मौलवी साहब ने दम किया है..... यह मुक़द्दस⁽¹⁾ मलीदा अब राहत के तंदूर में झोंका जाएगा। वह तंदूर जो छः महीने से हमारे खून के छींटों से गरम रखा गया। यह दम किया हुआ मलीदा मुराद बर लाएगा। मेरे कानों में शदियाने⁽²⁾ बजने लगे। मैं भागी भागी कोठे से बरात देखने जा रही हूँ। दूल्हा के मुंह पर लंबा सा सेहरा पड़ा है जो बोड़े की अयालों को चूम रहा है

चौथी का शहाबी जोड़ा पहने, फूलों से लदी, शर्म से निछाल, आहिस्ता-आहिस्ता कदम तौलती हुई। बी आपा चली आ रही हैं..... चौथी का ज़रतार⁽³⁾ जोड़ा झिलमिल कर रहा है। बी अम्मां का चेहरा फूल की तरह खिला हुआ है। बी आपा की हया से बोझिल निगाहें एकबार ऊपर उठती हैं। शुक्रिये का एक आंसू ढलक कर अफ़शां के ज़रों में कुमकुमे की तरह उलझ जाता है,

“यह सब तेरी ही मुहब्बत का फल है” बी आपा की खामोशी कह रही है। हमीदा का गला भर आया।

“जाओ ना मेरी बहनो” बी आपा ने उसे जगा दिया और वह चौंककर ओढ़नी के आंचल से आंसू पोंछती इयोदी की तरफ़ बढ़ी।

“यह..... यह मलीदा” उसने उछलते हुए दिल को काबू रखते हुए कहा..... उस के पैर लरज़ रहे थे। जैसे वह सांप की बांबी में घुस आई हो। और फिर पहाड़ खिसका..... और मुंह खोल दिया। वह एक कदम पीछे हट गई। मगर दूर कहीं बारात की झन्झाईयों ने चीख़ लगाई। जैसे कोई उन का गला घोट रहा हो। कांपते हाथों से मुक़द्दस मलीदा का निवाला बनाकर उस ने राहत के मुंह की तरफ़ बढ़ा दिया।

एक झटके से उसका हाथ पहाड़ की खोह में डूबता चला गया नीचे तअफ़फ़ून और तारीकी के अन्धाह ग़ार की गहराईयों में और एक बढ़ी सी चट्टान ने उस की चीख़ को चोंट दिया।

नियाज़ के मलीदे की रक़ाबी हाथ से छूटकर लालटेन के ऊपर गिरी। और लालटेन ने ज़मीन पर गिर कर दो चार सिसकियां भरीं और गुल हो गई। बाहर

نواز کے لمبے کی رکابی ہاتھ سے چھوٹ کر لائین کے اوپر گری اور لائین نے زمین پر گر کر دو چار سسکیاں بھریں اور گل ہو گئی۔ باہر آگن میں حملہ کی بہو بیٹیاں مشکل کشا کی شان میں گیت گا رہی تھیں۔

صبح کی گاڑی سے راحت مہمان نوازی کا شکریہ ادا کرتا ہوا روانہ ہو گیا اس کی شادی کی تاریخ طے ہو چکی تھی۔ اور اسے جلدی تھی۔

اس کے بعد اس گھر میں کبھی اڑے نہ تلے گئے۔ پراٹھے نہ پکے اور سوٹر نہ بنے اوق نے جو ایک عرصہ سے بی آپا کی تاک میں بھاگی پیچھے پیچھے آ رہی تھی ایک ہی جست میں انھیں دیوبچ بیٹھی اور انھوں نے چپ چاپ اپنا نامراد وجود اس کی آغوش میں سوپ دیا۔

اور پھر اسی سہ دری میں چوکی پر صاف ستھری جازم بچھائی گئی۔ محلے کی بہو بیٹیاں جڑیں، کفن کا سفید سفید لٹھا۔ موت کے آنچل کی طرح بی اماں کے سامنے پھیل گیا۔ قحل کے بوجھ سے ان کا چہرہ لرز رہا تھا۔ ہائیں ابرو پھڑک رہی تھی۔ گالوں کی سنسان جھریاں بھائیں بھائیں کر رہی تھیں۔ جیسے ان میں لاکھوں اڑدے پھنکار رہے ہوں۔

لٹھے کی کان نکال کر انھوں نے چوہرہ کیا۔ اور ان کے دل میں ان گنت قینچیاں چل گئیں۔ آج ان کے چہرے پر بھیا تک سکون اور ہر ابرا اطمینان تھا۔ جیسے انھیں پکا یقین ہو کہ دوسرے جوڑوں کی طرح چوتھی کا یہ جوڑا سیتا نہ جائے۔

ایک دم سہ دری میں بیٹھی لڑکیاں بالیاں بیٹیاؤں کی طرح چپکنے لگیں۔ حیدہ ماضی کو دور جھٹک کر ان کے ساتھ جا ملی۔ لال ٹول پر..... سفید گزی کا نشان! اس کی سرخی میں نہ جانے کتنی معصوم دلہنوں کا سہاگ رچا ہے اور سفیدی میں کتنی نامراد کنواریوں کے کفن کی سفیدی ڈوب کر ابھری ہے۔ اور پھر ایک دم سب خاموش ہو گئے۔ بی اماں نے آخری ٹانگہ بھر کے ڈور توڑ لیا۔ دو موٹے موٹے آنسو ان کے روئی جیسے نرم گالوں پر دیرے دیرے ریگنے لگے۔ ان کے چہرے کی ٹھنوں میں سے روشنی کی کرنیں پھوٹ نکلیں اور وہ مسکرا دیں۔ جیسے آج انھیں اطمینان ہو گیا کہ ان کی کبرئی کا سوا جوڑا بن کر تیار ہو گیا ہو اور کوئی دم میں شہتائیاں نہ اٹھائیں گی۔



आज़ादी के बाद उर्दू अफ़साना

आंगन में मुहल्ले की बहू, बेटियां मुश्किलकुशा की शान में गीत गा रही थीं।

सुबह की गाड़ी से राहत मेहमान नवाज़ी का शुक्रिया अदा करता हुआ रवाना हो गया। उस की शादी की तारीख़ तय हो चुकी थी और उसे जल्दी थी।

उस के बाद उस घर में कभी अन्धे न तले गये, पराटे न सिके और स्वेटर न बुने। दिक् ने जो एक अरसा से बी आपा की ताक में भागी पीछे-पीछे आ रही थी एक ही जस्त⁽¹⁾ में उन्हें दबोच बैठी और उन्होंने चुपचाप अपना नामुराद वजूद उस की आगोश में सौंप दिया।

और फिर उसी सहदरी में चौकी पर साफ़ सुथरी जाज़िम बिछाई गई। मुहल्ले की बहू बेटियां जुड़ीं, कफ़न का सफ़ेद-सफ़ेद लट्ठा मौत के आंचल की तरह बी अम्मां के सामने फैल गया। तहम्मूल⁽²⁾ के बोझ से उनका चेहरा लरज़ रहा था। बाई अबरु फड़क रही थी। गालों की सुनसान झुरियां भाएं-भाएं कर रही थीं। जैसे उन में लाखों अजदहे⁽³⁾ फुंकार रहे हों।

लट्टे की कान निकालकर उन्होंने चौपुरता किया और उन के दिल में अनगिनत कैचियां चल गईं। आज उनके चेहरे पर भयानक सुकून और हराभरा इतमिनान था। जैसे उन्हें पक्का यकीन हो कि दूसरे जोड़ों की तरह चौथी का यह जोड़ा सैता न जाए।

एक दम सहदरी में बैठी लड़कियां बालियां मैनाओं की तरह चहकने लगीं। हमीदा माज़ी को दूर झटककर उनके साथ जा मिली। लाल टूल परसफ़ेद गज़ी का निशान। उस की सुख्खी में न जाने कितनी मासूम दुलहनों का सुहाग रचा है और सफ़ेदी में कितनी नामुराद कुवारियों के कफ़न की सफ़ेदी डूबकर उभरी है। और फिर एकदम सब ख़ामोश हो गए। बी अम्मां ने आख़री टंका भरके डोर तोड़ लिया। दो मोटे मोटे आंसू उनके रुई जैसे नरम गालों पर धीरे-धीरे रेंगने लगे। उन के चेहरे की शिकनों में से रौशनी की किरनें फूट निकलीं और वह मुस्कुरा दी जैसे आज उन्हें इतमिनान हो गया कि उनकी कुबरा का सवा जोड़ा बनकर तैयार हो गया और कोई दम में शहनाईयां बज उठेंगी।



جلاوطن

سندر لالہ۔ بچے دلالہ۔ ناچے سری ہری کیرتن میں
ناچے سری ہری کیرتن میں۔

ناچے۔

چوکھٹ پر اکڑوں بیٹھی رام رکھی نہایت انتہاک سے چاول صاف کر رہی تھی۔ اس
کے گانے کی آواز دیر تک نیچے سرخ گنتوں والی سنسان گلی میں گونجا کی۔ پھر ڈاکٹر آفتاب
رائے صدر اعلیٰ چبوترے کی طرف بڑے پھانک کی سمت آتے دکھائی پڑے۔
”بندگی بھٹین صاحب.....“ رام رکھی نے گھونگھٹ اور زیادہ طویل کر کے آواز لگائی۔
”بندگی..... بندگی.....“ ڈاکٹر آفتاب رائے نے زینے پر پہنچتے ہوئے بے خیالی سے

جواب دیا۔

”راجی کھسی ہو بھٹین صاحب.....“ رام رکھی نے اخلافا در یافت کیا۔
”اور کیا مجھے کیا ہے جو راضی خوشی نہ ہوں گا۔ یہ سوپ ہٹا چ میں سے۔“ انھوں نے
جھنجھلا کر کہا۔

”بھٹین صاحب تاج پھک رہی تھی“

”تو تاج پھکنے کے لیے تجھے گاڑی بھر راستہ چاہیے۔ چل ہٹا سب چیز.....“
ڈاکٹر آفتاب رائے نے دنیا بھر کی ڈگریاں تولے ڈالی تھیں۔ لیکن حالت یہ تھی کہ
زری زری سی بات پر بچوں کی طرح خفا ہو جایا کرتے تھے۔ رام رکھی پر برستے ہوئے وہ
ادھر آئے اور مونڈھے پر پیرنکا کر انھوں نے اپنی بہن کو آواز دی۔

”جینجی..... جی ای ای..... جی ای ای.....“ (چھوڑا ہے اب تک مورا بھٹین۔ نیم
کرن پیار سے کہا کرتیں) دالان کے آگے کھلی چھت پر نیم کی ڈالیاں منڈیر پر جھکی بچھو

जिला वतन

सुंदर लाला, सजे दुलाला, नाचे सिरी हरि कीर्तन में।

नाचे सिरी हरि कीर्तन में।

नाचे

चौखट पर उकडू बैठी राम रखी निहायत इंहमाक⁽¹⁾ से चावल साफ़ कर रही थी, उस के गाने की आवाज़ देर तक नीचे सुर्ख गम्पों वाली सुनसान गली में गूंजा की। फिर डा. आफ़ताब राय सदरे आला चबूतरे की तरफ़ से बड़े फ़टक की सम्त आते दिखलाई पड़े।

“बंदगी भय्यन साहब—” राम रखी ने घूँघट और ज्यादा तवील करके आवाज़ लगाई।

“बंदगी बंदगी” डाक्टर आफ़ताब राय ने जीने पर पहुंचते हुए बे-छ्माली से जवाब दिया।

“राजी खुसी हो भैय्यन साहब.....” राम रखी ने अख़लाक़न दरयाफ़्त किया।

“और क्या मुझे क्या है जो राजी खुशी न हूंगा, यह सूप हट बीच में से” उन्होंने झुंझला कर कहा।

“भैय्यन साहब नाज फटक रही थी”

“तो नाज फटकने के लिये तुझे गाड़ी भर रास्ता चाहिये। चल हट सब चीज़.....”

डाक्टर आफ़ताब राय ने दुनिया भर की डिग्रियां तो ले ख़ाली थीं, लेकिन हालत यह थी कि ज़री ज़री सी बात पर बच्चों की तरह ख़फ़्त हो जाया करते थे, राम रखी पर बारसते हुए वह ऊपर आये और मूँढ़े पर पैर टिका कर उन्होंने अपनी

آزادی کے بعد اردو افسانہ

ہوا میں سرسرا رہی تھیں۔ شام کی گہری کیفیت موسم کی اداسی کے ساتھ ساتھ سارے میں بکھری تھی۔ دن بھر نیچے مہوے کے باغ میں شہد کی مکھیاں جھنجھٹا کر تھیں اور ہر چیز پر غنودگی ایسی چھائی رہتی۔ آم اب پیلے ہو چلے تھے۔ ”ٹھکرائن کی بکيا“ میں صبح سے لے کر رات گئے تک روں روں کرتا رہٹ چلا کرتا۔

”آوت ہیں بھٹین.....“ ہم کرن نے دالان کا پتیل کے نقش و نگار والا کواڑ کھولتے ہوئے غلے کے گودام میں سے باہر آ کر جواب دیا۔ اور کنبیوں کا کچھا ساری کے پلو میں باندھ کر چمن سے پشت پر پھینکی ہوئی چھنی میں آگئیں۔

”جے رام جی کی بھٹین صاحب“ سوپے نے چو کے میں سے آواز لگائی۔

”کھیل کی ترکاری کھیو بھٹین صاحب؟“

”ہاں۔ ہاں ضرور کھیا بھائی۔“ ڈاکٹر آفتاب رائے مونڈھے پر سے ہٹ کر ٹہلتے ہوئے تلسی کے چوتڑے کے پاس آگئے۔ چھنی میں رنگ برنگی مورتیاں اور گول پتھر سالگرہام سے لے کر بجرنگ ملی مہراج تک سیندور سے لپی پتی لنگا جل سے نہائی دھوئی قرینے سے بھی تھیں۔ ہم کرن تھیں تو بڑی پکی رام بھگت لیکن باقی کے سبھی دیوی دیوتاؤں سے سمجھوتہ رکھتی تھیں کہ نہ جانے کون کس سے آڑے آجائے۔ سب سے بنائے رکھنی چاہیے۔ ابھی سرین رما کانت کھیل کے میدان سے لوٹیں گے۔ آٹھ بجے کھیا کھک کے توڑے سکھ کر جمن مہراج کے ہاں سے واپس آئے گی۔ پھر چو کے میں کھانا پروسا جائے گا۔ (پتیل کے برتن ٹھنڈی چاندنی میں جھللائیں گے۔ نیچے آگن میں رام رکھی کوئی کجری شروع کر دے گی) یہاں پر بالآخر امن تھا۔ اور سکون۔

اب کھیم نیچے گیارے میں سے چلتی ہوئی اوپر آ رہی تھی۔ (ٹھکرائن کی بکيا میں سے ابھی اس نے کروندے اور کمر کھیں اور کوہ توڑ کر جلدی جلدی منہ میں ٹھونسنے تھے) ”دھا کر دادھی ناکت نا..... دھا کروا..... ارے باپ رے۔“ اس نے منڈیر پر سے اوپر جھانک کر دہشتی سے کہا..... ”اما آئے ہیں۔ بھاگ جا۔ ورنہ اما مجھے ماریں گے کہ ہر سے کھیاتی ہے.....“ دہشتی بھاگ گئی۔

کھیم چھت پر آئی۔ لمبے سے ڈھیلے ڈھالے فرائک میں ملبوس، جس پر موتیوں سے

आज़ादी के बाद उर्दू अफ़साना

बहन को आवाज़ दी।

“जी जी जी , इ इ जी इ इ” (छोरा है अब तलक मोरा भैय्यन हेम किरन प्यार से कहा करतीं) दालान के आगे खुली छत पर नीम की डालियां मुंडेर पर झुकी पछवा हवा में सरसरा रही थीं। शाम की गहरी कैफ़ियत मौसम की उदासी के साथ साथ सारे में बिखरी थी। दिन भर नीचे महुवे के बाग़ में शहद की मक्खियां भिनभिनाया करतीं और हर चीज़ पर गुनूदगी⁽¹⁾ ऐसी छाई रहती। आम अब पीले हो चले थे..... “ठकुराइन की बगिया” में सुबह से ले कर रात गए तक रूँ रूँ करता रहट चला करता।

“आवत हैं भैय्यन” हेम किरन ने दालान का पीतल के नक्शोनिगार वाला किवाड़ खोलते हुए गुल्ले के गोदाम में से बाहर आकर जवाब दिया और कुंजियों का गुच्छ सारी के पल्लू में बांध कर छन से पुश्त पर फेंकती हुई सेहंची में आ गई।

“जै राम जी की भैय्यन साहब” रसोइये ने चौके में से आवाज़ लगाई।

“कटहल की तरकारी खय्यो भय्यन साहब ?”

“हां हां जरूर खैबा भाई” डाक्टर आफ़ताब राय मोंढे पर से हट कर टहलते हुए तुलसी के चबूतरे के पास आ गये। सेहंची में रंग बिरंगी मूर्तियां और गोल पत्थर सालिगराम से लेकर बजरंग बली महाराज तक सिदूर से लिपी पुती गंगा जल से नहाई धोई करीने से सजी थीं। हेम किरन थीं तो बड़ी पक्की राम भक्त लेकिन बाक़ी के सभी देवी देवताओं से समझौता रखतीं थीं कि न जाने कौन किस समय आड़े आ जाये। सब से बनाए रखनी चाहिये। अभी सरीन रमा कांत खेल के मैदान से लौटेंगे। आठ बजे खेमा कत्यक के तोड़े सीख कर जमना महाराज के हां से वापस आएंगी, फिर चौके में खाना परोसा जायेगा (पीतल के बरतन ठंडी चांदनी में झिलमिलाएंगे। नीचे आंगन में राम रखी कोई कजरी शुरू कर देगी) यहां पर बिलआखिर⁽²⁾ अमन था और सुकून।

अब खेम नीचे गलियारे में से चलती हुई ऊपर आ रही थी, (ठकुराइन की बगिया में से अभी उस ने केरोंदे और कमरखीं और मकोह तोड़ कर जल्दी जल्दी मुंह में ठूँसे थे “धाकर दाधी नाकत ना धा करवा अरे बाप

آزادی کے بعد اردو افسانہ

خوب تئلیاں اور پھول پتے بنے تھے۔ کھینچ کر بالوں کی مینڈھیاں گوندھے، ہاتھوں میں چھتا چھمن چوڑیاں بجاتی کھیم دتی رائے زادہ اپنے اتنے پیارے اور اتنے سندر ماما کو دیکھ کر بے حد خوش ہوئی۔

”نستے ماما..... ابھی کتاب لاتی ہوں بس ذرا منہ ہاتھ دھو آؤں۔“

”چل چڑیل۔ بہانے باز۔ سبق سنا پہلے۔“ ڈاکٹر آفتاب رائے نے پیار سے کہا (لیکن یہ کچھ تجربہ انھیں تھا کہ اپنے سے کم عمر لوگوں سے اور کنبہ برادری والوں سے یہ گھر گرہستی اور لاڈ پیار کے مکالمے وہ زیادہ کامیابی سے ادا نہ کر پاتے تھے) ”تجے تو میں انٹرمیڈیٹ میں بھی حساب دلاؤں گا۔ دیکھتی جا.....“ انھوں نے پھر بزرگ بننے کی سعی کی۔

”ارے باپ رے!!“ کھیم نے مصنوعی خوف کا اظہار کیا۔

”اور تو نے چوڑیاں تو بہت خوبصورت خریدی ہیں ری“

”ہی ہی ہی..... ماما.....“ کھیم نے دلی مسرت سے اپنی چوڑیوں کو دیکھا۔

”اور تو ساڑی پہنا کر، کہ فراق ہی پہنے پھرے گی..... باؤلی سی.....“ انھوں نے

اپنی بزرگی کا احساس خود اپنے اوپر طاری کرنا چاہا۔

”جی ماما.....“ کھیم کے ذہن میں وہ ساڑیاں جھما جھم کرتی کوند گئیں جو ماں کے صندوق میں ٹھنسی تھیں۔ وہ تو خدا سے چاہتی تھی کہ کل کی اپنی آج ہی وہ ساڑیاں پہن ڈالے مگر جیم کرن ہی پراگمیزیت سوار تھی۔ ایک تو وہ یہ نہیں بھولی تھیں کہ تھیں تو وہ جون پور کے اس غشیہ دقیانوسی سر یو استو گھرانے کی بیٹیا..... پر ان کا بیاہ ہوا تھا الہ آباد کے اتنے فیشن ہیل کتبے میں جس کے سارے افراد سول لائسنز میں رہتے تھے۔ اور جوتے پہنے پہنے کھانا کھاتے تھے اور مسلمانوں کے ساتھ بیٹھ کر چائے پانی پیتے تھے۔ دھوا ہوئے اب ان کو سات برس ہونے کو آئے تھے۔ اور تب سے وہ میکے ہی میں رہتی تھیں لیکن محلے پر ان کا رعب تھا کیونکہ وہ الہ آباد رائے زادوں کی بہو تھیں۔ دوسرے یہ کہ یہ فراق کا فیشن ڈاکٹر سین گپتا کے ہاں سے چلا تھا۔ ڈاکٹر سین گپتا ضلع کے سول اسپتال کے اسسٹنٹ سرجن تھے اور ہسپتال سے ملحق ان کے پیلے رنگ کے اجاڑے مکان کے سامنے ان کی پانچوں بیٹیاں رنگ برنگے فراق پہنے دن بھر اودھم مچایا کرتیں۔ شام ہوتی تو آگے آگے ڈاکٹر سین

आज़ादी के बाद उर्दू अफ़साना

रे" उसने मुंडेर पर से ऊपर झांक कर वेमंती से कहा....."मामा आए हैं भाग जा वरना मामा मुझे मारेंगे कि हर समय खेलती है....." वेमंती भाग गई।

खेम छत पर आई। लम्बे से ढीले ढाले फ़्रक में मलबूस, जिस पर मोतियों से खूब तितलियां और फूल पत्ते बने थे, खींच कर बालों की मोड़ियां गूंधे, हाथों में छना छन चूड़ियां बजाती खेमवतीराय-ज़ादा अपने इतने प्यारे और इतने सुंदर मामा को देख कर बेहद खुश हुई।

"नमस्ते मामा अभी किताब लाती हूं बस ज़रा मुंह हाथ धो आऊं"।

"चल चुड़ैल बहाने बाज सबक सुना पहले "डॉक्टर आफ़ताब राय ने प्यार से कहा (लेकिन यह कुछ तज़रबा उन्हें था कि अपने से कम उम्र के लोगों से और कुंबा बिरादरी वालों से यह घर गिरहस्ती और लाड प्यार के मुकालमे वह ज़्यादा कामयाबी से अदा न कर पाते थे) "तुझे तो मैं इंटरमीडिएट में भी हिसाब दिलाऊंगा। देखती जा....." उन्होंने फिर बुजुर्ग बनने की सई की।

"अरे बाप रे!! "खेम ने मसनूई⁽¹⁾ खौफ़ का इज़हार किया।

"और तू ने चूड़ियां तो बहुत खूबसूरत खरीदी हैं री;;

"ही ही ही मामा "खेम ने दिली मुसरत से अपनी चूड़ियों को देखा।

"और तू साड़ी पहना कर, कि फ़्रक ही पहने फिरेगी बाउली सी" उन्होंने अपनी बुजुर्गी का एहसास खुद अपने ऊपर तारी करना चाहा

"जी मामा....." खेम के ज़ेहन में वह साड़ियाँ झमा झम करती कौंद गई जो मां के संदूक में दुंसी थीं, वह तो खुदा से चाहती थी कि कल की पहनी आज ही वह साड़ियाँ पहन डाले मगर हेम किरन ही पर अंग्रेज़ियत सवार थी। एक तो वह यह नहीं भूली थी कि वह जौनपुर के उस ठेठ दक़यानूसी श्रीवास्तव घराने की बिटिया पर उन का ब्याह हुआ था इलाहाबाद के इतने फ़ैशनएबल कुंभे में जिस के सारे अफ़राद सिविल लाईज़ में रहते थे और जूते पहने पहने खाना खाते थे और मुसलमानों के साथ बैठ कर चाय पानी पीते थे। विधवा हुए अब उनको

گیتا دھوتی کا پلا نہایت نفاست سے ایک انگلی میں سنبھالے، ذرا پیچھے ان کی بی بی سرخ کنارے والی سفید ساڑی پہنے، پھر پانچوں کی پانچوں لڑکیاں سیدھے سیدھے بال کندھوں پر بکھرائے چلی جا رہی ہیں۔ ہوا خوری کرنے۔ افوہ کیا ٹھکانا تھا بھلا بس ہر بنگالی گھرانے میں لڑکیوں کی یہ فوج دیکھ لو۔ ہم کرن کو ڈاکٹر سین گیتا سے بڑی ہمدردی تھی۔ کہیم کی ان سب سے بہت محنتی تھی۔ خصوصاً موندیرا سے۔ اور اسکول کے ڈرامے کے دنوں میں تو بس کہیم اور موندیرا ہی سب پر چھائی رہتیں۔ کیا کیا ڈرامے مہادیوی کنیا پاٹھ شالانے نہ کر ڈالے..... ”قل دم بنتی“..... اور ”ٹھٹھٹلا ہریش چند“ اور ”راج رانی میرا“ اور اوپر سے ڈانس الگ..... گرما بھی ہو رہا ہے کہ ”آتیرے گنگا پار تیرے جناج میں ٹھاڑے ہیں نندلال.....“ اور آپ کا خدا بھلا کرے رادھا کرشنا ڈانس بھی لیجئے کہ میں تو گردھر آگے تاجوں کی..... جی ہاں اور وہ مگر ناچ بھی موجود ہے کہ چلو چلو سکھیا ری چلو پچھٹ بھروا پانی..... اور ساتھ ساتھ موندیرا سین گیتا ہے کہ فراٹے سے ہار موٹیم بجا رہی ہے۔

ایسے ہونے کو تو مسلمانوں کا بھی ایک اسکول تھا۔ انجمن اسلام گرلز اسکول وہاں یہ سب ٹھانڈ کہاں۔ بس بارہ وفات کی بارہ وفات میلاد شریف ہو جایا کرتا۔ اور اس میں کھڑے ہو کر لڑکیوں نے خاصی بے سری آوازوں میں پڑھ دیا۔

”تم ہی فخر انبیاء ہو۔ یا نبی سلام علیک..... چلیئے قلعہ ختم۔ ایک مرتبہ ایک سر پھری ہیڈ مسٹرس جو نئی نئی لکھنؤ سے آئی تھی۔ ”روپ متی بام بہادر“ خواتین کے سالانہ جلسے میں اسٹیج کروایا تو جناب عالی لوگوں نے اسکول کے پچانک پر پکٹنگ کر ڈالی۔ اور روزنامہ ”صدائے حق“ نے پہلے صفحہ پر چلی حروف میں شائع کیا۔

”ملت اسلامیہ کی غیرت کا جنازہ گرلز اسکول کے اسٹیج پر کھل گیا۔“

”مسلمانو! تم کو خدا کے آگے بھی جواب دینا ہوگا۔ بنات اسلام کو رقص و سرود کی تعلیم۔ اسکول کو بند کرو“ (یہ سب قہے کہیم کی مسلمان سہیلی کشوری اسے سنایا کرتی تھی جو پڑوس میں رہتی تھی) صدر اعلیٰ کے چوہرے کے آگے والے مکان میں وہ اسلامیہ گرلز اسکول میں پڑھتی تھی۔ اس کا بڑا بھائی امیر عباس، سرین اور رما کانت کے ساتھ ہاکی کھیلنے آیا کرتا تھا۔ دیسے پڑھتے وہ لوگ بھی الگ الگ تھے۔ سرین اور رما کانت ڈی۔ اے۔

आज़ादी के बाद उर्दू अफ़साना

सात बरस होने को आए थे और तब से वह मैके ही में रहती थीं लेकिन मुहल्ले पर उनका रोब था क्योंकि वह इलाहाबाद रायज़ादों की बहू थीं दूसरे यह कि यह फ़ज़क का फ़ैशन डाक्टर सेन गुप्ता के हाँ से चला था, डाक्टर सेन गुप्ता ज़िला के सिविल अस्पताल के असिस्टेंट सर्जन थे और अस्पताल से मुलहिक⁽¹⁾ उन के पीले रंग के उजाड़ से मकान के सामने उनकी पाँचों बैटियाँ रंग बिरंगे फ़ज़क पहने दिन भर ऊथम मचाया करतीं। शाम होती तो आगे आगे डाक्टर सेन गुप्ता धोती का पल्ला निहायत नफ़्रसत⁽²⁾ से एक उंगली में संभाले, ज़रा पीछे उन की बीबी सुख् किनारे वाली सफ़ेद साड़ी पहने, फिर पाँचों की पाँचों लड़कियाँ सीधे सीधे बाल कंधों पर बिखराए चली जा रही हैं हवा ख़ोरी करने। उफ़फ़ेह, क्या ठिकाना था भला बस हर बंगाली के घराने में लड़कियों की यह फ़ौज़ देख लो। हेम किरन को डाक्टर सेन गुप्ता से बड़ी हमदर्दी थी, खेम की इन सब से बहुत घुटती थी, खुसूसन मुंदेरा से। और स्कूल के इमं के दिनों में तो बस खेम और मुंदेरा ही सब पर छाई रहतीं, क्या क्या इमं महादेवी कन्या पाठ शाला ने न कर डाले “नल दमैती” और “शकुंतला हरीश चंद” और “राज रानी मीरा” और ऊपर से डांस अलग गरमा भी हो रहा है कि “आ तेरे गंगा पार तेरे जमना बीच में ठाड़े हैं नंदलाल.....” और आप का खुदा भला करे राधा कृष्णा डांस भी लीजिये कि मैं तो गिरधर आगे नाचूंगी जी हाँ— और वह गगरी नाच भी मौजूद है कि चलो-चलो सखियारी चलो पनघट भरवा पानी और साथ साथ मुंदेरा सेन गुप्ता है कि फ़र्रटे से हारमूनियम बजा रही है।

ऐसे होने को तो मुसलमानों का भी एक स्कूल था, अंजुमने इस्लाम गर्लज़ स्कूल, वहाँ यह सब ठाठ कहाँ..... बस बारह वफ़्रत की बारह वफ़्रत, मीलाद शरीफ़ हो जाया करता। और इसमें खड़े हो कर लड़कियों ने खासी बे-सुरी आवाज़ों में पढ़ दिया।

“तुम ही फ़ख़्रे अंबिया हो, या नबी सलामो अलैक”

चलिए किस्सा ख़त्म, एक मरतबा एक सरफ़िरी हेड मिसट्रेस जो नई नई लखनऊ से आई थीं “रूप मती बाम बहादुर” ख़्वातीन के सालाना जलसे में स्टेज करवा दिया तो जनाबे आली लोगो ने स्कूल के फाटक पर पकटिंग कर डाली.....

دی۔ کالج میں تھے۔ اصغر عباس فیض اسلام کنگ جارج انٹر کالج میں۔

”کیوں ری۔ ایف اے کرنے کہاں جائے گی۔ جولائی آرہی ہے۔ بنارس جائے گی یا لکھنؤ.....؟“ ڈاکٹر آفتاب رائے نے چو کے میں بیٹھتے ہوئے سوال کیا۔

اب یہ ایک ایسا ٹیڑھا اور اچانک سوال تھا۔ جس کا جواب دینے کے لیے کھیم دتی ہرگز تیار نہ تھی۔ دونوں جگہوں سے متعلق اسے کافی انفرمیشن حاصل تھی لیکن دو ٹوک فیصلہ وہ فی الحال کسی ایک کے حق میں نہ کر سکتی تھی۔ بنارس میں ایک تو یہ کہ چوڑیاں بہت عمدہ ملتی تھیں۔ لیکن لکھنؤ کو بھی بہت سی باتوں میں فوقیت حاصل تھی۔ مثلاً سنیما تھے اور دس سنیماؤں کا ایک سنیما تو خود مہیلا دوپالہ تھا۔ جہاں اسے بھیجنے کا تذکرہ ماما نے کیا تھا۔ پردہ غالباً اسے بہر صورت ہر جگہ کرنا تھا۔ تانگے پر پردہ یہاں بھی ہم کرن اپنے اور اس کے لیے بندھواؤ تھیں۔ اور ماما جو اتنا بڑا ڈنڈا ایسے سر پر جو موجود تھے۔

یہ ماما اس کے آج تک پہنے نہ پڑے۔ ولایت سے ان گنت ڈگریاں لے آئے تھے۔ پونی درشی میں پرد فیسری کرتے تھے۔ تاریخ پر کتابیں لکھتے تھے۔ فارسی میں شعر کہتے تھے۔ چوں چوں کے مرید تھے کھیم کے ماما۔

رہے رما کانت اور سرین، تو رما کانت تو شاعر آدمی تھا۔ سارے مقامی شاعروں میں جا کر دو غزلیں سہ غزلیں پڑھ ڈالتا۔ اور حضرت ناشاد جو پوری کے نام نامی سے یاد کیا جاتا۔ سرین اس کے برعکس بالکل انجینئر تھا۔ اس سال وہ بھی انٹر کر کے بنارس انجینئرنگ کالج چلا جائے گا۔ باقی کے سارے کنبے برادری کے بہن بھائی یوں ہی بکواس تھے۔ اس سلسلے میں اس کی گوتیاں کشوری یعنی کشور آرا بیگم کے بڑے شاٹھ تھے۔ اس کے بے شمار رشتے کے بھائی تھے۔ اور سب ایک سے ایک سورا۔ یہاں کسی کے سورا اپنے کا سوال ہی نہ پیدا ہوتا۔ کسی نے آج تک اس سے یہ نہ کہا کہ چل کھیم تجھے سرکس یا نوٹنکی ہی دکھلا دیں۔ (نوٹنکی کے دنوں میں رسوا تک لہک لہک کر گاتا اب یہی ہے میں نے ٹھانی..... لاؤں گا نوٹن کی رانی) کہاں کشوری کے ماجد بھائی ہیں تو اس کے لیے لکھنؤ سے چوڑیاں لیے چلے آتے ہیں۔ اکرام بھائی ہیں تو کشوری ان کے لیے جہا جھپ پل اور بن رہی ہے۔ اشفاق بھائی ہیں۔ تو کشوری کو بیٹھے انگریزی شاعری پڑھا رہے ہیں۔ ان

आज़ादी के बाद उर्दू अफ़साना

और रोज़नामा "सदाए हक़" ने पहले सफ़रहा पर ज़ली हुरूफ़ में शाये किया।

"मिल्लत इस्लामिया की ग़ैरत का जनाज़ा, गर्ल्ज़ स्कूल के स्टेज पर निकल गया"

"मुसलमानो! तुम को खुदा के आगे भी जवाब देना होगा। बिनाते इस्लाम को रक्सो सुरूद की तालीम..... स्कूल को बन्द करो....." (यह सब किस्से खेम की मुसलमान सहेली किश्वरी उसे सुनाया करती थी जो पड़ोस में रहती थी।) सदरे आला के चबूतरे के आगे वाले मकान में वह इस्लामिया गर्ल्ज़ स्कूल में पढ़ती थी। उसका बड़ा भाई असगर अब्बास, सरीन और रमा कान्त के साथ हॉकी खेलने आया करता था। वैसे पढ़ते वह लोग भी अलग अलग थे। सरीन और रमा कान्त डी. ए. बी. कॉलेज में थे। असगर अब्बास फ़ैज़े इस्लाम किंग जॉर्ज इंटर कॉलेज में।

"क्यों री एफ़. ए. करने कहां जाएगी। जुलाई आ रही है। बनारस जाए गी या लखनऊ ?" डाक्टर आफ़ताब राय ने चौंके में बैठते हुए सवाल किया। अब यह एक ऐसा टेढ़ा और अचानक सवाल था जिस का जवाब देने के लिए खेमवती हरगिज़ तैयार न थी। दोनों जगहों से मुतअल्लिक उसे काफ़ी इन्फ़ारमेशन हासिल थी लेकिन दो टूक फ़ैसला वह फ़िलहाल किसी एक के हक़ में न कर सकती थी। बनारस में एक तो यह कि चूड़ियां बहुत उमदा मिलती थीं लेकिन लखनऊ को भी बहुत सी बातों में फ़्रैक्वियत⁽¹⁾ हासिल थी। मसलन सिनेमा थे और दस सिनेमाओं का एक सिनेमा तो खुद महिला विद्यालय था। जहां उसे भेजने का तज़केरा मामा ने किया था। पर्दा ग़ालेबन उसे बहर सूरत हर जगह करना था। तांगे पर पर्दा यहां भी हेमकिरण अपने और उसके लिए बंधवाती थीं। और मामा जो इतना बड़ा डण्डा ऐसे सर पर जो मौजूद थे।

यह मामा उसके आज तक पल्ले न पड़े। विलायत से अनगिनत डिग्रियां ले आए थे। युनिवर्सिटी में प्रोफ़ेसरी करते थे। तारीख़ पर किताबें लिखते थे। फ़ररसी में शेर कहते थे। चूँ चूँ के मोरब्बा थे खेम के मामा।

रहे रमाकान्त और सरीन। तो रमाकान्त तो शायर आदमी था। सारे मक़ामी मुशायरों में जाकर दो ग़ज़ले सह ग़ज़ले पढ़ डालता। और हज़रत नाशाद ज़ीनपुरी के नामे नामी से याद किया जाता था। सरीन उसके बरअक्स⁽²⁾ बिल्कुल

بھائیوں اور کھیم کے بھائیوں میں زمین آسمان کا فرق تھا۔ کہاں کی چوڑیاں اور پل اور۔ یہاں تو جوتیوں میں دال بنتی تھی۔

ہیم کرن کو گھر کے کام دھندوں ہی سے فرصت نہ ملتی۔ آفتاب رائے ان کے لیے بڑا سہارا تھے۔ وہ ہر تیسرے چوتھے مہینے لکھنؤ سے آکر مل جاتے۔ رہنے والے ان کے بھین صاحب جون پور ہی کے تھے۔ پر یہاں ان کی کسی سے ملاقات نہ تھی۔ ”ضلع کے رؤسا اور مقامی عمائدین شہر“ میں ان کا شمار تھا۔ پر آپ کا خیال اگر یہ ہے کہ ڈاکٹر آفتاب رائے جون پور کے ان معززین کے ساتھ اپنا وقت خراب کریں گے تو آپ غلطی پر ہیں۔ حکام سے ان کی کبھی نہ بنی۔ اعلیٰ کچھ نسل آدمی تھے۔ ان سول سروس اور پولیس والوں سے کیا دماغ سوزی کرتے۔ جگن ناتھ جین آئی۔ سی۔ ایس جب بنایا حاکم ضلع ہو کر آیا تو اس نے کئی بار ان کو کلب میں بلا بھیجا۔ پر یہ ہرگز نہ گئے۔ رئیس الدین کاظمی ڈسٹرکٹ اینڈ سشن جج نے دعوت کی، اس میں بھی نہ پہنچے۔ اور تو اور ولایت جاتے وقت مسٹر چارلس مارٹن نے کون کونریہ گورنمنٹ انٹر کالج کی پرنسپل شپ پیش کی۔ لیکن کھیم کے ماما نے اسے بھی رد کر دیا۔ یوں تو خیر کا گھریسی وانگریسی ہونا کوئی خاص بات نہیں۔ شہر اور قصبہ جات کا ہر ہندو جو سرکاری ملازم نہ تھا۔ گھر پر ترنگا لگا تا تھا، اور ہر مسلمان کے اپنے دسیوں مشغلے تھے۔ احرار پارٹی تھی۔ شیعہ کانفرنس تھی۔ ڈسٹرکٹ کانگریس کمیٹی میں مسلمان بھرے ہوئے تھے۔ مسلم لیگ کا تو خیر اس وقت کسی نے نام بھی نہ سنا تھا۔ پر بہت سے مسلمان اگر انصاف کی پوچھیں تو کچھ نہ تھے یا شاعری کرتے تھے یا مجلسیں پڑھتے تھے۔

تو کہنے کا مطلب یہ کہ کوئی ایسی تشویشناک بات نہ تھی۔ پر ڈاکٹر آفتاب رائے کی زیادہ تر لوگوں سے کبھی نہ پٹی۔ ارے صاحب یہاں تک سنا گیا ہے کہ ہری پورہ کانگریس کے موقع پر انھوں نے سب کو کھری کھری سنا دیں۔ گو یہ راوی کو یا نہیں کہ انھوں نے کیا کہا تھا۔

ضلع کی سوسائٹی جن عناصر پر مشتمل تھی، ان سے ڈاکٹر آفتاب رائے کوسوں دور بھاگتے تھے۔ وسط شہر میں مہاجنوں، ساہوکاروں اور زمینداروں کی اونچی حویلیاں تھیں۔ یہ لوگ سرکاری فنڈوں میں ہزاروں روپیہ چندہ دیتے، اسکول کھلاتے۔ مشاعرے اور دھنگ

आजादी के बाद उई अफसाना

इन्जिनियर था। इस साल वह भी इन्टर करके बनारस इन्जिनियरिंग कॉलेज चला जाएगा। बाकी के सारे कुम्बे बिरादरी के बहन भाई यूँही बकवास थे। इस सिलसिले में उसकी गोय्यां किश्वरी यानी किश्वर आरा बेगम के बड़े ठठ थे।

उसके बेशुमार रिश्ते के भाई थे। और सब एक से एक सूरमा। यहां किसी के सूरमा-पने का सवाल ही न पैदा होता था। किसी ने आज तक उससे यह न कहा कि चल खेम तुझे सर्कस या नौटंकी ही दिखलादे। (नौटंकी के दिनों में रसोइया तक लहक लहक कर गाताअब यही है मैंने ठानी..... लाऊंगा नौ टन की रानी) कहां किश्वरी के माजिद भाई हैं तो उसके लिए लखनऊ से चूड़ियां लिए चले आते हैं। इकराम भाई हैं तो किश्वरी उन के लिए छपा छप पुलओवर बुन रही है। अशफ़क़ भाई हैं तो किश्वरी को बैठे अंग्रेजी शायरी पढ़ा रहे हैं। उन भाईयों और खेम के भाईयों में ज़मीन आसमान का फ़र्क़ था। कहां की चूड़ियां और पुल ओवर। यहां तो जूतियों में दाल बटती थी।

हेमकिरण को घर के काम धंधों ही से फ़ुरसत न मिलती। आफ़ताब राय उनके लिए बड़ा सहारा थे। वह हर तीसरे चौथे महीने लखनऊ से आकर मिल जाते। रहने वाले उनके भय्यन साहब जौनपूर ही के थे। पर यहां उन की किसी से मुलाकात न थी। "ज़िला के रोऊसा⁽¹⁾ और मकामी अमाएदीने⁽²⁾ शहर" में उनका शुमार था। पर आप का ख़याल अगर यह है कि डॉक्टर आफ़ताब राय जौनपूर के उन मुअज़्ज़ीन⁽³⁾ के साथ अपना वक्त ख़राब करेंगे तो आप ग़लती पर हैं। हुक्काम से उनकी कभी न बनी। इन्टलेक्चुवल आदमी थे। इन सिविल सर्विस और पुलिस वालों से क्या दिमाग़-सोज़ी⁽⁴⁾ करते। जगन्नाथ जैन आइ.सी. एस. जब नया नया हाकिमे ज़िला होकर आया तो उसने कई बार उन को क्लब में बुला भेजा। पर यह हरगिज़ न गए। रईसुद्दीन काज़मी डिस्ट्रिक्ट एण्ड सेशन जज ने दावत की, उस में भी न पहुंचे। और तो और विलायत जाते वक़्त मिस्टर चार्ल्स मार्टेन ने क्वीन विक्टोरिया गॉरमेन्ट इन्टर कॉलेज की प्रिन्सपलशिप पेश की लेकिन खेम के मामा ने उसे भी रद्द कर दिया। यूँ तो ख़ैर कांग्रेसी कांग्रेसी होना कोई ख़ास बात नहीं। शहर और कस्बाजात का हर हिन्दू जो सरकारी मुलाज़िम न था घर पर तिरंगा लगाता था, और हर मुसलमान के अपने दसियों मशग़ले⁽⁵⁾ थे। अहरार पार्टी थी। शिआ कॉन्फ़्रेंस थी। डिस्ट्रिक्ट कांग्रेस कमीटी में मुसलमान भरे

1. रईस का बहुवचन 2. अमीर (अगुआ) का बहुवचन 3. मुअज़्ज़ि (सम्भ) का बहुवचन 4. माथा पच्ची 5. काम

کرواتے تھے۔ جلے جلوس اور سر پھٹول بھی ان ہی کی زیر سرپرستی منعقد ہوتے۔ ہندو مسلمانوں کا مشاعرہ تقریباً ایک تھا۔ وہی جج تہوار، میلے ٹھیلے۔ محرم، رام لیلا۔ پھر اس سے اونچی سطح پر وہی مقدسے بازیاں۔ موگل، گواہ، پیشکار، سمن، عدالتیں، صاحب لوگوں کے لیے ڈالیاں۔

شہر کے باہر ضلع کا ہسپتال تھا۔ لق ووق ہری گھاس کے میدانوں میں بکھری ہوئی اداس پیلے رنگ کی عمارتیں۔ کچے احاطے۔ نیم کے درختوں کی چھاؤں میں، آؤٹ ڈور، مریضوں کے ہجوم۔ گرد آلود کتوں کے اڈے۔ سڑک کے کنارے بیٹھے ہوئے دودو آنے میں خط لکھ کر دینے والے بہت بوڑھے اور شکستہ حال فشی، جو دھاگوں والی ٹیکٹیں لگائے دھندلی آنکھوں سے راہ گیروں کو دیکھتے۔ پھر گلیاں تھیں جن کے گھوٹوں کے فرش پر پانی بہتا تھا۔ سیاہی مائل دیواروں پر کوسٹے سے اشتہار لکھے تھے۔ حکیم مارکہ دھاگہ خریدیے۔ پری براڈ بیڈ پیو۔ ایک پیسہ باپ سے لو۔ چائے جا کر ماں کو دو۔ آگیا۔ آگیا۔ آگیا..... سال رواں کا سٹنی خیر ظلم ”لہری راجہ آگیا“ جس میں مس ماحوری کام کرتی ہے۔

پھر سایہ دار درختوں کے پرے آم اور موسری میں چھپی ہوئی حکام ضلع کی بڑی بڑی کوٹھیاں تھیں۔ انگریزی کلب تھا۔ جس میں بے اندازہ خشکی ہوتی۔ چپ چاپ اور سائے کی طرح چلتے ہوئے مودب اور شائستہ ”میرے“ انگریز اور کالے صاحب لوگوں کے لیے ٹھنڈے پانی کی بوتلیں اور برف کی بالٹیاں لا کر گھاس پر رکھتے، نیلے پردوں کی قاتوں کی پیچھے ٹینس کی گیندیں سبزے پر لڑھکتی رہتیں۔

(2)

اور سول لائسنز کی اس دنیا میں اوپر سے آئی کنول کماری جین بچن ناتھ جین۔ آئی۔ ایس کی بالوں کٹی بیوی جس نے لکھنؤ کے مشہور انگریزی کالج ازابلا تصویرن میں پڑھا تھا اور جو گیند بلا کھیلتی تھی، کلب میں بڑی چہل پہل ہو گئی، گنتی کی کل تین تو بیسیں ہی تھیں کلب میں۔ کوئین وکٹوریہ گورنمنٹ انٹر کالج کے انگریز پرنسپل کی میم۔ ایک۔ زنانہ ہسپتال کی بڑی ڈاکٹرنی میم مس بیک کنزی دو۔ اور اسے پی مشن گرلز ہائی اسکول کی بڑی استانی سائفرڈ جوجن چیتا میم کہلاتی تھی کہ نوکروں پر چلاتی بہت تھی۔ ان تین کے علاوہ

आजादी के बाद उर्दू अफसाना

हुए थे। मुस्लिम लीग का तो खैर उस वक्त किसी ने नाम भी न सुना था पर बहुत से मुसलमान अगर इन्साफ़ की पूछिए तो कुछ न थे या शायरी करते थे या मजलिसें पढ़ते थे।

तो कहने का मतलब यह कि कोई ऐसी तशवीशनाक बात न थी। पर डॉक्टर आफ़ताब राय की ज़्यादातर लोगों से कभी न पटी अरे साहब यहाँ तक सुना गया कि हरी पूरा कांग्रेस के मौका पर उन्होंने सब को खरी खरी सुना दी। गोया रावी को याद नहीं कि उन्होंने क्या कहा था।

ज़िला की सुसाइटी जिन अनासिर⁽¹⁾ पर मुश्तमिल थी, उन से डॉक्टर आफ़ताब राय कोसों दूर भागते थे। वस्ते शहर में महाजनों, साहूकारों और ज़मीनदारों की ऊंची हवेलियाँ थीं। यह लोग सरकारी फ़ण्डों में हज़ारों रुपया चन्दा देते, स्कूल खुलवाते, मुशाएरे और दंगल करवाते थे। जल्से जुलूस और सरफ़ुटबल भी उन्हीं की ज़ेरे सरपरस्ती मुनाकिद होते। हिन्दू-मुसलमानों का मुशाएरा तक़रीबन एक था। वही तीज त्योहार, मेले ठेले। मुहर्रम, राम लीला। फिर उससे ऊंची सतह पर वही मुक़द्मे बाज़ियाँ। मोवक्किल, गवाह, पेशकार, समन, अदालतें, साहब लोगों के लिए डालियाँ।

शहर के बाहर ज़िला का अस्पताल था। लकोदक⁽²⁾ हरी घास के मैदानों में बिखरी हुई उदास पीले रंग की इमारतें। कच्चे इहाते, नीम के दरख़्तों की छांव में, आउट डोर, मरीज़ों के हुज़ूम। गर्द आलूद यक्कों के अड़े। सड़क के किनारे बैठे हुए दो दो आने में ख़त लिख कर देने वाले बहुत बूढ़े और शिकस्ताहाल⁽³⁾ मुन्शी, जो धागों वाली ऐनकें लगाए धुंधली आंखों से राहगीरों को देखते। फिर गलियाँ थीं जिन के गुम्मों के फ़र्श पर पानी बहता था। सियाही माएल दीवारों पर कोयले से इश्तहार लिखे थे। हकीम मारका धागा ख़रीदिये, परी ब्रांड बीड़ी पीयो, एक पैसा बाप से लो, चाय जाकर मां को दो..... आ गया, आ गया, आ गया साले रवां का संसनीखेज़ फ़िल्म "लहरी राजा" आ गया, जिसमें मिस माधुरी काम करती है।

फिर साया दार दरख़्तों के परे आम और मेलसरी में छुपी हुई हुक्कामे ज़िला की बड़ी बड़ी कोठियाँ थीं, अंग्रेज़ी क्लब था, जिसमें बेअंदाज़ा खुन्की होती चुपचाप और साये की तरह चलते हुये मुअद्दब और शाइस्ता⁽⁴⁾ "बैरे"। अंग्रेज़

آزادی کے بعد اردو افسانہ

ڈاکٹرنی میم کی چھوٹی بہن مس اولیوک کنزی تھی۔ جو اپنی بہن سے ملنے نئی تال سے آئی ہوئی تھی اور طلع کے غیر شادی شدہ حکام کے ساتھ ٹینس کھیلنا اس کا خاص مشغلہ تھا اور اس میں ایسا کچھ اس کا جی لگا تھا کہ اب واپس جانے کا نام نہ لیتی تھی۔ شام ہوتے ہی وہ کلب میں آن موجود ہوتی اور وہ مسٹر سکینہ، مسٹر فرحت علی اور مسٹر پاٹھے۔ سبھی تو اس کے چاروں طرف کھڑے دانت کھوسے ہنس رہے ہیں۔ اس ایک نے سیانے بھائی لوگوں کو تنگنی کا تاج بچا رکھا تھا۔ باقی ماندہ حضرات بھی کہتے تھے کہ میاں کیا مضائقہ ہے۔ جون پور ایسی ڈل جگہ پر مس بک کنزی کا دم ہی قیمت جانو۔ اب غور کرنے کا مقام ہے کہ مس شبیرہ حمایت علی جو دوسری لیڈی ڈاکٹر تھیں ان کا تو نام سن کر ہی جی بیٹھ جاتا تھا۔ مگر وہ بے چاری بڑی اسپورٹنگ آدمی تھیں۔ برابر جی داری سے ٹینس کھیلنے آیا کرتیں۔ لکھنؤ کے کنگ جارجز کی پڑھی ہوئی تھیں۔ لندن جا کر ایک ڈپلوما بھی مار لائی تھیں۔ لیکن کیا مجال جو کبھی بد دماغی دکھلا جاویں۔ لوگ کہتے تھے صاحب بڑی شریف ڈاکٹرنی ہے۔ بالکل گائے بچھے۔ گائے جی ہاں۔ اب یہ دوسری بات ہے کہ آپ یہ توقع کریں کہ ہر لیڈی ڈاکٹر انسانوں اور نادلوں کی روایت کے مطابق بالکل حور شائیل مد و ش، پری پیکر ہو۔ اچھی آدمی کا بچہ تھیں بلکہ ایک مرتبہ تو ڈسٹرکٹ جج مسٹر کالپی کی بیگم صاحب نے مسٹر فرحت علی سے تجویز بھی کی تھی کہ بھیا آزادی کا زمانہ ہے مس شبیرہ ہی سے بیاہ کرلو۔ یہ جو سال کے سال چینیوں میں تمھاری اماں تمھیں لڑکیاں دیکھنے کے لیے نئی تال، مسوری بھیجا کرتی ہیں، اس درد سر سے بھی نجات ملے گی اور کیا۔

راوی کہتا ہے کہ فرحت علی نے جوان دنوں بڑے عمر کے کاہر نٹنڈنٹ پولیس تھا، بیگم کالپی کے سامنے کان پکڑ کر اٹھک بیٹھک کی تھی۔ اور تھر تھر کاٹنا تھا۔ اور دست بستہ یوں گویا ہوا تھا کہ آئندہ وہ مس شبیرہ حمایت سے جو گفتگو کرے گا وہ صرف چار جملوں پر مشتمل ہوگی۔ آداب عرض۔ آپ اچھی طرح سے ہیں؟ جی ہاں میں بالکل اچھی طرح ہوں۔ شکریہ آداب عرض۔

معصیت یہ تھی کہ جہاں کسی شامت کے مارے نے کسی ”غیر منسلک“ خاتون محترم سے سوشل گفتگو کے دوران میں ان چار جملوں سے تجاوز کیا تو بس سمجھ لیجئے ایکٹیو دنی ہو گئی۔

आजादी के बाद उर्दू अफसाना

और काले साहब लोगों के लिये ठंडे पानी की बोतलें और बर्फ की बाल्टियां लाकर घास पर रखते, नीले पदों की कनातों के पीछे टेनिस की गेंदें सब्जे पर लुढ़कती रहतीं।

(2)

और सिविल लाइज की इस दुनिया में ऊपर से आई कंवल कुमारी जैन, जगन्नाथ जैन, आई. सी. एस की बालों कटी बीबी जिसने लखनऊ के मशहूर अंग्रेजी कालेज इजाबिला थौर्बन में पढ़ा था, और जो गेंद बल्ला खेलती थी, क्लब में बड़ी चहल पहल हो गई। गिनती की कुल तीन तो मेमें ही थीं क्लब में। क्वीन विक्टोरिया गवर्नमेंट इन्टर कालेज के अंग्रेज प्रिंसिपल की मेम, एक ज्ञाना हस्पताल की बड़ी डाक्टरनी मेम मिस मिक् कंजी दो, और ए. पी मिशन गर्लज हाई स्कूल की बड़ी उस्तानी सालफर्ड जो चिन चीना मेम कहलाती थीं, के नौकरों पर चिल्लाती बहुत थीं, उन तीन के अलावा डाक्टरनी मेम की छोटी बहन मिस. ओलियोमिक कंजी थी जो अपनी बहन से मिलने नैनीताल से आई हुई थी और जिला के गैर शादीशुदा हुक्काम से टेनिस खेलना उसका खास मशगला था। और उसमें ऐसा कुछ उसका जी लगा था कि अब वापस जाने का नाम न लेती थी, शाम होते ही वह क्लब में आन मौजूद होती, और वह मिस्टर सक्सेना और वह मिस्टर फ़रहत अली और वह मिस्टर पांडे सभी तो उसके चारों तरफ़ खड़े दांत निकोसे हंस रहे हैं। उस एक ने सियाने भाई लोगों को तिगनी का नाच नचा रखा था। बाकी मांदा हज़रात भी कहते थे कि मियां क्या मुज़ाइका⁽¹⁾ है, जौनपुर ऐसी डल जगह पर मिस. मिक् कंजी का दम ही ग़नीमत जानो, अब ग़ौर करने का मक़ाम है कि मिस शब्बीरा हिमायत अली जो दूसरी लेडी डाक्टर थीं उनका तो नाम सुनकर जी बैठ जाता था, मगर वह बेचारी बड़ी स्पोर्टिंग आदमी थीं। बराबर जी दारी से टेनिस खेलने आया करती थीं। लखनऊ के किंग जार्ज की पढ़ी हुई थीं। लन्दन जाकर एक डिप्लोमा भी मार लाई थीं। लेकिन क्या मजाल जो कभी बददिमागी दिखला जावे। लोग कहते थे साहब बड़ी शरीफ़ डाक्टरनी है बिल्कुल गाय समझिये, गाय जी हां। अब यह दूसरी बात है कि आप यह तबक्को करें के हर लेडी डाक्टर अफ़सानों और नाविलों की रिवायत के मुताबिक़ बिल्कुल हूर-शुमायल⁽²⁾ महवश⁽³⁾ परी पैकर हो। अच्छी आदमी का बच्चा थीं बल्कि

1. हरज 2. हूर की तरह 3. चांद जैसी

تو غرض کہ راوی دریا کو یوں کوزے میں بند کرتا ہے کہ کنول کماری کے میاں کا تقرر اس جگہ پر ہوا (انگریز حاکموں کی اصلاح میں صوبے کا ضلع ”اسٹیشن“ کہلاتا تھا۔

اور نئے حاکم، ضلع کے اعزاز میں کنور زنجن داس رئیس اعظم جون پور نے (کہ یہ سارے کا سارا ایک نام تھا) اپنے باغ میں بڑی دھوم کی دعوت کی۔ چوتھے پر زرتار شامیانہ ٹانا گیا۔ رات گئے تک جلسہ رہا بیویوں کے لیے اندر علیحدہ دعوت تھی معمرانیوں نے کیا کیا کھانے نہ بنائے۔ مسلمان مہمانوں کے لیے باؤلے ڈنچوں کے وہاں سے باورچی بلوائے گئے تھے۔ (باؤلے ڈنچوں کا ایک خاندان تھا جس میں عرصہ ہوا ایک ڈپٹی صاحب کا دماغ چل گیا تھا اس کے بعد سے وہ پورا خاندان باؤلے ڈنچوں کا گھرانہ کہلاتا تھا) کہار آواز لگاتے۔ امی باؤلے ڈنچوں کے ہاں سے سواریاں آئی ہیں اتر والو۔ مہریوں سے کہا جاتا ارے باؤلے ڈنچوں کے یہاں نختا دیتی آتاری رام رکھی جھاڑو چینی۔

ہیم کرن ایسے تو کہیں آتی جاتی نہ تھیں پر رانی زنجن داس کی زبردستی پر وہ بھی دعوت میں آگئی تھیں۔ کلکٹر کی بیوی سے ملنے کے لیے عمائدین شہر کی بیویوں نے کیا کیا جوڑے نہ پہنے تھے لیکن جب خود کنول کماری کو دیکھا تو پتہ چلا کہ یہ تو پوری میم ہے۔ غضب خدا کا ہاتھوں میں چوڑیاں تک نہ تھیں۔ ناک کی کیل گئی تو چوہے بھاڑ میں ہلکے نیلے رنگ کی ساڑی گاؤں کے سے ذرا ہٹ کر بیٹھی وہ سب سے مسکرا مسکرا کر باتیں کرتی رہی۔

”اے لو بیٹا تم نے سہاگ کی نشانی ہی کو جھاڑو پیٹے فیشن کی سمیٹ کر دیا۔“ صدر اعلیٰ کی بیگم نے ناک پر انگلی رکھ کر اس سے کہا:

”اے ہاں سچ تو ہے۔ کیا ڈنڈا ایسے ہاتھ لیے بیٹھی ہو۔ دو بر پار چھائیں پھونکیں دیکھے ہی سے ہول آتا ہے!“ بیگم کاظمی نے بھی صاوا کیا۔

کھیم کی تو بہر حال، آج عید تھی۔ اس نے تیز جاسی رنگ کی بناری ساڑی ہانڈی تھی۔ پاؤں میں رام جھول پہنے تھے۔ سونے کی کردھنی اور دوسرے سارے گہنے ہاتھ علاحدہ کندن کا چھپکا تو کشوری بھی پہن آئی تھی لیکن کشوری کی اماں (جو محلے میں بڑی بھادج کے نام سے یاد کی جاتی تھیں) بن بیانی لڑکیوں کے زیادہ سنگار چٹار کی قطعی قائل نہ تھیں۔ ان کے یہاں تو لڑکیاں بالیاں مانگ تک بالوں میں نہ کاڑھ سکتی تھیں۔ پر اب زمانے کی ہوا کے زیر اثر نئی پود کی لڑکیوں نے سیدھی اور آڑی ماتیں کا زحنی شروع کر دی

आजादी के बाद उर्दू अफसाना

एक मर्तबा तो डिस्ट्रिक्ट जज मिस्टर काज़मी की बेगम साहब ने मिस्टर फ़रहत अली से तज़वीज़ भी की थी कि पैया आजादी का ज़माना है मिस शब्बीरा ही से ब्याह कर लो यह जो साल के साल छुट्टियों में तुम्हारी अम्मां तुम्हें लड़कियां देखने के लिये नैनीताल, मसूरी भेजा करती हैं, इस दर्दे सर से भी निजात मिलेगी और क्या।

रावी कहता है कि फ़रहत अली ने जो इन दिनों बड़े मारके का सुप्रिटेन्डेंट पुलिस था, बेगम काज़मी के सामने कान पकड़ कर उठ्ठक बैठक की थी और धर धर कांपा था और दस्त बस्ता यूं गोया हुआ था कि आईदा वह मिस शब्बीरा हिमायत से जो गुफ्तगू करेगा वह सिर्फ़ चार जुमलों पर मुशतमिल होगी आदाब अर्ज, आप अच्छी तरह से हैं? जी हां मैं बिल्कुल अच्छी तरह हूं, शुक्रिया। आदाब अर्ज।

मुसीबत यह थी कि जहां किसी शामत के मारे ने किसी "गैर-मुंसलिक"⁽¹⁾ खातून मुहतरम से सोशल गुफ्तगू के दौरान में उन चारों जुमलों से तज़ावुज़⁽²⁾ किया तो बस समझ लीजिय एकटीबीटी हो गई।

तो गर्ज कि रावी दरया को यूं कूजे में बन्द करता है कि कंवल कुमारी के मियां का तक्रूर उस जगह पर हुआ। (अंग्रेज़ हाकिमों की इसलाह में सूबे का ज़िला "स्टेशन" कहलाता है।)

और एक नये हाकिम ज़िला के एजाज़ में कुंवर निरंजनदास रईसे आजम जौनपुर ने (कि यह सारे का सारा एक नाम था) अपने बाग में बड़ी धूम की दावत की। चबूतरे पर ज़रतार शामियाना ताना गया। रात गये तक जलसा रहा बीबियों के लिए अन्दर अलहदा दावत थी। मिसरायियों ने क्या क्या खाने न बनाये। मुसलमान मेहमानों के लिए बावले डिपटियों के वहां से बाबरबी बुलवाये गये थे। बावले डिपटियों का एक खानदान था। जिस में अरसा हुआ एक डिप्टी साहब का दिमाग चल गया था। उसके बाद से वह पूरा खानदान बावले डिप्टियो का घराना कहलाता था।) कहार अवाज़ लगाते। अबी बावले डिप्टियों के हां से सवारियां आई हैं उतर वालो। महरियों से कहा जाता, अरे बावले डिप्टियों के हां नयोता देती आना री राम रखी झाड़ू पीटी।

हेम किरण ऐसे तो कहीं आती जाती न थी पर रानी निरंजन दास की

آزادی کے بعد اردو افسانہ

تھیں۔ حکیم دور سے بیٹھی کنول کماری کو دیکھتی رہی۔ کتنی سندر ہے اور بھراہم۔ اے پاس لڑکی حکیم اور کشوری کی نظروں میں بالکل دیوی دیوتا کا درجہ رکھتی تھی۔

والان کے گملوں کی اوٹ میں حکیم اور کشوری بیٹھی تھیں اور منٹ منٹ پر ہنسی کے مارے لوٹ پوٹ ہوئی جاتی تھیں۔ اب ایک بات ہو تو بتلائی جائے۔ دسیوں تھیں۔ مثلاً موٹی مصرانی کی چال ہی دیکھ لو۔ اور اوپر سے کنور زنجن داس صاحب خانہ کی اسٹیٹ کے منجر صاحب لالہ کنیش مہاشے بار بار ڈیوڑھی میں آن کر لکارتے ”اجی پردہ کر لو کھار اندر آرہے ہیں۔“ تو ان کے حلق میں سے ایسی آواز نکلتی جیسے ہارمونیم کے پردوں کو برساتی ہوا مار گئی ہو۔

اب کے سے جب ماما لکھنؤ سے گھر آئے تو حکیم نے دعوت کی ساری داستان ان کے گوش گزار کر دی۔ کنول کماری ایسی۔ اور کنول کماری دہلی۔ ماما چپکے بیٹھے سنتے رہے۔

(3)

حکیم جب رات کا کھانا کھا کر سونے چلی گئی اور سارے گھر میں خاموشی چھا گئی تو ڈاکٹر آفتاب رائے جھٹ کی منڈیر پر آکھڑے ہو گئے۔ باغ اب سنسان پڑے تھے۔ گرمیوں کا موسم اب لگا جا رہا تھا اور گلابی جاڑے شروع ہو گئے تھے۔ پروائی ہوا آہستہ آہستہ بہہ رہی تھی۔ نیچے ٹھکانا والی بکیا والی گلی کے برابر مسلمانوں کا محلہ شروع ہوتا تھا اس کے بعد بازار تھا۔ جس میں مدہم گیس اور لائٹیں کی روشنیاں جھللا رہی تھیں پھر پولیس لائنز کے میدان تھے۔ اس کے بعد کچہری اور سول لائنز۔

سول لائنز میں حاکم ضلع کی کوشی تھی جس میں یونین جیک جھٹ پنے کی نیم تاریکی میں بڑے سکون سے لہرا رہا تھا۔ سارے میں تھکی ہوئی خاموشی چھائی تھی۔ سامنے سلطان حسین شرقی کے زمانے کے اونچے چھانک اور مسجدوں کے بلند مینار رات کے آسمان کے نیچے پانچ سو سال سے اسی طرح ساکت اور صامت کھڑے تھے۔ زندگی میں بے گلی تھی۔ اداہی اور ذلت تھی اور شدید غلامی کا احساس تھا۔

عزیز بھگت رائے نے یوں ہی سوچا تھا کہ اب وہ اور کچھ نہ کریں گے۔ لیکن دنیا

आज़ादी के बाद उर्दू अफ़साना

जबर्दस्ती पर वह भी दावत में आ गई थीं। कलक्टर की बीवी से मिलने के लिए अमायदीने शहर की बीवियों ने क्या क्या जोड़े न पहने थे लेकिन जब खुद कंवल कुमारी को देखा तो पता चला कि यह तो पूरी मेम है। ग़ज़ब खुदा का हाथों में चूड़ियों तक न थीं। नाक की कील गई तो चूल्हे भाड़ में हलके नीले रंग की साड़ी गाव तकिये से ज़रा हट कर बैठी वह सब से मुस्कुरा मुस्कुरा कर बातें करती रही।

“ऐ लो बेटा तुमने सुहाग की निशानी ही को झाड़ू पीटे फ़ैशन की भेंट कर दिया” सदरे आला की बेगम ने नाक पर उंगली रख कर उससे कहा।

“ऐ हां सच तो है, क्या डंडा ऐसे हाथ लिये बैठी हो, दोपरपार छाएं फ़ूएं देखे ही से हील आता है!” बेगम काज़मी ने भी साद किया।

खेम की तो बहर हाल, आज ईद थी। उसने तेज़ ज़ामनी रंग की बनारसी साड़ी बांधी थी। पांव में राम झूल पहने थे। सोने की करधनी और दूसरे सारे गहने पाते अलाहदा कुंदन का छपका तो— किश्वरी भी पहन आई थी। लेकिन किश्वरी की अम्मा (जो महले में बड़ी भावज के नाम याद की जाती थीं) बिन ब्याही लड़कियों के ज़्यादा सिंगार पटार की क़तई क़ायल न थीं। उन के यहां तो लड़कियां बालियां मांग तक बालों में न काढ़ सकती थीं। पर अब ज़माने की हवा के ज़ेरे असर नई पौद की लड़कियों ने सीधी और आड़ी मार्गे काढ़नी शुरू कर दी थीं। खेम दूर से बैठी कंवल कुमारी को देखती रही— कितनी सुन्दर है और फिर एम-ए पास लड़की खेम और किश्वरी की नज़रों में बिल्कुल देवी देवता का दरजा रखती थी।

दालान के गमलों की ओट में खेम और किश्वरी बैठी थीं और मिनट मिनट पर हंसी के मारे लोट पोट हुई जाती थीं। अब एक बात हो तो बतलाई जाये, दसियों थीं, मसलन मोटी मिस रानी की चाल ही देख लो, और उमर से कुवंर निरंजन दास साहबे ख़ाना की स्टेट के मैनेजर साहब लाला गणेश महाशै बारबार इयोढ़ी में आन कर ललकारते “अजी पर्दा कर लो, कहार अंदर आ रहे हैं”। तो उनके हलक़ में से ऐसी आवाज़ निकलती जैसे हारमुनियम के पर्दों को बरसाती हवा मार गई हो।

अब के से जब मामा लखनऊ से घर आए तो खेम ने दावत की सारी दास्तान उनके गोशगुज़ार कर दी। कंवल कुमारी ऐसी। और कंवल कुमारी वैसी।

موجود تھی۔ وہ کام بھی کرتے، کھانا بھی کھاتے، سال میں چار دفعہ جون پور آ کر جی جی سے دماغ سوزی بھی کرتے۔ زعمی کے بھاری پن کے باوجود گاڑی تھی کہ چلی جا رہی تھی۔

کنول کماری اس منظر کے پرے، مولسری کے جھنڈے کے دوسری طرف یونین جیک کے سائے میں برا جیتی تھی۔ بہت سے لوگ ہیں کہ جو راستہ سوچا اختیار کر لیا آرام سے اس پر چلتے چلے گئے۔ یہاں کسی رائے کا تعین ہی نہ ہو پاتا تھا۔ ایک کے بعد ایک سب ادھر ادھر نکل گئے تھے۔ آفتاب رائے وہیں کے وہیں تھے۔

کنول کماری؟ لاجول ولاقوۃ

جب وہ یونیورسٹی سے ڈاکٹریٹ کے لیے ولایت جا رہے تھے تو کنول نے ان سے کہا تھا۔ ”آفتاب بھادر، تم کو اپنے اوپر بڑا مان ہے پر وہ مان ایک روز ٹوٹ جائے گا۔ جب میں بھی کہیں چلی جاؤں گی۔“

”تم کہاں چلی جاؤ گی؟“

”افوہ۔ لڑکیاں کہاں چلی جاتی ہیں۔؟“

”گویا تمہارا مطلب ہے کہ تم بیاہ کر لو گی۔“

”میں خود تھوڑا ہی بیاہ کرتی پھر دوں گی۔ ارے عقلمند اس۔ میرا بیاہ کر دیا جائے گا۔“

اس نے جھنجھلا کر جواب دیا تھا۔

”ارے جاؤ۔“ آفتاب رائے خوب ہنسے تھے۔ ”میں اس جھانے میں آنے والا نہیں ہوں۔ تم لڑکیوں کی پسند بھی کیا شے ہے۔ تم جیسی موڈرن لڑکیاں آخر میں پسند اسی کو کرتی ہیں جو ان کے سماجی اور معاشی معیار پر پورا اترتا ہے۔ باقی سب بکواس ہے۔ پسند اضافی چیز ہے تمہارے لیے۔“

”ہاں۔ بالکل اضافی چیز ہے۔ آفتاب بھادر۔“ وہ غصے کے مارے بالکل خاموش ہو گئی تھی۔

وہ چاند باغ میں تھی۔ آپ شاہ باغ میں بڑی دھوم دھام سے براجے تھے، یونین کی پرینڈینٹی کرتے تھے۔ تقریریں بکھارتے تھے۔ ایک منٹ نچلے نہ بیٹھتے تاکہ کنول نوٹس نہ بھی لیتی ہو تو لے۔ وہ اے۔ پی۔ سین روڈ پر رہتی تھی اور سائیکل پر روز چاند باغ آیا کرتی

मामा चुपके बैठे सुनते रहे।

(3)

खेम जब रात का खाना खाकर सोने चली गई और सारे घर में खामोशी छा गई तो डाक्टर आफ़ताब राय छत की मुंडेर पर आ खड़े हो गये। बाग़ अब सुनसान पड़े थे। गर्मियों का मौसम अब निकलता जा रहा था और गुलाबी जाड़े शुरू हो गये थे। पुरवाई हवा आहिस्ता आहिस्ता बह रही थी। नीचे दुकरायन वाली बगिया वाली गली के बराबर मुसलमानों का मुहल्ला शुरू होता था उसके बाद बाज़ार था जिस में मन्दम गैस और लालटेन की रौशनियां झिलमिला रही थीं फिर पुलिस लाइज़ के मैदान थे, उसके बाद कचहरी और सिविल लाइज़।

सिविल लाइज़ में हाकिमे ज़िले की कोठी थी जिसमें यूनियन जैक झटपटे की नीम⁽¹⁾ तारीकी में बड़े सुकून से लहरा रहा था। सारे में धकी हुई खामोशी छाई थी। सामने सुलतान हुसैन शर्की के ज़माने के ऊंचे फ़ाटक और मस्जिदों के बुलंद मीनार रात के आसमान के नीचे पांच सौ साल से इसी तरह साकित⁽²⁾ और सामित⁽³⁾ खड़े थे। ज़िन्दगी में बेकली थी। उदासी और ज़िल्लत थी और शदीद गुलामी का एहसास था।

उमर भर आफ़ताब राय ने यूं ही सोचा था कि अब वह और कुछ न करेंगे। लेकिन दुनिया मौजूद थी। वह काम भी करते खाना भी खाते। साल में चार दफ़र जौनपुर आकर जी जी से दिमाग़सोजी भी करते। ज़िन्दगी के भारी पन के बावजूद गाढ़ी थी कि चली जा रही थी।

कंवल कुमारी इस मंज़र के परे, मोलसरी के झुंड के दूसरी तरफ़ यूनियन जैक के साये में बिराजती थी। बहुत से लोग हैं कि जो रास्ता सोचा इस्तियार कर लिया। आराम से उस पर चलते चले गये। यहां किसी राय का तअय्युन ही न हो पाता था, एक के बाद एक सब इधर उधर निकल गये थे, आफ़ताब राय वहीं के वहीं थे।

कंवल कुमारी— ? ला हौल विला क़ुवत।

जब वह यूनिवर्सिटी से डाक्ट्रेट के लिये विलायत जा रहे थे तो कंवल ने उनसे कहा था “आफ़ताब बहादुर, तुमको अपने ऊपर बड़ा मान है पर वह मान एक रोज़ टूट जायेगा। जब मैं भी कहीं चली जाऊंगी”।

1. अर्थ 2. मौन 3. बिना हिले झुले

تھی۔ لکھنؤ کی بڑی نمائش ہوئی تو وہ بھی اپنے کنبے کے ساتھ میڈک کانفرنس میں گئی۔ وہاں یونیورسٹی والوں نے سہگل کو اپنے محاصرے میں لے رکھا تھا۔ جس گانے کی یونیورسٹی اور چاند باغ کا مجمع فرمائش کرتا، وہی سہگل کو بار بار گانا پڑتا۔ بھائی آفتاب بھی شور مچانے میں پیش پیش تھے لیکن اگلی صف میں کنول کو بیٹھا دیکھ کر فوراً سٹ پٹا کر چپ ہو گئے اور سنجیدگی سے دوستوں سے بولے کہ یار چھوڑو کیا ہلچا رکھا ہے۔ اس پر عزت نے عسکری بلکرامی سے کہا (آج ان دونوں پیارے دوستوں کو مرے بھی اتنا عرصہ ہو گیا ہے، مندر پر کھڑے ہوئے آفتاب رائے کو خیال آیا)

”استاد یہ اپنا آفتاب جو ہے یہ اس لوٹیا پر اچھا امپریشن ڈالنے کی فکر میں غلطیاں دیکھا ہے۔ اب خداوند تعالیٰ ہی اس پر رحم کرے۔“

”بی اے کے بعد تم کیا کرو گی؟“ ایک روز آفتاب رائے نے کنول سے سوال کیا۔
 ”مجھے کچھ پتہ نہیں۔“ کنول نے کہا تھا۔ اس میں گویا یہ اشارہ تھا کہ مجھے تو کچھ پتہ نہیں تم ہی کوئی پروگرام بناؤ۔

لیکن کچھ عرصے بعد وہ سیدھے سیدھے ولایت نکل گئے۔ کیونکہ غالباً ان کی زندگی ان کے لیے ان کے گھر والوں کیلئے، کنول کے وجود سے کہیں زیادہ اہم تھی۔ پھر ان کی آئیڈیالوجی تھی (یا رکھیا بکواس لگا رکھی ہے عزت نے ڈپٹ کر کہا تھا)
 پر ایک روز لندن میں، جب وہ سینٹ ہاؤس کی لائبریری سے گھر کی طرف جا رہے تھے تو راہ میں انھیں مہی پال نظر آیا۔ جس نے دور سے آواز لگائی۔

”چائے پیتے چلو تو ایک واقعہ فلیجہ گوش گزار کر دوں۔ کنول کماری کا جگن ناتھ جین سے بیاہ ہو گیا وہی جو سن پینس کے بیچ کا ہے۔“

لڑکیوں کی عجیب بے ہودہ قوم ہے۔ اس روز آفتاب رائے اس نتیجے پر پہنچے۔ ”ان کو سمجھنا ہمارے تمہارے بس کا روگ نہیں۔ میاں جو بڑی اعلیٰ کچھ نیل کی ساس بنی بھرتی تھی ہو گئی ہوگی۔ اب گلیڈ گلیڈ۔ جگن ناتھ جین مائی فٹ۔ کون تھا یہ انو میں نے کبھی دیکھا ہے؟“ مہی پال کے کمرے میں پہنچ کر آتش دان سلگاتے ہوئے انہوں نے سوال کیا۔
 مہی پال رائے زادہ کھڑکی میں جمکا باہر سڑک کو دیکھ رہا تھا۔ جہاں ٹھیلے والے کئی

आजादी के बाद उर्दू अफसाना

“तुम कहां चली जाओगी ?”

“ओफ़्रेह — लड़कियां कहां चली जाती हैं — ?”

“गोया तुम्हारा मतलब है कि तुम ब्याह कर लोगी”।

“मैं खुद थोड़ा ही ब्याह करती फिर्लंगी, अरे अक़लमंद दास मेरा ब्याह कर दिया जायेगा” उसने झुंझलाकर जवाब दिया था।

“अरे जाओ— ” आफ़ताब राय खूब हंसे थे— “मैं इस झांसे में आने वाला नहीं हूं। तुम लड़कियों की पसंद भी क्या शै है, तुम जैसी मोर्डन लड़कियां आखिर में पसंद उसी को करती है जो उनके समाजी और मुआशी⁽¹⁾ मेयार पर पूरा उतरता है। बाकी सब बकवास है। पसंद इज़ाफ़ी⁽²⁾ चीज़ है तुम्हारे लिये।

“हां— बिलकुल इज़ाफ़ी चीज़ है आफ़ताब बहादुर— ” वह गुस्से के मारे बिलकुल ख़ामोश हो गई थी।

वह चांद बाग़ में थी। आप शाह बाग़ में बड़ी धूम धाम से बिराजते थे, यूनिशन की प्रीजेडेंटी करते थे। तक़रीरें बघारते थे। एक मिनट निचले न बैठते ताकि कंवल नोटिस न भी लेती हो तो ले। वह ए-पी सेन रोड पर रहती थी और साईकिल पर रोज़ चांद बाग़ आया करती थी। लखनऊ की बड़ी नुमाइश हुई तो वह भी अपने कुंबे के साथ म्यूज़िक कांफ़्रेंस में गई। वहां युनिवर्सिटी वालों ने सहगल को अपने मुहासरे में ले रखा था, जिस गाने की युनिवर्सिटी और चांद बाग़ का मजमा फ़रमाइश करता, वही सहगल को बार बार गाना पड़ता। भाई आफ़ताब भी शोर मचाने में पेश पेश लेकिन अगली सफ़ कंवल को बैठ देखकर फ़ौरन सिटपिटा कर चुप हो गये और संजीदगी से दोस्तों से बोले कि यार छोड़ो क्या हुल्लड़ मचा रखा है, इस पर इज्जत ने अस्करी बिलगरामी से कहा (आज इन दोनों प्यारे दोस्तों को मरे भी इतना अर्सा हो गया है, मुंडेर पर खड़े हुये आफ़ताब राय को ख़याल आया)

“उस्ताद यह अपना आफ़ताब जो है यह उस लौंडिया पर अच्छा इम्प्रेशन डालने की फ़िर्क में गुलतां व पेचां है। अब खुदावन्द ताला ही इस पर रहम करे”।

“बी. ए. के बाद तुम क्या करोगी ?” एक रोज़ आफ़ताब राय ने कंवल से सवाल किया।

“मुझे कुछ पता नहीं—” कंवल ने कहा था। उसमें गोया यह इशारा था कि

دن گلا پھاڑ کر چلا تے رہنے کے بعد اب اپنے اپنے ترکاریوں کے ٹیلے گھینٹے ہوئے سر جھکائے آہستہ آہستہ چل رہے تھے۔ شام کا دھندلا سارے میں بکھر گیا تھا۔ زندگی بہت اداس ہے اس نے خیال کیا تھا۔ اس نے آفتاب رائے سے کہا تھا ”میں نے اسے پٹنے میں دیکھا تھا۔ کالا سا آدمی ہے ٹیک لگاتا ہے کچھ کچھ لومڑی سے ملتی جلتی اس کی شکل ہے۔“

”بے وقوف بھی ہے۔؟“ آفتاب رائے نے پوچھا تھا۔

”خاصا بے وقوف ہے“ مہی پال رائے زادہ نے جواب دیا تھا۔

”پھر کنول اس کے ساتھ کیسے خوش رہ سکے گی؟“ آفتاب رائے نے مہی پال سے

مطالبہ کیا۔

”میاں آفتاب بہادر.....“ مہی پال نے مڑ کر ان کو مخاطب کیا۔ ”یہ جتنی لڑکیاں

ہیں۔ جو افلاطون زماں بنی پھرتی ہیں۔ یہ بیوقوفوں کے ساتھ ہی خوش رہتی ہیں۔ آیا عقل

میں تمھاری؟“

”کیا بکواس ہے؟“ آفتاب رائے نے بڑی آزردگی سے کہا۔

اب مہی پال رائے زادہ کو صریحاً غصہ آ گیا۔ اس نے جھنجھلا کر کہا تھا۔ تو میاں تم کو روکا کس نے تھا۔ اس سے بیاہ کرنے کو۔ جواب مجھے بور کر رہے ہو۔ کیا وہ تم سے خود آ کر کہتی کہ میاں آفتاب بہادر، میں تم سے بیاہ کرنا چاہتی ہوں۔ ایں؟ اور فرض کرو اگر وہ خود سے ہی انکار کر دیتی تو کیا قیامت آ جاتی، میاں لڑکی تھی یا ہوا۔ کیا مارتی وہ تم کو جھاڑو لے کر۔ کیا کرتی؟ تم نے لیکن کہہ کے ہی نہیں دیکھا۔ خیر چلو۔ خیریت گزر گئی۔ اچھا ہی ہوا۔ کہاں کا جھگڑا مول لیتے بے کار میں۔ کیوں کہ میرا مقولہ ہے (اسے انگلی اٹھا کر عالمانہ انداز میں کہا) کہ شادی کے ایک سال بعد سب شادیاں ایک سی ہو جاتی ہیں۔ تم کو جتن ناتھ جین کا شکر گزار ہونا چاہیے کہ اس نے تم کو ایک بار عظیم سے سبکدوش کیا۔ بلکہ وہ تمھارے حق میں بالکل دافع ہلایات ثابت ہوا۔“

”بے ہودہ ہیں آپ انتہا سے زیادہ۔“ آفتاب رائے نے جھنجھلا کر کہا تھا۔ لکھنؤ

لوٹ کر ایک روز آفتاب رائے اتفاقاً اے۔ پی۔ سین روڈ پر سے گزرے۔ سامنے کنول

کے باپ کی سرخ رنگ کی بڑی سی کوشی تھی جس کی برساتی پر کاسی پھولوں کی نیل پھیلی

تھی۔ جہاں ایک زمانے میں کتنا ادم چتا تھا۔ کنول سارے بہن بھائیوں نے مل کر اپنا آ

आजादी के बाद उर्दू अफ़साना

मुझे तो कुछ पता नहीं तुम ही कोई प्रोग्राम बनाओ।

लेकिन कुछ अर्से⁽¹⁾ बाद वह सीधे सीधे विलायत निकल गए क्योंकि ग़लेबन उनकी ज़िन्दगी उन के लिए, उनके घर वालों के लिए, कंवल के वजूद से कहीं ज्यादा अहम थी। फिर उनकी आइडियालोजी थी (यार क्या बकवास लगा रखी है। इज़्ज़त ने डपट कर कहा था।)

पर एक रोज़ लंदन में, जब वह सिनेट हाउस की लाइब्रेरी से घर की तरफ़ जा रहे थे तो राह में उन्हें मही पाल नज़र आया जिसने दूर से आवाज़ लगाई—

“चाय पीते चलो तो एक वाक़या फ़ज़ेआ गोश गुज़ार करूँ। कंवल कुमारी का जगन्नाथ जैन से ब्याह हो गया वही जो सन पैन्तीस के बीच का है—”

लड़कियों की अजीब बेहूदा कौम है। उस रोज़ आफ़ताब राय इस नतीजे पर पहुंचे। “उनको समझना हमारे तुम्हारे बस का रोग नहीं। मियां जो बड़ी इन्टलेक्चुएल की सास बनी फिरती थी हो गई होगी अब ग्लेड ग्लेड—। जगन्नाथ जैन माई फुट—कौन था यह उल्लू। मैंने कभी देखा है—?” मही पाल के कमरे में पहुंचकर आतिश दान सुलगाते हुए उन्होंने सवाल किया।

मही पाल रायज़ादा खिड़की में झुका बाहर सड़क को देख रहा था। जहां ठेले वाले कई दिन गला फ़ड़ कर चिल्लाते रहने के बाद अब अपने अपने तरकारियों के ठेले घसीटते हुए सर झुकाए आहिस्ता आहिस्ता चल रहे थे। शाम का धुंधलका सारे में बिखर गया था। ज़िन्दगी बहुत उदास है उसने ख़याल किया था। हां उसने आफ़ताब राय से कहा था “मैंने उसे पटने में देखा था। काला सा आदमी है। ऐनक लगाता है। कुछ कुछ लोमड़ी से मिलती जुलती उसकी शकल है—”

“बेवकूफ़ भी है?” आफ़ताब राय ने पूछा था।

“खासा बेवकूफ़ है—” महीपाल रायज़ादा ने जवाब दिया था।

“—फिर कंवल उस के साथ कैसे खुश रह सकेगी?” आफ़ताब राय ने महीपाल से मुतालबा किया।

“मियां आफ़ताब बहादुर.....” महीपाल ने मुड़कर उनको मुख़ातिब किया। “यह जितनी लड़कियां हैं जो अफ़लातून ज़माना बनी फिरती हैं। यह बेवकूफ़ों के साथ ही खुश रहती हैं आया अक़ल में तुम्हारी?”

کیسٹرا بنا رکھا تھا۔ کوئی بانسری بجاتا۔ کوئی جل ترمک۔ کنول طبلہ بجاتی۔ ایک بھائی والکن کا استاد تھا۔ سب مل کر بے جے وقتی شروع کر دیتے۔ مورے مندر اب لوں نہیں آئے۔ کیسی چوک بھی موسے آئی۔ پھر ارچنا، نرجی آجانی اور کنول ایسی آواز میں گاتی۔ آلی پو ہوری جھورنا ٹکر ٹکر ہوئے ہو۔ اتوار کو دن بھر بیڈ منٹن ہوتا۔ ہر سے تو آفتاب رائے ان لوگوں کے یہاں موجود رہتے تھے۔ اور جب ایک روز خود ہی چپکے سے ولایت کھسک لیے تو ان لوگوں کا کیا قصور۔ وہ لڑکی کو بنک کے سیف ڈپازٹ میں تو ان کے خیال سے رکھنے سے رہے اور جگن ناتھ ایسا رشتہ تو بھائی قسمت والوں ہی کو ملتا ہے۔

پھر ایک روز امین آباد میں انھوں نے دیکھا۔ وہ کار سے اتر کر اپنی سرال والوں کے ساتھ پارک کے مندر کی طرف جا رہی تھی۔ اور سرخ ساڑی میں ملبوس تھی اور آلتا اس کے پیروں میں (آلی ری سائیں کے مندر دیا بار آؤں کر آؤں سولہ شرنگار۔ وہ گرمیوں کی شام تھی۔ امین آباد جگمگا رہا تھا۔ ہوا میں موتیا اور خس کی مہک تھی اور مندر کا گھنٹہ یکسانیت سے بجے جا رہا تھا۔)

اب آفتاب رائے یونیورسٹی میں تاریخ کی چیئر سنبھالے ہوئے تھے ساتھیوں کی محفل میں خوب اودھم مچاتے ٹینس کھیلتے اور صوفی ازم کی تاریخ پر ایک مقالہ لکھ رہے تھے۔ میں وہ نہیں ہوں جو میں ہوں۔ میں وہ ہوں جو میں نہیں ہوں۔ ہر چیز اور باقی ساری چیزیں ہیں۔ بھگوان کرشن جب ارجن سے کہتے ہیں۔ اوہ پرنس ارجن..... ”ارے جا.....“ عسکری ڈانٹ بتاتا اگر تم اس چکر میں ہو کہ تم بھی پروفیسر ڈی۔ پی مکر جی کی طرح گرد بن کے بیٹھ جاؤ گے تو تم غلطی پر ہو ڈاکٹر آفتاب رائے تمہارا تو ہم مارتے مارتے حلیہ ٹھیک کر دیں گے۔“ مہی پال اضافہ کرتا

جون پور آکر وہ کھیم کو دیکھتے کہ تندہی سے کچالو کھا رہی ہے۔ کھسک سیکھ رہی ہے جل بھرنے چلی ری گویاں آں آں گاتی پھر رہی ہے۔ یہ بھی کنول کماری کی قوم سے ہے۔ ”اری او ہاؤلی..... بتا تو کیا کرنے والی ہے“ وہ سوال کرتے.....

”پتہ نہیں مانا“ وہ معصومیت سے جواب دیتی۔

پتہ نہیں کی بچی..... وہ دل میں کہتے۔

आजादी के बाद उर्दू अफ़साना

“क्या बकवास है ?” आफ़ताब राय ने बड़ी आसुर्दगी से कहा।”

अब महीपाल रायजादा को सरीहन⁽¹⁾ गुस्सा आ गया। उस ने झुंझला कर कहा था “तो मियां तुम को रोका किसने था। उस से ब्याह कर ने को। जो अब मुझे बोर कर रहो हो। क्या वह तुम से खुद आकर कहती कि मियां आफ़ताब बहादुर, मैं तुम से ब्याह करना चाहती हूं। ऐं ? और फ़र्ज करो अगर वह खुद से ही इन्कार कर देती तो क्या क्रयामत आ जाती। मियां लड़की थी, या हव्वा। क्या मारती वह तुम को झाड़ू लेकर—क्या करती—तुम ने लेकिन कह के ही नहीं देखा। खैर चलो—खैरियत गुज़र गई। अच्छा ही हुआ। कहां का झगड़ा मोल लेते बेकार में। क्यों कि मेरा मक़ूला⁽²⁾ है (उस ने उँगली उठ कर आलिमाना अन्दाज़ में कहा) कि शादी के एक साल बाद सब शादियां एक सी हो जाती हैं—तुम को जगन्नाथ जैन का शुक्रगुज़ार होना चाहिए कि उस ने तुम को एक बारे अजीम से सुबुकदोश किया। बल्कि वह तुम्हारे हक में बिल्कुल दाफ़े-बल्लियात⁽³⁾ साबित हुआ”।

“बेहूदा हैं आप इन्तेहा से ज़्यादा—” आफ़ताब राय ने झुंझला कर कहा था।

लखनऊ लौट कर एक रोज़ आफ़ताब राय इत्तेफ़ाक़न ए-पी- सेन रोड पर से गुज़रे। सामने कंवल के बाप की सुर्ख रंग की बड़ी सी कोठी थी। जिस की बरसाती पर कासनी फूलों की बेल फैली थी। यहां एक ज़माने में कितना ऊधम मचता था। कंवल सारे बहिन भाइयों ने मिल कर अपना आरकेस्ट्रा बना रखा था। कोई बांसुरी बजाता। कोई जलतरंग। कंवल तबला बजाती। एक भाई वायलन का उस्ताद था। सब मिलकर जय-जय वंती शुरू कर देते। मोरे मंदिर अब लूं नहीं आए - कैसी चूक भई मोसे आली - फिर अर्चना बनर्जी आ जाती और कोयल ऐसी आवाज़ में गाती- आई पौ होरीं झोरना मुकर मुकर बौ जौ ए हो, इतवार को दिन भर बैडमिंटन होता। हर समय तो आफ़ताब राय उन लोगों के यहां मौजूद रहते थे, और जब एक रोज़ खुद ही चुपके से विलायत खिसक लिये तो उन लोगों का क्या हुसूर, वह लड़की को बैंक के सेफ़ डिपॉज़िट में तो उनके ख़याल से रखने से रहे और जगन्नाथ ऐसा रिश्ता तो भाई किस्मत वालों ही को मिलता है।

آزادی کے بعد اردو افسانہ

چھت کی منڈیر پر ٹھٹھٹے ٹھٹھٹے آفتاب رائے نیم کی ڈالیوں کے نیچے آگئے۔ سامنے بہت دور، سول لائنز کے درختوں میں چھپی ہوئی حاکم ضلع کی کوشی میں گیس کی روشنیاں جھللا رہی تھیں۔ پروائی ہوا بے جا رہی تھی۔ یہ چاند رات تھی اور مسلمانوں کے غلوں کی طرف محرم کے تقارون کی آوازیں بلند ہونا شروع ہو گئی تھیں۔

محرم آگیا..... آفتاب رائے کو خیال آیا..... شاید اب کے سے پھر سر پھنول ہو۔ بہت دنوں سے نہیں ہوئی تھی۔ انہوں نے سوچا۔

ویسے انگریز کی پالیسی یہ تھی کہ جن ضلعوں میں مسلمانوں کی اکثریت تھی وہاں ہندو افسروں کو تعینات کیا جاتا تھا اور جہاں ہندو زیادہ ہوتے تھے، وہاں مسلمان حاکموں کو بھیجا جاتا تھا۔ تاکہ توازن قائم رہے۔ یہ دوسری بات تھی کہ صوبے کی چھ کروڑ آبادی کا صرف ۱۳ فی صدی حصہ مسلمان تھے لیکن اتنی شدید اقلیت میں ہونے کے باوجود تہذیبی اور سماجی طور پر مسلمان ہی سارے صوبے پر چھائے ہوئے تھے۔ جون پور، لکھنؤ، آگرہ، علی گڑھ، بریلی، مراد آباد، شاہ جہاں پور وغیرہ جیسے ضلعوں میں تو مسلمانوں کی دھاک بیٹھی ہوئی تھی اور باقی کے سارے ضلعوں میں بھی ان کا بول بالا تھا۔ صوبے کی تہذیب سے مراد وہ کلچر تھا جس پر مسلمان کا رنگ غالب تھا۔ گلی گلی، محلے محلے، گھاؤں گھاؤں، سیکڑوں ہزاروں مسجدیں اور امام باڑے تھے۔ کتب، مدرے، درگاہیں، قلعے، حویلیاں چپے چپے سے مسلمانوں کی آٹھ سو سال پرانی روایات وابستہ تھیں۔

ہندو مسلمانوں میں سماجی سطح پر کوئی فرق نہ تھا۔ خصوصاً دیہاتوں اور قصبہ جات میں عورتیں زیادہ تر ساڑیاں اور ڈھیلے پاجامے پہنتیں۔ اودھ کے بہت سے پرانے خاندانوں کی بیگمات اب تک لہنگے بھی پہنتیں۔ بن بیانی لڑکیاں ہندو اور مسلمان دونوں ساری کے بجائے کمرے پانچوں کا پانچامہ پہنتیں۔ ہندوؤں کے یہاں اسے ”اجاز“ کہا جاتا۔ مشغلوں کی تقسیم بڑی دل چسپ تھی۔ پولیس کا عملہ اتنی فیصدی مسلمان تھا۔ محکمہ تعلیم میں ان کی اتنی ہی کمی تھی۔ تجارت تو خیر کبھی مسلمان بھائی نے ڈھنگ سے کرنے نہ دی تھی۔ چند پیشے مگر خاص مسلمانوں کے تھے جن کے دم سے صوبے کی مشہور صنعتیں قائم تھیں۔ لیکن خدا کے فضل و کرم سے کچھ ایسا مضبوط نظام تھا کہ سارا منافع تو بازار تک پہنچاتے

आजादी के बाद उर्दू अफ़साना

फिर एक रोज़ अमीनाबाद में उन्होंने देखा, वह कार से उतर कर अपनी ससुराल वालों के साथ पार्क के मंदिर की तरफ़ जा रही थी और सुर्ख़ साड़ी में मलबूस थी और आलता उस के पैरों में (आली री साई के मंदिर दीया बार आऊँ, कर आऊँ सोलह सिंगार। वह गर्मियों की शाम थी। अमीनाबाद जगमगा रहा था, हवा में मोतिया और खस की महक थी और मंदिर का बंट यक़सानियत⁽¹⁾ से बजे जा रहा था।)

अब आफ़ताब राय यूनिवर्सिटी में तारीख़ की चेयर संभाले हुये थे। साथियों की महफ़िल में खूब ऊँधम मचाते टेनिस खेलते और सूफ़ी इज़्म की तारीख़ पर एक मक़ाला लिख रहे थे, मैं वह नहीं हूँ जो मैं हूँ। मैं वह हूँ जो मैं नहीं हूँ। हर चीज़ और बाकी सारी चीज़ें हैं। भगवान कृष्ण जब अर्जुन से कहते हैं - ओ प्रिंस अर्जुन - "अरे जा-" अस्करी डांट बताता अगर तुम इस चक्कर में हो कि तुम भी प्रोफ़ेसर डी. पी. मुक़र्जी की तरह गुरु बन के बैठ जाओ तो तुम ग़लती पर हो डाक्टर आफ़ताब राय। तुम्हारा तो हम मारते मारते हुलिया ठीक कर देंगे" महिपाल इज़ाफ़ा⁽²⁾ करता

जौनपुर आकर वह खेम को देखते कि तन दही से कचालू खा रही है। कत्थक सीख रही है। जल भरने चली री गवईयां आं आं गाती फिर रही है। यह भी कंवल कुमारी की कौम से है।

"अरी ओ बावली- बता तू क्या करने वाली है—" वह सवाल करते।

"पता नहीं मामा- " वह मासूमियत से जवाब देती।

पता नहीं की बच्ची— वह दिल में कहते।

छत की मुंडेर पर टहलते टहलते आफ़ताब राय नीम की छालियों के नीचे आ गये। सामने बहुत दूर, सिविल लाईज़ के दरख़्तों में छुपी हुई हाकिमे ज़िला की कोठे में गैस की रीशनियां झिलमिल रही थीं। पुरवाई हवा बहे जा रही थी। यह चांद रात थी और मुसलमानों के मुहल्लों की तरफ़ मुहर्रम के नक्क़ारों की आवाज़ें बुलंद होना शुरू हो गई थीं।

मुहर्रम आ गया- आफ़ताब राय को ख़याल आया— शायद अब के से फिर सर फुटव्वल हो। बहुत दिनों से नहीं हुई थी। उन्होंने सोचा।

वैसे अंग्रेज़ की पालीसी यह थी कि जिन ज़िलों में मुसलमानों की अकसरियत थी वहां हिंदू अफ़सरों को तैनात किया जाता था और जहां हिंदू ज़्यादा

پہنچاتے ٹڈل میں ہی مارا جاتا تھا۔ اور جو بھائی کے پاس پہنچتا تھا، اس میں قرضے چکانے تھے۔ بیٹا کا جھڑپنا تھا اور ہزاروں قرضے تھے آپ جا رہے۔

زبان اور محاورے ایک ہی تھے۔ مسلمان بچے برسات کی دعا مانگنے کے لیے منہ نیلا نیلا کیے گلی گلی ٹٹن بجاتے پھرتے اور چلاتے برسورام دھڑاکے سے۔ بڑھیا مرگنی فاتے سے، گڑیوں کی بارات نکلتی تو دغیفہ کیا جاتا ہاتھی گھوڑا پاکی بے کنبیالال کی۔ مسلمان پردہ دار عورتیں جنھوں نے ساری عمر کسی ہندو سے بات نہ کی تھی۔ رات کو جب ڈھولک لے کر ٹٹتیں تو لہک لہک الاپتیں۔ پھر مگر موری دھڑکا کی شام کرشن کنبیال کے اس تصور سے ان لوگوں کے اسلام پر کوئی حرف نہ آتا تھا۔ یہ گیت اور کجریاں اور خیال، یہ محاورے، یہ زبان، ان سب کی بڑی پیاری اور دلا آویز مشترکہ میراث تھی۔ یہ معاشرہ جس کا دائرہ مرزا پور اور جون پور سے لے کر لکھنؤ اور دہلی تک پھیلا ہوا تھا، ایک مکمل اور واضح تصویر تھا۔ جس میں آٹھ سو سال کے تہذیبی ارتقاء نے بڑے گہیر اور بڑے خوبصورت رنگ بھرے تھے۔

ڈاکٹر آفتاب رائے نے (کہ ان کا نام ہی اس مشترکہ تمدن کی لطافت کا ایک مظہر تھا) ایک بار سوچا تھا کہ وہ کبھی ایک کتاب لکھیں گے کہ کس طرح چندہویں صدی میں بھگتی تحریک کے ذریعے لیکن ذہن ہی کو مکمل سکون کہاں میسر تھا۔ پہلے یہ کنول کماری کود پڑی۔ پھر انکی معاشی مجبوریاں آڑے آئیں اور ان کو ولایت سے لوٹ کر بتارس میں لکچر رشپ سنبھالنی پڑی۔ جہاں دن رات ہندی اور ہندوستانی کے گن گائے جاتے ہیں یہ میں تم سے کہتا ہوں کہ شدہ ہندی اور گنور کھٹا اور رام راجیہ یہ سب سے بڑا خطرہ ہے اس خطرے سے بچو۔ انھوں نے ایک دفعہ ایک کانفرنس کے پنڈال میں چلا کر کہا تھا۔

آفتاب رائے کے ساتھی مذاق میں انھیں جون پور کا قاضی کہا کرتے تھے۔ ”یہ جو کتاب تم لکھنے والے ہو اس کا نام رکھنا جون پور کا قاضی، عرف میں شہر کے اندھے سے دہلا کیوں ہوا؟“

رات کی ہوا میں خشکی بڑھ چکی تھی۔ نیم کے پتے بڑے پراسرار طریقے سے سائیں

आज़ादी के बाद उर्दू अफ़साना

होते थे, वहां मुसलमान हाकिमों को भेजा जाता था ताकि तवाजुन कायम रहे। यह दूसरी बात थी कि सूबे की छः करोड़ आबादी का सिर्फ़ 12 फ़्रीसदी हिस्सा मुसलमान थे लेकिन इतनी शदीद⁽¹⁾ अकल्लियत⁽²⁾ में होने के बावजूद तहज़ीबी और समाजी तौर पर मुसलमान ही सारे सूबे पर छाप हुए थे। जौनपुर, लखनऊ, आगरा, अलीगढ़, बरेली, मुरादाबाद, शाहजहांपुर वगैरह जैसे ज़िलों में तो मुसलमानों की धाक बैठी हुई थी और बाकी के सारे खिल्लों में भी उनका बोल बाला था। सूबे की तहज़ीब से मुराद वह कल्चर था जिस पर मुसलमानों का रंग ग़ालिब था। गली गली, मुहल्ले, मुहल्ले, गांव गांव, सैकड़ों हज़ारों मस्जिदें और इमाम बाड़े थे। मकतब, मदरसे, दरगाहें, क़िले, हवेलियां चप्पे चप्पे से मुसलमानों की आठ सौ साल पुरानी रिवायात वाबस्ता⁽³⁾ थीं।

हिंदू मुसलमानों में समाजी सतह पर कोई फ़र्क़ न था। खुसूसन देहातों और कस्बाजात में, औरतें ज़्यादातर साड़ियाँ और ढीले पाजामे पहनतीं। अवध के बहुत से पुराने ख़ानदानों की बेगमात अब तक लहंगे भी पहनतीं। बिन ब्याही लड़कियां हिंदू और मुसलमान दोनों साड़ी के बजाये खड़े पाईचों का पायजामा पहनतीं। हिंदुओं के यहां उसे “उज़ार” कहा जाता। मशगलों की तक्सीम बड़ी दिलचस्प थी। पुलिस का अमला अस्सी फ़्रीसदी मुसलमान था। महकमा तालीम में उनकी इतनी ही कमी थी, तिजारत तो ख़ैर कभी मुसलमान भाई ने ढंग से करने न दी थी, चंद पेशे मगर ख़ास मुसलमानों के थे जिनके दम से सूबे की मशहूर सनअतें⁽⁴⁾ कायम थीं। लेकिन खुदा के फ़ज़लोक़रम से कुछ ऐसा मज़बूत निज़ाम था कि सारा मुनाफ़्र तो बाज़ार तक पहुंचाते पहुंचाते मिडिल में ही मारे जाता था और जो भाई के पास बचता था, उसमें कर्ज़ चुकाने थे। बिटिया का जहेज़ बनाना था और हज़ारों किस्से थे आप जानिये।

ज़बान और मुहावरे एक ही थे। मुसलमान बच्चे बरसात की दुआ मांगने के लिये मुंह नीला पीला किये गली गली टीन बजाते फिरते और चिल्लाते—बरसो राम धड़के से—बुढ़िया मर गई फ़ाक़े से। गुड़ियों की बारात निकलती तो वज़ीफ़्र किया जाता—हाथी घोड़ा पालकी—जय कन्हैया लाल की—मुसलमान पर्दादार औरतें जिन्होंने सारी उम्र किसी हिंदू से बात न की थी। रात को जब ढोलक लेकर बैठतीं तो लहक लहक अलापतीं। फिर गगरी मोरी ढरकाई शाम—

آزادی کے بعد اردو افسانہ

سائیں کر رہے تھے۔ ہاں زندگی میں بے پایاں اداسی تھی۔

محلے کے مکانوں میں روشنیاں جھللا رہی تھیں۔ نیچے بڑی بھاؤج کے مکان کے بڑے آئین میں مجلس کے لیے جو گیس کا ہنڈہ نصب کیا گیا تھا، اس کی روشنی رات کے دیرانے میں بڑی لرزہ خیز معلوم ہوتی تھی۔ جیسے مہوے کے جنگل میں اکیلا بھٹال اور مسان چپکے چپکے روتے ہوں

مجلسوں کے گریہ و بکا کی مذہم آوازیں پروائی کے جموں میں رل مل کر وقفے وقفے کے بعد یک لخت بلند ہو جاتی تھیں کز پر کنورز جن داس کے ہاں محرم کی سبیل کے پاس رکھی ہوئی نوبت یکسانیت سے بچے جارہی تھی۔

(4)

”عاشور کی شب لیلیٰ ارے سرہانے شمع رکھ“..... مؤامدن نے نکیہ پر کرم خوردہ کتاب رکھ کر پڑھنا شروع کیا۔

”..... ارے نکھی رہیں چہرہ علی اکبر کا.....“ لیکن نے باریک تیز آواز میں ساتھ دینا شروع کیا۔

”اے لودھوں کی دھوں شہیا گئی ہیں..... اے بیوی چاند رات کو نوئیں تاریخ کے مرے نکال کر بیٹھ گئیں.....!“

بڑی بھاؤج نے باورچی خانے میں سے پکارا۔
 ”توبہ۔ توبہ..... کبخت ایسی ساؤستی پڑی ہے کہ اب تو کچھ بھی یاد نہیں رہتا۔ اے لو میں تو عینک لانا ہی بھول گئی۔ اب مجھے کچھ بھائی تھوڑی دے رہا تھا..... میں نے تو انگل سے پڑھنا شروع کر دیا..... اے بہن..... اے نیازی بیگم..... زری اپنی عینک تو دینا.....“ بوامدن نے طویل سانس بھر کے کہا۔

نیازی بیگم نے اپنی عینک اتار کے دی جو بوامدن نے ناک کی پھنگ پر رکھ کر پھر سے میاض کی ورق گردانی شروع کی۔

आजादी के बाद उर्दू अफसाना

कृष्ण कन्हैया के इस तसव्वुर से उन लोगों के इस्लाम पर कोई हर्ज़ न आता था। यह गीत और कजरियां और ख़याल, यह मुहावरे, यह ज़बान, इन सब की बड़ी प्यारी और दिलआवेज़ मुश्तरका मीरास⁽¹⁾ थी। यह मुआशरा⁽²⁾ जिस का दायरा मिर्ज़ापुर और जौनपुर से लेकर लखनऊ और दिल्ली तक फैला हुआ था, एक मुकम्मल और वाज़ेह⁽³⁾ तस्वीर था। जिसमें आठ सौ साल के तहज़ीबी इरतका⁽⁴⁾ ने बड़े गंभीर और बड़े खूबसूरत रंग भरे थे।

डॉक्टर आफ़ताब राय ने (कि उनका नाम ही इस मुश्तरका तमहुन की लताफ़त का एक मज़हर था) एक बार सोचा था कि वह कभी एक किताब लिखेंगे कि किस तरह पंद्रहवीं सदी में भक्ति तहरीक के ज़रिये—लेकिन ज़ेहन ही को मुकम्मल सुकून कहां मयस्सर⁽⁵⁾ था। पहले यह कंवल कुमारी कूद पड़ी। फिर उन की मआशी मजबूरियां आड़े आईं और उन को विलायत से लौट कर बनारस में लैकचररशिप सम्भालनी पड़ी। जहां दिन रात हिन्दी और हिन्दुस्तानी के गुन गाए जाते—यह मैं तुम से कहता हूँ— कि शुद्ध हिन्दी और गौ रक्षा और राम राज्य यह सब से बड़ा ख़तरा है। इस ख़तरे से बचो। उन्होंने एक दफ़्तर एक कांफ़्रेंस के पन्डाल में चिल्ला कर कहा था—

आफ़ताब राय के साथी मज़ाक में उन्हें जौनपुर का काज़ी कहा करते थे। “यह जो किताब तुम जो लिखने वाले हो उस का नाम रखना— जौनपुर का काज़ी, उर्फ़ मैं शहर के अन्देशे से दुबला क्यों हुआ—?”

रात की हवा में खुन्की बढ़ चुकी थी। नीम के पत्ते बड़े पुर-अस्सार⁽⁶⁾ तरीक़े से सायं सायं कर रहे थे। हां ज़िन्दगी में बे पायां उदासी थी। मुहल्ले के मकानों में रौशनियां झिलमिला रही थीं। नीचे बड़ी भावज के मकान के बड़े आंगन में मजलिस के लिए जो गैस का हन्ड नसब किया गया था, उस की रौशनी रात के वीराने में बड़ी लरज़ा खेज़ मालूम होती थी। जैसे महवे के जंगल में आज भुताल और मसान चुपके चुपके रोते हों।

मजलिसों के गिरया-ओ-बुका की मद्धम आवाज़ें पुरवाई के झोंकों में रिल मिल कर वक़फ़े⁽⁷⁾ वक़फ़े कि बाद यक-लख़्ता⁽⁸⁾ बुलन्द हो जाती थी नुक्कड़ पर कुंवर निरंजनदास के हां मोहरम की सबील के पास रखी हुई नौबत यकसानियत

1. बर्पाती 2. समाज 3. स्पष्ट 4. विकास 5. प्राप्त 6. रहस्यमय
7. थोड़ी थोड़ी देर बाद 8. अचानक

”اے بوا مدن نجم الملت کی بیاض بھی لائی ہو کہ نہیں.....“ بڑی بھاج نے تخت کے پائے کے قریب آکر اطمینان سے بیٹھتے ہوئے دریافت کیا۔

”لڑکیوں سے پوچھیے..... بڑی بھاج..... نجم الملت کے نوے تو یہی لوگ پڑھت ہیں۔“ بکن نے جواب دیا۔

”ہاں بیٹا ہم تو پرانے فیشن کے آدمی ہیں۔ اب تو نوحوں میں بھی نئے راگ رنگ نکلے ہیں.....“ بوا مدن نے قدرے بے نیازی سے اضافہ کیا۔

یہ لڑکیوں پر صفا چوٹ تھی۔ بوا مدن نے لڑکیوں کی نوحہ خوانی کو کبھی بھی اچھی نظروں سے نہ دیکھا۔

کنبے اور محلے کی ساری لڑکیاں دیوار کے سہارے بڑے اسٹائل سے سیاہ جار جٹ کے دوپٹوں سے سر ڈھانپے خاموش بیٹھی تھیں۔ بوا مدن کے اس طعنے کا انھوں نے قطعی نوٹس نہیں لیا۔

”ڈولی اتروالو.....“ باہر سے رام بھروسے کی آواز آئی۔

”پردہ کرلو..... کہار اندر آتے ہیں۔“

فیرنی کی سینی دھم سے گھڑوچی پر ٹکا کر مولہ تیز آواز میں چلائی..... ”جھمو بیگم آگئیں۔“

جھمو بیگم ڈولی میں سے اتریں۔ اور پانچے سمیٹ کے پانی سے لبریز نالی کو اُلا سمجھنے کے ارادہ سے آگے بڑھیں۔

”اللہ رکھے بڑی بھاج کے ہاں تو ہر وقت بس بہیا سی آتی رہتی ہے۔“ انھوں نے ذرا بیزاری سے کہا۔

کبھی مولہ نے یہ سن لیا۔ ”اے جھمو بیگم..... زری زبان سنبھال کے بات کیا کیجیے۔ بڑی بھاج کے دشمنوں کے گھر بہیا آوے۔ شیطان کے کان بہرے۔ ایسا تو میں نے آئمن کا سارا پانی سونتا ہے۔ اپنے ہاں نہیں دیکھتیں ساری گلی کو لے کر نوبت رائے کا حلاؤ بنا رکھا ہے۔ اتنا پانی آپ کے گھر میں کھڑا رہتا ہے۔ ہاں“ اسنے منہ درمنہ جواب دیا۔

”اے بی مولہ..... زری آپے میں رہنا..... میں خود سے نہیں آگئی۔ بڑی بھاج

से बजे जा रही थी।

(4)

“आशूर की शब लैला अरे सिरहाने शमा रख”- बुआमुद्दन ने तकिया पर करम खुर्दा। किताब रख कर पढ़ना शुरू किया।

“—अरे तकती रहिं चेहरा अली अकबर का—” बगन ने बारीक तेज़ आवाज़ में साथ देना शुरू कर दिया।

“ऐ लो दोनो की दोनो सठिया गई हैं—ऐ बीवी चांद रात को नवी तारिख के मरसिये निकाल कर बैठ गई—!”

बड़ी भावज ने बावरची खाने में से पुकारा।

“तौबा तौबा.....कम्बख़्त ऐसी साड़ सत्ती पड़ी है कि अब तो कुछ भी याद नहीं रहता। ऐ लो में तो ऐनक लाना ही भूल गई। अब मुझे कुछ सुझाई थोड़ी दे रहा था — मैं ने तो अटकल से पढ़ना शुरू कर दिया—ऐ बहन—ऐ नियाज़ी बेगम—ज़री अपनी ऐनक तो देना—” बुआ मुद्दन ने तबील⁽¹⁾ सांस भर के कहा।

नियाज़ी बेगम ने अपनी ऐनक उतार के दी जो बुवा मुद्दन ने नाक की फुनंग पर रख कर फिर से बयाज़⁽²⁾ की वर्क-गर्दानी⁽³⁾ शुरू की।

“ऐ बुवा मुद्दन नजमुलमिल्लत की बयाज़ भी लाई हो कि नहीं —?” बड़ी भावज ने तख़्त के पाए के करीब आकर इत्मिनान से बैठते हुए दरयाफ़्त किया।

“लड़कियों से पूछिये — बड़ी भावज— नजमुल मिल्लत के नौहे तो यही लोग पढ़ते हैं” बगन ने जवाब दिया।

“हां बेटा हम तो पुराने फ़ैशन के आदमी हैं। अब तो नौहों में भी नये राग रंग निकले हैं—” बुवा मुद्दन ने कदरे बेनियाज़ी से इज़ाफ़ा किया।

यह लड़कियों पर साफ़ चोट थी। बुवा मुद्दन ने लड़कियों की नौहा-ख़ानी⁽⁴⁾ को कभी भी अच्छी नज़रों से न देखा।

कुंभे और मुहल्ले की सारी लड़कियां दीवार के सहारे बड़े स्टायल से सियाह जारजेट के दोपट्टों से सर ढांपे ख़ामोश बैठी थीं। बुवा मुद्दन के इस ताने का

نے سو دفعہ بلا یا کہ آکر مجلس پڑھ جاؤ..... مجلس پڑھ جاؤ..... میں اپنے گھر سے قالتو نہیں ہوں کہ ماری ماری پھروں اور گلے کی ڈومینوں کی باتیں سنوں۔ ہاں۔ لو بھائی ڈولی واپس کرو.....“ جھمو بیگم نے بیچ آنگن میں کھڑے ہو کر رجز پڑھا۔

بڑی بھادج جلدی سے اٹھ کر باہر آئیں..... اے ہے..... یہ کیا کوا نوچن مچی ہے..... اماموں پر مصیبت کی گھڑی آن پہنچی اور تم ہو کہ کھڑی جھکڑ رہی ہو۔ چل نکل ممولہ یہاں سے..... ڈولی جب دیکھوں یہی فضیلتا شروع کرتی ہے..... آؤ جھمو بیگم جم جم آؤ.....“

ڈیوڑھی میں کباروں نے زور سے ڈنڈا بجایا۔ ”اجی پیسے تو بھجوائے بیگم صاحب.....“

”ارے دیارے..... ساری دیہہ دکن لاگت ہے.....“ رام بھروسے نے دیوار سے لگ کر ماتا دین کی بیڑی سلگاتے ہوئے اظہار خیال کیا۔ ویسے محرم کی وجہ سے پیسے خوب ملیں گے۔ جہلم تک دس دس پھیرے ایک گلی کے ہوتے تھے اور ہر پھیرا تین تین پیسے دور کے محلوں تک آنے جانے کے تودو آنے تک ہو جاتے تھے۔ بس چاندی تھی آج کل بھائی رام بھروسے اور ان کی برادری کی۔ اور ریزوے جو چل رہے تھے وہ الگ ایک ریزوہ ایک طرح کا کرسی نما ٹھیلہ ہوتا تھا جس میں چاروں طرف پردہ باندھ دیا جاتا تھا۔ اندر دو تین تین سواریاں، گھس پٹ کر بیٹھ جاتی تھیں اور بچوں کو انگریزی پرام کی طرح پیچھے سے ڈھکیلا جاتا تھا اور چرخ چوں کرتا ریزوہ گلیوں کے پتھرے فرش پر بڑے ٹھاٹھ سے چلتا..... پاکی کا کرایہ بہت زیادہ تھا یعنی چھ آنے فی پھیرا۔ پرائیویٹ پاکی جو پہلے صدر اعلیٰ کے یہاں تھا۔

جھمو بیگم اس معرکے کے بعد ٹھک ٹھک آن کر چاندنی پر بیٹھ گئیں اور عینک لگا کر بڑے ٹھنڈے سے چاروں طرف نظر ڈالی۔ بوا مدن خود بڑی ہائی بروسوز خواں تھیں۔ انھوں نے کبھی جھمو بیگم کی پروا نہ کی۔

سوز ختم ہو چکا تھا۔ گوٹے کے پھٹنے لگاتی بوا مدن طمانیت سے جا کر ایک کونے میں بیٹھ گئیں۔ چٹا پٹی کی گوٹ کا اودا پاشجامہ اور توتے کے پردوں ایسے ہرے رنگ کا دوپٹہ

आज़ादी के बाद उर्दू अफ़साना

उन्होंने क़तई नोटिस नहीं लिया।

“डोली उतरवा लो—” बाहर से राम भरोसे की आवाज़ आई।

“परदा कर लो— कहार अंदर आते हैं।”

फ़ीरीनी की सेनी धम से घड़ौची पर टिका कर ममूला तेज़ आवाज़ में चिल्लाई— “छम्मो बेगम आ गई”

छम्मो बेगम डोली में से उतरी। और पाइंचे समेट के पानी से लबरेज़⁽¹⁾ नाली को उलांघने के इरादे से आगे बढ़ी।

“अल्लाह रखे बड़ी भावज के हां तो हर वक़्त बस बहिया सी आती रहती है” उन्होंने ज़रा बेज़ारी से कहा।

कहीं ममूला ने यह सुन लिया “ऐ छम्मो बेगम— ज़री ज़बान संभाल के बात किया कीजिए। बड़ी भावज के दुश्मनों के घर बहिया आवे। शैतान के कान बहरे—ऐसा तो मैं ने आंगन का सारा पानी सूता है। अपने हां नहीं देखती सारी गली को लेकर नौबत राय का तलाव बना रखा है। इत्ता इत्ता पानी आप के घर में खड़ा रहता है। हां—” उसने मुंह दर मुंह जवाब दिया।

“ऐ बी ममूला— ज़री आपे में रहना— मैं खुद से नहीं आ गई— बड़ी भावज ने सौ दफ़ा बुलाया कि आकर मजलिस पढ़ जाओ— मजलिस पढ़ जाओ— मैं अपने घर से फ़ालतू नहीं हूँ कि मारी मारी फ़िरूँ और टके की डोमनियों की बातें सुनूँ। हां -- लो भाई डोली वापस करो--” छम्मो बेगम ने बीच आंगन में खड़े होकर रज़ज़ पढ़ा।

बड़ी भावज जल्दी से उठ कर बाहर आई-- “ऐ हे -- यह क्या कौआ नोचन मची है-- इमामों पर मुसीबत की घड़ी आन पहुंची और तुम हो कि खड़ी झगड़ रही हो -- चल निकल ममूला यहां से -- डूबी जब देखो यही फ़ज़ीहता शुरू करती है-- आओ छम्मो बेगम ज़म ज़म आओ--”

इयोदी में कहाँ ने ज़ोर से डंडा बजाया -- “अजी पैसे तो भिजवाइये बेगम साहब--”

“अरे दैया रे— सारी देह दुखन लागत है --” राम भरोसे ने दीवार से लग कर माता दीन की बीड़ी सुलगाते हुए इज़हारे ख़याल किया। वैसे मुहर्रम की वज़ह से अब पैसे ख़ूब मिलेंगे। चहल्लुम तक दस दस फ़ेरे एक गली के होते थे और

اوڑھے وہ اس شان سے دیوار سے لگ کر بیٹھی تھیں کہ دور سے معلوم ہو جاتا تھا کہ ہاں یہ رام پور کی میرامن ہے۔ مذاق نہیں ہے۔

جھمو بیگم ایک تو یہ کہ سیدانی تھیں۔ دوسرے یہ کہ بکن سلہا کے بیاہ کے سلسلے میں ان سے جنگ ہو چکی تھی۔ لہذا وہ بوا مدن کو ہرگز خاطر میں نہ لاتیں۔ بوا مدن کو اگر یہ غم تھا کہ مالکوس اور سوخی اور بھاگ میں سوز ایسے پڑھتی ہے کہ مجلس میں پٹس پڑ جاتی ہے۔ تو جھمو بیگم کو بھی اپنے اوپر ناز بے جا نہ تھا کہ آٹھویں تاریخ والا میرا نیس کا مرثیہ پوری راگ داری کے ساتھ ان جیسا کوئی اور نہ پڑھ سکتا تھا۔

جھمو بیگم نے تہ در تہ ریشمی غلافوں میں سے چاند رات کا بیان نکالا اور مجمع کو نہایت گھور کر دیکھا۔

لڑکیوں کا گردہ اپنی جگہ پر ذرا چوتنا ہو گیا تھا۔ ان لڑکیوں پر فرض تھا کہ جب جھمو بیگم حدیث پڑھیں یا وعظ کریں تو یہ لوگ دوپٹے منہ میں ٹھونس کر کھل کھل کر ہنسیں، پر بظاہر یہی معلوم ہو کہ زار و قطار رو رہی ہیں اور جھمو بیگم کس قیامت کی حدیث پڑھتی تھیں کہ قیامت پیا ہو جاتا تھا۔

جھمو بیگم کے وعظ بہت ماڈرن ہوتے تھے۔ کیا جناب کمین صاحب بلکہ خود قبلہ جار چوٹی صاحب ایسے رموز و نکات انگریزی فلسفہ کے واقعہ شہادت میں سے نہ نکال سکتے جو جھمو صاحبہ پل کی پل میں دریا کوڑے میں بند کر کے رکھ دیتی تھیں۔

”اے صاحبان مجلس..... جب باری تعالیٰ نے اپنے نور کے دو حصے کیے“..... والی تمہید سے لے کر جب وہ اس کلائمیکس تک پہنچتی تھیں کہ اے بیبیوں!..... جناب عباس نے کہا بالی سیکنڈ اٹھو.....“ تو جھمو بیگم نے سماں باندھ دیا۔ ان کے زور خطابت کا یہ عالم تھا کہ منٹوں میں بات کہیں سے کہیں پہنچتی تھی۔ ابھی حضرت جبرئیلؑ کا بیان ہو رہا ہے۔ ابھی یزید ملعون کے خاندان کا ذکر آ گیا۔ جنگ جمل کا واقعہ سنا رہی ہیں۔ ساتھ ساتھ اس کا موازنہ جرمن اور انگریز کی لڑائی سے بھی ہوتا جاتا ہے۔ رسالتِ آپؐ کے بیان پر جب آتیں تو کہتیں..... ”بیبیو!..... میں کوئی مورخ، کوئی تاریخ داں کوئی فلاسفر نہیں ہوں اور کہے دیتی ہوں کہ ایک طرف عیسائیوں اور رومیوں کی دس لاکھ فوج تھی۔ ایک طرف جناب

आजादी के बाद उर्दू अफसाना

हर फेरा तीन तीन पैसे दूर के मुहल्लों तक आने जाने के तो दो दो आने तक हो जाते थे। बस चांदी थी आज कल भाई राम भरोसे और उनकी बिरादरी की और रेड़वे जो चल रहे थे वह अलग एक रेड़वा एक तरह का कुर्सी नुमा ठेला होता था। जिसमें चारों तरफ पर्दा बांध दिया जाता था। अंदर दो दो तीन तीन सवारियां घुस पिट कर बैठ जाती थीं और बच्चों की अंग्रेजी ग्राम की तरह पीछे से ढकेला जाता था। और चरख चू करता रेड़वा गलियों के पथरीले फर्श पर बड़े ठाठ से चलता -- पालकी का किराया बहुत ज्यादा था यानी छ : आने फी फेरा। प्राइवेट पालकी चौ पहला सदरे आला के यहां था।

छम्मो बेगम इस मारके के बाद तुमक तुमक कर आन कर चांदनी पर बैठ गई और ऐनक लगाकर बड़े ठस्से से चारों तरफ नज़र डाली। बुवा मुद्दन खुद बड़ी हाई ब्रो सोज़-ख्वा⁽¹⁾ थीं। उन्होंने कभी छम्मो बेगम की परवाह न की।

सोज़ ख़तम हो चुका था। गोटे के फंके लगाती बुवा मुद्दन तमानियत⁽²⁾ से जाकर एक कोने में बैठ गई। चटापटी की गोट का ऊदा पायजामा और तोते के पंरों ऐसे हरे रंग का दोपट्टा ओढ़े वह इस शान से दीवार से लग कर बैठती थीं कि दूर से मालूम हो जाता था कि हां यह रामपुर की मीरासन है। मज़ाक़ नहीं है।

छम्मो बेगम एक तो यह कि सय्यदानी थीं। दूसरे यह कि बगन सल्लमहा के ब्याह के सिलसिले में उनसे जंग हो चुकी थी। लिहाज़ा⁽³⁾ वह बुवा मुद्दन को हरगिज़ ख़ातिर में न लातीं। बुवा मुद्दन को अगर यह ग़म था कि मालकौस और सोहनी और बहाग में सोज़ ऐसे पढ़ती हैं कि मजलिस में पिट्टस पड़ जाती है। तो छम्मो बेगम को भी अपने ऊपर नाज़ बेजा न था कि आठवीं तारीख़ वाला मीर अनीस का मर्सिया⁽⁴⁾ पूरी राग दारी के साथ उन जैसा कोई और ना पढ़ सकता था।

छम्मो बेगम ने तह दर तह रेस्मी ग़िलाफ़ों में से चांद रात का बयान निकाला और मजमा को निहायत धूर कर देखा।

लड़कियों का गिरोह अपनी जगह पर ज़रा चौकन्ना हो गया। उन लड़कियों पर फ़र्ज़ था कि जब छम्मो बेगम हदीस पढ़ें या वाज़ करें तो यह लोग दोपट्टे मुंह में तूस का खिल खिल कर हंसें, पर बज़ाहिर यही मालूम हो कि ज़ारोक़तार रो रही

1. मुहर्रम में 'सोज़ पढ़ने वाला या वाली 2. इत्मिनान 3. इसलिए 4. उर्दू की विधा जिसमें किसी की मौत पर दुख प्रकट किया जाए

آزادی کے بعد اردو افسانہ

رسالہ کتاب کے ساتھ صرف پندرہ آدمی تھے۔ مگر وہ گھمسان کا رن پڑا تھا کہ سارے فرشتے چرخِ اول پر اتر آئے تھے اور نور کی جھاڑو سے رسالہ کتاب کے لیے راستہ صاف کرتے جاتے تھے۔ ”خداوند تعالیٰ کے مسئلے پر فرمائیں.....“ اے بیسیو! یہ جوائگریزی داں دہریے خدا کے منکر ہیں۔ ان کا احوال مجھ سے سنو اور کان کھول کر سنو۔ کہ خداوند کریم ان سب شیطانی دوسوں اور چالوں سے واقف ہے جو فرنگیوں کے ذریعہ ابلیس ملعون نے تم مسلمانوں کے دلوں میں ڈال دی ہیں۔ بلکہ میں تم کو آج یہ بتانا چاہتی ہوں اے مومنہ بیسیو..... کہ قرآن حکیم کے اندر اللہ تعالیٰ نے خود انگریزی میں اپنی توحید کا ثبوت دیا ہے۔ فرماتا ہے وہ رب ذوالجلال کہ قل ہو اللہ احد اللہ الصمد لم یلد ولم یولد لم یکن لہ کفوا احدہ یہ ون کیا ہے؟ ون انگریزی میں ایک کو کہتے ہیں.....“ مسئلہ توحید سے سلسلہ کھینچ کر پھر واقعہ کر بلا اور شہادت علی اکبر سے ملا دیا جاتا ہے مہمو بیگم کے آرٹ کا کمال تھا۔

بڑی بھانج کیا سارے محلے کو معلوم تھا کہ مہمو بیگم خاصی فراڈ ہیں لیکن ان کی شمولیت کے بغیر مجلس میں جان ہی نہ پڑ سکتی تھی۔ لہذا ان کی بد مزاجی کو بھی برداشت کیا جاتا۔

برسوں سے، جب بڑی بھانج پیدا ہوئیں۔ بڑی ہوئیں، رخصت ہو کر بارہ بکنی سے جون پور آئیں۔ زندگی کا ایک چلن قائم تھا جس میں شادی بیاہ، تیج تیوار، لڑائی جھگڑے، محرم، کوٹھے، جوگی رم پورے کی سالانہ زیارت، غرض کہ ہر چیز کی اہمیت اپنی جگہ مسلم تھی۔ ڈپٹی جعفر عباس سے بڑی دھوم دھام سے ان کا بیاہ رچایا گیا تھا۔ جب وہ پندرہ سال کی تھیں۔ کیا زمانے تھے۔ دو فرلانگ تو ماہی مراتب ہی تھا۔ براتیوں کو چاندی کی طشتریوں میں سندیلے کے لڈو بانٹے گئے تھے۔ اور جناحوں یعنی لڑکی کے گاؤں والوں کے یہاں ہفتوں مہینوں پہلے سے ڈھولک رکھ دی گئی تھی۔ ان کا میکہ و سسرال دونوں طرف سے ماشاء اللہ بھرا پراکتہ تھا۔ بس ایک چھوٹی اماں ہی سے ان کی نہ بنی۔ دیورانی جنھانی کا دیوار بیچ گھر تھا لیکن مدتوں کھڑکی میں تالا پڑا رہا۔ مقدمہ کا قصہ دراصل امام باڑے والے آموں کے باغ سے چلا تھا۔ بعد میں رفتہ رفتہ دونوں گھرانوں میں بول چال تک بند ہو گئی۔ سچ کہا ہے بوا کہ زر، زمین، زن تین چیزیں گھر کا گھروا کر دیتی ہیں۔ سگے بھائی غیر ہو جاتے ہیں۔ پر جب چھوٹی اماں بیمار پڑیں تو بڑی بھانج نے وضع داری پر حرف نہ آنے

हैं और छम्पो बेगम किस क़यामत की हदीस पढ़ती थीं कि क़यामत बपा हो जाता था।

छम्पो बेगम के वाज़ बहुत मार्टन होते थे, क्या ज़नाब कब्बन साहब बल्कि खुद क़िबला ज़ारचोई साहब ऐसे रमूज़ोनिकात⁽¹⁾ अंग्रेज़ी फ़लसफ़ा के वाक्किआ-शहादत⁽²⁾ में से न निकाल सकते जो छम्पो साहबा पल की पल में दरिया कूज़े में बंद करके रख देती थीं।

“ऐ साहबाने मजलिस- जब बारी ताला ने अपने नूर के दो हिस्से किए-” वालीए तमहीद से ले कर जब वह इस कलाइ कि मैक्स तक पहुंचती थीं कि ऐ बीबियों! ---जनाब अब्बास ने कहा बाली सकीना उठो---“तो छम्पो बेगम ने समां बांध दिया, उन के ज़ोरे ख़िताबत का यह आलम था कि मिन्तों में बात कहीं से कहीं पहुंचती थी। अभी हज़रत जिब्रईल का बयान हो रहा है। अभी यज़ीद मलऊन⁽³⁾ के ख़ानदान का ज़िक्र आ गया। जंगे जमल का वाक़या सुना रहें हैं। साथ साथ उस का मवाज़ना⁽⁴⁾ जर्मन और अंग्रेज़ की लड़ाई से भी होता जाता है। रिसालत-मआब⁽⁵⁾ के बयान पर जब आतीं तो कहतीं-“बीबियों!-मैं कोई मुवरिख़, कोई तारीख़ दां कोई फ़िलासफ़र नहीं हूं और कहे देती हूं कि एक तरफ़ इसाईयों और रमियों की दस लाख फ़ौज थी। एक तरफ़ जनाब रिसालत मआब के साथ सिर्फ़ पन्द्रह आदमी थे। मगर वह घमासान का रन पड़ा था कि सारे फ़रिश्ते चर्ख़े-अव्वल⁽⁶⁾ पर उतर आए थे। और नूर की झाड़ू से रिसालते माआब के लिए रास्ता साफ़ करते जाते थे।” खुदा वन्द ताला के मसले पर फ़रमातीं-“ऐ बीबियों ये जो अंग्रेज़ी दां दहरिये खुदा के मुनकिर हैं। उनका अहवाल मुझसे सुनो और कान खोल कर सुनो कि खुदा वन्द ए करीम उन सब शैतानी वसवसों और चालों से वाक्किफ़ है जो फिरंगियों के ज़रिए इबलीस मलऊन ने तुम मुसलमानों के दिलों में डाल दी है बल्कि मैं तुम को आज यह बताना चाहती हूं ऐ मोमिना बीबीयों-कि क़ुरआने हकीम के अन्दर अल्लाह ताला ने खुद अंग्रेज़ी में अपनी तौहीद का सबूत दिया है। फ़रमाता है वह रब्बे जुल्जलाल कि कुलहो⁽⁷⁾ वल्लाहु अहद, अल्लाह हुस्समद, लम यलिद, वलम ययूलद, वलम यकुल्लहू कुफ़ूवन

1. रहस्य मय वबारीक बातें 2. क़बला की घटना 3. धिक्कृत 4. तुलना 5. हज़रत मुहम्मद (स.) 6. पहले आकाश 7. क़ुरान की एक सूरात है

آزادی کے بعد اردو افسانہ

دیا۔ اور مرنے سے پہلے دیورانی سے ساری اگلی پچھلی شکایتوں کو بھول کر کہا سنا معاف کروالیا۔ اس پر بھی کہنے والوں کا بہن کس نے منہ بند کیا ہے۔ محلے میں اڑگئی کہ یہ چھوٹی اماں اپنے غلے کی کوٹھری میں سونے کی مہریں دفن کیے بیٹھی تھیں۔ یہ ان کو حاصل کرنے کی ترکیبیں تھیں۔ پوچھو بڑی بھادج کے پاس خدا کا دیا خود کیا کچھ نہیں۔ جو وہ ایسے کہنے خیالات دل میں لاتیں۔ اور اصلیت یہ ہے کہ چھوٹی اماں کی وہ سونے کی مہروں والی جھجھری جس پر وہ عمر بھر مایا کا سانپ بنی بیٹھی رہیں اوت کے مال سے بھی بدتر ثابت ہوئی۔ لڑکوں نے لے کر سارا پیسہ سال دو سال کے اندر اڑا دیا۔ بلکہ بواہن تو یقین محکم کے ساتھ کہتی تھیں کہ چھوٹی اماں اور بڑی بھادج کی لڑائی کروانے میں زیادہ ہاتھ جھمو بیگم کا ہے۔ حرفہ ادھر کی ادھر لگاتی تھی اور پھر سال کے سال منبر پر مولون بن کر چڑھ بیٹھتی ہے چڑیل۔

رونا بہر حال فرض تھا۔ خواہ جھمو بیگم جیسی کتنی ہی بیان کیوں نہ پڑے۔ لہذا بواہن دیوار کے سہارے بیٹھی بڑے مشہدی رو مال سے منہ ڈھانپے شائستگی سے سسکیاں بھرتی رہیں۔ لڑکیاں دلہیز پر بیٹھی بیٹھی اونگھ رہی تھیں اور منتظر تھیں کہ کب حدیث ختم ہو اور نوحہ خوانی کی باری آئے۔

نوحے پڑھنے میں بڑی بھادج کی لڑکی کشوری کو ملکہ حاصل تھا۔ ہاتھ آئے تھے کیا کیا گل زہرا کو فدائی نو ماؤں نے دیکھی در خیمہ سے لڑائی ارے لڑتے ہوئے گرتے ہوئے مرتے ہوئے دیکھا اور جانے کون کون سے سارے جدید نوحے۔ جی ہاں۔ ایسی پاٹ دار آواز میں آخری بند اٹھاتی کہ کہیم کے گھر تک آواز پہنچ جاتی۔

نوحوں کی طرزیں نکالنا لڑکیوں کا خاص مشغلہ تھا۔ جہاں کوئی چلتا چلتا لیکن غمگین سی دھن کا گیت ریکارڈ پر سنا جھٹ ذرا سی تبدیلی کر کے حجم الملت کے کسی نوحے پر اس دھن کو چپکا دیا۔ طلعت آرا اس معاملے میں بڑی رجعت پسند واقع ہوئی تھی۔ اس کا کہنا تھا کہ بھئی یہ غلط بات ہے۔ یہ کیا ساتویں کی رات کو معلوم ہوا کہ کانن بالا کا ریکارڈ بچ رہا ہے۔ تو بہ تو بہ۔ مگر کشوری کس کی سنتی تھی۔ ویسے بھی وہ بڑی آزاد خیال روشن دماغ انسان تھی۔ ہائی اسکول تو اس نے پاس کر لیا تھا۔ وہ تو لکھنؤ جا کر گئے ہاتھوں

आज़ादी के बाद उर्दू अफ़साना

अहद। --यह वन क्या है-- ? वन अंग्रेज़ी में एक को कहते हैं--“मसला-ए-तौहीद” से सिलसिला खींच कर फिर वाक़ए करबला और शहादते अली अकबर से मिला दिया जाता। यह छम्मो बेगम के आर्ट का कमाल था।

बड़ी भावज क्या सारे मुहल्ले को मालूम था कि छम्मो बेगम ख़ासी फ़राह हैं लेकिन उनकी शमूलियत के बग़ैर मजलिस में जान ही न पड़ सकती थी। लिहाज़ा उन की बदमिज़ाज़ी को भी बरदाशत किया जाता।

बरसों से, जब से बड़ी भावज पैदा हुई। बड़ी हुई, रुख़सत हो कर बाराबंकी से जौनपुर आई। ज़िन्दगी का एक चलन कायम था जिस में शादी ब्याह, तीज त्योहार, लड़ाई झगड़े, मुहर्रम, कूंडे, जोगी रम पूरे की सालाना ज़ियारत, गर्ज कि हर चीज़ की अहमियत अपनी जगह मुसल्लिम¹ थी। डिप्टी जाफ़र अब्बास से बड़ी धूम धाम से उन का ब्याह रचाया गया था जब वह पन्द्रह साल की थीं। क्या ज़माने थे। दो फ़रलांग तो माही मरातिब ही था। बरातियों को चांदी की तशतरियों में सन्देले के लड्डू बांटे गए थे। और जिनातियों यानी लड़की के गांव वालों के यहां हफ़्तों महीनों पहले से ढोलक रख दी गई थी। उन का मयका व ससुराल दोनों तरफ़ से माशाअल्लाह भरा पूरा कुंवा था। बस एक छोटी अम्मा ही से उन की न बनी। देवरानी ज़िठनी का दीवार बीच घर थी लेकिन मुद्तों खिड़की में ताला पड़ा रहा। मुक़दम्मा का क्रिस्सा दर असल इमाम बाड़े वाले आमों के बाग़ से चला था। बाद में रफ़ता रफ़ता दोनों घरानों में बोल चाल तक बन्द हो गई। सच कहा है बुआ कि ज़र, ज़मीन, ज़ून, तीन चीज़ें घर का घरवा कर देती हैं। सगे भाई ग़ैर हो जाते हैं। पर छोटी अम्मा, बीमार पड़ी तो भावज ने वज़ादारी² पर हफ़्र न आने दिया। और मरने से पहले देवरानी से सारी अगली पिछली शिकायतों को भूल कर कहा सुना माफ़ करवा लिया। इस पर भी कहने वालों का बहान किस ने मुहं बन्द किया है। मुहल्ले में उड़ गई कि यह छोटी अम्मा अपने ग़ल्ले की कोठरी में सोने की मोहरें दफ़न किए बैठी थीं। यह उनको हासिल करने की तरकीबें थीं। पूछे बड़ी भावज के पास खुदा का दिया खुद क्या कुछ नहीं जो वह ऐसे कमीने ख़्यालात दिल में लाती और असलियत यह है कि छोटी अम्मा की वह सोने की मोहरों वाली झड़री जिस पर उमर भर माया का सांप बनी बैठी रही उत के माल

انٹر اور بی اے بھی کر لے۔ لیکن چھوٹی اماں جب مرتے وقت بڑی بھادج سے صلح صفائی کرنے پر تھیں۔ تو یہاں تک طے کرتی گئیں کہ ان کے بڑے لڑکے میاں اعزاز سے اس کا بیاہ بھی کر دیا جائے۔

اب یہاں سے مسلم سوشل پکچر شروع ہوئی۔ کشوری کہاں ایک تیز لڑکی سارے خٹنگ کے نمونے اس کو آویں۔ جہاں پردہ بانغ میں کوئی نیا نمونہ سوئٹر کا کسی کو پہنے دیکھ پاوے گھر آ کر فوراً تیار۔ افسانہ پڑھنے کی وہ شوقین۔ فیاض علی کی انور و شمیم سے لے کر کرشن چندر کی ”نظارے“ اور حجاب امتیاز علی کی ”ظالم محبت“ تک اس کی الماری میں موجود۔ سینما بھی جب موقع ملتا ضرور دیکھ لیتی۔ میاں اعزاز ایک تو یہ کہ خاصے مولوی آدمی تھے۔ بی۔ سی۔ ایس میں آگئے تھے۔ کیتنگ کالج سے ایم۔ اے۔ ایل۔ ایل۔ بی۔ کر رکھا تھا۔ لیکن اس کے روادار نہیں تھے کہ گھر کی لڑکیاں ذرا کی ذرا نمائش ہی میں ہوا آئیں۔ خود بڑی دون کی لیتے تھے کہ مس سکینہ سے یونین میں یوں بحث چلی اور مس صدیقی کے یہاں یوں چائے پر گیا لیکن اپنے کنبے کی لڑکیوں کے بارے میں ان کا خیال تھا کہ لڑکیاں جہاں گھر سے باہر نکلیں میاں زمانہ خراب ہے کسی کو بدنام ہوتے دیر نہیں لگتی ہے۔

بڑی بھادج نے، لطف یہ تھا، کہ کشوری کے لیے بڑی منتیں، مرادیں مان رکھی تھیں۔ عاشورہ کے روز جب ذوالجناح اندر لایا جاتا تو جلیبی کھلانے کے بعد اس کے کان سے منہ لگا کر ساری پیچیاں اور ساری لوغڑی باندیاں دعا مانگتیں کہ یا مولا! کشوری بیٹیا کا نصیب اب کی سال کھلے۔

اب یہ پوچھو کہ میاں اعزاز کے چلے باندھنا نصیب کا کھلنا سمجھا جا رہا تھا لیکن کشوری نے بھی طے کر لیا تھا کہ عین بیاہ کے موقع پر انکار کر دے گی۔ برات میں ہڑبونگ مچ جائے گی۔ وہ جیسا کہ سوشل فلموں میں ہوتا ہے ہمیں وقت پر جب پھیرے پڑنے والے ہوں تو اصل ہیرو ہسپتال یا جیل سے چھٹ کر پہنچ جاتا ہے اور گرج کر کہتا ہے ”مظہر جاؤ یہ شادی نہیں ہو سکتی۔“

आजादी के बाद उर्दू अफसाना

से भी बदतर साबित हुई। लड़कों ने सारा पैसा साल दो साल के अंदर उड़ा दिया। बल्कि बुआ मुह्न तो यक़ीन महकम के साथ कहती थीं कि छोटी अम्मा और बड़ी भावज की लड़ाई करवाने में ज़्यादा हाथ छम्मो बेगम का है। हर्षाफ़्त⁽¹⁾ इधर की उधर लगाती थी। और फिर साल के साल मिमबर पर मौलवन बन कर चढ़ बैठती है चुड़ैल।

रोना बहर हाल फ़र्ज़ था। ख़्वाह छम्मों बेगम जैसी कुटनी ही बयान क्यों न पढ़ें। लिहाज़ा बुआ मुह्न दीवार के सहारे बैठी बड़े मशहदी रूमाल से मुंह ढांपे शाइस्तगी से सिसकियां भरती रहीं। लड़कियां दहलीज़ पर बैठी बैठी ऊंध रही थीं और मुन्तज़िर थीं कि कब हदीस ख़त्म हो और नौहा ख़्वानी की बारी आए।

नौहे पढ़ने में बड़ी भावज की लड़की किश्वरी को मलका हासिल था। हाथ आए थे क्या क्या गुले ज़हरा को फ़िन्दाई— नौमाओं ने देखी दरे ख़ीमा से लड़ाई—अरे लड़ते हुए गिरते हुए मरते हुए देखा—और जाने कौन कौन से सारे जदीद नौहे—जी हां—ऐसी पाट दार आवाज़ में आख़री बन्द उठती कि खेम के घर तक आवाज़ पहुंच जाती।

नौहों की तरज़ें निकालना लड़कियों का खास मशग़ला था। जहां कोई चलता चलता लेकिन ग़मगीन सी धुन का गीत रिकार्ड पर सुना झट ज़रा सी तबदीली करके नज़मुल मिल्लत के किसी नौहे पर इस धुन को चिपका दिया। तलत आरा इस मामले में बड़ी रज़्जत-पसंद⁽²⁾ बाक़े हुई थी। उस का कहना था कि भई यह ग़लत बात है। यह क्या सातवीं की रात को मालूम हुआ कि कानन बाला का रिकार्ड बज रहा है। तौबा तौबा। मगर किश्वरी किस की सुनती थी। वैसे भी वह बड़ी आज़ाद ख़्याल, रौशन दिमाग़ इन्सान थी। हाई स्कूल तो उस ने पास कर लिया था। वह तो लखनऊ जा कर लगे हाथों इन्टर और बी. ए भी कर ले। लेकिन छोटी अम्मा जब मरते वक़्त बड़ी भावज से सुलाह सफ़ाई कर ने पर तुलीं तो यहां तक तै करती गई कि उन के बड़े लड़के मियां एजाज़ से उस का ब्याह भी कर दिया जाए।

अब यहां से मुस्लिम सोशल पिक्चर शुरू हुई। किश्वरी कहां एक तेज़ लड़की सारे निटिंग के नमूने उस को आवें। जहां पर वह बाग़ में कोई नया नमूना स्वेटर का किसी को पहने देख पावे, घर आकर फ़ौरन तैयार। अफ़साना पढ़ने की वह शौक़ीन। फ़य्याज़ अली की अनवर व शमीम से लेकर कृष्ण चन्द्र की

(5)

کشوری کے بابا سید جعفر عباس ڈپٹی کلکٹر تھے لیکن دل کے بڑے بکے قوم پرست مسلمان تھے۔ جب کانگریسی وزارت قائم ہوئی تو آپ نے بھی خوب خوب خوشیاں منائیں۔ حافظ ابراہیم ضلع میں آئے تو آپ مارے محبت کے جا کے ان سے لپٹ گئے۔ جب جنگ چمڑی اور کانگریسی وزارت نے استعفا دے دیا اور مسلم لیگ نے یوم نجات منایا تو کشوری کے بابا کو بڑا دکھ ہوا۔ اب وہ ریٹائر ہو چکے تھے اور چبوترے پر بیٹھے جھکوان لگائے سوچا کرتے کہ دنیا بدلتی جا رہی ہے لڑکے جن کو نوکری نہ ملتی تھی اب فوج میں چلے جا رہے تھے۔ اپنا اصغر عباس ہی اب لفظیٹ تھا۔ مہنگائی شدید تھی۔ لیڈر جیل میں تھے لیکن زندگی میں یک بہ یک ایک نیا رنگ آ گیا تھا۔ حافظ ابراہیم کے آنے پر ضلع کے اردو اخباروں نے لکھا تھا۔ کہاں مگنی موٹر سرکاری۔ بیچا کر سبزی ترکاری، وہ بھی دیکھا، یہ بھی دیکھ..... کشوری کے بابا کو یہ سب پڑھ اور سن کر صدمہ ہوتا۔ وہ بڑے بکے مسلمان تھے۔ دراصل مسلمانوں کے معاشرے کا استحکام انھیں پرانے مدرسہ فکر کے ڈپٹی کلکٹروں کے دم قدم سے قائم تھا۔ پردے کے بڑے پابند کیا مجال جو لڑکیاں بغیر قاتوں چادروں کے گھر سے قدم نکالیں۔ صوبے کے مشرقی ضلعوں میں برقعے کا رواج نہ تھا۔ ”باعزت متوسط طبقے“ کی مسلمان اور ہندو عورتیں چادریں اور دلائیاں اوڑھ کر باہر نکلتی تھیں۔ ہندو عورتیں تو خیر گھونگھٹ کاڑھ کر سڑک پر سے گذر جاتی تھیں۔ مسلمان بیبیوں کا دن دھاڑے باہر نکلتا سخت معیوب خیال کیا جاتا تھا۔

اصغر عباس فوج میں رہ کر بالکل انگریز بننا چاہتا تھا..... اب کے وہ جھنڈی پر گھرا آیا تو چند شرائط بابا کے سامنے رکھیں:-

(الف) وہ خود کنبے میں بیاہ نہ کرے گا۔

(ب) کشوری جب اس کے ساتھ رہنے کے لیے جبل پور جائے گی تو پردہ نہ کرے گی۔

(ج) اعزاز میاں سے بیاہ کا پروگرام منسوخ۔

(د) کشوری کو ایف۔ اے کے لیے مسلم گزٹ کالج لکھنؤ بھیجا جائے گا۔

आजादी के बाद उर्दू अफ़साना

“नज़ारे” और हिजाब इम्तियाज़ अली की “ज़ालिम मोहब्बत” तक उस की अलमारी में मौजूद। सिनेमा भी जब मौक़ा मिलता ज़रूर देख लेती। मियां एजाज़ एक तो यह, खासे मौलवी आदमी थे। पी.सी. एस में आ गए थे। कैनिंग कालेज से एम.ए.एल. एल.बी. कर रखा था। लेकिन इसके रवादार नहीं थे कि घर की लड़कियां ज़रा की ज़रा नुमाईश ही में हो जाएं। खुद बड़ी दून की लेते थे। कि मिस सक्सेना से यूनियन में यूँ बहस चली और मिस सद्दीक़ी के यहां यूँ चाय पर गया लेकिन अपने कुम्बे की लड़कियों के बारे में इन का ख़याल था कि लड़कियां जहां घर से बाहर निकलीं तो मियां ज़माना ख़राब है किसी को बदनाम होते देर नहीं लगती है।

बड़ी भावज ने, लतीफ़ा यह था, कि किश्वरी के लिए बड़ी भिन्नतें, मुरादे मान रखी थीं। आशूरा के रोज़ जब जूल जिन्नाह अन्दर लाया जाता तो जलेबी खिलाने के बाद उस के कान से मुहं लगा कर सारी बीबियां और सारी लौंडी बांदियां दुआ मांगती किया मौला! किश्वरी बिटिया का नसीबा अबकी साल खुले।

अब यह पूछो के मियां एजाज़ के पल्ले बांधना नसीबे का खुलना समझा जा रहा था। लेकिन किश्वरी ने भी तै कर लिया था के ऐन ब्याह कि मौके पर इन्कार कर देगी। बरात में हड़बूंग मच जाएगी। वह जैसा कि सोशल फ़िल्मों में होता है ऐन वक़्त पर जब फेरे पड़ने वाले हों तो असल हीरो हस्पताल या जेल से छूट कर पहुंच जाता है। और गरज कर कहता है। “ठहर जाओ यह शादी नहीं हो सकती”।

(5)

किश्वरी के बाबा सैयद जाफ़र अब्बास डिप्टी कलक्टर थे। लेकिन दिल के बड़े पक्के कौम परस्त मुसलमान थे। जब कांग्रेसी वज़ारत क़ायम हुई तो आप ने भी खूब खूब खुशियां मनाईं। हाफ़िज़ इब्राहीम ज़िला में आए तो आप मारे मोहब्बत के जा कर उनसे लिपट गए। जब जंग छिड़ी और कांग्रेसी वज़ारत ने इस्तिफ़ा दे दिया और मुस्लिम लीग ने यौमेनिजात मनाया तो किश्वरी के बाबा को बड़ा दुख हुआ। अब वह रियर हो चुके थे। और चबूतरे पर बैठे पेंचवान लगाए सोचा करते थे दुनिया बदलती जा रही है। लड़के जिन को नौकरी न मिलती थी

بڑے بحث مباحثے کے بعد بابا اور بڑی بھادج دونوں نے ان شرائط کے بیشتر نکات منظور کر لیے۔

ہندوستان کے مسلمان متوسط طبقے کا کوئی ہی خاندان ایسا ہوگا جس کی لڑکیوں نے کبھی نہ کبھی علی گڑھ گرلز کالج یا لکھنؤ مسلم اسکول میں نہ پڑھا ہو۔ بیشتر لڑکیوں کو اس بات پر فخر ہوتا ہے کہ انھوں نے چند روز ہی کے لیے کیوں نہیں، لیکن پڑھا مسلم اسکول میں ہے۔

بعینہ یہی احوال مہیلا ودیالہ لکھنؤ کا تھا۔ صوبے کے سارے ٹھوس ہندو متوسط طبقے کی سہریاں اس دوش ودیالہ کی وڈیا رہتی رہ چکی تھیں۔ سرکاری اور عیسائی اداروں کا ماحول منف تھا۔ وہاں انگریز کے اقبال کی وجہ سے شیر بکری ایک گھاٹ پانی پیتے تھے۔

اب کی جولائی میں کھیم اور کشوری اکٹھی ہی جون پور سے ٹرین میں سوار ہوئیں اور لکھنؤ آن پہنچیں۔ چاند باغ پر ماما کھیم کو اتروانے آگئے تھے اور کشوری کو پہنچانے کے لیے تو ماجد بھائی بے چارے مردانہ ڈبے میں موجود ہی تھے۔ اسٹیشن کی برساتی میں پہنچ کر کھیم اور کشوری نے ایک دوسرے کو خدا حافظ کہا اور روئیں اور کبھی کبھی ملنے کی کوشش کرنے کا وعدہ کیا اور تانگوں میں بیٹھ کر اپنی اپنی راہ چلی گئیں۔

(6)

”کھیم وتی رائے زادہ سے میری ملاقات اتنے برسوں بعد بسنٹ ہال کی سیڑھیوں پر ہوئی۔ وہ چودھری سلطان کے لیکچر سننے جا رہی تھی۔ میں احتشام صاحب کی کلاس کے بعد پرشین تھیٹر سے اتر رہی تھی۔“ کشوری نے بات جاری رکھتے ہوئے کہا۔ اور پھر خاموش ہو گئی۔ اور کھڑکی سے باہر دیکھنے لگی جہاں برف کے گالے چپکے چپکے نیچے گر رہے تھے۔

”کیا تم نے کبھی سوچا ہے؟“ اس نے ساتھیوں کو مخاطب کیا۔ ”کہ ہم جو چھ سو سال تک ایک دیوار کے سائے میں رہے، ایک مٹی سے ہماری اور اس کی تخلیق ہوئی تھی اس کے اور ہمارے گھر والوں کو اپنے مشترکہ کلچر پر ناز تھا۔ چار سال بعد جب اس وقت کھیم نے مجھے دیکھا تو ایک لمحے کے لیے ذرا جھبکی پھر ”ہلو کشوری“ کہتی ہوئی آگے چلی گئی۔

आजादी के बाद उर्दू अफसाना

अब फ़ौज में चले जा रहे थे। अपना असगर अब्बास ही अब लेफ़्टिनेंट था। मंहगाई शदीद थी। लीडर जेल में थे। लेकिन ज़िन्दगी में यक बयक नया रंग आ गया था। हाफ़िज़ इब्राहीम के आने पर ज़िला के उर्दू अख़बारों ने लिखा था। कहाँ गई मोटर सरकारी, बेचा कर सब्ज़ी तरकारी, वह भी देखा, यह भी देख—किश्वरी के बाबा को यह सब पढ़ और सुन कर सदमा होता। वह बड़े पक्के मुसलमान थे। दरअसल मुसलमानों के मआशरे का इस्तहकाम उन्हीं पुराने मदरसा ए फ़िक्क के डिप्टी कलकटों के दम क़दम से क़ायम था। परदे के बड़े पाबंद। क्या मजाल जो लड़कियाँ बग़ैर कनातो चादरों के घर से क़दम निकालें। सूबे के मशरक़ी ज़िलों में बुरक़े का रिवाज न था “बाइज़ज़त मुतवस्सित तबक़े”⁽¹⁾ की मुसलमान और हिन्दू औरतें चादरें और दुलाईयाँ ओढ़ कर बाहर निकलती थीं। हिन्दू औरतें तों ख़ैर घूँघट काढ़ कर सड़क पर से गुज़र जाती थीं। मुसलमान बीबियों का दिन दहाड़े बाहर निकलना सख़्त मायूब ख़याल किया जाता था।

असगर अब्बास फ़ौज में रह कर बिल्कुल अंग्रेज़ बनता जा रहा था—अब के वह छुट्टी पर घर आया तो चंद शराएत बाबा के सामने रखीं:-

(अलिफ़) वह खुद कुंभे में ब्याह न करेगा।

(बे) किश्वरी जब उस के साथ रहने के लिए जबलपुर जाएगी तो परदा न करेगी।

(जीम) एजाज़ मियाँ से ब्याह का प्रोग्राम मनसूख़।

(दाल) किश्वरी को एफ़. ए. के लिए मुस्लिम गर्लज़ कालिज लखनऊ भेजा जाएगा।

बड़े बहस मुबाहिसे के बाद बाबा और बड़ी भावज दोनों ने इन शराएत के बेस्तर नुक़त मंज़ूर कर लिए।

हिन्दुस्तान के मुसलमान मुतवस्सित तबक़े का कोई ही ख़ानदान ऐसा होगा जिस की लड़कियों ने कभी अलीगढ़ गर्लज़ कालेज या लखनऊ मुस्लिम स्कूल में न पढ़ा हो। बेशतर लड़कियों को इस बात पर फ़ख़ होता है कि उन्हीं ने चंद रोज़ ही के लिए क्यों नहीं, लेकिन पढ़ा मुस्लिम स्कूल में है।

बेऐनेही⁽²⁾ यही अहवाल महिला विद्यालय लखनऊ का था। सूबे के सारे

”اور میں نے سوچا ٹھیک ہے۔ میں نے اور اس نے اسی دن کے لیے ساری تیاریاں کی تھیں۔ وہ مہیلا وڈیالیہ کی لڑکی ہے۔ کانگریس میں یقین رکھتی ہے۔ میرے بابا بڑے نیشنلسٹ بنتے تھے۔ میں کزن مسلم لگی ہوں۔ یوم پاکستان کے جلسے کے موقع پر کھیم کے ساتھیوں نے ہمارے اوپر اینٹیں پھینکی تھیں۔ اکھنڈ ہندوستان ویک کے دنوں میں ہمارے رفقاء نے ان کے پنڈال پر پکٹنگ کی تھی۔ یہ جو کچھ ہو رہا ہے یہی ٹھیک ہے اور بھائی زندگی نہ ہوئی شانتا رام کی فلم ہوگئی۔ بنوا جیسے کرو بھائی چارہ نہیں کرتے بھائی چارہ میاں زبردستی ہے تمہاری یہی ایک مثال میری اور کھیم کی دیکھ لو جنم جنم کے پڑوسی تھے۔ اور کیا دوستی اور یگانگت کا عالم تھا۔ پر تھے ہم ان کے لیے ملیجے۔ ان کے چو کے کے قریب نہ پھٹک سکتے تھے۔ اور ہماری لمٹاں کا یہ سلسلہ تھا کہ اگر ہندو دکان سے کوئی چیز آئی تو اسے فوراً حوض میں غوطہ دے کر پاک کیا جاتا تھا۔ ایک قوم اس طرح بنتی ہے؟ تقسیم کا مطالبہ ہند کی ساری تاریخ کا نہایت فطری اور نہایت منطقی نتیجہ ہے.....“ کشوری چپ ہوگئی۔

آتش دان میں آگ لہک رہی تھی۔ کسی نے آہستہ سے ایک انگارہ الاؤ میں سے نکال کر باہر گرا دیا۔ جہاں وہ چند لمحوں تک سلکتا رہا اور پھر بجھ گیا۔ نیچے سڑک پر کوئی بھکاری اکارڈین پر ”موجوں کے اوپر“ کا دالڑ بجاتا ہوا گزر رہا تھا۔

”آج میں کنول کماری کے ہاں چائے پر گئی تھی۔“ ارطال نے کہا ”وہاں بہت سے لوگ آئے ہوئے تھے۔ ان سب سے میں نے کہا کہ ہمارے مجلس میلے کو کامیاب بنانے کی کوشش کریں۔“

”کنول کماری؟“..... کشوری نے کچھ یاد کرتے ہوئے سوال کیا۔

”ہاں ہمارے نئے فرسٹ سیکریٹری کی بیوی۔ اور میں نے سوچا کہ قابل عورت ہے۔ اس سے میلے کے موقع پر ہندوستانی آرٹ پر لگے ہاتھوں ایک تقریر بھی کروالیں..... پام دت وغیرہ سبھی ہوں گے۔ پجاری نے وعدہ کر لیا.....“

”سوریہ است ہو گیا..... سوریہ است ہو گیا.....“ دوسرے کمرے میں ”میلے“ کے پروگرام کی رہرسل کرتے ہوئے چند لڑکیوں نے ہریندر ناتھ چٹو و پادھیا کا کورس یک لخت زور زور سے الاپنا شروع کر دیا۔

आज़ादी के बाद उर्दू अफ़साना

ठोस हिन्दू मुतवस्सित तबक्के की सुपुत्रियां इस विश्व विद्यालय की विद्यार्थी रह चुकी थीं। सरकारी और ईसाई इदारों का माहौल मुख़तलिफ़ था। वहां अंग्रेज़ के इक्क़बाल की वजह से शेर बकरी एक घाट पानी पीते थे।

अब की जुलाई में खेम और किश्वरी इकट्ठी ही जौनपुर से ट्रेन में सवार हुई और लखनऊ आन पहुंचीं। चार बाग़ पर मामा खेम को उतरवाने आ गये थे और किश्वरी को पहुंचाने के लिए तो माजिद भाई बेचारे मर्दाना डिब्बे में मौजूद ही थे। स्टेशन की बरसाती में पहुंच कर खेम और किश्वरी ने एक दूसरे को खुदा हाफ़िज़ कहा और रोई और कभी कभी मिलने की कोशिश करने का वादा किया और तांगों में बैठ कर अपनी अपनी राह चली गई।

(6)

“खेमवती रायज़ादा से मेरी मुलाक़ात इतने बरसों बाद बेसैंट हाल की सीढ़ियों पर हुई—वह चौधरी सुल्तान के लेक्चर सुनने जा रही थी। मैं एहतेशाम साहब की क्लास के बाद पशियन थियेटर से उतर रही थी” किश्वरी ने बात जारी रखते हुए कहा—और वह फिर ख़ामोश हो गई— और खिड़की के बाहर देखने लगी। जहां बर्फ़ के गाले चुपके चुपके नीचे गिर रहे थे।

“क्या तुम ने कभी सोचा है?” उस ने साथियों को मुखातिब किया—“कि हम जो छः सौ साल तक एक दीवार के साए में रहे, एक मिट्टी से हमारी और उस की तख़लीक़ हुई थी उस के और हमारे घरवालों को अपने मुशतरका कल्चर पर नाज़ था— चार साल बाद जब इस वक़्त खेम ने मुझे देखा तो एक लहज़े के लिए ज़रा झिझकी फिर “हैलो किश्वरी” कहती हुई आगे चली गई।

“और मैं ने सोचा ठीक है। मैं ने और उस ने इसी दिन के लिए सारी तैयारियां की थीं। वह महिला विद्यालय की लड़की है। कांग्रेस में यक़ीन रखती है। मेरे बाबा बड़े नेशनलिस्ट बनते थे। मैं कट्टर मुस्लिम लीगी हूँ। यौमे पाकिस्तान के जलसे के मौक़े पर खेम के साथियों ने हमारे ऊपर इटि फेंकी थी। अखण्ड हिन्दुस्तान वीक के दिनों में हमारे रूपक़ा⁽¹⁾ ने उन के पंडाल पर पकटिंग की थी। यह जो कुछ हो रहा है यही ठीक है और भाई ज़िन्दगी न हुई शांताराम की फ़िल्म हो गई। बनो अच्छे करो भाई चारा नहीं करते भाई चारा मियां ज़बरदस्ती है तुम्हारी यही एक मिसाल मेरी और खेम की देख लो जन्म जन्म के पड़ोसी थे।

”..... میں نے بہت کوشش کر کے سوچا کہ میں جب یونیورسٹی میں اور لوگوں سے ملتی ہوں..... اٹلی کے لوگ ہیں۔ برازیل کے عراق اور مصر کے۔ میں ان سے اس طرح کیوں نہیں باتیں کرنا چاہتی۔ پھر ہمارے پروفیسر ہیں۔ ”ہم عصر فنون کی انجمن کے اراکین ہیں۔ انھوں نے ہمارے مسائل پر بڑی بڑی کتابیں لکھی ہیں۔ ہمارا دقیق مطالعہ کیا ہے۔ اخباروں میں وہ ہمارے متعلق اڈیوریل لکھتے ہیں۔ دارالعلوم میں اور ریڈیو پر بحثیں کرتے ہیں.....“ کشوری نے کہا۔

”چاروں اور آگ لگی..... دل میں بھوک پیاس بجلی..... پک پک ہم گاتے۔ ہم گاتے ہم گاتے.....“ لڑکیاں چلا رہی تھیں۔

”میرا جی چاہتا ہے۔ میں تم سے یہ سب باتیں کہوں۔ تم کو یہ سارا قصہ یہ سارا گورکھ دھندا سمجھاؤں.....“ اس نے ساتھیوں کو اداس آواز میں مخاطب کیا۔ تاکہ تم لوگ مجھے بھی ایک اور مضحکہ خیز کردار نہ سمجھو اور اس سارے پس منظر اور اس ساری کہانی کو اس فاصلے سے دیکھ کر اپنی نئی راہ کا تعین کرو۔

سڑک پر کیرل گانے والوں کی ٹولیاں گزرنی شروع ہو گئی تھیں۔

”کرسمس کا زمانہ بھی اختتام پر ہے“ روز ماری نے اظہار خیال کیا۔

ہاں۔ جون پور میں، میرے محلے میں، بچے کچھ سوگ وار چہلم کے تعزیوں کے سائے میں بیٹھے اپنی قسمت کو روتے ہوں گے۔ نہیں شاید محرم کا زمانہ گزر گیا ہوگا۔ پرا نے کیلیڈر بیکار ہو چکے ہیں۔ مجھے کچھ پتہ نہیں..... کشوری نے دل میں کہا۔

”برف باری شدید ہو گئی ہے۔ پھر بہار آئے گی۔ کیا سارے زمانے، سارے موسم، اتنے بے مصرف ہیں.....؟“ روز ماری نے اپنے آپ سے بات کی۔

”نہیں.....“ کشوری نے کہا۔

”پک پک ہم گاتے چلیں.....“ لڑکیوں کی ایک آواز نے تھمرا کر۔

आज़ादी के बाद उर्दू अफ़साना

और क्या दोस्ती और यगानगत का आलम था। पर थे हम उनके लिए मलिच्छ। उन के चौके के क़रीब न फटक सकते थे। और हमारी अम्मा का यह सिलसिला था कि अगर हिन्दू की दुकान से कोई चीज़ आई तो उसे फ़ौरन हौज़ में गोता दे कर पाक किया जाता था। एक क़ौम इस तरह बनती है? तक्कसीम का मुतालबा हिन्दू की सारी तारीख़ का निहायत फ़ितरी और निहायत मन्तक़ी⁽¹⁾ नतीजा है—” किश्वरी चुप हो गई।

आतिश दान में आग लहक रही थी। किसी ने आहिस्ता से एक अंगारा अलाव से निकाल कर बाहर गिरा दिया। जहाँ वह चंद लम्हों तक सुलगता रहा और फिर बुझ गया। नीचे सड़क पर कोई भिखारी अकडिंयन् पर “मौजों के ऊपर” का वाल्ज़ बजाता हुआ गुज़र रहा था।

“आज मैं कंवल कुमारी के हां चाय पर गई थी” उर्मिला ने कहा “वहाँ बहुत से लोग आए हुए थे। उन सब से मैं ने कहा कि हमारे मजलिस मेले को कामयाब बनाने की कोशिश करें”

“कंवल कुमारी?”— किश्वरी ने कुछ याद करते हुए सवाल किया।

“हां। हमारे नए फ़र्स्ट सेक्रेटरी की बीवी। और मैंने सोचा कि क्लाबिल औरत है इस से मेले के मौक़े पर हिन्दुस्तानी आर्ट पर लगे हाथों एक तक्करीर करवा लें—पाम दत वगैरह सभी होंगे। बेचारी ने वादा कर लिया—”

“सूर्य अस्त हो गया—सूर्य अस्त हो गया—” दूसरे कमरे में “मेले” के प्रोग्राम की रिहसल करते हुए चंद लड़कियों ने हरेंद्रनाथ चटोपाध्याय का कोरस यक लख़्त जोर जोर से अलापना शुरू कर दिया।

“—मैं ने बहुत कोशिश कर के सोचा कि मैं जब यूनिवर्सिटी में और लोगों से मिलती हूँ— इटली के लोग हैं। ब्राज़ील के इराक़ और मिन्न के। मैं उन से इस तरह क्यों नहीं बातें करना चाहती। फिर हमारे प्रोफ़ेसर हैं “हम असरे फ़ुनून की अनजुमन के अराकीन हैं। उन्होंने हमारे मसाएल पर बड़ी बड़ी किताबें लिखी हैं। हमारा दकीक़ मुताला किया है। अख़बारों में हमारे मुताअल्लिक़ एडिटोरियल लिखते हैं। दारूल उलूम में और रेडियो पर बहसें करते हैं—” किश्वरी ने कहा।

“चारों ओर आग लगी— दिल में भूख़ प्यास जगी—पग पग हम गाते। हम गाते हम गाते—” लड़कियां चिल्ला रहीं थी।

“मेरा जी चाहता है। मैं तुम से यह सब बातें कहूँ। तुमको यह सारा क़िस्सा

(7)

چار باغ اسٹیشن پر کیم کو آخری بار خدا حافظ کہنے کے بعد اب کشوری کو دم لینے کی فرصت بھی کہاں تھی۔ پہلے مسلم اسکول پھر چاند باغ۔ پھر کیتنگ کالج۔ زمانہ کہاں سے کہاں نکل گیا تھا۔ ہر ہنگامے میں کشوری موجود۔ مہا جے ہو رہے ہیں۔ بیڈنٹن ٹورنامنٹ ہیں۔ مسلم اسٹوڈنٹس فیڈریشن کی مصروفیات ہیں۔ ادھر ہندو اسٹوڈنٹس فیڈریشن تھا۔ مہا سبائی طالبات کے جلسے جلوس تھے جن میں کبھی کبھی کیم رائے زادہ دور سے نظر آ جاتی۔ طالب علموں کی دنیا ابھی خاصی سیاسی اکھاڑہ بن گئی۔ گھر پر واپس جاؤ تو وہی سیاست۔ کل کی تشویش، مستقبل کی فکر۔ ملک کی تقسیم ہوگی۔ نہیں ہوگی۔ ہوگی۔ نہیں ہوگی۔

یونیورسٹی میں لیکچرز کے دوران میں پروفیسروں سے جھڑپ ہو جاتی۔ سطحی طور پر ابھی دوستی اور بھائی چارہ قائم تھا۔ لیکن آخری ”شوڈاؤن“ کے لیے اسٹیج بالکل تیار تھا۔

ڈاکٹر آفتاب رائے ابھی تک ہسٹری ڈیپارٹمنٹ میں موجود تھے۔ ایک روز ایک لکچر کے دوران میں ان سے بھی کچھ تکرار ہو گئی۔ ایک ہندو طالب علم نے کہا:

”آزادی کا مطلب ڈاکٹر صاحب مکمل سوراج ہے۔ ہندو کی دھرتی کو پھر سے خدہ کرنا ہے۔ ساری ان قوموں کے اثر سے ان قوموں کو آزاد ہونا ہے جنہوں نے باہر سے آکر حملہ کیا۔ یہی ملک جی نے کہا تھا جی ہاں۔“

اس پیریڈ میں شیواجی کے اوپر گفتگو ہو رہی تھی۔ لہذا خانہ جنگی ناگزیر تھی۔ شام تک ساری یونیورسٹی میں خبر پھیل گئی کہ ڈاکٹر آفتاب رائے کی کلاس میں ہندو مسلم فساد ہو گیا۔

اگلی صبح کشوری پورا جلوس بنا کر ڈاکٹر آفتاب رائے کے دفتر میں پہنچی۔ ”ڈاکٹر صاحب.....“ اس نے نہایت رعب داب سے کہنا شروع کیا ”کل جس طرح آپ نے اورنگ زیب علیہ الرحمہ کے متعلق اظہار خیال کیا اس کے لیے معافی مانگیے۔ ورنہ ہم اسٹرائک کر دیں گے۔ بلکہ کر دیا ہے اسٹرائک ہم نے۔ آپ نے ہماری سخت دل آزاری کی ہے۔“

آفتاب رائے اچنبھے سے کشوری کو دیکھتے رہے..... اری تو تو ڈپٹی جعفر عباس کی بیٹا

आजादी के बाद उर्दू अफ़साना

यह सारा गोरख धंधा समझाऊँ- " उस ने साथियों को उदास आवाज़ में मुखातिब किया। ताकि तुम लोग मुझे भी एक और मज़हक़ा खेज़ किरदार न समझो और इस सारे पस मंज़र और इस सारी कहानी को इस फ़ासले से देख कर अपनी नई राह का तअयुन करो।

सड़क पर केरल गाने वालों की टेलियां गुज़रनी शुरू हो गई थीं।

"क्रिसमस का ज़माना भी इख़िताम⁽¹⁾ पर है।" रोज़मैरी ने इज़हारे ख़याल किया। हां जौनपुर में, मेरे मुहल्ले में, बचे खुचे सोगवार चहल्लुम के ताज़ियों के साए में बैठे, अपनी क्रिस्मत को रोते होंगे। नहीं शायद मुहंरम का ज़माना गुज़र गया होगा। पुराने कलेन्डर बेकार हो चुके हैं। मुझे कुछ पता नहीं -किश्वरी ने दिल में कहा

"बर्फ़ बारी शदीद हो गई है। फिर बहार आएगी। क्या सारे ज़माने, सारे मौसम, इतने बे मसरफ़ हैं- ?" रोज़मैरी ने अपने आप से बात की।

"नहीं-" किश्वरी ने कहा।

"पग पग हम गाते चलें-" लड़कियों की एक आवाज़ ने तकरार की।

(7)

चार बाग़ स्टेशन पर खेम को आख़री बार खुदा हाफ़िज़ कहने के बाद किश्वरी को दम लेने की फ़ुर्सत भी कहां थी। पहले मुस्लिम स्कूल फिर चांद बाग़। फिर कैनिंग कालेज। ज़माना कहां से कहां निकल गया था। हर हंगामे में किश्वरी मौजूद, मुबाहिसे हो रहे हैं। बैडमिन्टन टूरनामेंट हैं, मुस्लिम स्टूडेंट्स फ़ेडरेशन की मसरफ़ियात हैं। उधर हिन्दू स्टूडेंट्स फ़ेडरेशन था। महा सभाई तालेबात⁽²⁾ के जलसे जलूस थे जिनमें कभी कभी खेम राय जादा दूर से नज़र आ जाती। तालिब इलमों की दुनियां अच्छी खासी सियासी अखाड़ा बन गई। घर पर वापस जाओ तो वही सियासत, कल की तश्वीश,⁽³⁾ मुस्तक़बिल की फ़िक्र-मुल्क की तक्रसीम होगी, होगी, नहीं होगी, नहीं होगी।

यूनिवर्सिटी में लेक्चर्ज़ के दौरान प्रोफ़ेसरों से झड़प हो जाती। सतही तौर पर अभी दोस्ती और भाई चारा कायम था। लेकिन आख़री "शोडाउन" के लिए स्टेज बिल्कुल तैयार था।

ہے۔ اری باؤلی سی۔ وہ بے ساختہ کہتا چاہتے تھے لیکن کشوری کے تہور دیکھ کر رک گئے اور پہلو بدل کر سنجیدگی سے کھنکھارے۔ ”بات یہ ہے مس مہاس.....“ انھوں نے کہتا شروع کیا..... ”سیاست اور حصول تعلیم کے درمیان جو.....“

”ایچی ڈاکٹر صاحب! بس اب رہنے دیجیے.....“ کسی نے آگے بڑھ کر کہا..... ”ہم خوب اس ڈھونگ کو جانتے ہیں۔ معافی مانگیے قبلہ۔“

”ڈاکٹر صاحب، میں نے کہا بتاؤ کیوں نہیں واپس چلے جاتے.....؟“ دوسری آواز آئی۔

”دیکھو میاں صاحب زادے.....“ آفتاب رائے نے رساں سے کہا۔ ”معافی کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا۔ تاریخ کے متعلق میرے چند نظریے اور اصول ہیں۔ میں اور تمہاری دل آزاری کروں گا؟ کیا باتیں کرتے ہو؟“

”ہم کچھ نہیں جانتے.....“ انھوں نے شور مچایا..... ”معافی مانگیے۔ ورنہ ہم اور تمگ زیب ڈے منائیں گے“

”ضرور مناؤ.....“ آفتاب رائے نے بیحد اکتا کر کہا۔

اور کھل اسٹرائیک کریں گے“

”ضرور کرو..... خدا مبارک کرے.....“ انھوں نے آہستہ سے کہا اور چپک اٹھا کر اندر چلے گئے۔

”کنز مہاس بھائی نکلا یہ بھی۔“ لڑکے اور لڑکیوں نے آپس میں کہا اور برساتی سے باہر نکل آئے۔

وہ رات آفتاب رائے نے شدید بے چینی سے کاٹی۔ حالات بد سے بدتر ہوتے جا رہے تھے۔ مسلمان طالب علموں کو اچھے نمبر نہ ملتے۔ ہندوؤں کو یوں ہی پاس کر دیا جاتا۔ ہوٹلوں میں ہندو مسلمان اکٹھے رہتے تھے لیکن جس ہوٹل میں مسلمانوں کی اکثریت تھی اس پر سبز پرچم لہرانے لگا تھا۔ اس کے جواب میں عین مغرب کی نماز کے وقت ہندو اکثریت والے ہوٹلوں میں لاؤ ڈاؤ پیکر نصب کر کے گراموفون بجایا جاتا۔

چند روز بعد آفتاب رائے کے سر میں جانے کیا سہائی کہ استغفا دے دیا اور غائب ہو گئے۔ سارے میں ڈھنڈیا بج گئی۔ مگر ڈاکٹر آفتاب رائے نہ اب ملتے ہیں نہ جب۔ لوگوں نے کہا ایک چول ہمیشہ سے ذرا ڈھیلی تھی۔ سنیاں لے لیا ہوگا۔ پھر تقسیم کا زمانہ آیا۔ اب

आजादी के बाद उई अफसाना

डॉक्टर आफ़ताब राय अभी तक हिस्ट्री डिपार्टमेंट में मौजूद थे। एक रोज़ एक लेक्चर के दौरान उन से भी कुछ तक़रार हो गई। एक हिन्दू तालिबइल्म ने कहा:

“आजादी का मतलब डॉक्टर साहब मुकम्मल स्वराज है। हिन्दू की धरती को फिर से शुद्ध करना है। सारी उन कौमो के असर से इन कौमो को आजाद होना है जिन्होंने बाहर से आकर हमला किया— यही तिलक जी ने कहा था जी हां”।

उस पीरियड में शिवाजी के ऊपर गुफ़्तगू हो रही थी। लिहाज़ा ख़ाना जंगी नागुज़ीर थी। शाम तक सारी यूनिवर्सिटी में ख़बर फैल गई कि डॉक्टर आफ़ताब राय की क्लास में हिन्दू व मुस्लिम फ़साद हो गया।

अगली सुबह किश्वरी पूरा जलूस बनाकर डॉक्टर आफ़ताब राय के दफ़्तर में पहुंची। “डॉक्टर साहब”—उस ने निहायत रौब दाब से कहना शुरू किया। कल जिस तरह आप ने औरंगज़ेब रहमतुल्लाह अलैह⁽¹⁾ के मुताल्लिक इज़हारे ख़याल किया उस के लिए माफ़ी मांगिये वरना हम स्ट्राइक कर देंगे। बल्कि कर दिया है स्ट्राइक हम ने। आप ने हमारी सख़्त दिल आज़ारी की है”।

आफ़ताब राय अचम्भे से किश्वरी को देखते रहे— अरी तू तो डिप्टी जाफ़र अब्बास की बिटिया है ना। अरी बावली सी—वह बे साख़ता कहना चाहते थे लेकिन किश्वरी के तेवर देख कर रुक गए और पहलू बदल कर सन्जीदगी से खंखारे “बात यह है मिस अब्बास—” उन्होंने कहना शुरू किया— “सियासत और हुसुले तालीम के दरमियान जो—”

“अजी डॉक्टर साहब! बस अब रहने दीजिए—” किसी ने आगे बढ़ कर कहा—“हम ख़ूब इस ढोंग को जानते हैं। माफ़ी मांगिए क़बला”

“डॉक्टर साहब, मैंने कहा बनारस क्यों नहीं वापस चले जाते।”? दूसरी आवाज़ आई।

“देखो मियां साहबज़ादे।” आफ़ताब राय ने रसान से कहा, “माफ़ी का सवाल ही पैदा नहीं होता। तारीख़ के मुताल्लिक मेरे चन्द नज़रिये और उसूल हैं। मैं और तुम्हारी दिल आज़ारी करूंगा? क्या बातें करते हो?”

“हम कुछ नहीं जानते।” उन्होंने शोर मचाया। “माफ़ी मांगिए। वरना हम औरंगज़ेब डे मनाएंगे।”

1. अल्लाह की रहमत हो

کے ہوش تھا کہ آفتاب رائے کی فکر کرتا۔ اپنی ہی جانوں کے لالے پڑے تھے۔

ملک آزاد ہو گیا۔ کھیم دتی کی شادی ہو گئی۔ کشوری کے گھر والے آدمے پاکستان چلے گئے۔ اس کے بابا اب بہت بوڑھے ہو گئے تھے۔ آنکھوں سے کم دکھائی دیتا تھا۔ ایک ٹانگ پر فالج کا اثر تھا۔ دن بھر وہ جون پور میں اپنے گھر کی بیشک میں پانگڑی پر لیٹے ٹاؤٹی کا درد کیا کرتے۔ اور پولیس ہر وقت ان کو تنگ کرتی ”آپ کے بیٹے کا پاکستان سے آپ کے پاس کب خط آیا تھا؟ آپ نے کراچی میں کتنی جائیداد خرید لی ہے؟ آپ خود کب جا رہے ہیں؟“ اصغر عباس ان کا اکلوتا لڑکا تھا اور اب پاکستانی فوج میں سبکدہ تھا۔ نہ وہ ان کو خط لکھ سکتا اور اگر مر جائیں تو مرتے وقت وہ اس کو دیکھ بھی نہ سکتے تھے۔ وہ تو کشوری کے لیے مہر تھا کہ وہ اس کے پاس راولپنڈی چلی آئے۔ لیکن ڈپٹی صاحب ہی نہ راضی ہوئے کہ آخری وقت بٹیا کو بھی نظروں سے اوجھل کر دیں۔ وہی کشوری جس کی ایسے بم اللہ کے گنبد میں پرورش ہوئی تھی۔ اور اب وقت نے ایسا پلٹا کھایا تھا کہ وہ جون پور کے گھر کی چار دیواری سے باہر مدتوں سے لکھنؤ کے کیلاش ہوٹل میں رہ رہی تھی۔ ایم۔ اے میں پڑھتی تھی اور اس فکر میں تھی کہ بس ایم۔ اے کرتے ہی پاکستان پہنچ جائے گی۔ اور ملازمت کرے گی۔ ارے صاحب آزاد قوم کی لڑکیوں کے لیے ہزاروں باعزت راہیں کھلی ہیں۔ کالج میں پڑھائیے۔ نیشنل گارڈز میں بھرتی ہو جائیے اخباروں میں مضمون لکھیے، ریڈیو پر بولیے۔ کوئی ایک چیز ہے جی ہاں۔ وہ دن گن رہی تھی کہ کب دو سال ختم ہوں اور کب وہ پاکستان اڑ چھو ہو..... لیکن پھر بابا کی محبت آڑے آ جاتی۔ دکھیا اتنے بوڑھے ہو گئے ہیں۔ آنکھوں سے بھٹائی بھی نہیں دیتا۔ کہتے ہیں ”بٹیا کچھ دن اور باپ کا ساتھ دے دو۔ جب میں مر جاؤں تو جہاں چاہتا جانا۔ چاہے پاکستان چاہے انگلینڈ اور امریکہ میں اب تمہیں کسی بات سے روکتا تھوڑا ہی ہوں۔ بٹیا تم بھی چلی گئیں تو میں کیا کروں گا۔ محرم میں میرے لیے سوز خوانی کون کرے گا۔ میرے لیے لوکی کا حلوہ کون بنائے گا۔ پوت پہلے ہی مجھے چھوڑ کر چل دیا۔“ پھر ان کی آنکھیں بھر آئیں اور وہ اپنی سفید داڑھی کو جلدی جلدی پونچھتے ہوئے باطنی کہہ کر دیواری کی طرف کروٹ کر لیتے۔

بڑی بھادج ان سے کہیں..... ”دیوانے ہوئے ہو۔ بٹیا کو کب تک اپنے پاس

आजादी के बाद उर्दू अफसाना

“जस्कर मनाओ—” आफ़ताब राय ने बेहद उकता कर कहा।

“और मुकम्मल स्ट्राइक करेंगे”

“जस्कर करो— खुश मुबारक करे—” उन्होंने आहिस्ता से कहा और धिक्क उठ कर अन्दर चले गए।

“कट्टर महासभाई निकला यह भी—” लड़के और लड़कियों ने आपस में कहा और बरसाती से बाहर निकल आए।

वह रात आफ़ताब राय ने सदीद बेचैनी से काटी। हालात बंद से बदतर होते जा रहे थे। मुसलमान तालिब इल्मों को अच्छे नम्बर ना मिलते। हिन्दुओं को यूँहीं पास कर दिया जाता। होस्टलों में हिन्दू मुसलमान इक्लूटे रहते थे। लेकिन जिन होस्टलों में मुसलमानों की अक्सरियत थी उस पर सब्ज़ परचम लहराने लगा था। उस के जवाब में ऐन मग़रिब की नमाज़ के वक़्त हिन्दू अक्सरियत वाले होस्टलों में लाऊड स्पीकर नस्ब कर के ग्रामो फ़ोन बजाया जाता।

चन्द रोज़ बाद आफ़ताब राय के सर में जाने क्या समाई के इस्तीफ़ा दे दिया और ग़ायब हो गए। सारे में दुँडिया मच गई। मगर डाक्टर आफ़ताब राय न अब मिलते हैं न तब। लोगों ने कहा एक चूल हमेशा से ज़रा झिली थी। संन्यास ले लिया होगा। फिर तक्रसीम का ज़माना आया। अब किसे होश था कि आफ़ताब राय की फ़िक्र करता। अपनी ही जानों के लाले पड़े थे।

मुल्क आज़ाद हो गया। खेम बती की शादी हो गई। किशवरी के घर वाले आधे पाकिस्तान चले गए। उस के बाबा अब बहुत बूढ़े हो गए थे। आँखों से कम दिखाई देता था। एक टांग पर फ़्रैक्चर का असर था। दिन भर वह ज़ौन पुर में अपने घर की बैठक में पलंगड़ी पर लेटे नादे अली का विर्द किया करते। और पुलिस हर वक़्त उन को तंग करती। “आप के बेटे का पाकिस्तान से आप के पास कब ख़त आया था? आप ने कराची में कितनी जाएदाद ख़रीद ली है? आप खुद कब जा रहे हैं?” असगर अब्बास उन का इकलीता लड़का था और अब पाकिस्तानी प्रिंज में मेजर था। न वह उन को ख़त लिख सकता और अगर मर जाए तो मरते वक़्त वह उस को देख भी न सकते थे।

वह तो किशवरी के लिए मुस्सिर⁽¹⁾ था कि वह उस के पास रावलपिन्डी चली आए। लेकिन डिप्टी साहब ही न राखी हुए कि आखिरी वक़्त बिटिया को भी

بشلاؤ گے۔ آج نہ مٹی کل مٹی۔ جانا تو اسے ہے ہی ایک دن۔ یہاں اس کے لیے اب کون سے رشتے رکھے ہیں۔ سارے اچھے اچھے لڑکے اکیو ایک پاکستان چلے گئے اور وہاں ان کی شادیاں بھی دھما دھب ہو رہی ہیں۔ یہ اصغر عباس کے پاس پہنچ جاتی تو وہ اسے بھی کوئی ڈھنگ کا لڑکا دیکھ کر ٹھکانے لگا دیتا۔ بڑی بھادج کی اس شدید حقیقت پسندی سے کشوری کو اور زیادہ کوفت ہوتی۔ اور یہ ایک واقعہ تھا کہ اس نے پاکستان کے مسئلے پر اس زاویے سے کبھی غور ہی نہ کیا تھا۔ ویسے وہ سوچتی کہ بابا ہندوستان میں ایسا کیا کھوٹا گاڑ کر بیٹھے ہیں۔ اچھے خاصے ہوائی جہاز سے چلے چلے مگر نہیں اور یہ جو بابا کی قوم پرستی تھی۔ سارا جون پور عمر بھر سے واقف ہے کہ بابا کتنے بڑے نیشنلسٹ تھے۔ تب بھی پولیس چیچا نہیں چھوڑتی۔ سارے حکام اور پولیس والے جن کے سنگ جنم بھر کا ساتھ اٹھنا بیٹھنا تھا وہی اب جان کے لاگو ہیں۔ کل ہی عجائب سنگ چوہان نے جو عمر بھر سے روزانہ بابا کے پاس بیٹھ کر شعر و شاعری کرتا تھا دو بار دوڑ بھجوا کر خانہ تلاشی لی۔ گویا ہم نے بندو قوں اور ہتھیاروں کا پورا میگزین دفن کر رکھا ہے۔ پھر اسے بار بار ترس آ جاتا۔ بے چارے بابا۔

اب ڈپٹی صاحب کی مالی حالت بھی ابتر ہوتی جا رہی تھی۔ اصغر عباس پاکستان سے روپیہ نہ بھیج سکتا تھا۔ جو تھوڑی بہت زمینیں تھیں ان پر ہندو کاشتکار قابض ہو گئے تھے اور دیوانی کی عدالت میں ڈپٹی صاحب کی فریاد کی سنوائی کا سوال ہی پیدا نہ ہوتا تھا۔ چھوٹی اماں مرحومہ کی مقدمہ بازیوں کے بعد جو کچھ زیور بیچ رہا تھا وہ بڑی بھادج نے سمیٹ کر بہو کے حوالے کر دیا تھا جو وہ پاکستان لے گئی تھی۔ باقی روپیہ ڈپٹی صاحب کے پنشن کا کشوری کی تعلیم پر خرچ ہو رہا تھا۔ ان کے علاج کے لیے کہاں سے آتا۔ اور فالج تو ہوا ایسا روگ ہے کہ جان لے کر چیچا چھوڑتا ہے۔ چنانچہ نوبت یہ پہنچی کہ چپکے چپکے بڑی بھادج نے مجموعی کم کے ذریعہ چند ایک گینے جو بیچ رہے تھے فروخت کر دیا۔ ویسے اس میں ایسی شرم کی تو کوئی وجہ نہ تھی..... وہ شل ہے کہ مرگ انہو جسے واردہ ان گنت مسلمان گھرانے ایسے تھے جہاں اپنے گھنے اور چاندی کے برتن بیچ کر گزارہ کر رہے تھے لیکن بڑی بھادج ناک والی آدمی تھیں اور ابھی ان کے بھلے دقتوں کو سدھارے عرصہ ہی کتنا ہوا تھا۔ کشوری کو جب یہ معلوم ہوا تو اس کی سٹی گم ہو گئی۔ اس نے پاکستان جانے کا خیال ترک کر دیا۔ اور سرگرمی سے ملازمت کی تلاش میں جٹ مٹی۔

आजादी के बाद उर्दू अफसाना

नज़रों से ओझल कर दें। वही किश्वरी जिस की ऐसे बिस्मिल्लाह के गुंबद में परवरिश हुई थी। और अब वक़्त ने ऐसा पलट ख़ाया था कि वह जौनपुर के घर की चार दीवारी से बाहर मुद्दतों से लखनऊ के कैलाश होस्टल में रह रही थी। एम. ए में पढ़ती थी और इस फ़िल्म में थी के बस एम. ए करते ही पाकिस्तान पहुंच जायेगी और मुलाज़मत करेगी। अरे साहब आज़ाद क़ौम की लड़कियों के लिए हज़ारों बाइज़त राहें खुली हैं। कालेज में पढ़ाइए, नेशनल गार्ड में भर्ती हो जाइये अख़बारों में मज़मून लिखिए, रेडियो पर बोलिए, कोई एक चीज़ है जी हां, वह दिन गिन रही थी कि कब दो साल ख़त्म हों और वह कब पाकिस्तान उड़न लू हो — लेकिन फिर बाबा की मुहब्बत आड़े आ जाती। दुखिया इतने बूढ़े हो गए हैं आख़ों से सुझाई भी नहीं देता।" कहते हैं "बेटा कुछ दिन और बाप का साथ दे दो जब मैं मर जाऊं तो जहां चाहना जाना। चाहे पाकिस्तान चाहे इंग्लैंड और अमेरीका मैं अब तुम्हें किसी बात से रोकता थोड़ा ही हूं। बेटा तुम भी चली गई तो मैं क्या करूंगा। मुहर्रम में मेरे लिए सोज़ ख़ानी कौन करेगा मेरे लिए लौकी का हलवा कौन बनाएगा। पूत पहले ही मुझे छोड़ कर चल दिया।" फिर उन की आखें भर आई और वह अपनी सफ़ेद दाढ़ी को जल्दी जल्दी पोंछते हुए या अली, कह कर दीवार की तरफ़ करवट कर लेते।

बड़ी भावज उन से कहतीं—“दीवाने हुए हो। बिटिया को कब तक अपने पास बिठलाओगे। आज न गई कल गई। जाना तो उसे है ही एक दिन। यहां उस के लिए अब कौन से रिस्ते रखे हैं। सारे अच्छे अच्छे लड़के एकाएक पाकिस्तान चले गए और वहां उन की स़ादियां भी धवा धवा हो रही हैं। वह असग़र अब्बास के पास पहुंच जाती तो वह उसे भी कोई ठंग का लड़का देख कर ठिकाने लगा देता।” बड़ी भावज की इस सदीद हकीक़त पसंदी से किश्वरी को ज़्यादा कोपित होती। और यह एक वाक़ेया था कि उसने पाकिस्तान के मसले पर इस ज़ाबिये से कभी ग़ौर ही न किया था। जैसे वह सोचती कि बाबा हिन्दुस्तान में ऐसा क्या खूंट गाढ़ कर बैठे हैं। अच्छे क़ासे हवाई ज़हाज़ से चले चलते मगर नहीं और वह जो बाबा की क़ौमपरस्ती थी। सारा जौनपुर उम्र भर से वाकिफ़⁽¹⁾ है कि बाबा कितने बड़े नेशनलिस्ट थे। तब भी पुलिस पीछा नहीं छोड़ती। सारे हुक्काम और पुलिस वाले जिन के संग जन्म भर का साथ उठना बैठना था वही अब जान के

1. परिचित

لیکن ایک جگہ تو اس سے صاف صاف کہہ دیا گیا صاحب بات یہ ہے کہ جگہ تو خالی ہے لیکن ہم شراب تھی لڑکیوں کو ترجیح دے رہے ہیں اور ظاہر ہے کہ آپ کسی خانگی مجبوری کی وجہ سے ہندوستان میں رکی ہوئی ہیں۔ پہلا موقع ملے ہی آپ بھی پاکستان چلی جائیے گا۔ اور وہ محکم پھر کر جون پور لوٹ آئی۔ بڑی بھادج نے اس سے کہا۔ ”وہ تمہاری گونیاں تھیم کے ماموں آفتاب بھادج تھے۔ ان کو ہی جا کر پکڑو۔ وہ تو بڑے ہائر آدی ہیں اور بڑے شریف ضرور مدد کریں گے۔“ اور کشوری کو خیال آیا کہ کس طرح وہ جلوس بنا کر ان کے پاس پہنچی تھی اور اس کو سخت ست سنائی تھیں۔ اس کے اگلے ہی پختے وہ غائب ہو گئے تھے۔

آفتاب رائے..... اب پتہ نہیں وہ کہاں ہوں گے۔ اڑتی اڑتی سنی تھی کہ بمبئی میں حکومت کے خلاف تقریر کرنے کے جرم میں ان کو احمد آباد جیل میں بند کر دیا گیا تھا نیل سے چھوٹے تو کچھ اور گڑ بڑی ہوئی اور اب شاید وہ روس میں ہیں اور سر قندریڈ پو سے اردو میں خبریں سناتے ہیں۔ دوسری روایت یہ تھی کہ نہیں صاحب ڈاکٹر آفتاب رائے تو آج کل چنڈت جی کی بالکل موٹھے کا بال بنے ہوئے ہیں اور ان کو ری پبلک لکھی ڈورا میں ہند کا سفیر بنا کر بھیجا جا رہا ہے۔ بہر حال صاحب تو عرصہ سے گویا مستقل ”ذیر زمین“ تھے۔

بچارے آفتاب رائے۔

آج چاند رات تھی۔ محلے میں نقارہ رکھا جا چکا تھا۔ مجلسیں اب بھی ہوتیں۔ لیکن وہ چہل پہل، رونق اور بے فکری تو سب کی خواب و خیال ہو چکی تھی۔ ڈیوڑھی میں ڈولیاں اتارنی شروع ہوئیں اور دیہاں آ آ کر امام باڑے کے دالان میں بیٹھنے لگیں۔ کشوری بے دلی سے دلہیز پر اپنی پرانی جگہ پر بیٹھی رہی۔ دالان کی چاندنی جس پر گل دھرنے کی جگہ نہ ہوتی تھی۔ اب چھدری چھدری نظر آتی تھی۔ سارے خاندانوں میں سے دو دو تین تین افراد تو ضرور ہی ہجرت کر گئے تھے۔ بڑی بھادج بہت مشکل سے پاؤں کھینچتی ابھر ادھر چل رہی تھیں۔ اب وہ الٹے تلنے کہاں۔ ساری مہریاں اور کارہنیں اور پائیں ایک ایک کر کے چھوڑ کر چل دیں۔ بس گونڈی مولہ رہ گئی تھی۔ سو اس کی آواز کو بھی پالہ مار گیا تھا لیکن جھمو بیگم کو اتنا دیکھ کر وہ بھر لٹکاری۔ ”آگئیں جھمو..... آؤ جم جم آؤ۔“

आज़ादी के बाद उर्दू अफ़साना

लागू हैं। कल ही अजायब सिंह चौहान ने जो उम्र भर से रोज़ाना बाबा के पास बैठ कर शेरों शायरी करता था दोबारा दौड़ भिजवा कर खाना तलाशी ली। गोया हम ने बंदूकों और हथियारों का पूरा मैगज़ीन दफ़न कर रखा है। फिर उसे बार बार तरस आ जाता, बेचारे बाबा।

अब डिप्टी साहब की माली हालत भी बदतर होती जा रही थी। असगर अब्बास पाकिस्तान से रुपया न भेज सकता था। जो थोड़ी बहुत ज़मीनें थी उन पर हिन्दू काश्तकार क़ब्ज़ हो गए थे। और दीवानी की अदालत में डिप्टी साहब की सुनवाई का सवाल ही पैदा न होता था। छोटी अम्मां मरहूमा की मुक़द्दमा बाज़ियों के बाद जो कुछ ज़ेवर बच रहा था वह बड़ी भावज ने समेट कर बड़ी बहू के हवाले कर दिया था। जो वह पाकिस्तान ले गई थी। बाक़ी रुपया डिप्टी साहब की पेन्शन का किश्वरी की तालीम पर खर्च हो रहा था। उन के इलाज़ के लिए कहां से आता। और फ़ालिज तो बुवा ऐसा रोग है के जान ले कर पीछ छोड़ता है। चुनांचे नौबत यह पहुंची के चुपके चुपके बड़ी भावज ने छम्मो बेगम के ज़रिया चंद एक गहने जो बच रहे थे फ़रोख़्त करवा दिए। वैसे इसमें ऐसी शर्म की तो कोई वजह न थी वह मिस्ल है के “मरगेअमबोह ज़श्ने दारद”,⁽¹⁾ अनगिनत मुसलमान घराने ऐसे थे जो अपने अपने गहने और चांदी के बर्तन बेच कर गुज़ारा कर रहे थे। लेकिन बड़ी भावज नाक वाली आदमी थीं और अभी उन के भले वक्त्रों को गुज़रे अरसा ही कितना हुआ था। किश्वरी को जब यह मालूम हुआ तो उस की सिट्ठी गुम हो गई। उस ने पाकिस्तान जाने का ख़याल तर्क कर दिया। और सरगरमी से मुलाज़मत की तलाश में जुट गई।

लेकिन एक जगह तो उस से साफ़ साफ़ कह दिया गया साहब बात यह है कि जगह तो ख़ाली है लेकिन हम शरणार्थी लड़कियों को तरजीह दे रहे हैं और ज़ाहिर है कि आप किसी ख़ानगी मजबूरी की वजह से हिन्दुस्तान में रुकी हुई हैं। मौक़ा मिलते ही आप भी पाकिस्तान चले जाइयेगा।

और वह घूम फिर कर जौनपुर लौट आई। बड़ी भावज ने उस से कहा—“वह तुम्हारी गोइयां खेम के मामू आप्रताब बहादुर थे। उन को ही ज़ाकर पकड़ो वह तो बड़े बाअसर आदमी हैं और बड़े शरीफ़ ज़रूर मदद करेंगे।” और किश्वरी को ख़याल आया कि किस तरह वह जुलूस बना कर उन के पास पहुंची

1. दूसरों की मौत, ज़श्न बन जाती है

محمو بیگم چپ چاپ آکر منبر کے پاس کھڑی ہو گئیں۔ زیارت پڑھ کر تعزیوں کو جھک کر سلام کرنے اور کنپٹیوں پر انگلیاں چٹکا کر جناب علی اصغر کے سبز جارجٹ کے گہوارے کی بلائیں لینے کے بعد انہوں نے عالموں کو مخاطب کر کے آہستہ سے کہا۔ ”مولّا! یہ آخری محرم ہے۔ ارے اب تمہاری مجلسیں یہاں کیسے کر دوں گی۔“ اور یہ کہہ کر انھوں نے زور شور سے رونا شروع کر دیا۔

یوادمّن اپنی پرانی ”ہشمانگی“ فراموش کر کے سرک کر ان کے قریب آ بیٹھیں اور بولیں۔ ”.....“ ”لو یوادمّن حسین کو یاد کرو۔ اپنا غم ہلکا ہو جائے گا۔ مولّا تو ہر جگہ ہیں۔ کیا پاکستان میں نہیں ہیں.....“

”ہاں۔ ہاں.....“ باقی بیبیوں نے آنسو خشک کرتے ہوئے تائید کی.....
 ”مولّا کیا پاکستان میں نہیں..... تم وہاں مولّا کی مجلسیں قائم کرنا۔“
 ”لو یوادمّن..... ہم بھی چل دیے پاکستان.....“ جب محفل کی رقت ذرا کم ہوئی اور محمو بیگم چاند رات کا بیان ختم کر چکیں تو یوادمّن نے اپنا اناؤنسٹ بھی کر ڈالا۔
 ”سچ کہو یوادمّن.....“ بڑی بھادج نے گونٹا پھاکتے ہوئے پوچھا۔
 ”ہاں چل دیے ہم بھی.....“ یوادمّن نے اعتراف کیا۔

”کیسے چل دیں.....؟“ بڑی بھادج کو ایک طرح سے رشک ہی آیا۔ اچھے خامے لوگ تو نکلنے چلے جا رہے ہیں۔ سب فیضیتوں سے الگ۔ سارے دلدر دور ہو جاویں گے وہاں پہنچ کر۔

”بس بڑی بھادج کا لڑکا نہیں مانتا..... وہاں سے ہر بار خط میں لکھتا ہے کہ بس اماں آ جاؤ..... کوئی گھوڑی جگہ سکھر ہے۔ وہاں اس نے راشن کی ڈپو کھول لی ہے۔“
 ”اچھا.....؟ شکر ہے، مولّا سب کی بگڑی بتائیں.....“ بڑی بھادج نے کہا۔
 ”ماشور کی شب لیتے“ یوادمّن نے جو حسب معمول عینک گھر بھول آئی تھیں۔ دوبارہ غلط مشورہ شروع کیا۔ لیکن سب پر ایسی اداسی اور استہانت طاری تھی کہ کسی نے ان کی صحیح کرنے کی ضرورت نہ سمجھی۔ بہن نے آواز ملائی..... چرائیوں کی روشنی دالان میں مدھم سا زرد اجالا نکھیرتی رہی۔ آنگن کا گھیس کا ہنڈہ چپلا پڑتا جا رہا تھا۔ اس تاریکی میں کشوری سیاہ دوپٹے سے سر ڈھانپنے اپنی جگہ پر اکڑوں بیٹھی سامنے رات کے آسمان کو دیکھتی رہی۔

आजादी के बाद उर्दू अफसाना

थी। और उसको सख्त सुस्त सुनाई थीं। उस के अगले ही हफ्ते वह गायब हो गए थे।

आफ़ताब राय... अब पता नहीं वह कहाँ होंगे। उड़ती उड़ती सुनी थी कि बम्बई में हुकूमत के खिलाफ़ तक्रार करने के जुर्म में उन को अहमदाबाद जेल में बन्द कर दिया गया था। जेल से छूटे तो कुछ और गड़बड़ हुई और अब शायद वह रूस में हैं और समरकन्द रेडियो से उर्दू में ख़बरें सुनाते हैं। दूसरी रिवायत यह थी कि नहीं साहब डाक्टर आफ़ताब राय तो आज कल पंडितजी की बिलकुल मूँछ का बाल बने हुए हैं और उन को रिपब्लिक लम्पी छोरा में हिन्द का सफ़ीर बनाकर भेजा जा रहा है। बहरहाल साहब तो अर्से से गोया मुस्तक़िल⁽¹⁾ "जेरे ज़मीन" थे।

बेचारे आफ़ताब राय।

आज चांद रात थी मोहल्ले में नज़्ज़ारा रखा जा चुका था। मजलिसें अब भी होतीं। लेकिन वह चहल पहल, रौनक और बेफ़िक़्री तो कब की ख़्वाबों ख़्याल हो चुकी थी। इयोदी में छोलियां उतरनी शुरू हुई और बीबियां आ आकर इमाम बादे के दालान में बैठने लगीं। किश्वरी बे दिली से दहलीज़ पर अपनी पुरानी जगह पर बैठी रही। दालान की चांदनी जिस पर तिल धरने की जगह न होती थी। अब छिदरी छिदरी नज़र आती थी। सारे ख़ानदानों में से दो दो तीन तीन आफ़ताब तो ज़रूर ही हिजरत कर गए थे। बड़ी भावज बहुत मुश्किल से पांच घसीटती इधर उधर चल रही थीं। अब वह अलल्ले तलल्ले कहाँ। सारी मेहरियां और कहारने और पासनें एक एक कर के छोड़ कर चल दीं। बस निगोड़ी ममूला रह गई थी। सो उस की आवाज़ को भी पाता मार गया था। लेकिन छम्पो बेगम को आता देख कर वह फिर ललकारी।

"आगई छम्पो- आओ जम जम आओ"

छम्पो बेगम चुपचाप आकर मिमबर के पास खड़ी हो गई। ज़ियारत पढ़कर ताज़ियों को झुक कर सलाम करने और कनपट्टियों पर उंगलियां चटका कर जनाब अली असगर के सब्ज़ जारजट के गह्वारे की बलाएँ लेने के बाद उन्होंने आसिमों को मुखातिब कर के आहिस्ता से कहा- "मौला! यह आख़री मुहर्रम है। अरे अब तुम्हारी मजलिस यहां कैसे कलूंगी" और यह कह कर उन्होंने ने जोर शोर से रोना

(8)

کنول کماری جین نے مہمانوں کے جانے کے بعد نشست کے کمرے میں واپس آکر درپچوں کے پردے گرائے اور چائے کا سامان میزوں پر سے سیٹھے لگی۔ مدراسی آیا ایک ہی تھی جسے وہ ہمراہ لیتی آئی تھی اور پولیس میں ملازموں کے فہدان پر اس نے طہری اڈوانزر بریگیڈ پر گھنہ کی بیوی سے بزارقت آمیز تبادلہ خیالات کیا تھا۔ گھر کی صفائی اور بچے کی دیکھ بھال کے بعد جو اسے وقت ملتا اس میں وہ رائل اکیڈمی آف ڈرامٹک آرٹ جاکر پوگرنی سیکسٹی تھی۔ سرلارنس اور لیڈی اولیور، ایتھنی اسکو۔ جھ کر سطر فرانی ان سب سے اس کی بڑی گہری دوستی تھی۔ یہ سب مل کر گھنٹوں فن اداکاری، جدید آرٹ اور ہندوستانی نیلے پر گفتگو کرتے۔ جین کے پاس ان سب بکھیروں کا وقت نہ تھا۔ ساڑھے آٹھ بجے رات کو تو وہ دفتر سے نپٹ کر اٹھیا ہاؤس سے لوٹا۔ اور وہ تو بات صاف کہتا تھا کہ بھائی میں انٹی لکچر نیل وٹکچو نیل نہیں ہوں۔ سیدھا سادا آدمی اور جس ڈھرے پرسن پینتیس سے چل رہا ہوں وہی میرے لیے ٹھیک ہے۔ انگریز کے زمانے میں وہ ملک کے طبقاتی قطب جینار کی سب سے اونچی سیرمی پر پہنچ چکا تھا اور اب تو وہ اتنا اونچا تھا کہ بالکل بادلوں پر براجمان تھا۔ انگریز کے زمانے میں ڈرامیں سوٹ پہنتا۔ اب سفید چوڑی دار پا جامے اور سیاہ شیروانی میں ملیوس سفارتی میاںفوں میں کیا ہلکی پھلکی نیپ تلی ہاتیں کرتا۔ خود کنول کیا کم مصر کے کی خاتون تھی۔ جہاں جاتی محفل جگمگاتھی۔ واہ واہ۔ مثلاً آج ہی کی پارٹی میں اس نے کورپا کی کرشامین والی تجویز کے سلسلے میں "نیو اسٹیلٹس مین ایڈنیشن" کے ایڈیٹر سکٹزلے مارٹن اور جدید شاعر لوئی مک نیس دونوں کے چٹکے چھڑا دیے۔ سب کو قائل ہونا پڑا۔ چاند باغ کے اچھے پرانے سنہرے دنوں میں خیرہ یوں ہی جھپٹ میں اٹکچو نیل بن گئی تھی کہ یونہی کی زندگی کا یہ ایک لازمی جزو تھا۔ پر یہ تو ان دنوں اس کے سان و گمان میں بھی نہ تھا کہ ایک روز وہ ان ساری جید بین الاقوامی گیسرس ہستیوں سے بھائی چارے کے ساتھ ملا کرے گی جیسے وہ سب گاجر مولی ہیں۔

"سور یہ است ہو گیا..... سور یہ است ہو گیا....." ارطاسٹکاتی ہوئی اندر

आज़ादी के बाद उर्दू अफ़साना

शुरू कर दिया।

बुआ मुद्दन अपनी पुरानी "दुश्मनागी" फ़रामोश कर के सरक कर उनके करीब आ बैठी और बोली—“लो बुआ ग़मे हुसैन को याद करो। अपना ग़म हलका हो जाएगा मौला तो हर जगह है, क्या पाकिस्तान में नहीं है—”

“हां हां---” बाक़ी बीबियों ने आंसू खुश्क करते हुए ताईद की---

“मौला क्या पाकिस्तान में नहीं--- तुम वहां मौला की मजलिसें क़ायम करना।”

“लो बुआ—हम भी चल दिए पाकिस्तान—” जब महफ़िल की रिक्कत ज़रा कम हुई और छम्मों बेगम चांद रात का बयान ख़त्म कर चुकी तो बुआ मुद्दन ने अपना एनाउंसमेंट भी कर डाला।

“सच कहो बुआ मुद्दन—” बड़ी भावज ने गांठ फांकते हुए पूछा “हां बीबी चल दिए हम भी” बुआ मुद्दन ने एतराफ़ किया।

“कैसे चल दीं—”? बड़ी भावज को एक तरह से रश्क ही आया। अच्छे खासे लोग तो निकलते चले जा रहे हैं। सब फ़ज़ीहतों⁽¹⁾ से अलग, सारे दलित्तर दूर हो जावेंगे वहां पहुंच कर।

“बस बड़ी भावज का लड़का नहीं मानता—वहां से हर बार ख़त में लिखता है कि बस अम्मां आ जाओ—कोई निगोड़ी जगह सक्खर है। वहां उस ने राशन की डिपो खोल ली है”।

“अच्छ—? शुक्र है, मौला सब की बिगड़ी बनाए—” बड़ी भावज ने कहा।

“आशूर⁽²⁾ की शबे लैला” बुआ मुद्दन ने जो हस्ने मामूल ऐनक घर भूल आई थीं। दोबारा ग़लत मशवरा शुरू किया। लेकिन सब पर ऐसी उदासी और ठकताहट तारी थी कि किसी ने उन की तस्हीह⁽³⁾ क़त्ने की ज़रूरत न समझी। बग़न ने आवाज़ मिलाई—चिराग़ों की रौशनी दालान में मद्धम सा ज़र्द उजाला बिखेरती रही। आंगन का गैस का हुंछ पीला पड़ता जा रहा था। उस तारीक़ी में किश्वरी सियाह दुपट्टे से सर ढांपे अपनी जगह पर ठकई बैठी सामने रात के आसमान को देखती रही।

آئی.....“ کنول دیدی..... جاتے جاتے مجھے خیال آیا کہ ایک بار آپ کو پھر یاد دلا دوں کہ آپ کو مجلس میلے میں آنا ہے۔“

”ہاں ہاں بھئی.....“ کنول نے جواب دیا۔“ اور وہ میری کتاب تو دیتے جاؤ۔“
 ”ارے ہائے.....“ ارطال نے رک کر کہا۔ ”وہ تو ڈاکٹر آفتاب رائے نے مجھ سے لے لی۔ وہ مجھے اٹریا آفس لائبریری سے نکلے ہوئے مل گئے تھیں کر لے گئے۔ کہنے لگے کل دے دیں گے۔“

”ڈاکٹر..... آفتاب..... رائے.....“ کنول نے دہرایا۔

”ہاں کنول دیدی.....“ ارطال نے اسی طرح لاپرواہی سے بات جاری رکھی۔ ”وہ تو دن بھر یوں ہی لائبریریوں میں گھسے رہتے ہیں۔ آج کل ایک نئی کتاب لکھ رہے ہیں۔ آج مبینوں کے بعد اتفاقاً نظر آگئے۔ ان کا کوئی مجروسہ تھوڑا ہی ہے۔ لیکن کل وہ براڈ کاسٹنگ ہاؤس آرہے ہیں۔ وہاں کتاب مجھے لوٹا دیں گے..... اچھا گڈ نائٹ کنول دیدی.....“

”گڈ نائٹ ارطال.....“

”ارے ہاں۔“ اس نے جاتے جاتے رک کر پھر کہا۔ ”کل آپ رائل کماٹھ پرفارمنس میں جا رہی ہیں۔؟ آپ کو تو سر رالف ریڈن نے خود ہی بلایا ہوگا۔“
 ”ارے نہیں بھئی.....“ کنول نے پیشانی پر سے ہال ہٹا کر حسی حسی ہوئی آواز میں کہا۔ (یہ بھی اس کا ایک پوز ہے۔) ایک دل جلی سزا چاریہ نے جو سکھ سکریٹری کی بیوی تھی۔ مارے حسد کے اپنی ایک سبیلی سے کہا تھا۔ ”جانتی ہے کہ بکھرے ہوئے ہال اس کے اوپر زیادہ اچھے لگتے ہیں۔ چڑیل کہیں کی۔“ ”نہیں بھئی ارطال مجھے یہ پارٹیوں اور سفارتی مصروفیتوں کا سلسلہ بعض دفعہ بالکل بور کر دیتا ہے۔ اس سے کہیں پتا نہیں۔“

”اچھا گڈ نائٹ۔“

”اچھی طرح سوؤ.....“ کنول نے کہا۔ ارطال ہر چند تھوڑا چڑا دھیا کا کورس سمجھتا تو ہوئی مٹی منزل میں اپنے کمرے کی طرف چلی گئی۔

اٹریا آفس لائبریری سے نکلے ہوئے مل گئے۔ ڈاکٹر آفتاب رائے مل گئے۔ اتنی ان

आजादी के बाद उई अफ़साना

कंवल कुमारी जैन ने मेहमानों के जाने के बाद निरास्त के कमरे में वापस आकर दरीचों के परदे गिराए और चाय का सामान मेजों पर से समेटने लगी। मदरासी आया एक ही थी जिसे वह हमराह लेती आई थी। और प्रदेस में मुलाजिर्मों के फ़ुक़्तदान पर उस ने मिलिट्री एडवायज़र ब्रीगेडियर खन्ना की बीबी से बड़ा रिक्कत-आमेज़⁽¹⁾ तबादला-ए-ख़्यालात किया था। घर की सफ़ाई और बच्चे की देखभाल के बाद जो उसे वक़्त मिलता उस में वह रॉयल अकेडमी आफ़ ड्रामेटिक आर्ट जा कर जाग्रयोप्रेप्री सीखती थी। सर लॉरेन्स और लेडी ओलीवेर, एंथनी एसकोएथ क्रिस्तोफ़र फ़राई इन सब से उसकी बड़ी गहरी दोस्ती थी। यह सब मिलकर घंटों फ़ने अदाकारी, जदीद आर्ट और हिन्दुस्तानी बेले पर गुफ़्तगू करते। जैन के पास इन सब बख़ेड़ों का वक़्त न था। साढ़े आठ बजे रात को तो वह दफ़्तर से निपट कर इन्डिया हाउस से लौटता। और वह तो बात साफ़ कहता था कि भाई में इंटिलैक्चुअल विंटीलेक्चुअल नहीं हूं। सीधा सादा आदमी और जिस छे पर सन पैन्तीस से चल रहा हूं वही मेरे लिए ठीक है। अंग्रेज़ के ज़माने में वह मुल्क के तबकाती कुतुबमीनार की सब से ऊंची सीढ़ी पर पहुंच चुका था और अब तो वह इतना ऊंचा था कि बिल्कुल बादलों पर बिराजमान था। अंग्रेज़ के ज़माने में ड्रप्स सूट पहनता। अब सफ़ेद चूड़ी दार पाजामा और सियाह शेरबानी में मलबूस सिफ़रती ज़ियाफ़तों में क्या हलकी फुल्की नपी तुली बातें करता। खुद कंवल क्या कम मार्के की ख़ातून थी। जहां जाती महफ़िल जगमगा उठती। वाह। वाह मसलन आज ही की पार्टी में उस ने कोरिया की कृष्णा मैनन वाली तजवीज़ के सिलसिले में "न्यू स्टेट्स मैन एन्ड नेशन" के एडीटर किंगज़ले मार्टिन और जदीद शायर लोई मिक नेस दोनों के छक्के छुड़ा दिये। सब को क़ाइल होना पड़ा। चांद बाग के अच्छे पुराने सुनहरे दिनों में खैर वह यूँही इपिस्ट में इंटिलैक्चुअल बन गई थी कि यूनिवर्सिटी की ज़िन्दगी का यह एक लाज़मी जुज़ब था। पर यह तो उन दिनों उस के सानोगुमान में भी न था कि एक रोज़ वह उन सारी ज़य्यद⁽²⁾ बैनुल-अक्वामी⁽³⁾ ग़्लैमरस हस्तियों से भाई चारे के साथ मिला करेगी जैसे वह सब गाजर मूली हैं।

"सूर्य अस्त हो गया— सूर्य अस्त हो गया—" उर्मिला गुनगुनाती हुई अन्दर आई— "कंवल दीदी-जाते जाते मुझे ख़याल आया के एक बार आप को फिर याद

کا کوئی بھروسہ تھا تو اسی ہے۔ چھین کر لے گئے..... کہنے لگے کل دے دیں گے۔ وہ صوفے پر بیٹھ گئی۔

”واستغفری.....“ اس نے جھلا کر آواز دی۔..... ”کھانا گرم پر لگا دو.....“ اس نے ٹیلی ویژن کھولا۔ بکواس ہے۔ بند کر دیا۔ پھر اس نے ریڈیو لگایا۔ بکواس تھا۔ اسے بھی بند کر دیا۔ کیا پتہ اس سے لکھنؤ ریڈیو پر ارچنا بھرتی گاتی ہو پو ہوڑی چھوڑنا..... فکر کر بوجئے ہو..... اور چاند باغ کی خاموش سڑکوں پر سے لڑکیاں لینٹرن سروں کے بعد لوٹتی ہوں گی۔

میں نے کیا کیا تھا.....؟ اس نے سوال کیا۔ کچھ نہیں۔ میں دس سال سے کنول کماری جین ہوں۔ یہ تو کچھ بات نہ بنی، بات کس طرح بنتی ہے۔ کیوں نہیں بنتی۔ سال گذرتے جا رہے ہیں۔ میں کنول کماری جس نے یہ سب دیکھا، ایک روز یوں ہی ختم ہو جاؤں گی۔ اور تب بہت اچھا ہوگا۔

ایسا نہ ہونا چاہیے تھا۔ پر ہو گیا۔

”کنول ڈارلنگ“..... ثروت نے انگلی اٹھا کر سخت صوفیانہ انداز میں اس سے کہا تھا..... ”جن ڈھونڈ حاتق پائیاں گہرے پانی چینے۔“..... میں برہن ڈوبت ڈری رہی کنارے بیٹھ.....؟ کنول نے سوچا تھا۔ کنارہ بھی تو نہیں ہے۔

پانے کے کیا معنی ہیں؟ کیا ملتا ہے؟

باہر اندھیرا تھا اور سردی اور بیکراں خاموشی۔ میں زندہ ہوں۔

ارے بھی آفتاب بہادر..... اس نے غصے سے سر ہلا کر دل میں سوال کیا۔

..... کیوں چلے گئے تھے۔ میں نے تمہارا کچھ بگاڑا تھا تو اسی تھا۔ تم اپنے آپ میں مگن رہتے میں وہیں کہیں تمہاری زندگی کے تانے بانے کے کسی کونے میں آکر چپکلی بیٹھ جاتی اور بس تمہارے لیے لوریاں بتایا کرتی۔ تم اسی طرح رہتے۔ اس میں تمہاری شکست نہ تھی۔ تمہاری جھیل تھی میاں آفتاب بہادر.....؟

آفتاب بہادر..... اب جو میں ہوں اور جو تم ہو..... کیا یہی بہت

आजादी के बाद उर्दू अफ़साना

दिला दूँ कि आप को मजलिस मेले में आना है।”

“हां हां भई—” कंवल ने जवाब दिया। “और वह मेरी किताब तो देते जाओ।”

“अरे हाय—” उर्मिला ने रुक कर कहा। “वह तो डाक्टर आफ़्ताब राय ने मुझ से ले ली वह मुझे इन्डिया आफ़्रिस लाइब्रेरी से निकलते हुए मिल गए छीन कर ले गए। कहने लगे कल देंगे”

“डाक्टर— आफ़्ताब राय।” कंवल ने दुहराया।

“हां कंवल दीदी—” उर्मिला ने इसी तरह लापरवाही से बात जारी रखी “वह तो दिन भर यूं ही लाब्रेरी में घुसे रहते हैं। आजकल एक नई किताब लिख रहे हैं। आज यूं महीनों के बाद इत्तेफ़ाक़न नज़र आ गए। उन का कोई भरोसा थोड़ा ही है। लेकिन कल वह ब्रॉड कास्टिंग हाउस आ रहे हैं। वहां किताब मुझे लौटा देंगे- अच्छा गुडनाइट कंवल दीदी—”

“गुडनाइट उर्मिला—”

“अरे हां” उस ने जाते जाते रुक कर फिर कहा- “कल आप रॉयल कमांड परफ़ेमेन्स में जा रही हैं— ? आप को तो सर राल्फ़ रैडसन ने खुद ही बुलाया होगा।

“अरे नहीं भई—” कंवल ने पेशानी पर से बाल हटाकर धकी धकी हुई आवाज़ में कहा। (“यह भी इस का एक पोज़ है—” एक दिल जली मिसेज अचार्य ने जो सैकंड सेक्रेटरी की बीवी थी। मारे हसद के अपनी एक सहेली से कहा था “जानती है कि बिखरे हुए बाल उस के ऊपर ज़्यादा अच्छे लगते हैं। चुड़ैल कहीं की) ” नहीं भई उर्मिला मुझे यह पार्टियों का और सिक़रती मसलफ़ियतों का सिलसिला बाज़ दफ़्न बिल्कुल बोर कर देता है। उस से कहीं पनाह नहीं”

“अच्छा गुडनाइट”

“अच्छी तरह सोओ—” कंवल ने कहा उर्मिला हॉर्र नाथ चट्टोपाध्याय का कोरस गुनगुनाती हुई निचली मंज़िल में अपने कमरे की तरफ़ चली गई।

इन्डिया आफ़्रिस लाइब्रेरी से निकलते हुए मिल गए। डाक्टर आफ़्ताब राय मिल गए। अजी इन का कोई भरोसा थोड़ा ही है। छीनकर ले गए—कहने लगे

ٹھیک ہے۔؟

بہت زمانہ ہوا اس نے چاند باغ میں ایک لڑکی کو دیکھ جو آفتاب رائے کو بہت پہلے سے جانتی تھی۔ سوچا تھا کہ جانے آفتاب کی بیوی کیسی ہوگی۔ (ایک بار خود اس کے لیے اس کی دوست ثروت نے ایک بور سے آدمی کی تصویر سامنے لا کر کہا تھا۔ آنے والے دور کی دھندلی سی ایک تصویر دیکھ.....!! اور کمال یہ کہ عین..... اسی طرح کا آدمی جین نکلا.....) آفتاب کی بیوی پہ فقرہ کتنا عجیب لگتا تھا۔ کوئی ہوگی چڑیل۔ آخر میں یہ سب کرکری کھاتے ہیں۔..... ثروت نے اضافہ کیا تھا۔ خوبصورت تو ضرور ہوگی اور ٹینس کھیلتی ہوگی جس کا آفتاب کو اتنا شوق ہے۔ لیکن فرائے بھرنے اور ہوا میں اڑنے والی لڑکیاں تو وہ سخت ناپسند کرتا تھا جس کو وہ پسند کرے گا وہ تو بہت ہی عمدہ ہوگی بس بالکل مجموعہ خوبی۔ چندے آفتاب چندے مہتاب۔ جی ہاں اور مجھ میں کیا برائی تھی؟ اس نے طے کرنا چاہا کہ آفتاب کا رویہ یہ تھا کہ اس پر کنول کماری پر یہ وحی اترنی چاہیے تھی۔ کہ یہ مہاراش آسمان پر سے خاص اس کے لیے بھیجا گیا ہے لیکن یہ اس کی اپنی مرضی پر منحصر ہے کہ وہ اس کنول کماری سے یا روزانہ آکر طے یا کبھی نہ طے۔ اس سے طلبہ اور بچے جتنی سنے۔ پوریاں بنوا کر کھائے۔ پھر ایک روز اطمینان سے آگے چلا جائے اور یہ کنول کماری بعد میں بیٹہ کر جھک مارتی رہے۔ اور کیا وہ اس کے پیچھے پیچھے ڈنڈا لے کر دوڑتی کہ اے میاں آفتاب بہادر ایک بات سنتے جائیں..... ان دنوں ثروت نے ایک اور لطیفہ ایجاد کیا۔ پھیل کے بعد ایک روز اس نے ”گینگ“ کے باقی افراد سے کہا:..... بھیجی نمبر ۱۲۹۔ پی۔ سین روڈ پر آج کل یہ سلسلہ ہے۔ اگر بھائی آفتاب چائے پیتے پیتے رک کے دھنسا کنول رانی سے کہتے ہیں۔ بھیجی کنول مجھے تم سے ایک بات کہنی ہے تو تمھاری کنول رانی کو فوراً یہ دھیان ہوتا ہے کہ اب شاید یہ پروپوز کرنے والا ہے۔ پر وہ بات محض اتنی ہوتی ہے کہ بھیجی ذرا مہی پال کو فون کر دو کہ آم خرید تالائے یا اسی قسم کی کوئی اور شدید اینٹی کلائیکس۔ ثروت اس قدر کہینی تھی۔ وہ سارے سحرے پن کے قصے یاد کر کے اب اس نے دل میں ہنسا چاہا۔ لیکن سردی بڑھتی گئی، اور بیکراں تہائی اور زندگی کے ازلی اور ابدی پچھتاووں کا دیراندہ آفتاب بہادر تم کو پتہ ہے کہ میری کیسی جلا وطنی کی زندگی ہے۔

आज़ादी के बाद उर्दू अफ़साना

कल दे देंगे। वह सोफ़े पर बैठ गई।

“वासंथी—” उस ने धिल्ला कर आवाज़ दी—“खाना गर्म पर लगा दो—” उस ने टेलीवीज़न खोला। बकवास है। बंद कर दिया फिर उसने रेडियो लगाया। बकवास था। उसे भी बंद कर दिया। क्या पता इस समय लखनऊ रेडियो पर अर्चना बनर्जी गाती हो पौहोड़ी छेड़ना—फ़िकर मकर बो जोए हो— और चांद बाग़ की ख़ामोश सड़कों पर से लड़कियां लैन्टर्न सर्विस के बाद लौटती होंगी।

मैं ने क्या किया था—? उस ने सवाल किया, कुछ नहीं। मैं दस साल से कंवल कुमारी जैन हूं। यह तो कुछ बात न बनी, बात किस तरह बनती है। क्यों नहीं बनती। साल गुज़रते जा रहे हैं। मैं कंवल कुमारी जिस ने यह सब देखा, एक रोज़ यूँही ख़त्म हो जाऊंगी, और तब बहुत अच्छा होगा।

ऐसा न होना चाहिए था, पर हो गया।

“कंवल डार्लिंग”— सरवत ने उंगली उठकर सख़्त सूफ़ियाना अंदाज़ में उससे कहा था— “जन ढोंछ तन पाइयां गहरे पानी पैठ”—

मैं बिरहन डूबत डरी रही किनारे बैठ—? कंवल ने सोचा था। किनारा भी तो नहीं है।

पाने के क्या माने हैं? क्या मिलता हैं?

बाहर अंधेरा था और सर्दी और बेकरां ख़ामोशी। मैं जिंदा हूं। अरे भई आफ़ताब बहादुर— उसने गुस्से से सर हिला कर दिल में सवाल किया,—तुम क्यों चले गए थे। मैं ने तुम्हारा कुछ बिगाड़ा थोड़ा ही था। तुम अपने आप में मगन रहते मैं वहीं कहीं तुम्हारी ज़िन्दगी के ताने बाने के किसी कोने में आकर चुपकी बैठ जाती और बस तुम्हारे लिए लोरियां बनाया कराती। तुम उसी तरह रहते। उस में तुम्हारी शिकस्त ना थी। तुम्हारी तकमील थी मियां आफ़ताब बहादुर—?

आफ़ताब बहादुर— अब जो मैं हूं और जो तुम हो—क्या यही बहुत ठीक है?। बहुत ज़माना हुआ उस ने चांद बाग़ में एक लड़की को देख जो आफ़ताब राय को बहुत पहले से जानती थी। सोचा था कि आफ़ताब की बीबी कैसी होगी। (एक बार खुद उस के लिए उस की दोस्त सरवत ने एक बोर से आदमी की तस्वीर सामने लाकर कहा था। आने वाले दौर की धुंधली सी एक तस्वीर देख—!! और कमाल यह कि ऐन—उसी तरह का आदमी जैन निकला—

آزادی کے بعد اردو افسانہ

وہی طمانیت اور مکمل مسرت کی دنیا جو ہو سکتی تھی۔ اس سے دیس نکالا جو مجھے ملا ہے اسے بھی اتنا عرصہ ہو گیا کہ اب میں اپنے متعلق کچھ سوچ بھی نہیں سکتی۔ اب میرے سامنے صرف رائل کماڈ پر فارمنس اور جین کے صبح کے ناشتے کی دیکھ بھال ہے اور یہ ہر دل عزیز ی جو مجھ پر ٹھونس دی ہے لیکن تم بھلا سوچو گے۔ (اس نے کہا تھا۔ ارے تم لوگ اسی کو پسند کرتی ہو جو ایک مخصوص میعار پر پورا اترتا ہے) کیا اپنی منطق تھی۔ یعنی پت بھی تمہاری پت بھی۔ آخر اس ساری لفاظی، اس وہی اور تصوراتی گورکھ دھندے سے تمہارا مطلب کیا نکلا۔ واہ چند آدمی کہیں گے۔

ثروت نے اس کی شادی کے بعد ایک اور سبیلی کے سامنے نہایت جامع اختصار کے ساتھ اس طرح تشریح کر دی تھی کہ قصہ کو یوں مختصر کرتی ہوں، اے عزیز و کنول کی ٹریجڈی یہ ہوئی کہ ساری عمر کوئی ان کی سمجھ میں نہ آیا۔ سب میں مین میخ نکالتی رہیں اور مارے بد دماغی کے کسی کو خاطر ہی میں نہ لائیں۔ اور جن بزرگوار کو آپ نے نہایت صدق دل سے پسند فرمایا، وہ خود ہی ہری جھنڈی دکھا گئے۔ بس اب کیا ہے پیاری بہن۔ جب آنکھ کھلی تو گاڑی نکل چکی تھی۔ پڑی چمک رہی تھی۔ جی ہاں۔

اری ثروت..... کزوک کہیں کی۔

مگر سوال یہ تھا کہ ہر چیز کے متعلق اس مذاق اور خوش دلی کا رویہ کہاں تک کھینٹا جاسکتا تھا (لیکن اس کے علاوہ تم اور کربھی کیا سکتی ہو۔ ثروت نے کہا تھا) زندگی نہ ہوئی اسٹیفن لیکا ک کا مسخرہ پن ہو گئی۔ مجھے کیا معلوم تھا کہ تمہارا مذاق کہاں ہوتا ہے اور سنجیدگی کہاں سے شروع ہوتی ہے۔ یا (VICE VERSA)

ڈائنر صاحب تو دن بھر الہبریریوں میں گھسے رہتے ہیں۔ اور آج کل ایک اور کتاب لکھ رہے ہیں۔ اسے ارملانے مطلع کیا ہے۔ اب وہ کیا کر رہا ہے۔ ڈائنر ڈی۔ پی۔ سمرجی کی طرح مہارگو بن چکا ہے۔ غالباً اس نے شادی کر لی ہوگی۔ یہاں پہنچ کر اسے عجیب و غریب اور انتہائی شدید تکلیف کا احساس ہوا..... (وہ کون ہوگی..... کیسی ہوگی..... آفتاب کے ساتھ ساتھ چلتی ہوئی کیسی نظر آتی ہوگی۔ آفتاب اس سے کہاں ملا ہوگا) یا اب تک وہ کنفرنڈ پیپلر بن چکا ہوگا۔ (بہت سے لوگوں کے لیے اس میں بھی خفت

आफ़ताब के बाद ठई अफ़सना

आफ़ताब की बीबी पे यह फ़िक्रना कितना अजीब लगता था। कोई होगी चुड़ैल, आखिर में यह सब फिर-फ़िरी खाते हैं— सरवत ने इज़ाफ़ा किया था। खूबसूरत तो ज़रूर होगी और टेनिस खेलती होगी। जिसका आफ़ताब को इतना शौक है लेकिन फ़र्राटे भरने और हवा में उड़ने वाली लड़कियां तो वह सख़्त नापसंद करता था। जिस को वह पसंद करेगा वह तो बहुत ही उमदा होगी बस बिल्कुल मजमू-ए-खूबी चंदे आफ़ताब चंदे महताब।⁽¹⁾ जी हां और मुझ में क्या बुराई थी? उस ने तै करना चाहा कि आफ़ताब का रवय्या यह था कि इस पर कंवल कुमारी पर यह वही उत्तरनी चाहिए थी कि यह महापुरुष आसमान पर से खास उस के लिए भेजा गया है लेकिन यह उस की अपनी मर्जी पर मुनहसिर⁽²⁾ है कि वह इस कंवल कुमारी से या रोज़ाना आकर मिले या कभी न मिले। उस से तबला और जै जै वंती सुने। पूरियां बनवाकर खाए। फिर एक रोज़ इतमीनान से आके चला जाए और यह कंवल कुमारी बाद में बैठ कर झक मारती रहे। और क्या वह उस के पीछे पीछे डंडा लेकर दौड़ती कि ऐ मियां आफ़ताब बहादुर एक बात सुनते जाएं—उन दिनों सरवत ने एक और लतीफ़ा ईजाद किया। चंपल के बाद एक रोज़ उस ने “गैंग” के बाक्की अफ़राद से कहा:- भई नंबर 29 ऐपी सेन रोड पर आज कल यह सिलसिला है अगर भाई अफ़ताब चाये पीते पीते रुक के दफ़अतन कंवल रानी से कहते हैं। भई कंवल मुझे तुम से एक बात कहनी है तो तुम्हारी कंवल रानी को फ़ौरन यह ध्यान होता है कि अब शायद यह प्रोपोज़ करने वाला है। पर वह बात महज़ इतनी होती है कि भई ज़रा मही पाल को फ़नेन कर दो कि आम खरीदता लाए या इसी क्रिस्म की कोई और शदीद एंटी क्लाइमेक्स। सरवत इस क़दर कमीनी थी- वह सारे मसख़रेपन के क्रिस्से याद करके अब उस ने दिल में हंसना चाहा। लेकिन सदी बढ़ती गई और बेकरां तन्हाई और ज़िन्दगी के अज़ली और अबदी पछतावों का वीराना। आफ़ताब बहादुर तुम को पता है कि मेरी कैसी ज़िलावतनी की ज़िन्दगी है। जेहनी तमानियत और मुकम्मल मसरत की दुनिया जो हो सकती थी उस से देस निकाला जो मुझे मिला है उसे भी इतना अरसा हो गया कि अब मैं अपने मुतअल्लिक कुछ सोच भी नहीं सकती। अब मेरे सामने सिर्फ़ रायल कमांड परफ़ैमेंस और जैन के सुबह के नाशते की देख भाल है और यह हर दिल अजीजी जो कुछ मुझ पर तूंस दी है लेकिन तुम भला

گھبر تھا) کیا بات ہے صاحب..... ان ساری حالتوں سے علیحدہ اور برگزیدہ..... اپنی نہایت شخصیت دنیا، اپنے مشغلے، کتابیں، موسیقی، بیٹھون کے کنسرٹ، چند دلچسپ سے گئے چنے دوست۔ اتوار کے روز دن بھر کسی کثری کلب کی لاؤنج میں بیٹھے ٹائمز پڑھ رہے ہیں۔ تیسرے پہر کو رائیڈ تک کو چلے گئے اور ٹینس کھیلا ادھر ادھر خواتین سے بھی مل لیے۔ لیکن لڑکیوں کو ہمیشہ بڑے رحم کی نگاہوں سے دیکھا۔ گویا..... بھاریاں.....! اور اپنا بے نیازی اور سرپرستی کا رویہ قائم رکھا..... (یہ سب ثروت نے ایک دفعہ ارشاد کیا تھا) اچھا ابھی آفتاب بہادر..... تم کتابیں لکھتے رہو۔ میں ان پر تھرڈ پروگرام میں ریویو کروں گی۔ راستہ اسی طرح طے ہوتا رہے گا۔

صبح ہوئی شام ہوئی..... زندگی تمام ہوئی..... چلی منزل میں ارطا ہریندر ناتھ چٹوپادھیائ کا وہ کم بخت کورس آہستہ آہستہ الاپے جاری تھی۔

وہ دروازہ کھول کر باہر آگئی۔ کہہ اب کم ہو گیا تھا۔ اور آسمان کا رنگ قرمزی تھا جس کے مقابل میں کیتھولک چرچ کے ہولناک گنبد کا سلطنت غومت سے اپنی جگہ پر قائم تھا۔
اونی لبادوں میں ملخوف مشرقی یورپ سے بھاگے ہوئے بھاری بھاری قدم اٹھاتے ہاتھوں میں ٹھیس لیے ٹائٹ۔ ماس کے لیے گر جا کی سمت بڑھ رہے تھے۔

صبح ہوئی شام ہوئی،

زندگی تمام ہوئی،

زندگی تمام ہوئی،

زندگی تمام ہوئی،

(9)

”جب مجھے ملازمت نہ ملی تو میں نے سمندر پار کے وظیفوں کے لیے ہاتھ پاؤں مارے۔ برٹش کونسل نے مجھے یہاں آنے کا وظیفہ دے دیا۔ اور جب میں نے روانہ ہونے کی خبر بابا کو سنائی تو وہ بالکل چپ ہو گئے اور اس کے بعد ایک نقطہ منہ سے نہ بولے اور ابھی میں راستے ہی میں تھی جب مجھے اطلاع ملی کہ بابا مر گئے۔“ کشوری نے

आजादी के बाद उर्दू अफसाना

सोचोगे (उस ने कहा था। अरे तुम लोग उसी को पसंद करती हो जो एक मखसूस मेयार पर पूरा उतरता है) क्या उल्टी मनतिक्त थी। यानी चित भी तुम्हारी पट भी। आखिर इस सारी लफ्फनजी, इस जेहनी और तसव्वुराती गोरख धंधे से तुम्हारा मतलब क्या निकला। वाह चुगद आदमी कहीं के।

सरवत ने उस की शादी के बाद एक और सहेली के सामने निहायत जामे इख्तोसार⁽¹⁾ के साथ इस तरह तशरीह कर दी थी कि क्रिस्ता को यूं मुक्तासर करती हूं ऐ अजीजो कंवल की ट्रेजडी यह हुई कि सारी उमर तो कोई इन की समझ में न आया। सब में मीन मेख निकालती रही और मारे बददिमागी के किसी को ख्यातिर ही में न लाई। और जिन बुजुर्गवार को आप ने निहायत सिद्क-दिल⁽²⁾ से पसंद फरमाया, वह खुद ही हरी झंडी दिखा गए बस अब क्या है प्यारी बहन। जब आंख खुली तो गाड़ी निकल चुकी थी। पटरी चमक रही थी, जी हां,

अरी सरवत-कुरूक कहीं की।

मगर सवाल यह था कि हर चीज के मुतअल्लिक इस मजाक और खुश दिल का रक्व्या कहां तक घसीट जा सकता है (लेकिन इस के अलावा तुम और कर भी क्या सकती हो। सरवत ने कहा था कि ज़िन्दगी न हुई) इस्टीफ़न लिंकाक का मसख़रापन होगई। मुझे क्या मालूम था कि तुम्हारा मजाक कहां होता है और संजीदगी कहां से शुरू हो ती है। (या Viceversa)

डॉक्टर साहब तो दिन भर लाइब्रेरियों में घुसे रहते हैं, और आज कल एक और किताब लिख रहे हैं। उसे अर्मिला ने मुत्तला किया है, अब वह क्या कर रहा है, डॉक्टर डी, पी, मुकरजी की तरह महागुरु बन चुका है। गालिबन उस ने शादी कर ली होगी। यहां पहुँच कर उसे अजीबोगरीब और इन्तेहाई शदीद तकलीफ़ का एहसास हुआ— (वह कौन होगी—कैसी होगी—आफ़ताब के साथ साथ चलती हुई कैसी नज़र आती होगी, —आफ़ताब उस से कहां मिला होगा) या अब तक वह कंफ़र्मंड बैचलर बन चुका होगा। (बहुत से लोगों के लिए उस में भी सख़्त ग्लैमर था।) क्या बात है साहब—इन सारी हिमाकतों से अलाहदा और बरगुज़ीदह—अपनी निहायत शख़्सी दुनियां, अपने मशग़ले, किताबें, मौसीकी, बेथूधन के कंसर्ट, चंद दिलचस्प से गिने चुने दोस्त। इतवार के रोज़ दिन भर किसी कंट्री

مدھم آواز میں بات ختم کی اور چہنچہ سے آتش دان میں لکڑی کے کندوں کو ٹھیک کرنے میں منہمک ہو گئی۔

”آج ٹھانٹ ماس مٹانے جائیں گے“ روز ماری نے اپنے برش اور کیوس سینٹے ہوئے کہا۔ ”چلو ہم بروڈن اور میری چلیں۔ جہاں ایک شام میں نے پہلے بالوں اور اداس چہرے والی ایک ڈیگرین پناہ گزین لڑکی کو دیکھا تھا۔ وہ سر پر سیاہ اسکارف باندھے تسبیح ہاتھ میں لیے گھنٹوں سے ساکت اور منجمد بیٹھی تھی۔ اس کا یہ انداز کتنا قابلِ رحم تھا۔ میں نے قربان گاہ کے ستونوں کے پیچھے چھپ کر اس کی تصویر بنائی۔ میں نے اس تصویر کا نام ”آزادی سے فراز“ رکھا تھا۔ لیکن جب اسے نمائش میں رکھا جانے لگا تو ہم مصنفین کی انجمن نے اس کا نام بدل کر ”آزادی کا شکرانہ“ کر دیا..... آج کی رات میں وہاں امید اور ناامیدی کی اس کریناک کیفیتوں کے چند اور اکیچ تیار کروں گی۔“

کتنی کیفیتیں جنھیں الفاظ اور رنگوں کے روپ میں ڈھالا ہی نہیں جاسکتا۔ جن کے اظہار سے ان کی بے وقعتی اور توہین ہوتی ہے۔ کشوری نے سوچا (یہی بات اپنے لیے کتنی بار کنول نے محسوس کی تھی لیکن کوئی کچھ نہ جانتا تھا)

کیسی بے بسی ہے کہ سب اپنے اپنے دماغوں میں محصور رہے جانے پر مجبور ہیں۔
”تم کو معلوم ہے کہ میں یلکھت اس طرح تم سب سے یہ باتیں کیوں کر رہی ہوں۔“ کشوری نے کہا۔

”سنئے ہیں کہ جب مدتوں کے چھڑے ہوئے دوبارہ ملتے ہیں تو ساری پرانی یلگت یاد آجاتی ہے۔ پرانے دوستوں سے مل کر سبھی کو خوشی ہوتی ہے۔“ اس نے بات آہستہ آہستہ جاری رکھی..... ”لیکن پرانے، دشمن“ سے مل کر مجھے کیسی مسرت ہوئی..... آج صبح مجھے بالکل اتفاقیہ کمیم وتی پھر سے نظر آگئی۔ مجھے پتہ نہ تھا کہ وہ یہاں پر ہے وہ ایک دوکان سے نکل رہی تھی۔ ”ارے کمیم..... کمیم۔“ میں چلا کر اس کی اور دوڑی۔ اس نے مجھے واقعی نہ پہچانا۔ وہ بہت موٹی ہو گئی تھی اور اس کے ساتھ غالباً اس کا شوہر تھا۔ ”کمیم رانی تم ہم کا تاجپن چھپیں؟“ میں نے بالکل بے ساختگی سے اپنی زبان میں اس سے کہا جو اس کی اور میری مادری زبان تھی۔..... ”ہلو کشوری.....“ اس نے مطلق کسی

आजादी के बाद उर्दू अफ़साना

कलब की लाठंज में बैठे टाइम्स पढ़ रहे हैं। तीसरे पहर को राएडिंग को चले गए और टेनिस खेला इधर उधर ख़्वातीन से भी मिल लिए। लेकिन लड़कियों को हमेशा बड़े तरह-तुहम की निगाहों से देखा, गोया—बेचारियाँ—। और अपना बेनियाज़ी और सरपरस्ती का ख़य्या क़ायम रखा—(यह सब सरवत ने एक दफ़्तर इरशाद किया था) अच्छा भई आफ़ताब बहादुर—तुम किताबें लिखते रहो। मैं इन पर थर्ड प्रोग्राम में रीव्यू करूँगी। रास्ता इसी तरह तै होता रहेगा।

सुबह हुई शाम हुई—ज़िन्दगी तमाम हुई—निचली मंज़िल में उर्मिला हरेन्द्र नाथ चटोपाध्याय का वह कम्बख़्त कोरस आहिस्ता आहिस्ता अलापे जा रही थी।

वह दरवाज़ा खोल कर बाहर आ गई। कोहरा अब कम हो गया था। और आसमान का रंग क्रिमजी था जिस के मक्काबिल में कैथोलिक चर्च के हबलनाक गुम्बद का सिलहट नहूसत से अपनी जगह पर क़ायम था।

ऊनी लिबादो में मलफ़ूफ़ मशरक़ी यूरोप से भागे हुए भारी भारी क़दम उठाते हाथों में शम्मे लिए मिडनाइट मास के लिए गिरजा की समत बढ़ रहे थे।

सुबह हुई शाम हुई,
ज़िन्दगी तमाम हुई,
ज़िन्दगी तमाम हुई,
ज़िन्दगी तमाम हुई,

(9)

“जब मुझे मुलाज़मत न मिली तो मैंने समंदर पार के वज़ीफ़े⁽¹⁾ के लिए हाथ पांव मारे। ब्रिटिश कॉन्सिल ने मुझे यहां आने का वज़ीफ़ा दे दिया। और जब मैं ने रवाना होने की ख़बर बाबा को सुनाई तो वह बिल्कुल चुप हो गए और उस के बाद एक लफ़्ज़ मुंह से न बोले और अभी मैं रास्ते ही में थी जब मुझे इत्तेला मिली कि बाबा मर गए”। किश्वरी ने मद्धम आवाज़ में बात ख़त्म की और चिमटे से आतिश दान में लकड़ी के कुंदो को ठीक करने में मुनहमिक⁽²⁾ हो गई।

“आज मिडनाइट मास मनाने जाएंगे” रोज़मारी ने अपने ब्रश और कैनवस समेटते हुए कहा “चलो हम बरौम्पटन और टैरी चलें। जहां एक शाम मैं ने पीले बालों और उदास चेहरे वाली एक हंगेरियन पनाह-गुंजी⁽³⁾ लड़की को देखा था। वह सर पर सियाह स्कार्फ़ बांधे तस्बीह हाथ में लिए घुटनों से साक़ित⁽⁴⁾ और मुन्जमिद⁽⁵⁾ बैठी थी। उस का यह अंदाज़ कितना क़ाबिले रहम था। मैं ने

1. छत्रवृत्ति 2. व्यस्त 3. पनाह लेने वाली 4. निश्चल 5. जमी हुई

آزادی کے بعد اردو افسانہ

گرم جوشی کا اظہار نہ کیا ”نستے“ اس کے شوہر نے مسکرا کر سلام کیا۔ ”یہ میرے پتی ہیں۔“ کھیم نے اس سے سردھری کے انداز میں بات کی، نستے بھائی صاحب..... میں نے بے حد خوش دلی سے کہا۔

”تم تو پاکستانی ہو۔ تمہیں نستے نہ کہنا چاہیے۔“ کھیم نے بڑے طفر کے ساتھ کہا۔ میرے اوپر جانو کسی نے برف ڈال دی۔ میں نے کھیانی ہنسی ہنس کر دوسری طرف دیکھا۔ اس کے شوہر نے جو بہت سمجھدار معلوم ہوتا تھا فوراً بات سنبھالی اور کہنے لگا..... ”اچھا بہن جی..... اس سے تو ہم بہت جلدی میں ہیں۔ آپ کسی روز ہمارے یہاں آئیے۔ ہم یہیں ساؤتھ کینزنگٹن میں رہتے ہیں.....“ ”اچھا ضرور آؤں گی بائی بائی کھیم۔“ میں نے مری ہوئی آواز میں جواب دیا۔ اور آگے چلی گئی۔ میں نے اسے یہ بھی نہ بتانا چاہا کہ میں پاکستانی ہوں۔ اس سے کیا فرق پڑتا ہے۔

”میں اس وقت کوئی رقت انگیز تقریر نہ کروں گی۔ میں یہ نہ کہوں گی کہ میرے رفیقو! انسان نے خودکشی کر لی۔ پرانی اقدار تباہ ہو گئیں۔ اپنے پرائے ہو گئے۔ یہ سب پچھلے پانچ سال سے دہراتے دہراتے تم لوگ اکتا نہیں گئے۔ یہ جو کچھ ہوا یہی ہوتا تھا اور آپ تھیں کہ ایک نہایت رومنگ تصویر لیے بیٹھی تھیں۔ گویا زندگی نہ ہوئی شاندار رام کی فلم ہو گئی۔ میں نے اور کھیم نے جو کچھ کیا وہ ان سب باتوں کا نہایت منطقی نتیجہ تھا اور باقی جو تم کہنا چاہتی ہو وہ جھک مارتی ہو، سمجھیں۔“

”اس انداز سے میں نے اپنے آپ کو سمجھانا چاہا۔ لیکن چلو روز ماری۔ اب ہم نئی تصویریں بنائیں گے۔“ اس نے روز ماری کو مخاطب کیا۔ ”تم اگر ہمارے اسکے تیار کرو تو تمہاری آرٹ کونسل اور ہم عصر فنون کی انجمن ان کے لیے کون سے عنوان منتخب کرے گی؟“

”ہم اپنے بد قسمت ملک کی وہ نوجوان نسل ہیں جو یورپ کی جنگ اور اپنے سیاسی انتشار کے زمانے میں پروان چڑھی۔ اپنی خانہ جنگی کے دور نے اس کی ذہنی تربیت کی اور اب اس ہولناک سرد لڑائی کے محاذ پر اسے اپنے اور دنیا کے مستقبل کا تعین کرنا ہے۔“

”ہم لوگ یونیورسٹی کی اونچی اونچی ڈگریاں حاصل کر رہے ہیں۔ تہذیبی میلے اور

आज़ादी के बाद उर्दू अफ़साना

कुरबानगाह के सुतूनों के पीछे छुप कर उस की तस्वीर बनाई। मैंने इस तस्वीर का नाम "आज़ादी से फ़रार" रखा था। लेकिन जब उसे नुमाइश में रखा जाने लगा तो हमअस्र फ़ुनून की अंजुमन ने उस का नाम बदल कर "आज़ादी का शुक़राना" कर दिया— आज की रात मैं वहां उम्मीद और ना-उम्मीदी की उस कर्बनाक कैफ़ियतों के चंद और स्कैच तैयार करूंगी"

कितनी क़ैफ़ीयतें जिन्हें अलफ़्नज़ और रंगों के रूप में ढाला ही नहीं जा सकता। जिन के इज़हार से उनकी वन्नअती⁽¹⁾ और तौहीन होती है। किश्वरी ने सोचा (यही बात अपने लिए कितनी बार कंवल ने महसूस ने की थी लेकिन कोई कुछ न जानता था।)

कैसी बेबसी है कि सब अपने अपने दिमाग़ों में महसूस रहे जाने पर मजबूर हैं। "तुम को मालूम है कि मैं यकलख़्त⁽²⁾ इस तरह तुम सब से यह बातें क्यों कर रही हूँ" किश्वरी ने कहा।

"सुनते हैं कि जब मुद्दतों के बिछड़े हुए दुबारा मिलते हैं तो सारी पुरानी यगानगत याद आ जाती है। पुराने दोस्तों से मिल कर सभी को खुशी होती" उस ने बात आहिस्ता आहिस्ता जारी रखी—"लेकिन पुराने दुश्मन" से मिलकर मुझे कैसी मुर्सरत हुई—आज सुबह मुझे बिल्कुल इत्तेफ़ाक़िया खेम बती फिर से नज़र आ गई। मुझे पता न था कि वह यहां पर है वह एक दुकान से निकल रही थी "अरे खेम-खेमा" मैं चिल्ला कर उस की ओर दौड़ी। उस ने मुझे वाक़ई न पहचाना। वह बहुत मोटी हो गई थी और उस के साथ ग़ालिबन उस का शौहर था। "खेमारांनी तुम हम का नाहीं चीन्हीं?" मैं ने बिल्कुल बे-साख़्तगी⁽³⁾ से अपनी ज़बान में उस से कहा जो उस की ओर मेरी मादरी ज़बान थी—"हैलो किश्वरी—" उस ने मुतलक़ किसी गर्म जोशी का इज़हार न किया "नमस्ते" उस के शौहर ने मुस्कुरा कर सलाम किया। यह मेरे पति हैं। खेम ने उस से सर्दमेहरी के अंदाज़ में बात की, नमस्ते भाई साहब—"मैं ने बेहद खुश दिली से कहा।

"तुम तो पाकिस्तानी हो, तुम्हें नमस्ते न कहना चाहिए" खेम ने बड़े तंज़ के साथ कहा। मेरे ऊपर जानो किसी ने बर्फ़ डाल दी। मैं ने खिसयानी हंसी हंस कर दूसरी तरफ़ देखा। उस के शौहर ने जो समझदार मालूम होता था फ़ौरन बात संपाली और कहने लगा—"अच्छा बहन जी—इस समय तो हम बहुत जल्दी में हैं। आप किसी रोज़ हमारे यहां आइए हम यहीं साउथ कीजिंगटन में रहते हैं....."

تہوار منعقد کرنے میں مصروف ہیں۔ ہم مارکیٹ کے مخصوص قھیرڑوں میں اپنے پیلے کے پروگرام پیش کرتے ہیں۔ امن کانفرنسوں اور پوتھ فیسٹولز میں شامل ہوتے ہیں۔ لیکن یہاں سے واپس لوٹ کر کیا ہوگا۔“

”تم نے کبھی خیال کیا ہے کہ میں کہاں جاؤں گی.....؟ میرا گھر اب کہاں ہے؟ کیا میں اور میری طرح دوسرے ہندوستانی مسلمان ایسے معتمد خیز اور قابل رحم کردار بننے کے مستحق تھے.....؟؟“

وہ خاموش ہو گئی۔ سب لوگ چپ چاپ بیٹھے آگ کے شعلے کو دیکھتے رہے۔ سڑک کے دوسری طرف ایک مکان میں ”وائٹ کرسس“ گاڑی جا رہی تھی۔

”شاید میں نے جہیں بتایا تھا.....؟؟“ ارملانے نیچی آواز میں کہا..... ”کہ آج دفتر سے واپسی میں ڈاکٹر آفتاب رائے مل گئے ہیں۔ میں نے ان سے پوچھا۔ ڈاکٹر صاحب! میں نے سنا تھا کہ آپ ری پبلک لکھی ڈوڑا میں سفیر ہیں۔ تم نے غلط سنا تھا..... انھوں نے رسالہ سے مسکرا کر کہا۔ میں نے گھبرا کر ان کو دیکھا۔ تو کیا آپ بھی..... میں نے سوال کرنا چاہا۔ ”ہاں..... میں بھی.....“ اتنا کہہ کر وہ جلدی سے خدا حافظ کہتے ہوئے مجمع میں غائب ہو گئے اور دوسرے لمحے اسٹیشن کی میبب انڈر گراؤڈ نے ان کو کھل لیا۔ ان کے ہاتھوں میں کتابیں تھیں اور وہ کسی سے بات کرنا نہ چاہتے تھے۔ نہ جانے وہ کہاں رہتے ہیں۔ اتنا عرصہ انھوں نے کیسے گزارا۔ وطن واپس جانے کی اجازت انھیں کب ملے گی۔ کیا ہوگا۔.....“

دور درجاؤں کے گھٹنے بچنے شروع ہو گئے تھے۔ وہ سب باہر سڑک پر آ گئے۔

ہماری غلطیوں کا سایہ ہمارے آگے آگے چلتا ہے اور رات ہمارے تعاقب میں ہے۔ انھوں نے سوچا..... لیکن ہم رات کی وادی کو تجزی سے محروم کر رہے ہیں۔

ہمارے چاروں طرف یہ لاکھوں کروڑوں انسانوں کا جھم یہ لوگ جو اپنی قسمتوں کو روتے ہیں لیکن دیکھو۔ یہ راستے یہ جمیلیں۔ یہ بات۔ ہمارے خطر ہیں۔ سناٹے ہیں، صرف موت کے قدموں کی چاپ تھی۔ انجی موت جو یک لخت ہمارے سامنے آ گئی۔ لیکن ہم اسے چھوڑ کر بچتے ہوئے آگے نکل جائیں گے۔ سنو۔ ہمارے پاس یقین ہے اور کامل

आज़ादी के बाद उर्दू अफ़साना

अच्छ ज़रूर आउंगी बाई बाई खेम" मैंने मरी हुई आवाज़ में जवाब दिया। और आगे चली गई। मैं ने उसे यह भी न बताना चाहा कि मैं पाकिस्तानी हूँ। इससे क्या फ़र्क पड़ता है।

"मैं इस वक़्त कोई रिक्कत अंगेज़ तक़रीर न करूंगी। मैं यह न कहूंगी कि मेरे रफ़ीक़ो। इंसान ने खुदकुशी कर ली, पुरानी अक़दार⁽¹⁾ तबाह हो गई, अपने पराए हो गये, यह सब पिछले पांच साल से दुहराते दुहराते तुम लोग उकता नहीं गए, यह जो कुछ हुआ यही होना था और आप थीं कि एक निहायत रोमांटिक तस्वीर लिये बैठी थीं। गोया ज़िन्दगी न हुई शांता राम की फ़िल्म हो गई। मैंने और खेम ने जो कुछ किया वह उन सब बातों का निहायत मंतक़ी नतीजा था और बाक़ी जो तुम कहना चाहती हो वह झक मारती हो, समझीं।

"इस अंदाज़ से मैंने अपने आप को समझाना चाहा। लेकिन चलो रोज़ मैरी। अब हम नई तस्वीरें बनाएंगे", उसने रोज़मैरी को मुखातिब किया, "तुम अगर हमारे स्कैच तैयार करो तो तुम्हारी आर्ट कौंसिल और हमअस्र⁽²⁾ फ़ूनून की अंजुमन उनके लिये कौन से उन्वान⁽³⁾ मुंतख़ब करेगी ?

"हम अपने बाद किस्मत मुल्क की वह नौजवान नस्ल हैं जो यूरोप की जंग और अपने सियासी इंतशार⁽⁴⁾ के ज़माने में परवान चढ़ी। अपनी ख़ाना जंगी के दौर ने उस की ज़हनी तरबीयत की और अब इस हौलनाक⁽⁵⁾ सर्द लड़ाई के महाज़ पर उसे अपने और दुनिया के मुस्तक़बिल का तअय्युन कर ना है।"

"हम लोग यूनिवर्सिटी की ऊंची डिग्रियां हासिल कर रहे हैं, तहज़ीबी मेले और त्योहार मुनअकिद⁽⁶⁾ करने में मसरूफ़ हैं, हम मार्केट के मख़सूस थियट्रों में अपने बेले के प्रोग्राम पेश करते हैं। अमन कान्फ़्रेन्सों और यूथ फ़ेसटीवल्स में शामिल होते हैं, लेकिन यहां से वापस लौट कर क्या होगा।"

"तुम ने कभी ख़याल किया है कि मैं कहां जाऊंगी-? मेरा घरअब कहां है ? क्या मैं और मेरी तरह दूसरे हिन्दुस्तानी मुसलमान ऐसे मजहक़ाख़ेज़⁽⁷⁾ और काबिले रहम किरदार बनने के मुसतह़िक़ थे—??"

वह ख़ामोश हो गई, सब लोग घुप चाप बैठे आग के शोले को देखते रहे। सड़क के दूसरी तरफ़ एक मक़ान में 'वाइट क्रिसमस' गाई जा रही थी।

"शायद मैं ने तुम्हें बताया था—" उर्मिला ने नीची आवाज़ में कहा—"कि

1. कदरें 2. समकालीन 3. शीर्षक 4. बिखराव 5. डरावनी 6. अव्योजित
7. हास्यास्पद

اعتماد جسے اس محبت نے تخلیق کیا ہے جو غداری کے نام سے یاد کی جاتی ہے۔ یہ غداری محض یاسمین کے پھولوں کی آرزو ہے۔ وہ گر جا کی سمت بڑھتے رہے۔

سامنے راستے کی نیم تاریکی میں ایک الزبتھن وضع کے مکان میں دھندلی روشنیاں جھللا رہی تھیں۔ یہ ہندستانی ہائی کمیشن کے فرسٹ سکرٹری کا مکان تھا۔ اس کے آگے بھر اندھیرا تھا۔ یہ کون دیوانی روح اپنی تنہائی سے گھبرا کر باہر نکل آئی ہے۔ انھوں نے سوال کیا۔ اس سے کہو یہ یہاں کیوں کھڑی ہے۔ ان لیمپوں کے نیچے گھاس کے ان راستوں پر۔ زمین کے ان پھولوں کے درمیان اسے کچھ نہ ملے گا۔ سنسان بیڑیوں پر یہ کون لوگ نظر آرہے ہیں۔ ان سے کہو کہ واپس جائیں اور صبح کا انتظار کریں۔

ہمارے اور ان کے خیالوں کے بٹھنے.....؟

لیکن پھر گھنٹوں نے پکارا..... آؤ..... آج کی رات تمہارے وجود کے گناہ کا کفارہ ادا کیا جائے گا۔ میں تمہارے خدا کی آواز ہوں۔ اور تمہاری ہر تباہی میں شریک ہوں۔ اور موت کا محافظ ہوں۔ اور اب پادریوں اور راہبوں کا جلوس آگے بڑھا جو اپنے اپنے ملکوں سے جلا وطن ہو کر اس وقت خداوند قدوس کی تقدیس کرتے تھے اور گر جا کی مرمریں بیڑیوں پر سیاہ اسکارف سے سر ڈھانپنے عورتیں اور بوڑھے اور جوان بڑے صبر سے بیٹھے تہنیں پھیر رہے تھے اور ہولی کیونین کے منتظر تھے۔

ایک راستہ یہیں پر آ کر ختم ہو جاتا ہے۔ پھر ایک دیوار ہے لیکن ریشمی پردوں میں سے چمن چمن کر روشنی ادھر بھی پہنچ رہی ہے۔ گو بہت سے سیاہ پوش مریض دیوانے فلسفی اور بیمار سیاست دان راستہ روکے کھڑے ہیں۔

ہمیں تمہاری موت عزیز ہے۔ کیونکہ تمہاری موت میں نجات ہے۔ اس کے گھنٹوں نے کہا:

ہماری ماں چٹانوں کی بہن۔ سمندر کے روشن ستارے ہمیں چپکا بیٹھنا سکھا۔ یہ ہمارا عہد نامہ ہے۔

یہ ہمارا پرانا عہد نامہ تھا۔ ان کے خیالات تباہ ہو چکے۔ اب ان کے پاس کیا باقی رہا ہے..... آرگن کے مدھم اور لرزہ خیز سروں کے ساتھ قدم اٹھاتے ہوئے وہ سب

आजादी के बाद उर्दू अफसाना

आज दफ्तर से वापसी में डॉक्टर आफ़ताब राय मिल गए हैं। मैं ने उन से पूछा, डॉक्टर साहब! मैं ने सुना था कि आप रिपब्लिक लेम्पी छोड़ा मैं सप्रौर हैं, तुम ने ग़लत सुना था—उन्होंने रसान से मुस्कुरा कर कहा। मैं ने घबरा कर उस को देखा, तो क्या आप भी—मैं ने सवाल करना चाहा। “हां—मैं भी” इतना कह कर वह जल्दी से खुदाहाफ़िज़ कहते हुए मजमा में गायब हो गए और दूसरे लमहे स्टेशन की महीब अंडरग्राउंड ने उन को निगल लिया। उन के हाथों में किताबें थीं और वह किसी से बात करना न चाहते थे। न जाने वह कहां रहते हैं। इतना अरसा उन्होंने ने कैसे गुजारा, वतन वापस जाने की इजाज़त उन्हें कब मिलेगी—क्या होगा—”

दूर गिरजाओं के घंटे बजने शुरू हो गए थे। वह सब बाहर सड़क पर आ गए। हमारी गलतियों का साया आगे आगे चलता है और रात हमारे तआकुब में है। उन्होंने ने सोचा—लेकिन हम रात की वादी को तेज़ी से उभूर कर रहे हैं।

हमारे चारों तरफ़ यह लाखों करोड़ों इन्सानों का हुजूम यह लोग जो अपनी किस्मतों को रोते हैं लेकिन देखो। यह रास्ते यह झीलें, यह बात। हमारे मुंतज़िर हैं। सन्नाटे हैं, सिरफ़ मौत के कदमों की चाप थी। अजनबी मौत जो यकलख़्त हमारे सामने आ गई। लेकिन हम उसे छोड़ कर हंसते आगे को निकल जाएंगे। सुनो हमारे पास यक़ीन है और कामिल ऐतमाद जिसे उस मोहब्बत ने तख़लीक़ किया है जो ग़हरी के नाम से याद की जाती है। यह ग़हरी महज़ यासमीन के फूलों की आरजू है। वह गिरजा की समत बढ़ते रहे।

सामने रास्ते की नीम तारीकी में एक अलजेबेयन बंज़ा के मकान में धुंधली रौशनियां झिलमिला रही थीं। यह हिन्दुस्तानी हाई कमीशन के फ़र्स्ट सेक्रेटरी का मकान था। उस के आगे फिर अंधेरा था। यह कौन दीवानी रूह अपनी तन्हाई से घबरा कर बाहर निकल आई। उन्होंने ने सवाल किया। उस से कहो यह यहां क्यों खड़ी है। उन लैम्पों के नीचे घास के उन रास्तों पर। ज़मीन के उन फूलों के दरमियांन उसे कुछ न मिलेगा। सुनसान सीढ़ियों पर यह कौन लोग नज़र आ रहे हैं। उन से कहो के वापस जाएं और सुबह का इन्तज़ार करें।

हमारे और उन के ख़माल के धुतने—?

लेकिन घंटों ने पुकारा—आओ—आज की रात वजूद के गुनाह का कफ़फ़रा⁽¹⁾ अदा किया जाएगा। मैं तुम्हारे खुदा की आवाज़ हूं। और तुम्हारी हर तबाही में शरीक हूं और मौत का मुहाफ़िज़ हूं। और अब पादरियों और राहिबों का जुलूस

آہستہ آہستہ اپنے راستے پر واپس آئے۔

کنول رانی..... کسی نے اندھیرے میں یک لخت پہچان کر چپکے سے پکارا۔
یہاں آ جاؤ۔

اور ہمارے ساتھ کھڑے ہو کر اس خوبصورت روشنی کو دیکھو جو آسمان پر پھیل رہی ہے
اب کسی پہچتاوے، کسی افسوس کا وقت نہیں ہے۔

”پرانے عہد نامے منسوخ ہوئے۔“ کشوری نے آہستہ سے دہرایا۔ ”ہم اس طرح
زندہ رہیں گے۔ ہم یوں آپ کو نہ مرنے دیں گے۔ ہماری جلاوطنی ختم ہوگئی۔ ہمارے
سامنے آج کی صبح ہے مستقبل..... ہے..... ساری دنیا کی نئی تخلیق ہے۔“

لیکن کنول کماری!..... تم اب بھی رو رہی ہو۔؟



आज़ादी के बाद उर्दू अफ़साना

आगे बढ़ा जो अपने अपने मुल्कों से जिला वतन होकर उस वक़्त खुदा वन्द
हुदूस की तक्तदीस⁽¹⁾ करते थे। और गिरजा की मरमरी सीढ़ियों पर सियाह
स्कार्फ़ से सर ढाँपे औरतें और बुढ़े और जवान बड़े सब से बैठे तस्बीहें फेर रहे
थे। और होली कम्योनियन के मुंतज़िर थे।

एक रास्ता यहीं पर आकर ख़त्म हो जाता है। फिर एक दीवार है लेकिन
रेशमी परदों में से छन छन कर रौशनी उधर भी पहुँच रही हैं। गोया बहुत से
सियाह पोश मरीज़ दीवाने फ़लसफ़ी और बीमार सियासतदाँ रास्ता रोके खड़े हैं।

हमें तुम्हारी मौत अज़ीज़ है। क्योंकि तुम्हारी मौत में निजात है। उस के बंटें
ने कहा।

हमारी मां चट्टानों की बहन समंदर के रौशन सितारे हमें चुपका बैठाना
सिखा। यह हमारा अहद-नामा⁽²⁾ है।

यह हमारा पुराना अहद नामा था। उन के ख़यालात तबाह हो चुके। अब उन
के पास क्या बाक़ी रहा है— ऑरगन के मद्धम और लर्ज़ा-ख़ेज़⁽³⁾ सुर के साथ
क़दम उठाते हुए सब आहिस्ता आहिस्ता अपने रास्ते पर वापस आए।

कंवल रानी—किसी ने अंधेरे में यकलख़्त पहचान कर चुपके से पुकारा।
यहां आ जाओ।

और हमारे साथ खड़े होकर इस खूबसूरत रौशनी को देखो जो आसमान पर
फैल रही है। अब किसी पछतावे, किसी अफ़सोस का वक़्त नहीं है।

“पुराने अहदनामें मनसूख़⁽⁴⁾ हुए” किश्वरी ने आहिस्ता से दुहराया ‘हम
इस तरह ज़िन्दा रहेंगे। हम यूँ आप को न मरने देंगे। हमारी ज़िलावतनी ख़त्म
होगी। हमारे सामने आज की सुबह है मुस्तज़िबल—है— सारी दुनिया की नई
तख़लीक़ है”

लेकिन कंवल कुमारी!—तुम अब भी रो रही हो— ?



کھوڈو بابا کا مقبرہ

کھوڈو بابا اور شام اس جھونپڑائی میں آگے پیچھے داخل ہوئے۔ شام تو آپ ہی آپ سایہ سایہ آگے بڑھ گئی اور کھوڈو بابا کو دیکھ کر ایک پلا ہوا کتا گویا یہ کہنے کے لیے بھونکا کہ میرے پیچھے پیچھے آؤ اور اس کے آگے آگے ہو لیا اور چھوٹی چھوٹی جھونپڑیوں کے پتوں بچ گئی تنگ راستوں سے گزر کر اسے ایک نمایاں جھونپڑے کے دروازے پر لاکھڑا کیا۔ بابا نے شاید اپنے آپ سے کچھ کہنے یا جھونپڑے والے کو بلانے کے لیے صدا لگائی، حق، جس پر خفا ہو کر کتا بھونکنے لگا، واہوں!۔ واہو۔ چوہدری کو بلانا، نہ بلانا میرا کام ہے بابا!۔ وہوں!۔

”سن لیا ہے۔ بندھوں، سن لیا ہے“ رکھا چوہدری اپنی شلوار اوپھی کرتے ہوئے جھونپڑے سے باہر نکلا اور ان کی طرف آتے آتے شلوار کے ازار بند میں ڈھیل محسوس کر کے اسے کہنے کے لیے رک گیا۔ ”کسے پھڑلائے ہوں،“ اس کی ناک میں شاید چند خالتو سوراخ تھے، جن سے اس کی آواز لیک ہو ہو کر جا بجا خون میں بھر جاتی تھی۔ ہر کسی کو باپ بتاں کے لے آتے ہوں میں کنس کنس کو گھر دوں؟ بولوں!“

بندھو کتا بدک کر ذرا پیچھے ہٹ گیا اور کھوڈو بابا کی طرف سر اٹھا کے غرایا۔ ”بولو!“ مگر بابا خاموش کھڑا رکھے چوہدری کو گھورتا رہا۔

”ایسے گھور کے کیوں دیکھ رہے ہوں، باباں؟“ چوہدری گھبرا کر مونچھوں کو تاؤ دینے لگا ”میں کوئی اور نہیں، میں ہی ہوں۔“

”نہیں۔ کھوڈو“ کھوڈو بابا نے اپنی گھسی ڈاڑھی میں سے منہ کھولا، ”کھوڈو کو کیا معلوم، کھوڈو کون ہے؟“

खोदू बाबा का मक़बरा

खोदू बाबा और शाम उस झोपड़पट्टी में आगे पाँछे दाख़िल हुए। शाम तो आप ही आप साया साया आगे बढ़ गई और खोदू बाबा को देखकर एक पला हुआ कुत्ता गोया यह कहने के लिए भौंका कि मेरे पीछे पीछे आओ और उसके आगे आगे हो लिया और छोटी छोटी झोंपड़ियों के बीचों बीच कई तंग रास्तों से गुज़र कर उसे एक नुमायां झोपड़े के दरवाज़े पर ला खड़ा किया। बाबा ने शायद अपने आप से कुछ कहने या झोंपड़े वाले को बुलाने के लिए सदा⁽¹⁾ लगाई, हक़, जिस पर ख़फ़्त हो कर कुत्ता भौंकने लगा। वाहों! -- वाहू --- चौधरी को बुलाना, न बुलाना मेरा काम है। बाबा !--वाहू --!

“सुन लिया है बन्धू, सुन लिया है” रखा चौधरी अपनी शलवार ऊंची करते हुए झोंपड़े से बाहर निकला और उनकी तरफ़ आते आते शलवार के इज़ार बन्द में ढील महसूस करके उसे कसने के लिए रुक गया। “किसे पकड़ लाये हों?” उसको नाक में शायद चंद फ़लतू सूराख़ थे जिन से उसकी आवाज़ लीक हो हो कर जा बजा खून में भर जाती थी, “हर किसी को बाप बना के ले आते हों किंस किंस को घर दूँ? बोलो!”

बन्धू कुत्ता बिदक कर ज़रा पीछे हट गया और खोदू बाबा की तरफ़ सर उठा कर गुराया। “बोलो!” मगर बाबां ख़ामोश खड़ा रखे चौधरी को घूरता रहा।

“ऐसे घूर के क्यों देख रहे हों बाबा?” चौधरी घबरा कर मूँछों को ताव देने लगा, “मैं कोई और नहीं मैं ही हूँ”।

“नहीं खोदू” खोदू बाबा ने अपनी घनी दाढ़ी में से मुंह खोला “खोदू को क्या मालूम खोदू कौन है?”

चौधरी को गुस्सा आने लगा “मेरा नाम खोदू नहीं बाबा”

آزادی کے بعد اردو افسانہ

چوہدری کو غصہ آنے لگا۔ ”میرا نام کھودوں نہیں، باباں۔“
چوہدری ابھی اپنا غصہ اتار بھی نہ پایا تھا کہ بابا نے پھر اچانک صدا لگائی ”حق!“ اور
ایک پتھر اٹھا کر اس کے پیروں کی طرف دے مارا۔

”ار۔ رے!“ چوہدری پیچھے اچھل گیا اور پھر اپنے سامنے ایک کچلے ہوئے بچھو پر نظر
پڑنے پر کھڑا رہ گیا۔ ”باپ رے!“ جسے وہ کوئی گداگر سمجھ رہا تھا وہی اب اسے کوئی دلی
دکھنے لگا۔ ”تھکنی چاہیے، باباں؟ ضرور دوں گا۔ اوروں سے سنگل تھکنی کی زمین کے پورے
بیج اوپر بیج سینکڑے، پر تم بیج اوپر دوں سینکڑے بھی دے دوں تو چلے گاں۔“

”میرے ہاتھوں نائق ایک خون ہو گیا کھودو۔“ بابا کو اطمینان بھی تھا کہ چوہدری کا
بچاؤ ہو گیا ہے اور افسوس بھی کہ بچھو کچلا گیا ہے۔

”میراں نام“ چوہدری نے بابا کو بتانا چاہا کہ اس کا نام کھودو نہیں ہے، مگر اس نے
خود کو روک لیا۔ ”بچھوں کوں مارنے کا دکھ کا بے کاں، باباں؟ جوں کا ناں ہے اسے مارناں
ہی اچھاں ہے۔“

”بچھو بھی کہتے ہیں جو مارتا ہے اسے کاٹنا ہی اچھا ہے۔“
اسی اثنا میں بندھو کو نہ جانے کیا سوچھی کہ وہ بابا کے پیروں پر لوٹنے لگا۔
”ارے بھانگوں، کتے کی اولاد!“ رکھا چوہدری ایک ہاتھ اوپر کر کے اس کی طرف
بڑھا۔ ”جاؤں، اپنی چوٹکیداری کروں۔“

مگر کھودو بابا نے جھک کر پیار سے کتے کی پیٹھ تھپتھپائی، اور اپنا سر اوپر اٹھانے سے
پہلے زمین سے مٹی کی مٹی بھر کر اپنے سر میں ڈال لی۔

رکھا چوہدری پہلے تو اسے حیرت سے دیکھتا رہا۔ اور پھر یہ خیال آنے پر اس نے
عقیدت سے اپنے دونوں ہاتھ سینے پر باندھ لیے کہ یہ تو واقعی کوئی کرامتی بابا ہے۔ ”باباں،
تم کہاں بیج اوپر دوں سینکڑوں کا بوجھ اٹھائے پھرتے ہو گے؟ پر کوئی ہانت نہیں“ وہ
پھر اپنا ازار بند کئے لگا۔ ”اندر آؤں اور مجھ سے یہ سارے پیسے وصول کر کے میرے ہی
ہاتھ میں تھما دوں“ وہ کھی کھی ہنس رہا تھا۔ ہانت یہ ہے کہ چوہدری مفت میں جان دے
دے توں دے دے، پر جھگی نہیں دیتاں، آؤں، باباں، اندر آں کے برا جوں۔“

आत्मादी के बाद उर्दू अफ़साना

चौधरी अभी अपना गुस्सा उतार भी न पाया था कि बाबा ने फिर अचानक सदा लगाई “हक़⁽¹⁾”। और एक पत्थर उठ कर उसके पैरो की तरफ़ दे मारा।

“अर-रे।” चौधरी पीछे उछल गया और फिर अपने सामने एक कुचले हुए बिच्छू पर नज़र पड़ने पर खड़ा रह गया— “बाप रे!” जिसे वह कोई गदागर समझ रहा था वही अब उसे कोई वली दिखने लगा। “झुगगी चाहिए, बाबा? ज़रूर दूंगा। औरो से सिंगल झुगगी की ज़मीन के पूरे पंच ऊपर पंच सैंकड़े, पर तुम पंच ऊपर दून सैंकड़े भी दे दो तो चलेगा।

“मेरे हाथों नाहक़ एक खून हो गया खोदू” बाबा को इत्मीनान भी था कि चौधरी का बचाव हो गया है और अफ़सोस भी कि बिच्छू कुचला गया है।

“मेरा नाम” चौधरी ने बाबा को बताना चाहा कि उस का नाम खोदू नहीं है, मगर उसने खुद को रोक लिया “बिच्छों को मारने का दुख काहे कां, बाबा? जो काटता है उसे मारना ही अच्छा है।”

“बिच्छू भी कहते हैं, जो मारता है उसे काटना ही अच्छा है।”

इसी असना में बन्धू को न जाने क्या सूझी के बाबा के पैरों पर लोटने लगा।

“अरे भागों, कुत्ते की औलाद!” रखा चौधरी एक हाथ ऊपर करके उसकी तरफ़ बढ़ा “जाओ अपनी चौकीदारी करो”

मगर खोदू बाबा ने झुक कर प्यार से कुत्ते की पीठ थपथपाई और अपना सर ऊपर उठाने से पहले ज़मीन से मिट्टी की मुट्ठी भर कर अपने सर में डाल ली।

रखा चौधरी पहले तो उसे हैरत से देखता रहा, और फिर यह ख़याल आने पर उसने अक़ीदत⁽²⁾ से अपने दोनों हाथ सीने पर बांध लिये कि यह तो वाक़ई कोई करामती बाबा है— “बाबा तुम कहां पंच ऊपर दून सैंकड़ों का बोझ उठाये फिरते होंगे?” “पर कोई बांत नहीं” वह फिर अपना इज़ारबंद कसने लगा “अंदर आओ और मुझसे यह सारे पैसे बसूल कर के मेरे ही हाथ में थमा दो” वह खी खी हंस रहा था, “बांत यह है कि चौधरी मुफ़्त में ज़ान दे दे तो दे दे पर झुगगी नहीं देता— आओ, बाबा, अंदर आ के बिराजो”

चौधरी बदस्तूर बंधे हाथों अपने दरवाज़े की तरफ़ मुड़ कर बन्धू के मानिंद दम निकाले खोदू बाबा के आगे आगे हो लिये, और खोदू बाबा उसके पीछे पीछे,

چوہدری بدستور بندھے ہاتھوں اپنے دروازے کی طرف مڑ کر بندھو کے مانند دم نکالے کھودو بابا کے آگے آگے ہو لیا، اور کھودو بابا اس کے پیچھے پیچھے، اور اس کی پشت پر بندھو اپنی کھجلی ٹانگوں پر کھڑے ہو کر اگلی کو اپنے مالک کے مانند سینے پر باندھنے کا جن کر رہا تھا اور اپنی کوشش میں ناکام ہونے سے اپنے گلے سے کچھ ایسی یک حرفی بھونک پیدا کرتا تھا جیسے حق کی صدا لگا رہا ہو۔

جمو نیزے کے اندر پہنچ کر رکھے چوہدری نے اپنے ہاتھوں کشید کی ہوئی شراب سے بابا کی تواضع کرنا چاہی۔ اس نے سوچا کہ پہنچا ہوا فقیر ہے۔ چوتھے یا پانچویں آسمان کا باسی تو ہو گا ہی۔ آنکھیں اور اوپر چڑھ جائیں گی تو آپ ہی آپ ساتویں آسمان میں جا پہنچے گا اور مجھ سے پوچھے گا حق! مانگوں، کھودوں، کیا مانگتے ہوں؟ وہ جی جی جی میں کھودو بابا سے مانگنے لگا..... اور کیا مانگنے کاں ہے باباں؟ رام چرن کی جوروں روز میری جلیبیاں کھا کے بھی ہمتے نہیں چڑھ رہی۔ بس وہ رام ہوں جائے توں اپنا بول بالاں!..... مگر جب اس نے شراب کا گلاس کھودو بابا کے سامنے رکھا تو بابا نے ”حق“ کا نعرہ بلند کر کے اسے زمین پر فٹخ دیا اور ایسا کرتے ہوئے اس کا ہاتھ زخمی ہو گیا، اور پھر ہتھیلی کے خون کو ڈاڑھی سے صاف کرتے ہوئے وہ وہاں سے اٹھنے لگا تھا کہ چوہدری اس کے قدموں پر گر پڑا اور دل ہی دل میں رام چرن کی جوروں کو کوٹنے لگا کہ وہ سیدھے سیدھے بس میں آجائے تو اسے اس جو حکم میں پڑنے کی کیا ضرورت ہے۔

بابا کے قدموں پر گرے پڑے چوہدری ٹوٹے ہوئے گلاس کی کرچیاں اکٹھی کرنے لگا۔

”جو معاف نہیں کرتا کھودو“۔ کھودو بابا پھر آرام سے بیٹھ چکا تھا۔ ”وہ بھی اسی گناہ کا سزاوار ہوتا ہے جسے وہ معاف نہیں کرتا۔“

چوہدری خوش ہو کر الماری سے جلیبیوں کا لفافہ نکال لایا جسے اس نے رام چرن کی جوروں کے لیے رکھا ہوا تھا۔ ”جلیبیاں کھاؤں بابا۔“ وہ سوچ رہا تھا، وہ آپ توں سالی کوئی اچھا کام کرتی نہیں، میں ہی اس کے لیے تھوڑا ثواب کما لوں۔

کھودو بابا نے جلیبیوں کا لفافہ ہاتھ سے ایک طرف کر دیا۔ ”نہیں، کھودو، بیٹھا کھانے

और उनकी पुश्त⁽¹⁾ पर बन्धू अपनी पिछली टांगो पर खड़े हो कर अगली को अपने मालिक के मानिंद⁽²⁾ सीने पर बांधने का जतन कर रहा था और अपनी कोशिश में नाकाम होने पर गले से कुछ ऐसी यक हरफ़ी भोंक पैदा करता था जैसे हक़ की सदा लगा रहा हो।

झोंपड़े के अन्दर पहुँच कर रखे चौधरी ने अपने हाथों कसीद की हुई शराब से बाबा की तवाजो करना चाही। उसने सोचा कि पहुँचा हुआ फ़क्कीर है। चौथे या पाँचवें आसमान का बासी तो होगा ही। आंखे और ऊपर चढ़ जाएंगी तो आप ही आप सातवें आसमान में जा पहुँचेगा। और मुझ से पूछेगा। हक़! मांगों खोदू, क्या मांगते हों? वह जी ही जी में खोदू बाबा से मांगने लगा -- और क्या मांगने का है बाबा? राम चरण की जोरु रोज़ मेरी जलेबियां खा के भी हत्थे नहीं चढ़ रही। बस राम हों जाए तों अपना बोल बालां—! मगर जब उसने शराब का गिलास खोदू बाबा के सामने रखा तो बाबा ने “हक़” का नारा बुलन्द कर के उसे फ़र्श पर पटक दिया और ऐसा करते हुए उस का हाथ जख़मी हो गया और फिर हथेली के खून को दाढ़ी से साफ़ करते हुए वह वहां से उठने लगा था कि चौधरी उस के क्रदमों पर गिर पड़ा और दिल ही दिल में रामचरण की जोरु को कोसने लगा कि वह सीधे सीधे बस में आ जाए तो उसे उस जोखम में पड़ने की क्या ज़रूरत है।

बाबा के क्रदमों पर गिरे पड़े चौधरी टूटे हुए गिलास की किर्चियां इकट्ठी करने लगा “जो माफ़ नहीं करता, खोदू” खोदू बाबा फिर आराम से बैठ चुका था “वह भी उसी गुनाह का सजावार होता है जिसे वह माफ़ नहीं करता”।

चौधरी खुश हो कर अलमारी से जलेबियों का लिफ़्ताफ़्त निकाल लाया जिसे उसने रामचरण की जोरु के लिए रखा हुआ था “जलेबियाँ खाओ बाबा” वह सोच रहा था वह आप तों साली कोई अच्छा काम करती नहीं मैं ही उसके लिए थोड़ा सवाब कमा लूँ।

खोदू बाबा ने जलेबियों का लिफ़्ताफ़्त हाथ से एक तरफ़ कर दिया। “नहीं खोदू, मीठ खाने वाला ख़्वाबे-ग़फ़लत⁽³⁾ का शिकार हो जाता है।”

“ख़्वाबों ग़फ़लत! क्या खूब !” —चौधरी अपनी उंगलियां चूमते हुए

والا خواب غفلت کا شکار ہو جاتا ہے۔“

”خوابیں غفلت! کیاں خوب!.....“ چوہدری اپنی انگلیاں چومتے ہوئے گویا کھودو بابا کے الفاظ چوم رہا تھا۔

”اگر ہو سکے، کھودو، تو اللہ کے نام پر خشک روئی کھلا دو۔“

چوہدری کے پاس بندھو کتے کے لیے دو تین روٹیاں رکھی تھیں، وہ اپنے آپ کو بتانے لگا، ایک دن میں نہیں دوں گا تو بندھو کہیں اور سے مار لائے گا..... وہ کپڑے میں لپی ہوئی روٹیاں لایا اور انھیں بابا کے آگے رکھ کر پانی کا گلاس لانے کو اٹھا۔

”صرف ایک“ بابا نے ایک روٹی نکال کر ہاتھ میں لے لی ”کیا میں تمہارے بندھو کا حق تو نہیں مار رہا؟“

”تم تو جانی جان ہو بابا۔ تھوڑاں رک جاؤں تو میں گھڑی بھر میں تازہ روٹیاں بنائے دتاں ہوں۔“

”نہیں تازہ بندھو کے لیے بنالینا، کھودو۔“

کھودو بابا خدا کا شکر ادا کر کے منہ میں پہلا لقمہ ڈالنے لگا۔

”روٹی پر ذرا سانک ہی ڈال لوں، بابا۔“

”ہاں، کھودو، تھوڑا سانک تو ضرور دو۔“ بابا پہلی بار ہنسا تو چوہدری کو لگا کہ اس کے جھونپڑے میں اجالا ہو گیا ہے۔ ”تاکہ نمک حرامی کے خوف سے تمہارا احسان سدا یاد رہے۔“

”ناں، بابا، ایسا مت کہوں۔“ بابا کے سامنے نمک کی ڈبیا رکھتے ہوئے چوہدری کو اپنی شرمساری پر پیار آنے لگا تھا۔

بابا نے پانی کا گھونٹ بھرتے ہوئے اس کی طرف گھور کر دیکھا جیسے وہ اپنے پیچھے بھی بیٹھا ہو۔ چوہدری نے اپنے اطمینان کے لیے سر موڑ لیا۔

”کسے دیکھ رہے ہو کھودو؟“

”جیسے تم دیکھ رہے ہو بابا، مگر میں تو یہاں ہوں۔“

”یہاں بھی کہاں ہو کھودو؟“ بابا شاید سربل نظر آنے کے لیے اپنی روئی پر نمک

आजादी के बाद उर्दू अफ़साना

गोया खोदू बाबा के अलफ़ज़ चूम रहा था।

“अगर हो सके, खोदू तो अल्लाह के नाम पर खुश्क रोटी खिला दो।”

चौधरी के पास बन्धू कुत्ते के लिए दो तीन रोटियां रखी थीं, वह अपने आप को बताने लगा एक दिन मैं नहीं दूंगा तो बन्धू कहीं और से मार लायेगा वह कपड़े में लिपटी हुई रोटियां निकाल लाया और उन्हें बाबा के आगे रख कर पानी का गिलास लाने को उठ।

“सिर्फ़ एक” बाबा ने एक रोटी निकाल कर हाथ में ले ली “क्या मैं तुम्हारे बन्धू का हक़ तो नहीं मार रहा ?”

“तुम तो जानी जान हो बाबा। थोड़ा रुक जाओ तो मैं घड़ी भर में ताज़ा रोटियां बनाये देता हूँ।”

“नहीं ताज़ा बन्धू के लिए बना लेना, खोदू”।

खोदू बाबा खुदा का शुक्र अदा करके मुँह में पहला लुक्मा डालने लगा।

“रोटी पर ज़रा सां नमक ही डाल लो बाबां”

“हां, ‘खोदू’ थोड़ा नमक तो ज़रूर दो” बाबा पहली बार हंसा तो चौधरी को लगा कि उस के झोंपड़े में उजाला हो गया है। “ताकि नमकहरामी के ख़ौफ़ से तुम्हारा एहसान सदा⁽¹⁾ याद रहे”।

“नां बाबां, ऐसा मत कहो” बाबा के सामने नमक की डिब्बिया रखते हुए चौधरी को अपनी शर्मसारी पर प्यार आने लगा था।

बाबा ने पानी का घूंट भरते हुए उस की तरफ़ घूर कर देखा जैसे वह अपने पीछे भी बैठ हो। चौधरी ने घबरा कर अपने इत्मिनान के लिए सर मोड़ लिया।

“किसे देख रहे हो खोदू ?”

“जिसे तुम देख रहे हो बाबां, मगर मैं तो यहाँ हूँ ?”

“यहां भी कहां हो खोदू ?” बाबा शायद सरल नज़र आने के लिए अपनी रोटी पर नमक छिड़कने लगा।

“बाबां की बाबां ही जाने।” खुद को समझा कर चौधरी बाबा से पूछने लगा। “बाबां एक बात बताओ ? तुम मुझे खोदू क्यों बोलते हो ?”

“क्योंकि मैं भी खोदू हूँ” अपना लुक्मा हलक़ से उतार कर बाबा ने जवाब

چمڑکنے لگا۔

”باباں کی باباں ہی جانے۔“ خود کو سمجھا کر چوہدری بابا سے پوچھنے لگا۔ ”بابا ایک بات بتاؤں گے؟ تم مجھے کھودو کیوں بولتے ہو؟“

”کیوں کہ میں بھی کھودو ہوں۔“ اپنا لقمہ حلق سے اتار کر بابا نے جواب دیا۔ ”اپنے نام کے سوا میرے پاس ہے ہی کیا، جو کسی کو دوں؟ سو جو ہے، سکھوں کو وہی دے دیتا ہوں، یہی ایک اپنا آپ۔“

چوہدری کا دل چاہا کہ بابا کو کھانے سے روک کر پہلے اس کی انگلیاں چوم لے۔ ”بابا، ادھر کئی جنگلیاں خالی ہیں جس پر بھی انگلی رکھ دوں، وہ تمہاری۔ ایک کی چھت توں بہت اونچی ہے، بہت ہوادار ہے۔“

”نہیں مجھے سب سے اونچی چھت چاہیے، آسمان کی چھت کھودو۔“ بابا نے ردی ختم کر کے ہاتھ ڈاڑھی سے پونجھ لیے۔ ”مجھے کوئی جنگلی ڈنگی نہیں چاہیے۔ تھوڑی سی کھلی جگہ دے سکتے ہوں تو تک جاؤں گا۔“

چوہدری نے ٹھان لی کہ تھکتوں سے تھوڑے فاصلے پر بابا کو وہ چوہترادے دوں گا جہاں سے قبرستان شروع ہوتا ہے اس کی نیک نیکی میں خود اس سے بھی چوری چوری ایک کانیاں سی مسکراہٹ کھس آئی۔ اس طرح قبرستان کی زمین پر ہاتھ صاف کرنا بھی آسان ہو جائیں گا۔

حق!..... تھوڑی دیر میں تھکے ماندے بابا کی آنکھیں منڈنے لگیں تو اس نے وہیں پر لیٹ جانا چاہا۔

”ظہرو، باباں۔ میں چدر بچھائے دیتا ہوں۔“

”نہیں، موت گھڑی بھڑکی ہو، یا سدا کی، کچی مٹی پر ہی ہونی چاہیے حق۔“

کھودو بابا لینے ہی خزانے بھرنے لگا اور چوہدری اپنی جیب سے دن بھر کی کمائی نکال کر گنتے لگا تاکہ اسے ٹھکانے لگا کر سوئے..... حق!..... نامعلوم بابا کی مانند صدا لگا کر اس نے اپنے آپ سے کیا کہنا چاہا۔

आजादी के बाद उर्दू अफ़साना

दिया “अपने नाम के सिवा मेरे पास है ही क्या, जो किसी को दूँ? सो जो है, सभी को वही दे देता हूँ, यही एक अपना आप”।

चौधरी का जी चाहा कि बाबा को खाने से रोक कर पहले उस की उंगलियाँ चूम लें “बाबा, इधर कई झुगियाँ खाली हैं। जिस पर भी उंगली रख दो वह तुम्हारी। एक की छत तौ बहुत ऊँची है, बहुत हवा दार है।”

“नहीं मुझे सबसे ऊँची छत चाहिए, आसमान की छत, खोदू” बाबा ने रोटी खत्म कर के हाथ दाढ़ी से पोंछ लिए “मुझे कोई झुगी बुगी नहीं चाहिए। थोड़ी सी खुली जगह दे सकते हो तो टिक जाऊंगा”।

चौधरी ने ठानली के झुगियों से थोड़े फ़रसले पर बाबा को वह चबूतरा दे दूंगा जहाँ से क़ब्रिस्तान शुरू होता है। उस की नेक नियती में खुदा उससे भी चोरी चोरी एक काइयाँ सी मुस्कुराहट घुस आई। इस तरह क़ब्रिस्तान की ज़मीन पर हाथ साफ़ करना भी आसान हो जाएगा।

हक़! —थोड़ी देर में थके मादे बाबा की आँखें मुन्दने लगीं तो उस ने वहीं लेट जाना चाहा।

“ठहरो ‘बाबा’। मैं चददर बिछाए देता हूँ।”

“नहीं, मौत घड़ी भर की हो, या सदा की रुचवी मिट्टी पर ही होनी चाहिए। हक़!”

खोदू बाबा लेटते ही ख़रटि भरने लगा और चौधरी अपनी जेब से दिन भर की कमाई निकाल कर गिनने लगा ताकि इसे ठिकाने लगा कर सोए— हक़! —नामालूम बाबा की मानिन्द सदा लगा कर उसने अपने आप से क्या कहना चाहा।

(2)

रखे चौधरी ने अपनी झोंपड़ पट्टी के लोगों को नामालूम क्या कहानियाँ घड़ कर सुनाई कि अक़ीदत मंदो का हुज़ूम दुसरे ही रोज़ शाम को खोदू बाबा के चबूतरे पर जमा हो गया। बाबा अपने चबूतरे पर ईंटों के तकिए पर पीठ टिकाए नीम दराज़ पड़ा था, और ऐसे मालूम होता था जैसे कोई मुर्दा क़ब्र की घुटन की ताब ना लाकर बाहर खुले मैदान में आ गया हो, और अपने आस पास बैठे हुए हैरत ज़दा लोग उसे परछाइयों की मानिन्द देख रहे हों। उस ने अचानक ‘हक़’ का नारा लगाया जिसे सुन कर बहुतों ने अपने सर आसमान की तरफ़ उठा लिए,

(2)

رکھے چوہدری نے اپنے جمونپڑ پٹی کے لوگوں کو نامعلوم کیا کہانیاں گھڑ کر سنائیں کہ عقیدت مندوں کا ہجوم دوسرے ہی روز شام کو کھودو بابا کے چہوتے پر جمع ہو گیا۔ بابا اپنے چہوتے پر اینٹوں کے ٹکے پر بیٹھ نکائے نیم دراز پڑا تھا، اور ایسے معلوم ہوتا تھا جیسے کوئی مردہ قبر کی گھٹن کی تاب نہ لا کر باہر کھلے میدان میں آ گیا ہو اور اپنے آس پاس بیٹھے حیرت زدہ لوگ اسے پرچھائیوں کے مانند دکھ رہے ہوں۔ اس نے اچانک 'حق' کا نعرہ لگایا جسے سن کر بہتوں نے اپنے سر آسمان کی طرف اٹھالیے، مانو بابا کی آواز وہیں کہیں سے اتری ہو۔ بعضوں نے اس کے پہلو میں اپنے نذرانے رکھ دیے تھے جن پر اپنی ہوئی نگاہ دوڑاتے ہوئے اسے اخباری کاغذ سے سر نکالتی ہوئی ایک سوکھی روٹی دکھائی دی۔ اس نے آگے جھک کر روٹی اٹھالی اور اسی دم کھانا شروع کر دیا، اور جتنی دیر میں ایک شخص دوڑ کر پانی کا جگ بھر لایا، اسی دوران اس نے روٹی پیٹ میں اتار لی۔

”حق!“ بابا کا منہ ابھی پانی سے بھرا ہوا تھا۔ اس کی آواز کے ساتھ ہی گویا کدال کی چوٹ پڑنے پر جنگل جھاڑیوں کی عقب سے قدرتی جیسے کی ایک دھار پھوٹ آئی۔

بابا کی ڈاڑھی مونچھوں میں جل تھل ہو گئی تو عقیدت مند اپنے پانچے اٹھا کر باہر نکل آئے اور بابا پھر قبرستان کی طرف پشت کر کے دوسرے نذرانوں پر جھک گیا اور بگڑی اٹھا کر ایک ننگے سروالے کو دے دی۔ لو۔ کھودو! اور چادر، ایک ننگے بدن والے کو، لو، کھودو۔ اور گوران شہد سے بھری ہوئی شیشی، ایک پھکی شکل والی کو، اور جوتے..... اس نے ایک پٹے پیروں والے بوڑھے کو بلایا۔ آؤ کھودو۔ یہ لو۔

اس پر بدھوا چہار اٹھ کر کھڑا ہوا ”پر ہمارا تو تار کھاتر گھٹرا دن کھرچ کر دیا بابا۔ ایسا جادو کا جوتا ہے ہے کی ہر سانچ کو بھٹ پڑے۔“

بڑھے نے جلدی سے جوتے پہن لیے کہ بدھوا کے کہنے پر کہیں بابا کی نیت نہ بدل جائے اور خوشی سے کاپنے لگا، ”بابا، میری بہو ہمیں کہے تھے، بھکر کا ہے کو کرتے ہو باپو؟ مر جاؤ گے تو جوتے پہننے کے ہی سمجھوں گی۔“ معلوم ہوتا تھا جیسے بڑھا دیوانہ وار ناچنا چاہ رہا ہے۔

حالاں کہ مطلع بالکل صاف تھا، پھر بھی آسمان سے دو چار بوندیں ان کے گالوں پر

आकादी के बाद उर्दू अफ़साना

मानो बाबा की आवाज़ वहीं कहीं से उतरी हो। बाजों ने उस के पहलू में अपने नज़राने रख दिए थे जिन पर उचटती निगाह दौड़ाते हुए उसे अख़बारी कागज़ से सर निकालती हुई एक सूखी रोटी दिखाई दी। उसने आगे झुक कर रोटी उठा ली और उसी दम खाना शुरू कर दिया, और जितनी देर में एक शख्स दौड़ कर पानी का जग भर लाया, उसी दौरान उस ने रोटी पेट में उतार ली।

“हक़”! बाबा का मुंह अभी पानी से भरा हुआ था। उस की आवाज़ के साथ ही गोया कुदाल की चोट पड़ने पर जंगली झाड़ियों के अक़ब⁽¹⁾ से झुदरती चश्मे की एक धार फूट आई।

बाबा की दाढ़ी मूँछों में जल थल हो गई, तो अक़ीदत मन्द अपने पाँड़चे उठा कर बाहर निकल आए और बाबा फिर क़ब्ज़िस्तान की तरफ़ पुस्त⁽²⁾ कर के दूसरे नज़रानों पर झुक गया और पगड़ी उठा कर एक नंगे सर वाले को दे दी--- लो--- खोदू ! और चादर, एक नंगे बदन वाले को, लो खोदू-और गोरान शहद से भरी हुई शीशी, एक फीकी शक्ल वाली को, और जूते—उस ने एक फटे पैरों वाले बूढ़े को बुलाया। आओ खोदू, यह लो।

इस पर बुधवा चमार उठ खड़ा हुआ “पर हमार तो तुम्हार खातिर सधड़ा दिन खर्च कर दिया। बाबा ऐसा जादू का जूता बने है कि हर साईज को फिट पड़े”

बुढ़े ने जल्दी से जूते पहन लिए कि बुधवा के कहने पर कहीं बाबा की नीयत न बदल जाए, और खुशी से कांपने लगा। “बाबा, मेरी बहू हमीसां कहे थी फ़िक्का काहे को करते हो बापू? मर जाओगे तो जूते पहना के ही भेजूंगी” मालूम होता था जैसे बुढ़ा दीवाना वार नाचना चाह रहा है।

हालांकि मतला⁽³⁾ बिलकुल साफ़ था फिर भी आसमान से दो चार बूंदें उन के गालों पर आ गिरीं और उन्हें बड़ी फ़रहत महसूस हुई।

बुढ़े के बाद बाबा ने चौधरी को बुलाया।

“यह लो” उस ने अपने चबूतरे की मुट्ठी भर मिट्टी रखे चौधरी को दी जो उस ने वैसे ही अपने सर में डाल ली जैसे बाबा ने डाली थी।

बाबा को एक लिफ़्फ़ा और नज़र आ गया जिसमें लड्डू रखे थे। वो शायद

آگریں اور انھیں بڑی فرحت محسوس ہوئی۔

بڑھے کے بعد بابا نے چوہدری کو بلایا۔

”یہ لو۔“ اس نے اپنے چہوترے کی مٹھی بھر مٹی رکھے چوہدری کو دی جو اس نے ویسی ہی اپنے سر میں ڈال لی جیسے بابا نے ڈالی تھی۔

بابا کو ایک لفافہ اور نظر آ گیا جس میں لٹو رکھے تھے، وہ شاید سوچ رہا تھا، اس کا کیا کرے کہ مانو اپنی پشت سے اسے کسی کی آواز سنائی دی۔ ”ارے ہاں“ وہ پہلے کی طرح آگے بچے کو دایاں پایاں بنا کے بیٹھ گیا۔ ”یہ لولڈو تم سب بانٹ کر کھاؤ۔“ اس نے لفافہ بائیں طرف چہوترے سے گرا دیا۔

”ادھر توں کوئی نہیں باباں“ چوہدری نے اس طرح جھانک کر کہا۔

”تم تو عقل کے اندھے ہو، کھودو۔ مٹی کو سر میں اچھی طرح مل کر دیکھو۔ وہ ایک بوڑھیا، دو جوان اور تین بچے کون بیٹھے ہیں؟“

”کہاں؟“

”اور علو! جو قبروں سے نکل کر آتے ہیں وہ آنکھوں سے نہیں، سر سے دیکھتے ہیں۔“ شاید سبھی کو اپنے سروں سے جھبوں مردے قبرستان کے کنارے بیٹھے دکھنے لگے تھے۔ چند تو ڈر گئے مگر کھودو بابا کے ہوتے ڈر کیسا؟ اس لیے وہ ڈرے ڈرے بھی بیٹھے رہے۔

بابا نے انھیں بتایا۔ ”تم سب بھی تو اتنے ہی زندہ ہو جتنے اپنے گمان میں۔ بولو، صبح ہے یا غلط؟“

”پورا صبح، باباں، پورا صبح“

”مردوں سے پیار کریں، کھودو تو ان میں جان پڑ جاتی ہے۔“ ”ہاں بابا“ وہ پسلی شکل والی عورت بولی جسے گوران شہد کی شیش ملی تھی۔ ”انھوں تاجی حکیم موچھے بولے تھے ’مردو چاٹوگی‘ بھلی لوک‘ تیس جی پڑوگی۔“ ادھر سے دو چار جوان ہمت کر کے ادھر قبرستان کی جانب جا بیٹھے۔

”شاہاش! ہمیشہ اسی طرح مل جل کر رہو اور بانٹ کر کھاؤ۔“

आजादी के बाद उर्दू अफ़साना

सोच रहा था, इसका क्या करे कि मानो अपनी पुस्त से उसे किसी की आवाज़ सुनाई दी। “अरे हां” वह पहले की तरह आगे पीछे को दायां बायां बना के बैठ गया “यहलो लड़कू तुम सब बांट कर खा लो। उसने लिफ़्ज़फ़्ज़ बाएं तरफ़ चबूतरे से गिरा दिया।

“इधर तो कोई नहीं बाबां” चौधरी ने उस तरफ़ झांक कर कहा।

“तुम तो अक़ल के अंधे हो, खोदू। मिट्टी को सर में अच्छी तरह मल कर देखो। वह एक बुढ़िया, दो जवान और तीन बच्चे कौन बैठे हैं?”

“कहां?”

“और मलो। जो क़ब्रों से निकल कर आते हैं वह आंखों से नहीं, सर से दिखते हैं”

शायद सभी को अपने सरों से छयों मुर्दे क़ब्रिस्तान के किनारे बैठे दिखने लगे थे। चंद तो डर गये मगर खोदू बाबा के होते हुए डर कैसा? इस लिए वह डरे डरे भी बैठ रहे।

बाबा ने उन्हें बताया। “तुम सब भी तो इतने ही सिंदा हो जितने अपने गुमान में— बोलो, सही है या ग़लत?”

“पूरा सही, बाबां पूरा सही!”

“मुर्दों से प्यार करें, खोदू तो उन में जान पड़ जाती है”

“हां बाबा” वह फीकी शक्ल वाली औरत बोली जिसे गोरान शहद की शीशी मिली थी—

“उन्हों ताजी हकीम मोझे बोले थे। मधु चाटेगी। भली लोक, तीं जी पड़ेगी”।

इधर से दो चार जवान हिम्मत करके उधर क़ब्रिस्तान की जानिब जा बैठे।

“शाबास! हमेशा इसी तरह मिल जुलकर रहो और बांट कर खाओ

जब अंधेरा होने लगा तो चौधरी ने एक आदमी को दौड़ाना चाहा कि लालटेन जलाकर ले आये।

“नहीं” बाबा ने उसे टोक दिया। “इन्सान के सिवा किसी और जानदार को भी बत्ती जलाते देखा है, खोदू?” बाबा ने आसमान की तरफ़ देखा। “ऊपर देखो। बत्तियां ही बत्तियां रीशन हो रही हैं। अब तुम जाओ” उस ने सभी से

جب اندھیرا ہونے لگا تو چوہدری نے ایک آدمی کو دوڑانا چاہا کہ لائین جلا کر لے آئے۔

”نہیں“ بابا نے اسے ٹوک دیا ”انسان کے سوا کسی اور جاندار کو بھی جتی جلاتے دیکھا ہے کھودو؟“ بابا نے آسمان کی طرف دیکھا ”اوپر دیکھو۔ بتیاں ہی بتیاں روشن ہو رہی ہیں۔ اب تم جاؤ،“ اس نے سبھوں سے مخاطب ہو کر کہا ”حق! حق!“ اس نے اپنے آپ کو حوالے کرنے کے لیے لیٹنے سے پہلے ہی آنکھیں موند لیں۔

رکھا چوہدری بھی سب کے پیچھے پیچھے اپنے جھونپڑے کی جانب ہولیا ہولے ہولے چلتے ہوئے اس نے بینڈ ماسٹر اور اس کی بیوی کی طرف دیکھا جو اس کے آگے تھوڑے فاصلے پر ہاتھوں میں ہاتھ ڈالے چلے جا رہے تھے۔ وہ سوچنے لگا۔ اسی لیے تو سالوں باجہ بجاتاں ہے تو آواز آسمان تک جاں پہنچتی ہے اسے پھر اپنی چرن داس کی جورو کا خیال آنے لگا۔ باباں نے ٹھیک کہاں ہے، بانٹ کر کھاؤ پر چرن داس کی جوروں کوئی کھانے پینے کی شے توں ہے نہیں اور ہوں بھی تو وہ تو قابوں میں ہی آنے میں نہیں آں رہی۔ چرن داس کو کھاؤں؟ وہ اپنے آپ کو سمجھانے لگا کہ اسے اپنے دل ہی سے نکال دے۔ پر سالی پہلے دل میں قدم رکھنے پر راضی ہو تو نکالوں بھی..... اس کی آنکھوں میں بے بے بشیراں کی بیوہ بیٹی کا چہرہ گھومنے لگا۔..... کتنی سیدھی اور دین دار عورت ہے۔ میں کیوں نہ بے بے سے اس کا ہاتھ مانگ لوں؟ دیکھا دیکھی میں روزے نماز کی عادت ڈال کر سدھر جاؤں گا۔ چالیس کی ہے تو کیا؟ میں بھی تو پورے پچاس کو پیچھے چھوڑ آیا ہوں۔ وہ بڑی سنجیدگی سے سوچ رہا تھا۔ پر ایک بانٹ ہے جھوٹ موٹ ہی سہی، بیوہ نے میرا دل جیتنا ہے تو وہ بھی چرن داس کی جوروں کی طرح بس ناں ناں کرتی رہے..... حق!..... اس نے خوش ہو کر بے اختیار بول دیا۔

(3)

اگلے روز بھر کئی لوگ کھودو بابا کے چہوتے پر چلے آئے۔
 ”ری شیداں!“ ہرنی نے اپنی پڑوسن کو آگے دیکھ کر اسے تیزی سے جا لیا۔ ”تو بھی ادھل بابا کے منکبلے پل آئی تھی۔ کیا؟ تو مجھے بھی اپنے ساتھ لے لیا ہوتا۔“

आजादी के बाद उर्दू अफ़साना

मुखातिब हो कर कहा। “हक़! हक़!” उस ने अपने आप को ‘हवाले’ करने के लिए लेटने से पहले ही आंखें मूंद लीं।

रखा चौधरी भी सब के पीछे पीछे अपने झोंपड़े की जानिब हो लिया।

हौले हौले चलते हुए उस ने बैंड मास्टर और उस की बीबी की तरफ़ देखा जो उस के आगे थोड़े फ़रसले पर हाथों में हाथ डाले चले जा रहे थे। वह सोचने लगा। इसीलिए तो सालां बाजा बजातां हैं तो आवाज़ आसमान तक जां पहुंचती है—उसे फिर अपनी चरण दास की जोरू का ख़याल आने लगा। बाबां ने ठीक कहां है, बांट कर खाओ। पर चरणदास की जोरू कोई खाने पीने की है⁽¹⁾ तों है नहीं, और हों भी, तो वह तो काबू में ही आने में नहीं आ रही। चरणदास को खाओं?—वह अपने आप को समझाने लगा कि वह उसे अपने दिल से ही निकाल दे। पर साली पहले दिल में क़दम रखने पर राज़ी हों तो निकालूं भी—उस की आंखों में बेबे बशीरा की बेवा बेटी का चेहरा घूमने लगा—कितनी सीधी और दीनदार औरत है। मैं क्यों ना बेबे से उसी का हाथ मांग लूं? देखा देखी मैं भी रोज़े नमाज़ की आदत डाल कर सुधर जाऊंगा। चालीस की है तो क्या? मैं भी तो पूरे पचास काँ पीछे छोड़ आया हूं। वह बड़ी सन्जीदगी से सोच रहा था। पर एक बात है झूट मूट ही सही, बेवा ने मेरा दिल जीतना है तो वह भी चरणदास की जोरू की तरह बस नां नां करती रहे—हक़!—उस ने खुश होकर बे इफ़्तियार बोल दिया।

(3)

अगले रोज़ फिर कई लोग खोदू बाबा के चबूतरे पर चले आए।

“रिशैदां!” हरनी ने अपनी पड़ोसन को आगे जाते हुए देख कर उसे तेज़ी से जा लिया “तू भी इधल बाबा के मकबले पल आई थी—क्या? तो मुझे भी अपने साथ ले लिया होता।”

“मुंह में खाक मकबरा क्यों? बाबे का चबूतरा कहो।” वह ज़रा रुक कर चबूतरे की तरफ़ देखने लगी। “दिखने में तो कोई मकबरा ही लगे है।”

“मैं तो कहूं, शैदां जे जो फकील होते हैं नां—क्या?—बड़े पहुंचे हुए लोग होते हैं।” हरनी का आदमी कहा करता, मेरी औरत बातें क्या करती है

آزادی کے بعد اردو افسانہ

”منہ میں کھاک مکہرا کیوں؟ بابے کا چہوترا کہو۔“ وہ ذرا رک کر چہوترے کی طرف دیکھنے لگی۔ ”دکھنے میں تو کوئی مکہرا ہی لگے ہے۔“

”میں تو کہوں، شیداں، بچے جو پھکیل ہوتے ہے ناں کیا؟..... بڑے پنے ہوئے لوگ ہوتے ہیں۔“ ہرنی کا آدمی کہا کرتا، میری اورت باتیں کیا کرتی ہے کلکاریاں مار مار کر دل موہ لیتی ہے۔ مل کر بھی کپڑے جھاڑتے ہوئے اٹھ کھڑے ہوتے ہیں، اور ملنے کو جی چاہے تو جد مل بھی من آجائے ادھل ہی لیٹ جاتے ہیں اور آکھلی سانس بھلنے لگتے ہیں۔ کیا؟.....“

کھودو بابا کے قریب پہنچ کر یہ لوگ چوکنے ہو کر ٹھہر گئے۔

ان گنت بھڑوں کی ایک چھت بابا کے سر پر چلی آ رہی تھی۔ ”گھبراؤ مت کھودو کاٹتی نہیں۔“ وہ بڑے چین سے مسکرا رہا تھا۔ ”ہماری تمہاری طرح بھجننا کر خوش ہوتی ہیں۔“ تھوڑی دیر میں بھڑوں کی بھجناتی چھت بابا کے سر سے بہت آگے اڑ گئی اور لوگ چہوترے کے ڈھلان کے نیچے براجمان ہو گئے، چند ادھر ہی اور چند چہوترے کی دوسری جانب قبرستان کے کنارے، جہاں کھودو بابا نے بعض مردوں کو بھی پہچان لیا۔ ”ارے تم سب ادھر ہی کیوں گھس رہے ہو، کچھ ادھر ان لوگوں کے ساتھ جگہ بنا لو۔“

بابا اور چوہدری کی آنکھیں بھی چار ہو گئیں۔ ”کیوں چوہدری، مزے میں ہو؟ پھر اس کے جواب کا انتظار کیے بغیر وہ بولا، ”مزے میں کیا خاک ہو گئے؟ جو اتنی بڑی چھت کے نیچے اکیلے بسر کرتا ہے؟ اور چارہ ہی کیا ہے؟ قبر میں کروٹیں لے لے کر جسم کو گھماتا پھراتا رہتا ہے۔“

”ہم تو اپنی قبروں میں ایسے سوئے ہوتے ہیں کہ ہمیں دنیا جہان کی خبر نہیں رہتی۔“ کوئی بولا ہی ہوگا جو بابا نے اس کی طرف تاکا۔ ”میں چوہدری کا کہہ رہا ہوں، تمہارے تو کروٹ بدلنے کی جگہ ہی نہیں ہوتی۔“

”میں نے فیصلہ کر لیا ہے بابا۔“ چوہدری کہنے لگا اگلے ماہ ہی اپنی شادی بنا

لوں گا۔

”تم سے تو وہی شادی کرے گی چوہدری۔“ آج بے بے بشراں بھی آئی ہوئی تھی

आजादी के बाद उर्दू अफ़साना

किलकारियां मार मार कर दिल मोह लेती है।"

मिल कर भी कपड़े झाड़ते हुए उठ खड़े होते हैं। और मिलने को जी चाहे तो जिधल भी मन आजाए उधल ही लेट जाते हैं और आखली सांस भलने लगते हैं क्या?—

खोदू बाबा के करीब पहुँच कर यह लोग चौकन्ने होकर उठर गए।

अनगिनत भिड़ों की एक उड़ती छत बाबा के सर पर चली आ रही थी "घबराओ नहीं, खोदू काटती नहीं"। वह बड़े चैन से मुस्कुरा रहा था। "हमारी तुम्हारी तरफ़ भिनभिना कर खुश होती हैं।"

थोड़ी देर में भिड़ों की भिनभिनाती छत बाबा के सर से बहुत आगे उड़ गई और लोग चबूतरे की ढलान के नीचे बिराजमान हो गए। चन्द इधर ही और चन्द चबूतरे की दूसरी जानिब क़ब्रिस्तान के किनारे, जहाँ खोदू बाबा ने बाज़ मुर्दों को भी पहचान लिया। "अरे तुम सब इधर ही क्यों घुसड़ बैठे हो, कुछ उधर उन लोगों के साथ जगह बना लो।"

बाबा और चौधरी की आंखें भी चार हो गई। "क्यों चौधरी, मजे में हो?" फिर उस के जवाब का इंतज़ार किए बग़ैर वह बोला "मजे में क्या खाक होगा जो इत्नी बड़ी छत के नीचे अकेले बसर करता है, उसे और चारा ही क्या है? कब्र में करवटें ले ले कर जिस्म को घुमाता फिराता रहता है।"

"हम तो अपनी क़ब्रों में ऐसे सोए होते हैं कि हमें दुनियां जहाँ की ख़बर नहीं रहती"। कोई बोला ही होगा, जो बाबा ने उस तरफ़ ताका। "मैं चौधरी का कह रहा हूँ। तुम्हारे तो करवट बदलने की जगह ही नहीं होती"

"मैं ने फैसलां कर लियां है बाबा" चौधरी कह ने लगा "अगले माह ही अपनी शादी बनां लूंगा।"

"तुम से तो वही शादी करेगी चौधरी," आज बेबे बशीरा भी आई हुई थी।

"जिस ने तुम्हारी नाक की धुनों में डूब मरना हो"। सब हंसने लगे।

चौधरी का माथा ठक्का कि कहीं यहाँ भी चिराग़ गुल ना मिले। उसने तहय्या⁽¹⁾ कर लिया कि वह कल दिन निकलते ही बशीरां बेबे की झुगगीं में गरम गरम जलेबियां लेकर पहुँच जाएगा। दो चार मीठी बातों में ही छिली पड़ जाएगी।

”جس نے تمہاری ناک کی دھنوں میں ڈوب مرنا ہو“۔ سب ہنسنے لگے۔

چوہدری کا ماتھا ٹھکا کہ کہیں یہاں بھی چراغ گل نہ ملے۔ اس نے تہیہ کر لیا کہ وہ کل دن ٹکٹے ہی بشیراں بے بے کی جھگی میں گرم گرم جلیبیاں لے کر پہنچ جائے گا۔ وہ چار میٹھی باتوں میں ہی ڈھیلی پڑ جائے گی۔ باقی رہ گئی اس کی بیوہ بیٹی ستارہ، تو وہ بچاری تو گمنو کی گمنو ہے۔ اسے اس سے کیا کہ کوئی ناک سے بولتا ہے یا دائیں یا بائیں کان سے؟ شادی کے بعد وہ بے بے بشیراں کو بھی اپنے پاس ہی اٹھا لائے گا۔ بڑھیا اپنی جھگی میں اکیلی کیا کرے گی؟ یہاں گھر کا کام کاج بھی سنبھال لے گی۔ اور اس کی جھگی..... اس نے سوچا بڑے موقع کی جھگی ہے سامان سمیت بیچ دے گا جھگی کی قیمت کا اندازہ لگا کر وہ بے بے بشیراں کی بیوہ بیٹی کو بھی بھول گیا۔ بیچ اوپر پورے تیس سیکڑے۔ یا پھر بیچ اوپر اٹھارہ بیس سیکڑاں تو کدھر گئے ہی نہیں..... اس کی آنکھیں اچانک کھودو بابا سے ٹکرائیں اور اسے لگا کہ بابا نے اس کے من کو ٹٹول لیا ہے اور اس نے فوراً ٹھان لی کہ بے بے بشیراں کی جھگی سے جو رقم وصول ہوگی، اس کی پائی پائی خرچ کر کے وہ اسی چوڑے پر بابا کی فرسٹ کلاس قبر بنا دے گا۔ بابا کی قبر کے سرہانے وہ سنگ مرمر لگوائے گا جس پر بابا کے نام اپنے شاعر دوست سورج نارائن زخمی سے پھڑکتے ہوئے شعر لکھوا کر کھدوائے گا..... دل ہی دل میں ساری اسکیم تیار کر کے وہ مسکرانے لگا، اور اسے بدستور دیکھتے ہوئے بابا بھی، مانو انھوں نے بیک وقت ایک ہی سوچ سوچی ہو۔

کھودو بابا کے درشنوں کے لیے آج پنڈت مرلی دھر بھی آیا ہوا تھا۔ پنڈت نے تین جھگیوں پر قبضہ جما رکھا تھا، دو کو ایک بنا کے وہ اس میں اپدیش دینے کا کاروبار کرتا تھا اور تیسری میں اس نے رہائش اختیار کر رکھی تھی۔ اس کے پہلو میں سفید موٹھوں والا ایک گنجا شخص بیٹھا تھا جسے اس نے کبھی نہ دیکھا تھا۔ وہ ہنس کر اس سے پوچھنے لگا، کیوں، بڑے بھائی تم ادھر ہماری جھگیوں میں سے ہو، یا۔ اس نے قبرستان کی طرف اشارہ کیا۔ ادھر سے؟ سفید موٹھوں والے کے گلے میں کچھ انسی عجیب و غریب خنداں آوازیں پیدا ہوئیں کہ پنڈت چونک کر اس سے پرے ہٹ گیا۔ کھودو بابا نے پنڈت کا سوال سن لیا تھا اور اس کی گھبراہٹ بھانپ لی تھی۔ اس نے پنڈت کی چوٹی اور تلک کی نسبت سے اسے پہچان

आजादी के बाद उर्दू अफ़साना

बाक़ी रह गई उस की बेबा बेटी सितारा, तो वह बेचारी तो गऊ की गऊ है। उसे इससे क्या कोई नाक से बोलता है या दाँए या बाएँ कान से ? शादी के बाद वह बेबे बशीरां को भी अपने पास ही उठ लाएगा। बुढ़िया अकेली अपनी झुग्गी में क्या करेगी ? यहां घर का काम काज भी सम्भाल लेगी। और उस की झुग्गी—उस ने सोचा, बड़े मौक़े की झुग्गी है। सामान समेत बेच देगा। झुग्गी की क़ीमत का अंदाज़ा लगा कर वह बेबे बशीरां की बेबा बेटी को भी भूल गया पन्च उमर पूरे तीस सैंकड़े। या फिर पन्च उमर अठरां बीस सैंकड़े तो किधर गए ही नहीं—उस की आँखें अचानक खोदू बाबा की आँखों से टकरा गई और उसे लगा के बाबा ने उस के मन को ट्योल लिया है। और उस ने प्रैरन ठनली के बेबे बशीरां की झुग्गी से जो रक़म वसूल होगी, उस की पाई पाई खर्च कर के वह उसी चबूतरे पर बाबा की फ़र्स्ट क्लास क़न्न बना देगा। बाबा की क़न्न के सिरहाने वह संगे मरमर लगवाएगा जिस पर बाबा के नाम अपने शायर दोस्त सूरज नारायण जख़्मी से फड़कते हुए शेर लिखवा कर खुदवाएगा—दिल ही दिल में सारी स्कीम तैयार कर के वह मुस्कुराने लगा, और उसे बदस्तूर देखते हुए बाबा भी, मानो उन्होंने बयक-वक्रत⁽¹⁾ एक ही सोच सोची हो।

खोदू बाबा के दर्शनों के लिए आज पन्डित मुरलीधर भी आया हुआ था। पन्डित ने तीन झुगियों पर क़ब्ज़ा जमा रखा था, दो को एक बना के वह उस में उपदेश देने का कारोबार करता था। और तीसरी में उस ने रिहाइश इख़्तियार कर रखी थी। उस के पहलू में सफ़ेद मूछों वाला एक गन्जा शख़्स बैठा था जिसे उस ने कभी ना देखा था। वह हंस कर उस से पूछने लगा, क्यों, बड़े भाई, तुम इधर हमारी झुगियों में से हो या—उस ने क़ब्रिस्तान की तरफ़ इशारा किया—उधर से ?— सफ़ेद मूछों वाले के गले में कुछ ऐसी अजीबोगरीब ख़न्दां आवाज़ें पैदा हुई कि पन्डित चौंक कर उस से परे हट गया। खोदू बाबा ने पन्डित का सवाल सुन लिया था और उस की चबराहट भांपली थी। उस ने पन्डित की चोटी और तिलक की निसबत से उसे पहचान कर मुखातिब किया “पन्डित खोदू, ज्ञान मार्ग हमें दूसरों से दूर कर दे तो हमें अन्धविश्वास के मार्ग पर हो लेना चाहिए। है ना ?”

“हां बाबा” बाबा का जलाल पन्डित के दिलोदिमाग़ में सरायत करने लगा

آزادی کے بعد اردو افسانہ

کر مخاطب کیا۔ ”پنڈت کھودو، گیان مارگ ہمیں دوسروں سے دور کر دے تو ہمیں اندھ دھواں کے مارگ پر ہولینا چاہیے ہے نا؟“

”ہاں، بابا۔“ بابا کا جلال پنڈت کے دل و دماغ میں سرایت کرنے لگا تھا۔ اس نے بابا پر ایمان لے آنے کے اعلان کی خاطر اپنی کس کر بندھی اتنی بڑی چوٹی ڈھیلی کر لی اور ہاتھ جوڑتے ہوئے کہا:

”تمہاری بات سن کر میرا جی خوش ہو گیا ہے۔“

”حق!۔“ کھودو بابا تن کر بیٹھ گیا ”مجھے کوئی مسخرہ سمجھتے ہو کھودو، میں تمہارا جی خوش کرنے کے لیے نہیں بول رہا۔ مجھے سمجھو اور محسوس کرو۔“

پنڈت کا چہرہ لنگ گیا۔

”جوڑے ہوئے ہاتھ کھول دو، پنڈت کھودو، اچھا بتاؤ“ وہ پوچھنے لگا، ”تمہاری سیدھی سادی ماں بڑی ہے جس نے تمہیں جنم دیا، یا اتنی بڑی چوٹی والے تم؟“

”میری ماں، دیا لو“

”اسی طرح تمہاری پنڈتانی کا سارا بھرم بھی تمہاری سیدھی سادی بات سے ہے۔ لو، میں تمہیں ایک بڑی سرل کہانی سنا تا ہوں، صرف یہ بتانے کے لیے کہ اٹھلی باتیں کتنی گہری ہوتی ہیں۔“

”واہوں!۔ وہوں!۔“ چوہدری کا چوکیدار کتا تیز تیز دوڑتے ہوئے ادھر ہی آ رہا تھا

”غصہ بابا، میں بھی بیٹھ جاؤں، پھر اپنی کہانی شروع کرنا۔“

”ہاں، آؤ، کھودو“ بیٹھ جاؤ اور دھیان سے سنو، تمہارے ہی ہم ذات کی کہانی ہے۔“ ان سب کی طرف نگاہ دوڑا کر بابا اپنی کہانی اکٹھی کرنے کے لیے ذرا رک گیا۔

”حق!۔ حق!۔ سنو، ایک بہت بڑے شہر میں ایک چھوٹا سا کتا تھا جو شہر کی سڑکوں پر مارا مارا پھرتا تھا۔“

”واہوں!۔“ بندھو بھونکنے لگا۔ ”میری ہی کہانی تمہیں کس نے سنائی، بابا؟“

”ارے چپ!“ پنڈت کو قصہ آنے لگا تو اس کے ہاتھ بے اختیار اپنی چوٹی کی گانٹھ کو کسنے کے لیے اٹھ گئے ”سننا ہے تو آرام سے سن!“

आजादी के बाद उर्दू अफ़साना

था। उस ने बाबा पर ईमान ले आने के एलान की खातिर अपनी कस कर बन्धी इतनी बड़ी चोटी ढीली कर ली और हाथ जोड़ते हुए कहा।

“तुम्हारी बात सुन कर मेरा जी खुश हो गया है”।

“हक़!” खोदू बाबा तन कर बैठ गया “मुझे कोई मसख़रा समझते हो खोदू? मैं तुम्हारा जी खुश करने के लिए नहीं बोल रहा। मुझे समझो और महसूस करो।”

पण्डित का चहरा लटक गया।

“जोड़े हुए हाथ खोल दो, पण्डित खोदू। अच्छा बताओ” वह पूछने लगा “तुम्हारी सीधी सादी मां बड़ी है जिस ने तुम्हें जन्म दिया, या इतनी बड़ी चोटी वाले तुम?”

“मेरी मां, दयालु।”

“इसी तरह तुम्हारी पंडिताई का सारा भरम भी तुम्हारी सीधी सादी बात से मैं तुम्हें एक बड़ी सरल कहानी सुनाता हूँ, सिर्फ़ यह बताने के लिए कि उथली बातें कितनी गहरी होती हैं।”

“वाहों!-वाहों!-” चौधरी का चौकीदार कुत्ता तेज तेज दौड़ते हुए इधर ही आ रहा था “ठहरो बाबा, मैं भी बैठ जाऊँ फिर अपनी कहानी शुरू करना”

“हां, आओ, खोदू बैठ जाओ और ध्यान से सुनो। तुम्हारे ही हम जात की कहानी है” उन सब की तरफ़ निगाह दौड़ा कर बाबा अपनी कहानी इकट्ठी करने के लिए जरा रुक गया “हक़!-हक़!-सुनो एक बहुत बड़े शहर में एक छोटा सा कुत्ता था जो शहर की सड़कों पर मारा मारा फिरता था”।

“वाहों!” बंधू भीकने लगा। “मेरी ही कहानी तुम्हें किस ने सुनाई, बाबा?”

“अरे चुप!” पण्डित को गुस्सा आने लगा तो उस के हाथ बे इख़्तियार अपनी चोटी की गांठ को कसने के लिए ठठ गये “सुनना है तो आराम से सुन”

“हक़!” खोदू बाबा ने अपनी कहानी को थमते पाकर आगे धक्का दिया। “बे चारा बाजारी कुत्ता था, पालतू होता तो मालिक की फेंकी हुई गेंद ही को पकड़ा पकड़ा कर मक्खन, डबल रोटी और गोश्त खाता। यही नहीं जब कभी मालिक और मालकिन का झगड़ा हो जाता तो मालकिन से चूमा चाटी के लिए

آزادی کے بعد اردو افسانہ

”حق!!“ کھودو بابا نے اپنی کہانی کو قہقہے پا کر آگے دھکا دیا ”بے چارہ بازاری کتا تھا، پالتو ہوتا تو مالک کی پھینگی ہوئی گیند ہی کو پکڑا پکڑا کر مکھن، ڈبل روٹی اور گوشت کھاتا یہی نہیں، جب کبھی مالک اور مالکن کا جھڑا ہو جاتا تو مالکن سے چوما چانی کے لیے اسے اس کے بستر میں جگہ بھی ملتی۔“

”واہوں!“ بندھو سے پھر نہ رہا گیا۔ ”تم بالکل درست کہہ رہے ہو بابا۔“
 ”ارے پھر؟“ پنڈت نے اب کے اپنی چوٹی کو اتنے زور سے کسا کہ بندھو کی چیخ نکل گئی۔

”جان پیاری ہے، بندھو، تو ٹوکومت“ بے بے بشران بندھو پر ترس کھا کر بولی۔
 ”پنڈت کی چوٹی سے تو ہمارے بڑے مولوی بھی بدکتے ہیں۔“
 ”حق!! آگے سنو۔ جس کا کوئی نام نہ ہو اس کے کئی نام ہوتے ہیں، یا پھر ایک ہی، کھودو۔ سو اس بازاری کتے کو جس نے جہاں جو بھی نام دے دیا۔ قصابوں کے بازار میں کھودو کو دُلا کہتے تھے، یہاں وہ کبھی اس دکان کے سامنے اور کبھی اس کے سامنے کتوں، چیلوں پر نگاہ رکھتا اور اس اختیاری کام کے عوض قصاب دکان بڑھانے سے پہلے اس کے آگے چند ہڈیاں اور فالتو چیتھڑے پھینک دیتے، مگر ایک دفعہ اسے محسوس ہوا کہ قصاب آنکھوں ہی آنکھوں میں اس کی گردن ٹاپ کر مسکرانے لگتے ہیں۔ تاکہ اس کا گوشت بھی بھیڑ کے گوشت میں ملا کر مچاکوں کو تمھادیں۔ بس پھر کیا تھا، اس نے خوف کے مارے ادھر جانا ہی چھوڑ دیا۔ حق!“ آگے کی کہانی جوڑنے سے پہلے کھودو بابا لحظہ بھر کے لیے ٹھہر گیا۔
 ”پھر؟ پھر یہ ہوا کہ کوشیوں کے ایک علاقے میں اس کا معاملہ ایک پالتو کتیا سے مین بیٹھ گیا۔“

شیداں اور ہرنی اپنی حیرت و مسرت سے بے قابو ہو کر کانسی کی گھنٹیوں کے مانند بج اٹھیں۔

”یہ کتیا ہمارے کھودو کو بڑے پیار اور غرے سے واہوں نام سے بلاتی تھی۔“
 ”واہوں!“ بندھو نے پھر ٹوکا۔ ”یہ بھی کوئی نام ہوا؟“
 ”بھائی میرے“ کھودو بابا نے اسے جواب دیا۔ ”کتیا کو انگریزی تھوڑا ہی آتی تھی

आजादी के बाद उर्दू अफ़साना

उसे उस के बिस्तर में जगह भी मिलती।"

"वाहू!" बंधू से फिर न रहा गया। "तुम बिल्कुल दुरुस्त कह रहे हो बाबा।"

"अरे फिर?" पंडित ने अब के अपनी चोटी को इतने जोर से कसा के बंधू की चीख निकल गई।

"जान प्यारी है, बंधू, तो टेको मत" बेबे बशीरां बंधू पर तरस खाकर बोली। — "पंडित की चोटी से तो हमारे बड़े मौलवी भी बिदकते हैं।"

"हक़!" आगे सुनो—जिस का कोई नाम न हो उस के कई नाम होते हैं, या फिर एक यही, खोदू— सो इस बाज़ारी कुत्तो को जिस ने जहाँ जो भी नाम दे दिया। कसाबों के बाज़ार में खोदू को दुल्ला कहते थे। यहाँ वह कभी इस दुकान के सामने और कभी उस के सामने कव्वों चीलों पर निगाह रखता और इस इख्तियारी काम के एवज⁽¹⁾ क़साब दुकान बढ़ाने से पहले उस के आगे चंद हड्डियां और फ़लतू चीथड़ें फेक देते, मगर एक दफ़ा उसे महसूस हुआ कि क़साब आंखों ही आंखों में उस की गरदन नाप कर मुस्कुराने लगते हैं। ताकि इस का गोश्त भी भेड़ के गोश्त में मिलाकर ग्राहकों को थमा दें। बस फिर क्या था, उस ने खौफ़ के मारे उधर जाना ही छोड़ दिया। "हक़!" आगे की कहानी जोड़ने से पहले खोदू बाबा लहज़ा भर के लिये उठर गया। "फिर?—फिर यह हुआ कि कोठियों के एक इलाक़े में उस का मामला एक पालतू कुत्तिया से ऐन बैठ गया।"

शैदां और हरनी अपनी हैरतमुसरत से बे क़ाबू हो कर कांसी की घंटियों के मानिंद बज उठी।

"यह कुत्तिया हमारे खोदू को बड़ प्यार और नख़रे से वाहू नाम से बुलाती थी।"

"वाहू!—" बंधू ने फिर टेका—"यह भी कोई नाम हुआ।"

"भाई मेरे।" खोदू बाबा ने उसे जबाव दिया। "कुत्तिया को अंग्रेजी थोड़ा ही आती थी जो उसे टामी या टाइगर कह कर बुलाती। वह उसे सीधे सीधे अपनी असली जुबान में ही मुख़ातिब करती थी। कपड़े के एक धार्मिक ब्यापारी की

آزادی کے بعد اردو افسانہ

جو اسے نامی یا ٹائیگر کہہ کر بلاتی۔ وہ اسے سیدھے سیدھے اپنی اصلی زبان میں ہی مخاطب کرتی تھی۔ کپڑے کے ایک دھانک بیوپاری کی پالتو کتیا تھی اور اپنے مالک کی طرح صرف روٹی اور سبزی اور مچھلی کھاتی تھی۔ اور سادہ پانی پیتی تھی اور کوٹھی والوں کے ساتھ ہری کیرتن میں بھی شامل ہو جاتی تھی۔

”یہ سچ بچ بڑی انوکھی بات ہے بابا“ پنڈت نے پرسن ہو کر کہا۔

”آگے سنو۔ یہاں کھودو واہوں کے دارے دارے تھے۔ شام ہوتے ہی وہ سب کی نظریں بچا کر کوٹھی کی دیوار پھاندتا اور دبے پاؤں اپنی محبوبہ کے پاس آ پہنچتا۔ پھر نامعلوم انھیں کس کی نظر لگ گئی کہ کتیا بے سبب چل بسی۔“

”واہ!“ بندھو اب کتیا کے بارے میں گہرائی سے سوچنے لگا تھا۔ ”یہ کیسے ہو سکتا ہے؟۔ کوئی سبب تو ہو گا ہی۔“

”سبب تو ہو گا، بہر حال مجھے اس کی خبر نہیں۔ کھودو اپنی محبوبہ کا دیا ہوا نام بھی کھو کر مہانگر کی سڑکیں تاپتا رہا۔ کچھ مل گیا تو کھاپی لیا، ورنہ اللہ اللہ کر کے جہاں پڑ گئے وہیں پڑے رہے۔“

اسی اثنا میں بندھو کو قبرستان میں ایک کتیا نظر آئی اور وہ سب کچھ چھوڑ کر اس کی جانب اچھل گیا۔ سبوں کی نظریں بھی اس کے پیچھے پیچھے بھاگنے لگیں۔ مگر ابھی وہ اس کتیا کے قریب پہنچا ہی تھا کہ بھوک بھوک اٹنے پاؤں دوڑ آیا۔

”واہوں! یہ تو اپنی چھیلی ہے“ وہ حواس مجتمع کر کے بولا۔ ”وہی جسے مرے تین ماہ سے بھی اوپر ہو لے ہیں۔“

”اس میں ڈرنے کی کیا بات ہے؟“ بابا ہنسنے لگا ”کوئی ٹھکانہ نہ ملا ہو گا۔ اس لیے بے چاری واپس آ گئی۔“

بندھو نے پھر قبرستان کی طرف نظر دوڑائی اور پہلے جھک جھک کر اور پھر تیز تیز دوبارہ اسی طرف ہولیا۔

”تمہاری کہانی، بابا۔“

”کہانی تو چل ہی رہی ہے۔ کھودو نے تین چار مہینے تو جیسے تیسے گزار لیے،

पालतू कुत्तिया थी और अपने मालिक की तरह सिर्फ़ रोटी और सब्जी और मछली खाती थी। और सादा और साफ पानी पीती थी और कोठी वालों के साथ हरी कीर्तन में भी शामिल हो जाती थी।"

"यह सचमुच बड़ी अनोखी बात है बाबा।" पंडित ने प्रसन्न होकर कहा।

"आगे सुनो। यहां खोदू बाहू के बारे में न्यारे थे। शाम होते ही वह सब की नज़रें बचा कर कोठी की दीवार फंदता और दबे पांव अपनी महबूबा के पास आ पहुंचता। फिर ना मालूम उन्हें किस की नज़र लग गई कि कुत्तिया बे सबब चल बसी।"

"वाह!— बंधू अब कुत्तिया के बारे में गहराई से सोचने लगा था— "यह कैसे हो सकता है?—कोई सबब तो होगा ही।"

"सबब तो होगा, बहरहाल मुझे इस की ख़बर नहीं। खोदू अपनी महबूबा का दिया हुआ नाम भी खोकर महानगर की सड़कें नापता रहा। कुछ मिल गया तो खा पी लिया, वरना अल्लाह अल्लाह करके जहां पड़ गये वहीं पड़े रहे।"

"इसी असना⁽¹⁾ में बंधू को कब्रिस्तान में एक कुत्तिया नज़र आई और वह सब कुछ छोड़ कर उस की जानिब उछल गया। सभों की नज़रें भी उस के पीछे पीछे भागने लगीं, मगर अभी वह उस कुत्तिया के करीब पहुंचा ही था कि भौंक भौंक उलटे पांव दौड़ा आया।

"वाहू! - यह तो अपनी छबेली है" वह हवास⁽²⁾ मुजतमा⁽³⁾ करके बोला।" वही जिसे मरे तीन माह से भी ऊपर हो लिए हैं।"

"इस में डरने की क्या बात है?" बाबा हंसने लगा। "कोई ठिकाना न मिला होगा इसलिए बेचारी वापस आ गई।"

बंधू ने फिर कब्रिस्तान की तरफ़ नज़र दौड़ाई और पहले झिझक झिझक कर और फिर तेज़ तेज़ दोबारा उसी तरफ़ हो लिया।

"तुम्हारी कहानी, बाबा।"

"कहानी तो चल ही रही है— खोदू ने तीन चार महीने तो जैसे तैसे गुज़ार लिए, मगर खाए पीए बग़ैर चार ठंगों को कैसे खड़ा रखता? सारे शहर में उसे एक नज़र देखने की भी किसी के पास फ़ुर्सत न थी। वह भी मुंह छुपा छुपा के

مگر کھائے یہ بغیر چار ٹانگوں کو کیسے کھڑا رکھتا؟ سارے شہر میں اسے ایک نظر دیکھنے کی بھی کسی کے پاس فرصت نہ تھی۔ وہ بھی منہ چمپا چمپا کے پھرتا تھا کیوں کہ بڑے شہروں میں آوارہ کتوں کو گولی سے اڑا دیا جاتا ہے۔“

”پھر؟“

”پھر وہی ہوا جو بہت پہلے ہو جانا چاہے تھا۔ ایک دن واہوں۔“

”مگر اب تو کھود کا کوئی نام نہ تھا“

”ہاں، اب وہ بس کھود کا کھود رہ گیا تھا، سو جب ایک دن وہ بازار میں گر کر ڈھیر ہو گیا تو کسی کو پتہ ہی نہ چلا کہ کون ڈھیر ہو گیا ہے، یا کوئی ڈھیر بھی ہوا ہے یا نہیں جس بھرے بازار میں وہ پڑا تھا وہاں دنوں پڑا رہا اور کسی کو نظر ہی نہ آیا۔ وہ کوئی ہوتا تو کسی کو نظر آتا۔“

”مگر بابا۔“ بندھو اور چھیلی۔ بس اتنی سی دیر میں ہی ایک دوسرے سے مانوس ہو چکے تھے اور سب سے ہٹ کر برب قبرستان ٹانگوں میں ٹانگیں ڈالے بیٹھے تھے۔“ کتے بے چارے کیا انسان نہیں ہوتے؟“

”ہاں، بندھو، کوئی سمجھے تو ضرور ہوتے ہیں۔“ بابا کی بجائے پنڈت نے اسے جواب دیا۔

”مگر کوئی سمجھے، تب نا،“ وہی سفید مونچھوں والا پنڈت کے پڑوس سے گویا ہوا۔ ”ہم انسان ہیں مگر ترستے رہتے ہیں کہ کوئی کتا سمجھ کر ہی پھکار لے۔“

اسنے میں ہی بابا پتہ نہ جانے کیا تھیں واردات بیٹنے لگی کہ وہ یکبارگی سب سے غافل ہو کر آنکھیں بند کیے دھبے دھبے، حق، کا درد کرنے لگے۔ حاضرین تھوڑی دیر تو اسے چپ چاپ دیکھتے رہے۔ پھر سب جانے کے لیے اٹھ کھڑے ہوئے۔

بندھو کو چھیلی کے ساتھ دیے ہی جڑاپا کر چھوہری نے اسے گالی بک کر کہا۔ ”ارے اٹھ، یہ تمہارے عشق کاں ٹائم ہے یا چمکیداری کاں؟“

(4)

آج شام کو بھی مین اسی وقت بہت سے لوگ کھود بابا کے چہرے پر جمع ہو گئے۔

आजादी के बाद उर्दू अफ़साना

फिरता था। क्यों कि बड़े शहरों में आवारा कुत्तों को गोली से उड़ा दिया जाता है”।

“फिर ?”।

“फिर वही हुआ जो बहुत पहले हो जाना चाहिए था। एक दिन वहाँ-”

“मगर अब तो खोदू का कोई नाम न था”।

“हां, वह बस खोदू का खोदू रह गया था, सो जब एक दिन वह बाज़ार में गिर कर ढेर हो गया तो किसी को पता ही न चला कि कौन ढेर हो गया है, या कोई ढेर भी हुआ है या नहीं। जिस भरे बाज़ार में वह पड़ा था वहां दिनों पड़ा रहा और किसी को नज़र ही न आया। वह कोई होता तो किसी को नज़र आता-”

“मगर बाबा।” बंधू और छबेली। बस इतनी सी देर में ही एक दूसरे से मानूस हो चुके थे और सबसे हट कर बर-लबे⁽¹⁾ क़ब्रिस्तान टांगों में टांगें डाले बैठे थे। “कुत्ते बेचारे क्या इन्सान नहीं होते ?”-

“हां, बंधू, कोई समझे तो ज़रूर होते हैं”। बाबा की बजाए पंडित ने उसे जवाब दिया।

“मगर कोई समझे, तब न”। वही सफ़ेद मूछें वाला पंडित के पड़ोस से गया हुआ “हम इन्सान हैं मगर तरसते रहते हैं कि कोई कुत्ता समझ कर ही पचुकार ले”।

इतने में ही बाबा पर न जाने क्या क़लबी⁽²⁾ वारदात बीतने लगी कि वह यक़बारगी सब से गाफ़िल⁽³⁾ हो कर आंखें बन्द किए धीमे धीमे, हक़, का विर्द करने लगे। हाज़रीन थोड़ी देर तो उसे चुप चाप देखते रहे। फिर सब जाने के लिए उठ खड़े हुए। बंधू को छबेली के साथ वैसे ही जुड़ा पाकर चौधरी ने उसे गाली बक कर कहा “अरे उठ, यह तुम्हारे इश्क कां टाइम है या चौकीदारी कां ?”

(4)

आज शाम को भी ऐन उसी वक़्त बहुत से लोग खोदू बाबा के चबूतरे पर जमा होगए।

“तुम्हारी कल की कहानी तो अधूरी रह गई बाबा”। पंडित आज भी आया

”تمہاری کل کی کہانی تو ادھوری رہ گئی بابا۔“ پڈٹ آج بھی آیا ہوا تھا۔

”کہانیاں ہوتی ہی ادھوری ہیں۔“ کھودو بابا نے کہا: ”کیوں کہ وہ ان لوگوں کی ہوتی ہیں جو یہ کہہ کے چلے جاتے ہیں، ابھی آتے ہیں، مگر وہ کبھی نہیں آتے، ہم ایک انہی کے انتظار میں ہوتے ہیں مگر کوئی اور ہی چلے آتے ہیں“

”میری سمجھ میں نہیں آتا، بابا۔“ سوال کرنے والا سبزی کی ریڑھی لگاتا تھا اور طبیعت کا کڑوا تھا، اس لیے کر لیے کے نام سے پکارا جاتا تھا۔

”میری سبزی ایک دن پڑی رہ جائے تو بوجھوڑنے لگتی ہے۔ تمہارے واہوں کی لاش اتنے بھرے بازار میں پڑی رہی اور کسی کو بوتک نہ آئی؟“

”بھرے بازاروں میں سینکڑوں بوتکیں گھل مل رہی ہوتی ہیں کھودو، اس لیے کے خبر، کون سی بو کہاں سے آرہی ہے؟“ بابا نے اپنی بات پوری کرتے ہوئے اچانک بندھو کو دیکھ لیا، جو سب سے الگ تھلگ قبرستان کی طرف منہ اٹھائے اداس سا بیٹھا تھا۔

”آج مرحومہ نہیں آئی؟“

”ہاں، بابا، پتہ نہیں، کیوں؟“

”کیا معلوم طبیعت بگڑ گئی ہو۔“

”بڑی عجیب باتیں کرتے ہو، بابا مرنے کے بعد سب روگ دوگ چھٹ جاتے ہیں۔“

”مرنے کے بعد کوئی جی سکتا ہے تو بیمار بھی کیوں نہیں ہو سکتا؟“ سب پر نظریں سمھاتے ہوئے بابا کی آنکھوں میں ایک بڑی خوبصورت گندی سی لڑکی ابھر آئی۔ وہ رک رک اسے دیکھنے لگا مگر لڑکی کو لگا کہ وہ اس کی بکری کو دیکھ رہا ہے، جو اس کی پشت پر اپنا خالی منہ ہلائے جارہی تھی۔ یہ میری بکری ہالو ہے بابا۔ وہ اسے بتانے لگی۔ بڑی شرم ہے، میں اسے سنگ لے آئی ہوں۔ تمہیں سن کر کام کی بندی بن جائے گی۔ بابا اسے کوئی حجاب دینا چاہتا تھا مگر ایک پولی بوڑھیا اس کے سامنے آکھڑی ہوئی جس کا خشک و خاکی چہرہ بے شمار جھروں سے اٹا ہوا تھا، مانو عمر رسیدہ زمین کا کوئی ٹکڑا قحط کے مارے جا بجا لکڑوں میں پھٹ گیا ہو۔

”مونھے سدا کا بکھار رہتا ہے۔“

आजादी के बाद उर्दू अफ़साना

हुआ था। “कहानियाँ होती ही अधूरी हैं” खोदू बाबा ने कहा।” क्योंकि वह उन लोगों की होती हैं जो यह कह कि चले जाते हैं, अभी आते हैं, मगर वह कभी नहीं आते, हम एक-उन्हीं के इंतज़ार में होते हैं मगर कोई और ही चले आते हैं।”

“मेरी सनज़ में नहीं आता, बाबा” सवाल करने वाला सब्जी की रेढ़ी लगाता था और तबीयत का कड़वा था, इसलिए करेले के नाम से पुकारा जाता था।

“मेरी सब्जी एक दिन पड़ी रह जाए तो बू छेड़ने लगती है। तुम्हारे बाहों की लाश इतने भरे बाज़ार में पड़ी रही और किसी को बू तक न आई?”

“भरे बाज़ारों में सैकड़ों बुएं घुल मिल रही होती हैं खोदू इस लिए किसे खबर, कौन सी बू कहां से आरही हैं?” बाबा ने अपनी बात पूरी करते हुए अचानक बंधू को देख लिया, जो सब से अलग थलग क़ब्रिस्तान की तरफ़ मुंह उठाए उदास सा बैठा था, “आज मरहूमा⁽¹⁾ नहीं आई?”

“हां, बाबा, पता नहीं, क्यों?”

“क्या मालूम तबियत बिगड़ गई हो”

“बड़ी अजीब बातें करते हो बाबा। मरने के बाद सब रोग बोग छुट जाते हैं।”

“मरने के बाद कोई जी सकता है तो बीमार भी क्यों नहीं हो सकता?” सब पर नज़रें घुमाते हुए बाबा की आंखों में एक बड़ी खूबसूरत गन्दी सी लड़की भर आई। वह रुक कर उसे देखने लगा मगर लड़की को लगा कि वह उस बकरी को देख रहा है, जो उस की पुश्त पर अपना खाली मुंह हिलाए जा रही थी— यह मेरी बकरी बालू है बाबा— वह उसे बताने लगी। बड़ी शरीर है, मैं इसे संग ले आई हूं। तुम्हें सुनकर काम की बन्दी बन जाएगी— बाबा उसे कोई जवाब देना चाहता था मगर एक पोप्ली बुढ़िया उस के सामने आ खड़ी हुई, जिसका खुरक ब ख़ाकी चेहरा बेशुमार झुर्रियों से अट हुआ था, मानो उमर-रसीदा⁽²⁾ ज़मीन का कोई टुकड़ा क़हत⁽³⁾ के मारे जाबजा लक़ीरों में फट गया हो।”

“मुझे सदा का बुखार रहता है”।

“कौन सा बुखार?” बाबा ने बुढ़िया से पूछा और फिर आप ही अपने आप को बताने लगे। अच्छा सदा का बुखार”।

آزادی کے بعد اردو افسانہ

”کون سا بخار؟“ بابا نے بوڑھیا سے پوچھا اور پھر آپ ہی اپنے آپ کو بتانے لگے۔ ”اچھا سدا کا بخار۔“

بوڑھیا اپنے پلو کی ایک گانٹھ کھول رہی تھی۔ ”کھیراتی دوا کھانے سے یہ گولیاں تو مل گئی ہیں پر ڈاکٹر بولتا ہے، اچھی کھوراک بھی کھاؤں۔“ پلو کی گانٹھ کھل گئی تو اس نے وہاں سے ایک پڑیا نکال کر اسے گولیاں دکھائیں۔

کنویں کا پانی گویا بابا کی آنکھوں میں اٹریل اٹریل کر قطرہ زدہ زمین کو سیراب کرنے لگا۔ ”تمہارا کوئی ہے ماں؟“

پنڈت نے بابا کو بتایا کہ بے چاری کا ایک اپنا آپ ہی اس کا اپنا ہے۔
”وہ بھی کہاں اس کا اپنا ہے کھودو۔“

بابا نے بکری والی چھوڑ کر اپنے پاس آنے کا اشارہ کیا تو وہ اور اس کے پیچھے پیچھے اس کی بکری بھی دوڑ کر آگئے۔

”میری ایک بات مانوں گی، کھودو؟“

”ہاں کھودو بابا، جو بھی کہو، مانوں گی، بس ایک جے نہ کہو، بیاہ کر لیو۔“

”کیوں؟“ بابا نے دلچسپی لے کر پوچھا۔

”کیوں کیا؟ وہ مرد مانجھے بھی مجھ سے چھین لیو اور میری بکری بھی۔“

”نہیں، تم ہماری اس کھودو ماں کو ہر روز اپنی بکری کا دودھ پلایا کرو، پھر ہمارا خدا

تمہارے لیے ایک خاص نواب دولہا بھیجے گا۔“

”تو پھر اپنے کھدا سے کہو بابا، ایک ناہیں، دو نواب بھیج دیوے۔ ایک کھراب نکلا

تو دو جا تو ہوگا۔ آؤ میا، ہر روج آکر ایک پائیا کچا دودھ لے چایا کرو۔“

وہ پرے ہوئیں تو پنڈت بابا سے کہنے لگا۔ ”بابا، تو پھر تمہارا وہ داہوں شہر کی پٹری پر

پڑا رہ گیا؟“

”ہاں، مگر ایک دن اپنی بوکی تاب نہ لا کر مرے مرے اٹھ کھڑا ہوا اور شہر کے باہر کا

رخ اختیار کیا تاکہ کہیں کچی زمین مل جائے تو گڑھا کھود کر اپنے اوپر مٹی ڈال کر

پڑ جائے۔“

आजादी के बाद उर्दू अफ़साना

बुढ़िया अपने पल्लू की एक गांठ खोल रही थी। “खैराती दबा खाने से यह गोलियां तो मिल गई हैं पर डाकड़र बोलता हैं, अच्छी खुराक भी खाओ”। पल्लू की गांठ खुल गई तो उस ने वहां से एक पुड़िया निकाल कर उसे गोलियां दिखाई।

कुंए का पानी गोया बाबा की आंखों में उन्डेल उन्डेल कर क़हत-जदा⁽¹⁾ ज़मीन को सैराब करने लगा। “तुम्हारा कोई है मां?”

पन्डित ने बाबा को बताया कि बेचारी का एक अपना आप ही उस का अपना है।

“वह भी कहां उस का अपना है खोदू?”

बाबा ने बकरी वाली छोकरी को अपने पास आने का इशारा किया तो वह और उस के पीछे पीछे उस की बकरी भी दौड़ कर आ गए।

“मेरी एक बात मानोगी खोदू?”

“हां खोदू बाबा, जो भी कहो, मानूंगी, बस एक जेना कहियो, बियाह कर लियो”।

“क्यों?” बाबा ने दिलचस्पी ले कर पूछा।

“क्यों क्या? वह मरदुआ मुझे भी मुझ से छीन लियो और मेरी बकरी भी”।

“नहीं, तुम हमारी उस खोदू मां को हर रोज अपनी बकरी का दूध पिलाया करो, फिर हमारा खुदा तुम्हारे लिए एक ख़ास नवाब दूल्हा भेजेगा”।

“तो फिर अपने खुदा से कहियो बाबा, एक नाहिं, दो नवाब भेज दे वे। एक खराब निकला तो दूजा तो होगा- आओ मैया, हर रोज आकर एक पायया कच्चा दूध ले जाया करो”।

वह परे हुई तो पंडित बाबा से कहने लगा। “बाबा, तो फिर तुम्हारा वह वाहू शहर की पटरी पर पड़ा रह गया?”

“हां, मगर एक दिन अपनी बू की ताब न लाकर मरे मरे उठ खड़ा हुआ और शहर के बाहर का रुख़ इख़तियार किया ताकि कहीं कच्ची ज़मीन मिल जाए तो गढ़ा खोद कर अपने ऊपर मिट्टी डाल कर पड़ जाए।”

बंधू कुछ याद आने पर खड़ा हो गया “बाबा, चौधरी के झोपड़े के पिछवाड़े तुम ही ने गढ़ा खोदा था?”

आज़ादी के बाद उर्दू अफ़साना

“हां, खोदू क्यों? उस रात जब मैं वहीं सोया था, मेरी आंख बहुत सवेरे खुल गई। बाहर आके मेरी नज़र जो फ़वड़े पर पड़ी तों मैं अपनी ख़्वाहिश पर क़ाबू ना पा सका। एक आदमी उस में बड़े आराम से लेट सकता है”।

“मगर कौन आदमी, बाबा?”

“क्यों, कोई भी तुम्हारा खोदू चौधरी ही। मैंने सोचा, वक़्त आने पर ख़्वामख़्वा भटकता फिरेगा। उसने मुझ पर इतनी मेहरबानी की है, मैं भी कुछ कर दूँ”।

रखा चौधरी घबरा कर कहकहाने लगा।

“क्या फिर वाहूँ शहर से बाहर निकलने में सफल हो गया?” पंडित ने बाबा से सवाल किया।

“पहले तो यह हुआ कि शहर से बाहर निकलने की कोशिश में वह शहर के और अंदर घुसता चला गया और फिर एक दिन कहीं अंदर ही अंदर से बरामद हो कर उस ने अपने आप को अचानक शहर के बाहर पाया। मगर क्या फ़ायदा? वह जहां भी पंजे रगड़ रगड़ कर ज़मीन की खुदाई शुरू करता था, वहीं ज़मीन का मालिक उस पर लाठी ले कर चढ़ दौड़ता था”। बाबा ने ज़रा ठहर कर अपने बयान को जारी रखा “सारी ज़मीन तो लोगों ने अपने नाम बन्धवाली है। कोई एक फ़ुट टुकड़ा भी तो नहीं, जो खुदा के नाम पर बचा रह गया हो”।

“खुदा पर ऐसी कौन सी बिपता आन पड़ी जो उस ने सारी ज़मीन इन बे रहमों को बेच दी?”

“पता नहीं, क्या? पर कोई ऐसी ही बिपता होगी, करना आधी नहीं, तो एक चौथाई ही अपने नाम पड़ी रहने देता” पता नहीं बाबा के दिल में यक़बारगी क्या आई, उस ने हाथों को कुत्ते की अगली टांगों के मानिन्द⁽¹⁾ ज़मीन पर टिका कर घुटनों के बल चबूतरे का एक चक्कर लगाया।

“मै-एँ-एँ!”

“चुप!” उस ख़ूबसूरत छोकरी ने अपनी बकरी के मुँह पर हाथ मार कर कहा “इसी लिए तुम्हें साथ नहीं लाती थी”।

“वाहूँ! वाहूँ! बंधू ने बाबा को मुखातिब कर के कहा “क्या नाटक कर रहे हो बाबा? अपनी कहानी पूरी करो”

اپنی کہانی پوری کرو۔“

”آگے کی کہانی یہ ہے۔“ بابا انھیں بتانے لگا کہ وہ سگ زادہ بھاگ بھاگ کر کسی نئی بستی میں آ پہنچتا اور پھر وہاں سے بھی ہٹ کر ایک اور بستی میں، اور پھر اپنی ماہ و سال کی بھاگ بھاگ میں اسے یاد ہی نہ رہا کہ وہ مرچکا ہے اور بھولے بھولے ہی زندہ ہے۔“ بابا کی آواز اس کے باطن کے سیلاب میں ماند پڑنے لگی تھی۔ ”مگر جھکتے جھکتے جہاں کہیں اسے کچی مٹی پر جھین سے بیٹھنا میرا آ جاتا اس کی ہاتھیں کھل جاتیں اور وہ اپنے بچوں سے بے اختیار زمین چھیننے لگتا۔ لاعلم سا کہ وہ ایسا کیوں کرتا ہے، بابا نے اپنا ایک ہاتھ ایک چھوٹے سے گڑھے میں نکال لیا اور چبوترے پر کئی چھوٹے چھوٹے گڑھوں پر آنکھیں گاڑ لیں جو شاید اسی نے اپنے ناخنوں سے مٹی چھیل چھیل کر بنا لیے تھے۔

”ارے بابا، میں بتاؤں؟“ ایک آوارہ نوجوان اپنا منہ بند نہ رکھ سکا۔ ”وہ سگ زادے تم ہی ہو۔“

”بابا تم کو سگ جادہ دکھتا ہے کا؟“

”دکھوں کا پہاڑ سامنے ہو تو سگ زادہ بھی آدمی دکھنے لگتا ہے“

”واہوں!۔ وہوں!۔ و۔!“

”میں۔ میں۔ میں۔!“

”حق! حق! حق! حق۔“

(5)

آج صبح کے وقت کوراں تابی نے چبوترے پر کھود بابا کے لیے روٹی لانا تھی۔ وہ پتہ پہنچتے ہی دسوں گھروں کی جھاڑ بھونک کے لیے اپنی جھکی سے نکل پڑتی تھی اور وہیں کسی گھر میں گالیاں اور روٹیاں پھوڑ پھوڑ کر پیٹ بھر لیتی اور اپنا سارا کام ختم کر کے شام کو جھکی میں لوٹتی اور مٹی کا دیا جلا کر اس طرح کھاٹ پر پڑ جاتی جیسے اپنا اتم سسکار کر کے لمبی تان رہی ہو۔

وہ کل بابا سے کہہ گئی تھی ”میں کام پر نکلنے سے پہلوں روٹی دے جاؤں گی“ جیسی بھوک لگے جھکھ لیتا“

आजारी के बाद उर्दू अफ़साना

“आगे की कहानी यह है” बाबा उन्हें बताने लगा “कि वह सग-जादा भाग भाग कर किसी नई बसती में आ पहुँचता और फिर वहाँ से भी पिट कर एक और बसती में, और फिर अपनी माहो साल की भागा भाग में उसे याद ही न रहा कि वह मर चुका है और भूल भूले ही ज़िन्द है”। बाबा की आवाज़ उसके बातिन⁽¹⁾ के सैलाब में माँद पड़ने लगी थी “मगर भटकते भटकते जहाँ कहीं उसे कच्ची मिट्टी पर चैन से बैठना मयस्सर आ जाता उस की बाछें खिल जातीं और वह अपने पंजों से बेइख़्तियार ज़मीन छीलने लगता। लाइल्म⁽²⁾ सा, कि वह ऐसा क्यों करता है।” बाबा ने अपना एक हाथ एक छोटे से गढ़े में टिका लिया और चबूतरे पर कई छोटे छोटे गढ़ों पर आंखें गाड़ लीं जो शायद उसी ने अपने नाखुनों से मिट्टी छील छील कर बना लिए थे।

“अरे बाबा, मैं बताऊँ?” एक आवारा नौजवान अपना मुँह बन्द न रख सका “वह सग जादे तुम ही हो”।

“बाबा तैं को सग-जादा दिखता है का?”

“दुखों का पहाड़ सामने हो तो सग जादा भी आदमी दिखने लगता है”।

“वाहूँ!-वाहूँ!-व-”

“मै-एं-एं-एं!”

“हक़!-हक़!-हक़!”।

(5)

आज सुबह के वक़्त कोरां ताई ने चबूतरे पर खोदू बाबा के लिए रोटी लाना थी। वह पौ फटते ही दसों घरों की झाड़ फूंक के लिए अपनी झुग्गी से निकल पड़ती थी और वहीं किसी घर में गालियां और रोटियां फोड़ फोड़ कर पेट भर लेती और अपना सारा काम ख़त्म कर के शाम को झुग्गी में लौटती और मिट्टी का दीया जला कर इस तरह खाट पर पड़ जाती जैसे अपना अंतिम संस्कार कर के लम्बी तान रही हों।

वह कल बाबा से कह गई थी “मैं काम पर निकलने से पहले रोटी दे जाऊँगी, जभी भूख लगे चख लेना”।

खोदू बाबा सोच रहा था कि ताई के आने में इतनी देर क्यों होली है। क्या वह आप ही उस की झुग्गी में जाकर पता करे? इसी असना में उसे बंधू दौड़ दौड़

کھوڑ بابا سوچ رہا تھا کہ تائی کے آنے میں اتنی دیر کیوں ہوئی ہے۔ کیا وہ آپ ہی اُس کی ٹھکن میں جا کر پھرے؟ اسی اثنا میں اُسے بندھو دوڑ دوڑ کر چوڑے کی طرف آتا ہوا دکھائی دیا۔ وہ اپنے منہ میں اخبار کے کاغذ میں لپیٹی ایک روٹی داہے ہوئے تھا جسے اُس نے بابا کے سامنے ڈال دیا اور سانس لے کر بولا۔ ”بابا، تائی کو خون کی اٹنی آئی ہے۔ میں یوں ہی اُس کی ٹھکن میں جا نکلا تو کہنے لگی، بابا کے لیے روٹی تو میں نے نکالی ہے مگر مجھ میں چلنے کی ہمت نہیں۔ تم ہی جا کے دے آؤ اور اللہ کے نیک بندے کو میری رام رام بھی کہہ آؤ۔“

”اللہ اُس پر رحم کرے“ کھوڑ بابا نے تائی کے لیے دعا مانگی اور روٹی ہاتھ میں لے لی۔ تائی نے روٹی پر سلیتے سے چٹنی بھی بکھیر رکھی تھی ”حق!“

”واہوں بڑی اچھی عورت ہے بابا اور بڑی ذکی“ بندھو کو خواہش ہوئی کہ زور زور سے بھونکتا چلا جائے اگر اُس کے دکھ دور نہیں کر سکتے بابا تو تمہارا اتنا بڑا فقیر ہونے کا کیا فائدہ“

”فائدہ صرف سیدھے اور عام لوگوں سے پہنچتا ہے۔“ کھوڑ بابا نے روٹی گول کر کے دانٹوں سے لقمہ بھر کاٹی اور کھانے لگا ”فقیر کہنے کو تو اپنی فکر لگی رہتی ہے مورکھ کھوڑ۔“

”واہوں دیکھ یا تو صرف مورکھ کہو یا صرف کھوڑ۔“

”دونوں کا مطلب ایک ہی ہے مورکھ بابا ہنس دیا کھوڑ تائی کا خیال رکھا کرڈ۔“

”میں تو سب کا خیال رکھتا ہوں پر کس کس کا رکھوں ہر ایک کی جان لگی ہوئی ہے۔“

بندھو بابا کو جھوپڑ چٹنی کے دیگر افراد کے بارے میں بھی بتانے لگا۔ وہ بڑھا جسے تم نے بدھو چار کا جوتا دیا تھا کل رات سے آخری پچکیاں بھر رہا ہے اور جوتا ڈال کے لینا ہوا ہے اور اپنے بیٹے سے بار بار کہہ رہا ہے ”مجھے جوتوں سمیت وداع کرنا ورنہ بھوت بن کر لوٹ آؤں گا۔ بابا“ بندھو نے شاید پہلے ہی سے بابا سے یہ سوال پوچھنے کا ارادہ کر رکھا تھا۔ ”کیا تمہیں رات کے وقت اکیلے اس سنسان قبرستان میں ڈر نہیں لگتا؟“

”کس کا ڈر؟“

”بھوتوں کا بابا اور کس کا؟“

आत्मादी के बाद उर्दू अफ़साना

कर चबूतरे की तरफ़ आते हुए दिखाई दिया। वह अपने मुंह में अखबार के कागज़ में लिपटी एक रोटी दाबे हुए था जिसे उस ने बाबा के सामने डाल दिया और सांस लेकर बोला " बाबा, ताई को खून की उलटी आई है। मैं यों ही उस की झुग्गी में जा निकला कहने लगी, बाबा के लिए रोटी तो मैंने पका ली है मगर मुझ में चलने की हिम्मत नहीं। तुम ही जाके दे आओ और अल्लाह के नेक बन्दे को मेरी राम राम भी कह आओ"।

"अल्लाह उस पर रहम करे!" खोदू बाबा ने ताई के लिए हुआ मांगी और रोटी हाथ में ले ली। ताई ने रोटी पर बड़े सलीक़े से चटनी भी बिखेर रखी थी। "हक!"

"वाहू! बड़ी अच्छी औरत है बाबा और बड़ी दुखी" बंधू को ख़्वाहिश हुई कि जोर जोर से भौंकता चला जाए अगर तुम उसके दुख दूर नहीं कर सकते बाबा, तो तुम्हारे इतना बड़ा फ़क्कीर होने का क्या फ़ायदा?"

"फ़ायदा सिर्फ़ सीधे और आम लोगों से पहुँचता है।" खोदू बाबा ने रोटी गोल कर के दांतों से लुक्रमा भर काटी और खाने लगा "फ़क्कीर कमीने को तो अपनी फ़िक्र लगी रहती है, मूर्ख खोदू"

"वाहू! देखो, या सिर्फ़ मूर्ख कहो या सिर्फ़ खोदू" दोनों का मतलब एक ही है मूर्ख "बाबा हंस दिया" "खोदू ताई का ख्याल रखा करो"

"मैं तो सब का ख्याल रखता हूँ, पर किस किस का रखूँ? हर एक की जान टगी हुई है।"

बंधू बाबा को झोंपड़ पट्टी के दीगर अफ़राद⁽¹⁾ के बारे में भी बताने लगा। "वह बुढ़ा जिसे तुमने बुद्ध चमार का जूता दिया था, कल रात से अख़्बरी हिचकियां भर रहा है और जूता छल के लोट हुआ है और अपने बेटे से बार बार कह रहा है, मुझे जूतों समेत बिदा करना, बरना भूत बन के लौट आऊंगा— बाबा" बंधू ने शायद पहले ही से बाबा से यह सवाल पूछने का इरादा कर रहा था "क्या तुम्हें रात के वक़्त अकेले इस सुनसान क़ब्रिस्तान में डर नहीं लगता?"

"किस का डर?"

"भूतों का बाबा, और किस का?"

"भूतों से तो तुम भी नहीं डरते, खोदू"

1. फ़र्द (व्यक्ति) का बहुवचन

”بھوتوں سے تو تم بھی نہیں ڈرتے کھوڑو۔“

”نہیں بابا میں تو بہت ڈرتا ہوں۔“

”تو پھر۔“

بندھو نے بابا کی آنکھوں میں دیکھا اور اپنے آپ کو روکنے کی کوشش کے باوجود بھونکنے لگا۔

”تم مورکھ کے مورکھ ہو کھوڑو۔“

”نہیں بابا تم بھوت نہیں ہو اور اگر ہو بھی تو تم سے ڈر کیسا، تم اپنے بابا ہو، جانتے ہو کیا، بابا؟“ اچانک یاد آنے پر وہ بابا کو بتانے لگا۔ کل اچت سینٹھ وہ سب سے غریب ہے، اس لیے عبدل چچا اسے مذاق میں اچت سینٹھ کہا کرتا ہے۔ اس نے اپنی جھلی عبدل چچا سے ہی کرائے پر لے رکھی تھی اور کبھی کراہی ادا نہیں کرتا۔ اچت سینٹھ بھی کل شام کو تمھاری باتیں سننے کے لیے آیا ہوا تھا۔ یہاں سے لوٹ کر اس نے اپنی جھلی کے دروازے پر دیسی شراب کا پورا ادھا غٹ غٹ خالی کر دیا اور مجھے زبردستی اپنے ساتھ بٹھا لیا اور بتانے لگا، سنو کھوڑو بابا جس سگ زادے کی کہانی سنا رہا تھا۔ جانتے ہو وہ کون ہے؟ میں میں ہی وہ سگ زادہ ہوں۔ دیکھو میری طرف بابا، اس نے بھی اپنے دونوں ہاتھ زمین پر ٹکا لیے، اور اتنا اچھا بھونکنے لگا کہ اس کی آواز سے آواز ملانے پر مجھے صرف وہی سنائی دیا۔ وہ بھی کوئی کتا ہوتا ہے بابا۔ جو سنائی نہ دے، بندھو شاید اپنی شرمندگی دور کرنے کے لیے زور زور سے بھونکنے لگا، جس پر بابا نے اسے متنبہ کیا کہ آہستہ بولے، ”اچھا ’لو آہستہ بولتا ہوں۔ اچت سینٹھ کا کہنا ہے کہ ہم سبھی اپنے اپنے بھوت ہیں جو موت کے بعد اپنی بوکی تاب نہ لا کر چار ناگوں پر کھڑے ہو جاتے ہیں۔ تم یقین نہیں کرو گے بابا، اس نے تو ذہن پر زور ڈال ڈال کر مجھے اپنی موت کی تاریخ بھی بتادی۔ بڑا ذکی آدمی ہے۔ اپنا ڈکھ بھولنے کے لیے شراب پیتا رہتا ہے مگر پی کر اُسے اپنے دکھ اور یاد آنے لگتے ہیں۔“ مجھے کی واہوں غم دھسہ سے پھر اُونچی ہونے لگی۔ ”پچھلے سال اُس کی بیوی۔ اُس بیماری کو کیا کہتے ہیں۔ آتھک سوزاک سے مرگئی تھی۔ کل شراب کے نشے میں دھنسا ہو کر وہ مجھے بتا رہا تھا، میں اپنے بیوی کو کیسے روؤں؟ میں تو اُس سے بھی چار سال پہلے اُسی دن مر گیا تھا جب ایک

“नहीं, बाबा, मैं तो बहुत डरता हूँ”

“तो फिर—”

बंधू ने बाबा की आँखों में देखा और अपने आप को रोकने की कोशिश के बावजूद भौंकने लगा।

“तुम मूर्ख के मूर्ख हो खोदू”।

“नहीं, बाबा, तुम भूत नहीं हो, और अगर हो भी, तो तुम से डर कैसा, तुम अपने बाबा हो, जानते हो, क्या, बाबा?” अचानक याद आने पर वह बाबा को बताने लगा। “कल उच्चित सेठ—वह सबसे गरीब है, इस लिए अब्दुल चाचा उसे मज़ाक़ में उच्चित सेठ कहा करता है। उसने अपनी झुग्गी अब्दुल चाचा से ही किराए पर ले रखी है और कभी किराया अदा नहीं करता। उच्चित सेठ भी कल शाम को तुम्हारी बातें सुनने के लिए आया हुआ था। यहां से लौट कर उसने अपनी झुग्गी के दरवाज़े पर देसी शराब का पूरा अट्ठा गट गट ख़ाली कर दिया। और मुझे ज़बरदस्ती अपने साथ बिठा लिया और बताने लगा, सुनो, खोदू बाबा जिस सग़ जादे की कहानी सुना रहा था। जानते हो, वह कौन है? मैं—मैं ही वह सग़ जादा हूँ। देखो मेरी तरफ़— बाबा, उसने भी तुम्हारी तरह अपने दोनों हाथ ज़मीन पर टिका लिए, और इतना अच्छा भौंकने लगा कि उसकी आवाज़ में आवाज़ मिलाने पर मुझे सिर्फ़ वही सुनाई दिया। वह भी कोई कुत्ता होता है बाबा जो सुनाई न दे” बंधू शायद अपनी शर्मिन्दगी दूर करने के लिए जोर जोर से भौंकने लगा, जिस पर बाबा ने उसे मुतनब्बे⁽¹⁾ किया कि आहिस्ता बोले” अच्छा लो, आहिस्ता बोलता हूँ। उच्चित सेठ का कहना है कि हम सभी अपने अपने भूत हैं। जो मौत के बाद अपनी बू की ताब न ला कर चार टांगों पर खड़े हो जाते हैं। तुम यक़ीन नहीं करोगे बाबा, उस ने तो ज़हन पर जोर डाल डाल कर मुझे अपनी मौत की तारीख़ भी बता दी। बड़ा दुखी आदमी है। अपना दुख भूलने के लिए शराब पीता रहता है मगर पी कर उसे अपने दुख और याद आने लगते हैं” कुत्ते की वाहों वाहों ग़ोगोमुस्सा से फिर ऊंची होने लगी “पिछले साल उस की बीबी—उस बीमारी को क्या कहते हैं—आतशिके सोज़ाक से मर गई थी। कल शराब के नशे में धुत हो कर वह मुझे बता रहा था, मैं अपनी बीबी को कैसे रोऊँ? मैं तो उस से भी चार साल पहले उसी दिन मर गया था जब एक टूरिस्ट ने मुझे

ٹورسٹ نے مجھے ایک خوب ٹھٹسے والی عورت لانے کو کہا تھا اور میں سمجھا بھجا کر اپنی بیوی کو ہی بنا سنوار کے لے گیا تھا۔ مگر میں پیسے ہوں گے تو اور کیا چاہیے؟ وہ رونے لگا، بابا، اور پوچھنے لگا، کیا میں تمہیں اپنا بھوت معلوم نہیں ہوتا؟ میں نے اُس کی طرف آنکھیں جھپکا جھپکا کر دیکھا۔ کبھی وہ سارے کا سارا صاف نظر آ جاتا تھا، اور کبھی اُس کے سارے چہرے پر صرف ناک، یا صرف مُنہ، یا صرف آنکھیں۔ میں تو وہاں سے بھاگ کھڑا ہوا اپنی بدحواسی پر حاوی ہونے کے لیے بندھوں نے دو چار ہارتیز تیز بے مطلب بھونکا۔ "ارے! تم نے روٹی کھانے سے ہاتھ کیوں روک رکھا ہے؟" وہ بابا سے پوچھنے لگا۔ "ایک تو تم پیٹ بھر کر کھاتے نہیں، دوسرے بھتا کھاتے ہو، وہ بھی اتنا سا، جتنی میں دکھاوے کی چوکیداری کرتا ہوں۔ میں تمہیں سچ سچ بتاؤں؟ رکھے چوہدری کی دو روٹیوں سے میرا پیٹ نہیں بھرتا۔ میں ہر ٹھٹکی سے کچھ نہ کچھ بچرا کر کھانے کی تاک میں لگا رہتا ہوں اور اب تو مجھے چھیلی کے لیے بھی ہاتھ پیر مارنے پڑیں گے۔ یہ چھیلی دو دن سے کہاں غائب ہے بابا؟ میرا تو خیال ہے اُس کے مرنے ورنے کی خبر جھوٹی تھی۔ وہ اپنے کسی یار کے ساتھ رفو چکر ہو گئی ہوگی۔ اُس سے لڑ جھگڑ کر آئی ہوگی۔ اور اب غصہ غنڈا پڑنے پر واپس اُسی کے پاس چلی گئی ہے مجھے تو وہ اپنی عزت آبرو کے پردے کے لیے برتی ہے، اور بس۔ اُس سے تو اچھا ہے کہ مر بھی گئی تھی تو مری پڑی راتی۔ بہ ہا۔ واہوں!" اپنے فٹسے کا اظہار کرتے ہوئے بندھو ایک ایکی ہنسنے لگا۔

"اس میں ہنسنے کا کیا مقام ہے کھودو؟"

"ہے، بابا، ہے! مجھے رام چرن کی جو رو کا خیال آ گیا ہے۔" بندھو اور کھل کر ہنسنے کے لیے ذرا ڈک گیا۔ "کل رات رام چرن کی جو رو دودھ والے جانگو کے ساتھ چپٹ ہو گئی۔ رکھے چوہدری کی اُس پر نظر تھی بابا۔ آج صبح میں چوہدری کے یہاں گیا تو وہ بے وجہ مجھ پر گالیاں اور پتھر برسانے لگا۔ مجھے بھی تاؤ آ گیا اور میں نے بھی جی کھول کر سنائیں۔ پھر وہ غنڈا ہو کے مجھ سے معافی مانگنے لگا، اور پوچھنے لگا، کیا میں جانگو سے بھی گیا گزرا ہوں، بندھو؟ سچ بتاؤ؟ اب میں اُسے کیا بتاتا؟ آج وہ نئے کپڑے پہن کے اور جلیبیوں کی ٹوکری بھروا کے بے بے بیراں کے پاس گیا ہے۔"

"بہ بہ ہا بہ!" کھودو بابا بھی کھٹکھٹا کر ہنس پڑا۔

आज्ञादी के बाद उर्दू अप्रसाना

एक खूब ठस्से वाली औरत लाने को कहा था और मैं समझा बुझा कर अपनी बीवी को ही बना संवार के ले गया था। घर में पैसे होंगे तो और क्या चाहिए?— वह रोने लगा, बाबा, और पूछने लगा, क्या मैं तुम्हें अपना भूत मालूम नहीं होता? मैं ने उस की तरफ आंखें झपका झपका कर देखा। कभी वह सारे का सारा साफ नजर आ जाता था, और कभी उस के सारे चेहरे पर सिर्फ नाक, या सिर्फ मुंह, या सिर्फ आंखें—मैं तो वहां से भाग खड़ा हुआ। अपनी बदहवासी पर हावी होने के लिए बंधू ने दो चार बार तेज तेज बेमतलब भीका “अरे! तुमने रोटी खाने से हाथ क्यों रोक रखा है?” वह बाबा से पूछने लगा “एक तो तुम पेट भर कर खाते नहीं, दूसरे जितना खाते हो वह भी इतना सा, जितनी मैं दिखावे की चौकीदारी करता हूं। मैं तुम्हें सच सच बताऊं। रखे चौधरी की दो रोटियों से मेरा पेट नहीं भरता। मैं हर झुगगी से कुछ न कुछ चुरा कर खाने की ताक में लगा रहता हूं और अब तो मुझे छबेली के लिए भी हाथ पैर मारने पड़ेंगे। यह छबेली दो दिन से कहां गायब है बाबा? मेरा तो ख्याल है उस के मरने घरने की खबर झूठी थी। वह अपने किसी यार के साथ रफू चक्कर हो गई होगी। उस से लड़ झगड़ कर आई होगी। और अब गुस्सा ठन्दा पड़ने पर वापस उसी के पास चली गई है मुझे तो वह अपनी इज्जत आबरू के परदे के लिए बरतती है। और बस, इस से तो अच्छा है कि मर भी गई थी तो मरी पड़ी रहती। हाहा। “वाहूँ।” अपने गुस्से का इज़हार करते हुए बंधू एका एकी हंसने लगा।

“इस में हंसने का क्या मक़ाम है खोदू?”

“है, बाबा, है! मुझे राम चरण की जोरू का ख्याल आ गया है” बंधू और खुल कर हंसने के लिए सरा रुक गया “कल रात राम चरण की जोरू दूध वाले जांगलू के साथ चम्पत हो गई। रखे चौधरी की उस पर नजर थी बाबा, आज सुबह मैं चौधरी के यहां गया तो वह बेवजह मुझ पर गालियां और पत्थर बरसाने लगा। मुझे भी ताव आ गया और मैंने भी जी खोल कर सुनाई। फिर वह ठन्दा हो के मुझ से माफ़ी मांगने लगा और पूछने लगा, क्या मैं जांगलू से भी गया गुजरा हूं, बंधू सच सच बताओ। अब मैं उसे क्या बताता? आज वह नए कपड़े पहन के और जलेबियों की टोकरी भरवा के बेबे बशीरां के पास गया है”।

“हहा हहा हा!” खोदू बाबा भी खिलखिला कर हंस पड़ा।

”ہمیشہ اسی طرح خوب ہنسا کر دیا“۔ بندو شادمانی میں حیرت و حیرت بلانے لگا اس طرح مجھے بہت اچھے لگ رہے ہو۔

بندو نے دیکھا کہ اُن کی سیدہ میں ہی کیکر کے نیچے ایک کالا ناگ بھی باہا کو دیکھ دیکھ کر آدھا اپنے بل کے اندر اور آدھا باہر خوشی سے بے اختیار بل اور پھنکار رہا ہے۔

”اُسے دیکھ کر تمہارا دم کیوں خشک ہو گیا؟ وہ بھی اپنا پار غار ہے کھود؟“

روٹی کا آخری لقمہ منہ میں ٹھونس کر باہا کھڑا ہو گیا ”آدھائی کو دیکھ آتے ہیں، وہیں پانی بھی پی لیں گے“

خوفزدہ بندو باہا کو کوئی جواب دیے بغیر فوراً اُتر گیا اور باہا کے آگے دوڑنے لگا۔

”آہستہ، کھودو!“ باہا اُس کی سرزنش کرنے لگا ”میرے ساتھ ساتھ چلو۔“

”اس کے باوجود چل پھر رہے ہو۔ حق!“

بندو نے سر موڑ کر کیکر کے درخت سے فاصلے کا جائزہ لیا اور کچھ یاد آنے پر کھڑا ہو گیا۔ ”ہماری جمونہ پٹی میں ایک بڑی نیک کرستانی عورت ہے باہا، روزی در شام کو اُس کے دھندے کا ٹائم ہوتا ہے، اس لیے وہ کل دن میں کسی وقت تم سے ملنے آئے گی۔“

”کیا دھندہ کرتی ہے؟“

”جسم بیچنے کا“

آگے آگے دوڑنے کی نیت سے بندو نے سر موڑا تو باہا نے اُسے پھر تنبیہ کی۔

”آہستہ!“

”مجھ سے آہستہ نہیں چلا جاتا، باہا۔“ بندو نے دوڑ لگانے سے پہلے جواب دیا۔ ”تم آہستہ آہستہ آؤ۔ میں جا کے تائی کو بتاتا ہوں۔“

(6)

دوسرے روز روزی در باہا کے چہرے پر آئی تو آتے ہی اس نے اپنے تیلے سے دو سیب نکال کر باہا کو پیش کیے جنہیں ہاتھوں میں لے کر باہا نے لوٹا دیا۔

”یہاں سے جاتے جاتے یہ سیب کھودو تائی کو دے دیتا۔“

”کھودو تائی کون؟“ در نے فس کر پوچھا ”اچھا اچھا! اپنا تائی کو راں۔ کوئی لڑکا نہیں“

आजादी के बाद उर्दू अफ़साना

“हमेशा इसी तरह खूब हंसा करो बाबा।” बंधू शादमानी ' में तेज तेज दुम हिलाने लगा। “इस तरह मुझे बहुत अच्छे लग रहे हो”

बंधू ने देखा कि उन की सीध में ही कीकर के नीचे एक कासा नाग भी बाबा को देख देख कर आधा अपने बिल के अन्दर और आधा बाहर खुशी से बे-इछित्तियार हिल और फुंकार रहा है। “उसे देख कर तुम्हारा दम क्यों खुश्क हो गया है? वह भी अपना यार गार है खोदू” रोटी का आखरी लुकमा मुंह में टूंस कर बाबा खड़ा हो गया “आओ ताई को देख आते हैं, वहीं पानी भी पी लेंगे”।

खौफ़ जदा बंधू बाबा को कोई जवाब दिए बग़ैर प्रैरन मुड़ गया और बाबा के आगे दौड़ने लगा।

“आहिस्ता, खोदू!” बाबा उस की सरजनिश⁽¹⁾ करने लगा “मेरे साथ साथ चलो।”

“तुम्हारे उस यार गार को देख कर वाकई मेरा दम निकल गया”।

“इस के बावजूद चल फिर रहे हो-हक़!”

बंधू ने सर मोड़ कर कीकर के दरख्त से फ़सले का जाएजा लिया और कुछ याद आने पर खड़ा हो गया। “हमारी झोंपड़ पट्टी में एक बड़ी नेक क्रिसटानी औरत है बाबा, रोखी मदर, शाम को उस के धन्धे का टाइम होता है, इस लिए वह कल दिन में किसी वक़्त तुमसे मिलने आएगी”

“क्या धन्धा करती है?”

“जिस्म बेचने का”

आगे आगे दौड़ने की नीयत से बंधू ने सर मोड़ा तो बाबा ने उसे फिर तंबीह⁽²⁾ की।

“आहिस्ता!”

“मुझ से आहिस्ता नहीं चला जाता, बाबा” बंधू ने दौड़ लगाने से पहले उसे जवाब दिया। “तुम आहिस्ता आहिस्ता आओ। मैं जाके ताई को बताता हूँ”

(6)

दूसरे रोज़ रोखी मदर बाबा के चबूतरे पर आई तो आते ही उस ने अपने धैले से दो सेब निकाल कर बाबा को पेश किए जिन्हें हथ्यों में ले कर बाबा ने लौट दिया। “यहां से जाते जाते यह सेब खोदू ताई को दे देना ”

ہم دے دیتا۔“ پھر اس نے تھیلے سے ولایتی شراب کی ایک بوتل نکالی ”یہ تائی کوراں نہیں لے گا۔“

”حق!“ بابا کا چہرہ غصے سے جلائی ہوئے لگا۔

مدر نے جلدی سے شراب کی بوتل کو واپس تھیلے میں ڈال لیا اور ڈرجانے کے باوجود آواز میں خفگی بھر کر بولی، ”کیا تم سمجھتا ہے بابا کہ ہم کو اپنے الٹے سیدھے دھندے اچھا لگتا ہے؟ پر ہم یہ دھندہ نہ کرے تو اور کیا کرے؟ تم کھدا کا آدمی ہے بابا تم سے کیا پردہ؟“ وہ بے جھجک بولنے لگی تھی۔ ”تم سوچو میری اُم میں گراہک کو سونپا جاتا ہے یا گاڈ آل مائی کو؟ بولو بابا! کبھی کوئی کڑک جوان گراہک پھنس جاتا ہے تو میں اس کے باجوؤں میں اپنا بیٹا یاد کر کے رونے لگتا ہے۔“ اس کے لہجہ میں ملتجیانہ اصرار تھا۔ ”جب میں کھدا آپ ہی اپنے آپ سے ٹھہرت کرتا ہے تو تم کا ہے کو کرتا ہے بابا؟“

مدر کے بے تامل اعتراف سے بابا ڈھیلا پڑ چکا تھا۔ ”بولو تمہیں مجھ سے کیا چاہیے؟“ ”اور کیا چاہیے؟ ہم نے پتہ چلا ہے تمہارے بلانے پر مرے ہوئے لوگ واپس آجاتے ہیں۔“ مدر کی آنکھیں جھپکنے لگیں۔

”ہم کا وکی بیٹا شراب پی پی کر کھدا کا پیارا ہو گیا تھا۔ ہمیں ہمارا وکی سے بس ایک بار ملا دو۔“

کھودو بابا کو محسوس ہوا کہ اس کے سینے میں بھی مدر کا دل ہی دھڑکنے لگا ہے ”ملا دوں گا۔ حق!..... ضرور ملا دوں گا۔“

مدر ڈانواں ڈول ہونے لگی کہ بابا انھیں کیوں کر ملائے گا۔ ”ہمارے وکی کا مرے پورا ایک برس ہو گیا ہے بابا۔“

”تو کیا ہوا مدر؟ غریب آدمی کے مرنے سے اس کی جان تھوڑا ہی جھوٹ جاتی ہے۔“

(7)

آج شام کو تو جھونپڑ پٹی کے تقریباً سبھی لوگ بابا کے چہترے پر آمنڈ آئے تھے اور نہ صرف قبرستان کی اس جانب بلکہ اُس جانب بھی قبرستان کا سارا کنارہ گھیر کر بیٹھ گئے تھے۔ کیا معلوم، قبرستان کے مردے ہچارے کہاں اپنی جگہ بنا کر بیٹھے تھے؟

کھودو بابا پہلے روز کی مانند چہترے کے کنارے جوڑی ہوئی اینٹوں پر اپنی پیٹھ

आजादी के बाद उर्दू अफ़साना

“खोदू ताई कौन? “मदर ने हंस कर पूछा” अच्छा अच्छा! अपना ताई कोरां। कोई लफ़ड़ा नहीं, हम दे देता “फिर उसने थैले से विलायती शराब की एक बोतल निकाली” “यह ताई कोरां नहीं लेगा”

“हक्र!” बाबा का चेहरा गुस्से से जलाली होने लगा।

मदर ने जल्दी से शराब की बोतल को वापस थैले में छाल लिया और डर जाने के बावजूद आवाज़ में ख़फ़गी⁽¹⁾ भरके बोली क्या तुम समझता है बाबा, कि हम को अपने उल्टे सीधे धन्धे अच्छा लगता है? पर हम यह धन्धे न करे तो और क्या करे? तुम खुदा का आदमी है बाबा, तुम से क्या परदा?” वह बे झिझक बोलने लगती है “तुम सोचो मेरी उमर में जिस्म ग्राहक को सौंपा जाता है या गॉड आल माईटी को? बोलो, बाबा! कभी कोई कड़क जवान ग्राहक फंस जाता है तो मैं उस के बाजुओं में अपना बेटा याद कर के रोने लगता है”। उस के लहजे में मुलतजियाना⁽²⁾ इसरार⁽³⁾ था। “जब मैं खुद आप ही अपने आप से नफरत करता है तो तुम काहे को करता है बाबा?

“मदर के बेताम्मुल⁽⁴⁾ ऐतराफ़⁽⁵⁾ से बाबा ढीला पड़ चुका था “बोलो, मुझ से तुम्हें क्या चाहिए?”

“और क्या चाहिए? हमें पता चला है तुम्हारे बुलाने पर मरे हुए लोग वापस चला आता है।” मदर की आंखें छलकने लगीं।

“हम का विक्की बेटा शराब पी पी कर खुदा का प्यारा हो गया था। हमें हमारा विक्की से बस एक बार मिला दो”

खोदू बाबा को महसूस हुआ कि उस के सीने में भी मदर का दिल ही धड़कने लगा है। “मिला दूंगा”। हक्र!- ज़स्र मिला दूंगा।

मदर छावां डोल होने लगी कि बाबा उन्हें क्यों कर मिलाएगा “हमारे विक्की का मरे पूरा एक बरस बीत गया है बाबा”

“तो क्या हुआ, मदर? गरीब आदमी के मरने से उस की जान थोड़ा ही छूट जाती है।”

(7)

आज शाम को तो झोंपड़ पट्टी के तक्ररीबन सभी लोग बाबा के चबूतरे पर उमड़ आए थे और न सिर्फ़ क़ब्ज़िस्तान की इस जानिब बल्कि उस जानिब भी

آزادی کے بعد اردو افسانہ

ٹکائے نیم دراز بے جنبش پڑا تھا اور اپنی پٹی پٹی آنکھوں کو آکاش میں کھائے ایسے لگ رہا تھا جیسے اپنی قبر سے نکل کر وہیں اپنی مٹی پر ڈھیر ہو کے اپنی تلاش میں آسمان میں پہنچا ہوا ہے۔

کبھی لوگ بابا کے گن گارہے تھے اور ان کے کان کھڑے تھے کہ اور کھڑی دو کھڑی میں جونہی اس کی صدائے حق سنائی دے گی وہ اسی وقت ہمہ تن گوش اس کی طرف متوجہ ہو جائیں گے۔

پنڈت نے تو اسے اس طرح ڈوبا پا کر عقیدت مندی سے اپنی چوٹی کی ساری گانٹھیں کھول لیں۔ ”میں نے بڑے بڑے فقیر اور مہاتما دیکھے ہیں چوہدری۔“ وہ رکھے چوہدری کے بغل میں بیٹھا تھا۔ ”پر اپنا بابا کھودو تو دور..... بہت دور تک پہنچا ہوا ہے۔“

”تبھی اسے واپسی میں دیر ہو رہی ہے“ رکھے چوہدری کو الجھن ہو رہی تھی کہ کھودو بابا اب آکاش سے پلٹ کیوں نہیں آتا۔

”سنو“ پنڈت نے چوہدری کو ٹھوکا دیا۔ ”کوئی ہنسا ہے“ ”تو کیا ہواں پنڈت ہنسنے والا کیا تم سے پاٹھ پوجاں کرائے بغیر نہیں ہنس سکتاں؟“

”نہیں چوہدری۔“ پنڈت نے اپنی بات پر زور دینے کے لیے آواز کو دبا کر کہا۔ ”میرا مطلب ادھر والوں سے نہیں..... سنو، پھر کوئی ہنسا ہے۔ ادھر والوں سے!“ اس نے قبرستان کی طرف اشارہ کیا۔

”تو کیا ہواں؟“ چوہدری نے بابا کا لہجہ اختیار کر کے کہا۔ ”کوئی ادھر کا ہو یا ادھر کا، خدا کی ساری مخلوق برابر ہے۔“

”لو بابا نے ہلنا تو شروع کر دیا ہے۔“ چوہدری نے فوراً بابا کی طرف دیکھا۔ ”وہ تو کبھی ہے جوں باباں کے منہ پر مل رہی ہے۔“

وہ کبھی اڑانے کے لیے اپنی جگہ سے اٹھ کر بابا کے پاس آیا۔ ”اوں مورکھوں۔“ سب چونک کر اس کی طرف دیکھنے لگے۔ ”باباں یہاں کہاں ہے؟“

आजादी के बाद उर्दू अफ़साना

क़ब्रिस्तान का सारा किनारा घेर कर बैठ गए थे। क्या मालूम क़ब्रिस्तान के मुर्दे बेचारे कहां अपनी जगह बनाकर बैठे थे ?

खोदू बाबा पहले रोज़ के मानिन्द चबूतरे के सिरहाने जोड़ी हुई, ईंटों पर अपनी पीठ टिकाए नीम दराज बे-जुम्बिश पड़ा था और अपनी फटी फटी आंखों को आकाश में खुबाए ऐसे लग रहा था जैसे अपनी क़ब्र से निकल कर वहीं अपनी मिट्टी पर ढेर हो के अपनी तलाश में आसमान में पहुंचा हुआ है।

सभी लोग बाबा के गुन गा रहे थे और उन के कान खड़े थे कि और घड़ी दो घड़ी में जू ही उस की सदाए हज़ सुनाई देगी वह उसी वक़्त हम-तन-गोश⁽¹⁾ उसकी तरफ़ मोतवज्जा हो जाएंगे।

पंडित मुरली धर ने तो उसे इस तरह डूबे हुए पाकर अक़ीदत मन्दी से अपनी चोटी की सारी गांठें खोल लीं “मैंने बड़े बड़े फ़कीर और महात्मा देखे हैं चौधरी।”

वह रखे चौधरी की बग़ल में बैठ था “पर अपना बाबा खोदू तो दूर- बहुत दूर तक पहुंचा हुआ है।”

“तभी उसे वापसी में देर हो रही है” रखे चौधरी को उलझन हो रही थी कि खोदू बाबा अब आकाश से पलट क्यों नहीं आता।

“सुनो” पंडित ने चौधरी को उहोका दिया “कोई हंसा है।”

“तों क्या हुआं पंडित ? हंसने वाला क्या तुम से पाठ पूजां कराए बग़ैर नहीं हंस सकता ?”

“नहीं चौधरी” पंडित ने अपनी बात जोर देने के लिए आवाज़ को दबा कर कहा “मेरा मतलब इधर वालों से नहीं—सुनो, फिर कोई हंसा है उधर वालों से।” उसने क़ब्रिस्तान की तरफ़ इशारा किया।

“तो क्या हुआं ?” चौधरी ने बाबा का लहजा इख़्तियार करके कहा। “कोई इधर कां हो या उधर कां, खुदा की सारी मख़लूक⁽²⁾ बराबर है।”

“लो, बाबा ने हिलना तो शुरू कर दिया है”।

चौधरी ने फ़ौरन बाबा की तरफ़ देखा “वह तो मक्खी हैं जों बाबा के मुंह पर हिल रही हैं” वह मक्खी उड़ाने के लिए अपनी जगह से उठ कर बाबा के पास आया “ओं मुखों” सब चौंक कर उस की तरफ़ देखने लगे। “बाबा यहां कहा हैं ?”

آزادی کے بعد اردو افسانہ

”ہمارے سامنے کون پڑا ہے؟“ پنڈت نے پوچھا۔

”بابا توں کوچ کر چکاں ہے۔“

”واہوں! وہوں!“ بندھو بھی بھونک بھونک کر چوہدری کے پاس آکھڑا ہوا۔

”وہوں!“

”گھبراؤ نہیں۔“ سب سر اسیمہ ہو کر اٹھنے لگے تو پنڈت انھیں سمجھانے لگا۔ ”جہاں

بھی گیا ہے، وہاں سے اور تھوڑی دیر میں لوٹ آئے گا۔“ اسے پھر لگا جیسے کئی مردوں نے قہقہہ لگایا ہے اور وہ بوکھلا کر بول اٹھا۔

”دھیان سے دیکھو، چوہدری، بابا کہیں چل تو نہیں بسا؟“

”ہاس، شیداں“ ہرنی اپنی پڑوسن کو بتا رہی تھی۔ ”پیل مکھیل ادھل نہیں ہوتے

جدھل ہوتے ہیں۔ کیا؟ کیا پتہ کھدا کے بندے بدن سے نکل کر کدھل پہنچے ہوتے

ہیں۔“ اوروں کو بھی اپنی طرف متوجہ پا کر وہ اپنی بات میں بہتی چلی گئی۔ ”میں اپنا مکا بلہ

بابا سے نہیں کل لئی۔ کہاں بابا اول کہاں میں مہامولکھ۔ کیا؟ میں نے کئی بال ماسوس کیا

ہے، میلی جان تو ادھل چوہدری کی جھونپڑ پٹی میں اٹکی ہوتی ہے۔ اول میں اپنی ماں کے

آنکھن میں آڈی نپا کھیل لئی ہوتی ہوں۔ کیا؟ اب بتاؤ، میں ہوتی کدھل ہوں، مجھے اپنی

تلب ہونے لگے تو کھد کو کہاں ڈھونڈوں؟“

”وہوں!“ بندھو سب کی طرف منہ لٹکا کر بھونک رہا تھا۔ ”آرام سے بیٹھے رہے۔

واہوں!“

”میں تو کہوں ہرنی۔“ شیداں بول رہی تھی۔ ”بابا جب گھومتے پھرتے ادھر آن نکلا

تھا، اس وکھت کیا پتہ وہ اسی تراں کدھر پڑا ہوگا؟“

”واہوں!“ بندھو ان سب کو مخاطب کرنے کے لیے کھودو بابا کے پہلو میں چپوترے

پر آکھڑا ہوا تھا۔ ”پہلے تو بابا اپنے ٹھکانے کی کھوج میں گھومتا پھرتا تھا۔ واہوں! اب اسے

کہاں جاتا ہے وہوں! وہ اب سدا کے لیے یہیں بس گیا ہے۔ واہوں! واہوں!“



आज्ञादी के बाद उर्दू अफ्रसाना

“हमारे सामने कौन पड़ा है” पंडित ने पूछा

“बाबां तों कूच कर चुकां है”।

“वाहू! वाहू!” बंधू भी भौंक भौंक कर चौधरी के पास आ खड़ा हुआ।
“वाहू”!

“घबराओ नहीं” सब सरासीमां⁽¹⁾ होकर उठने लगे तो पंडित उन्हें समझाने लगा। “जहां भी गया है, वहां से और थोड़ी देर में लौट आएगा।” उसे फिर लगा जैसे कई मुद्दों ने क्रहक्रहा लगाया है और वह बौखला कर बोल उठा।

“ध्यान से देखो, चौधरी, बाबा कहीं चल तो नहीं बसा?”

“हां, शैदां” हरनी अपनी पड़ोसन को बता रही थी। “पील फक्कील उधल नहीं होते जिधल होते हैं-क्या? क्या पता खुदा के बन्दे बदन से निकल कर किधल पहुँचे होते हैं।” औरों को भी अपनी तरफ़ मोताक़्जा पाकर वह अपनी बात में बहती चली गई “मैं अपना मुकाबला बाबा से नहीं कल लई। कहां बाबा औल कहां मैं महा मूलख- क्या? मैंने कई बाल मासूस किया है, मेली जान तो इधल चौहदली की झोपड़ पट्टी में अटकी होती है। औल मैं अपनी मां के आंगन में आड़ी टिप्पा खेल लई होती हूँ। क्या? अब बताओ मैं हौती किधल हूँ? मुझे अपनी तलब होने लगे तो खुद को कहां दूँ?”

“वाहू!-” बंधू सब की तरफ़ मुंह लटका कर भौंक रहा था “आराम से बैठे रहो वाहू!”

“मैं तो कहां हरनी” शयदां बोल रही थी “बाबा जब घूमते फिरते इधर आन निकला था, उस वखत क्या पता वह इसी तरां किधर पड़ा होगा?”

“वाहू!” बंधू उन सब को मुख़ातिब करने के लिए खोदू बाबा के पहलू में चबूतरे पर आ खड़ा हुआ था। “पहले तो बाबा अपने ठिकाने की खोज में घूमता फिरता था- वाहू!- अब उसे कहां जाना है। वाहू!- वह अब सदा के लिए यहीं बस गया है-

“वाहू! वाहू!”



ایک حلفیہ بیان

میں مقدس کتابوں پر ہاتھ رکھ کر قسم کھاتا ہوں جو کچھ میں نے دیکھا ہے وہ سچ ہے بیان کروں گا۔

اس سچائی میں آپ کو شریک کر لوں گا جو صرف سچ ہے اور سچ کے سوا کچھ نہیں۔
یہ ایک رات کی بات ہے۔

یہ ایک اندھیری سنسان برسات کی رات کی بات ہے۔

یہ ایک ایسی رات کی بات ہے جب میں اکیلا اپنے بستر پر لیٹا تھا اور دیوار پر نیوب لائٹ جل رہی تھی۔ کمرے کا دروازہ بند تھا۔ روشن دان کھلا تھا۔ بارش کا موسم تھا۔ نیوب لائٹ پر بہت سے چھوٹے چھوٹے کیڑے زینگ رہے تھے یقیناً یہ برساتی کیڑے تھے۔ تب ہی میرے سر کے اوپر سے مسہری اور کمرے کی چھت کے درمیان فضا میں بھنبھناہٹ کی آواز کے ساتھ کسی قدر بڑے کیڑے کے اڑنے کی آواز آئی اور پھر مسہری کے برابر فرش پر پٹ سے کسی کے گرنے کی آواز۔ یہ آواز اتنی واضح تھی کہ میرا دھیان اس کی طرف چلا گیا۔

کیا گرا تھا۔؟ آپ ضرور سوال کریں گے؟

اگر میں چاہوں تو اس سوال کا جواب دینے سے پہلے آپ کو دوسری باتوں میں کافی دیر الجھائے رکھ سکتا ہوں لیکن آپ خود پہلے سے بہت الجھے ہوئے ہیں اور وقت کم ہے اور صبر تحمل سے آپ سب ہی گھبراتے ہیں اور فوراً اصل معاملات تک پہنچنے کی آپ میں ظالمانہ حد تک عادت پڑ چکی ہے اور یہ کہ آپ کو جزئیات سے نہیں اصل سے دلچسپی زیادہ ہے اور یہ بھی کہ سچائی کو آپ دو ٹوک ہی پسند کرتے ہیں اس لیے.....

एक हलफ़िया बयान

मैं मुकद्दस किताबों पर हाथ रखकर क़सम खाता हूँ कि जो कुछ मैंने देखा है वह सच सच बयान करूँगा

उस सच्चाई में आपको शरीक कर लूँगा जो सिर्फ़ सच है और सच के सिवा कुछ नहीं।

यह एक रात की बात है।

यह एक अंधेरी सुनसान बरसात की रात की बात है।

यह एक ऐसी रात की बात है जब मैं अकेला अपने बिस्तर पर लेट था और दीवार पर ट्यूबलाइट जल रही थी। कमरे का दरवाज़ा बन्द था। रौशनदान खुला था बारिश का मौसम था ट्यूबलाइट पर बहुत से छोटे छोटे कीड़े रेंग रहे थे। यक़ीनन यह बरसाती कीड़े थे। तब ही मेरे सर के ऊपर से मसहरी और कमरे की छत के दरमियान फ़िन्जा में भंभनाहट की आवाज़ के साथ किसी क्रूर बड़े कीड़े के उड़ने की आवाज़ आई और फिर मसहरी के बराबर फ़र्श पर पट से किसी के गिरने की आवाज़— यह आवाज़ इतनी वाज़ेह⁽¹⁾ थी कि मेरा ध्यान उसकी तरफ़ चला गया।

क्या गिरा था ? आप जरूर यह सवाल करेंगे।

अगर मैं चाहूँ तो इस सवाल का जवाब देने से पहले आप को दूसरी बातों में काफ़ी देर उलझाये रख सकता हूँ लेकिन आप खुद पहले से बहुत उलझे हुए हैं। और वक़्त कम है और सब्रोतहम्मुल से आप सब ही घबराते हैं और फ़ैरन असल मामलात तक पहुंचने की आप में ज़ालिमाना हृद तक आदत पड़ चुकी है और यह कि आप को जुज़यात⁽²⁾ से नहीं असल से दिलचस्पी ज़्यादा है और यह भी कि सच्चाई को आप दो टोक ही पसन्द करते हैं।

آزادی کے بعد اردو افسانہ

..... اس لیے میں تمام تہذیبوں اور قوموں اور انسانی برادر یوں کے تمام تر خداؤں کو حاضر و ناظر جان کر قسم کھاتا ہوں اور پھر کہتا ہوں کہ میں نے جو کچھ دیکھا ہے وہ آپ کو صحیح اور ٹھیک ٹھیک بتا دوں گا۔

یہ ایک رات کی بات ہے۔

یہ ایک اندھیری سنسان برسات کی رات کی بات ہے۔

یہ ایک ایسی رات کی بات ہے جب میں فرش پر کسی چیز کے گرنے کی آواز سن کر اس کی طرف مخاطب ہو گیا تھا۔ میں نے دیکھا مسہری کے قریب بس مشکل سے ایک میٹر دور ایک کالے رنگ کا بدھت بد شکل بد رو بد قماش بد نظر بد طینت کیڑا پیٹھ کے بل الٹا پڑا ہوا تھا۔ اس کیڑے کے مونے، بھدے اور گول گول سے چھوٹے سے جسم پر غالباً دو پر بھی تھے چھوٹے سے باریک دو پر۔ ان پروں کی لمبائی اس کے ذیل ڈول کو دیکھتے ہوئے بہت ہی چھوٹی تھی۔ اس کی کئی ٹانگیں تھیں چار بھی ہو سکتی تھیں یا چھ بھی انھیں مگنا اس لیے نہیں جا سکتا تھا کہ وہ انھیں برابر چلائے جا رہا تھا۔ پیٹھ کے بل فرش پر پڑا ہوا وہ برابر اپنے پیر چلائے جا رہا تھا۔ میں اسے چپ چاپ مسہری پر لیٹے لیٹے دیکھتا رہا۔

چکنا فرش

کیڑے کی پیٹھ بھی شاید چکنی تھی۔



کیا آپ جانتے ہیں کہ پھر کیا ہوا؟۔

آپ میں سے بہت سے نہیں بھی جانتے ہوں گے۔

ٹانگیں بے حد باریک، بھدا جسم اور اس پر جسم کا خاصا وزن بس وہ ٹانگیں چلائے جا رہا تھا۔ دو منٹ، پانچ منٹ، دس منٹ، وہ مستقل اپنے کو پلٹنے کی کوشش میں لگا ہوا تھا۔

دراصل یہ ایک کوشش کی بات ہے۔

یہ ایک لگاتار ایک ہی جگہ پڑ کر پچھلے فرش سے بے نیاز ہو کر کی جانے والی کوشش کی

بات ہے۔

इस लिए.....

..... इस लिए मैं तमाम तहजीबों और क़ौमों और इन्सानो बिरादरियों के तमाम तर खुदाओं को हाज़िरो नाज़िर जान कर क़सम खाता हूँ और फिर कहता हूँ कि मैंने जो कुछ देखा है वह आप को सही और ठीक ठीक बता दूंगा।

यह एक रात की बात है।

यह एक अंधेरी सुनसान बरसात की रात की बात है।

यह एक ऐसी रात की बात है जब मैं फ़र्श पर किसी चीज़ के गिरने की आवाज़ सुन कर उस की तरफ़ मुखातिब हो गया था। मैंने देखा मसहरी के क़रीब बस मुश्किल से एक मीटर दूर एक काले रंग का बदहैयत,⁽¹⁾ बदशकल,⁽²⁾ बद्रू,⁽³⁾ बद्कुमाश,⁽⁴⁾ बदनज़र, बद्तीनत⁽⁵⁾ कीड़ा पीठ के बल उलट पड़ा हुआ था। उस कीड़े के मोटे भद्दे और गोल गोल से छोटे से जिस्म पर गालेबन दो पर भी थे छोटे से बारीक दो पर उन परों की लम्बाई उसके डील ड़ील को देखते हुए बहुत ही छोटी थी उस की कई टाँगें थी चार भी हो सकती थीं या छः भी उन्हें गिना इस लिए नहीं जा सकता था कि वह उन्हें बराबर चलाया जा रहा था। पीठ के बल फ़र्श पर पड़ा हुआ वह बराबर अपने पैर चलाये जा रहा था। मैं उसे चुप-चाप मसहरी पर लेते लेते देखता रहा। चिकना फ़र्श कीड़े की पीठ भी शायद चिकनी थी।



क्या आप जानते हैं कि फिर क्या हुआ ?

आप में से बहुत से नहीं भी जानते होंगे।

टाँगें बेहद बारीक भद्दा जिस्म और उस पर जिस्म का ख़ासा वज़न, बस वह टाँगें चलाये जा रहा था। दो मिनट, पाँच मिनट, दस मिनट, वह मुस्तक़िल अपने को पलटने की कोशिश में लगा हुआ था।

दरअसल एक कोशिश की बात है।

यह एक लगातार, एक ही जगह पड़ कर चिकने फ़र्श से बेनियाज़ हो कर की जाने वाली कोशिश की बात है।

यह एक अंधेरी बेमानी रात में एक बेमक़सद कोशिश की बात है।

1. कु आकार 2. बुरी शकल 3. बुरे चेहरे वाला 4. बुरी किस्म 5. बुरी आदत

آزادی کے بعد اردو افسانہ

یہ ایک اندھیری بے معنی رات میں ایک بے مقصد کوشش کی بات ہے۔

جب پنہ چکنی ہو۔

فرش چکنا ہو

پر چھوٹے ہوں

ٹانگیں باریک ہوں

اور ان کی دسترس میں فضا تو ہوزمین نہ ہو۔

اس کے بعد پھر ایک عجیب بات ہوئی۔

کیا بات ہوئی۔؟ آپ سوال ضرور کریں گے۔

اگر میں چاہوں تو آپ کے اس سوال کو پس پشت ڈال کر آپ کو بہت دیر تک دیگر معاملات میں الجھا سکتا ہوں کیونکہ اب مجھے ایسا لگ رہا ہے جیسے آپ کی دلچسپی اس کیڑے میں کچھ بڑھ گئی ہے۔ کیونکہ اس طرح کے کیڑے آپ نے بھی ضرور دیکھے ہوں گے جو ایک بار پنہ کے بل الٹ جائیں تو پھر سیدھے نہیں ہو پاتے اس لیے...

اس لیے میں انسان کے خون میں دوڑتے ہوئے ایسے تمام سرچشموں کی قسم کھا کر کہتا ہوں جو اس میں تجسس، استغاب، حیرت اور رمز کشائی کے لمحات جگاتے ہیں اور میں ان آسمانی طاقتوں کو حاضر و ناظر جان کر اپنا بیان آگے بڑھاتا ہوں جو طاقتیں ہر ذی روح میں جبر برداشت کرنے کی صلاحیتیں بخشی ہیں جو اسے دوسروں اور اندیشوں کی کالی برسات جیسی راتوں میں چپکا پڑا رہنے پر مجبور کر دیتی ہیں۔ میں نے دیکھا کہ وہ کیڑا برابر رے کے بغیر اپنی ٹانگیں فضا میں اچھال رہا تھا۔ اپنے پروں کو بھی نیچے سے نکالنے کی کوشش کر رہا تھا۔ مجھے اس کی یہ کوشش دیکھتے ہوئے اب لگ بھگ ایک گھنٹہ ہو چکا تھا۔ سب کچھ بھول کر میں اسے دیکھ رہا تھا کہ یکا یک مجھے خیال آیا

یہ حرام زادہ بدعتل اور بد روح ہے۔

یہ کہینہ اپنے آس پاس کی دنیا سے اب بھی واقف نہیں۔

یہ ذلیل یہ بھی نہیں جانتا کہ یہ اس کمرے میں اکیلا نہیں ہے۔

आजादी के बाद उर्दू अफ़साना

जब पीठ चिकनी हो।

फ़र्श चिकना हो।

पर छोटे हों

टोंगे बारीक हों

और उन की दस्तरस⁽¹⁾ में फ़िज़ा तो हो ज़मीन न हो।

उस के बाद फिर एक अजीब बात हुई।

क्या बात हुई ? आप सवाल ज़रूर करेंगे।

अगर मैं चाहूँ तो आप के इस सवाल को पसे पुस्त⁽²⁾ छल कर आप को बहुत देर तक दीगर मामलात में उलझा सकता हूँ। क्यों कि अब मुझे ऐसा लग रहा है जैसे आप की दिलचस्पी इस कीड़े में कुछ बढ़ गई है। क्यों कि इस तरह के कीड़े आप ने भी ज़रूर देखे होंगे जो एक बार पीठ के बल उलट जाएँ तो फिर सीधे नहीं हो पाते इस लिए

इस लिए मैं इन्सान के खून में दौड़ते हुए ऐसे तमाम सर चश्मों की क़सम खा कर कहता हूँ जो उस में तजस्सुस,⁽³⁾ इसतेजाब,⁽⁴⁾ हैरत और रम्ज़कुशाई के लम्हात जगाते हैं और मैं उन आसमानी ताक़तों को हाज़िरो नाज़िर जान कर अपना बयान आगे बढ़ाता हूँ जो ताक़तें हर जी रूह में जबर बरदाश्त करने की सलाहियतें बख़्शी हैं जो उसे वसवसों और अंदेशों की काली बरसात जैसी रातों में चिपका पड़ा रहने पर मजबूर कर देती हैं। मैंने देखा कि वह कीड़ा बराबर, रुके बग़ैर अपनी टाँगें फ़िज़ा में उछाल रहा था। अपने परो को भी नीचे से निकालने की कोशिश कर रहा था। मुझे उस की यह कोशिश देखते हुए अब लगभग एक घंटा हो चुका था। सब कुछ भूलकर मैं उसे देख रहा था कि यक़ायक मुझे ख़याल आया।

यह हरामजादा बद अक़ल और बदरूह⁽⁵⁾ है

यह कमीना अपने आस पास की दुनिया से अब भी वाकिफ़ नहीं।

यह ज़लील यह भी नहीं जानता कि यह इस कमरे में अकेला नहीं है।

اگر اس خبیث کو یہ احساس ہو جائے کہ یہ غیر محفوظ ہے اور جتنی جلد ممکن ہو اس کو موجودہ صورت حال سے چمٹکارا لینا چاہیے تو شاید یہ کچھ اور تدبیر کرے شاید اپنے کو سیدھا الٹ لینے کے لیے کچھ اور جتن کرے شاید یہ خوف زدہ ہو کر اپنی کوششوں کو اس قدر تیز کر دے کہ اس کے سیدھے ہو جانے کا کوئی راستہ نکل آئے۔ لیکن یہ تب ہی ممکن تھا جب وہ خائف ہو جائے اس کو یہ احساس ہو جائے کہ وہاں اس کے قریب یا آس پاس کچھ اور بھی ہے۔ کوئی ایسی چیز جس سے اس کو نقصان پہنچ سکتا ہے۔

یہ سوچ کر میں مسہری پر سے اترا۔ اس کے قریب گیا۔ اپنا داہنا پیر اس کے پاس لایا۔ اور پھر اس کے قریب ہی زمین پر پیر کو دو ایک بار تھپتھپایا۔ تب ہی ایک عجیب بات ہوئی۔

میرا خیال ہے کہ وہ بات مجھے آپ کو بغیر کسی بکواس کے بتا دینا چاہیے اس لیے..... اس لیے میں دنیا کے تمام کمزور و نحیف لاچار اور نادار انسانوں کی قسم کھا کر اور انہیں حاضر و ناظر جان کر کہتا ہوں کہ میں نے اپنی آنکھوں سے جو کچھ دیکھا ہے وہ سچ سچ بتاؤں گا۔ میرا سچ نہیں بلکہ آپ کا بھی سچ ہوگا۔ کیونکہ اب جو کچھ میں آپ کو بتانے جا رہا ہوں وہ مجھے پوری امید ہے کہ آپ نے بھی دیکھا ہے اس لیے...

اس لیے میں ان سارے تجربوں، محسوسات اور انسانی رویوں کی قسم کھا کر کہتا ہوں جو میرے ہی نہیں بلکہ آپ کے بھی تجربے، محسوسات اور رویے ہیں کہ میرے پیر کی دھمک کی آواز سے اس کیڑے پر ایک عجیب اثر ہوا۔ وہ یکا یک جیسے بے سدھ ہو گیا۔ اس کی ٹانگیں چلنا بند ہو گئیں اور وہ بالکل بے حرکت اس طرح بن گیا جیسے اس میں جان ہی نہ ہو۔

دراصل یہ ایک بے سدھ اور اپنے کو مردہ ظاہر کر دینے والے کیڑے کی بات ہے۔ کسی باہری خوف کے تحت اپنے کو پرسکوت، پرامن اور ineffective ظاہر کر دینے والے ایک وجود کی بات ہے۔

وہ بات جو ایک برسات کی رات سے شروع ہوئی۔
جو ایک اندھیری سنسان رات میں ایک الٹے پڑے ہوئے کیڑے کی کہانی بن گئی۔

आजादी के बाद उर्दू अफ़साना

अगर इस ख़बीस⁽¹⁾ को यह एहसास हो जाए कि यह ग़ैर महफ़ूज है और जितनी जल्द मुमकिन हो उस को मौजूदा सूरते हाल से छुटकारा पा लेना चाहिए तो शायद यह कुछ और तदबीर करे, शायद अपने को सीधा उलट लेने के लिए कुछ और जतन करे, शायद यह खौफ़ज़दा हो कर अपनी कोशिशों को इस क्रूर तेज़ कर दे कि उस कि सीधे हो जाने का कोई रास्ता निकल आए। लेकिन यह तब ही मुमकिन था जब वह ख़ाएफ़ हो जाए, उस को यह एहसास हो जाए कि वहां उस के करीब या आस पास कुछ और भी है। कोई ऐसी चीज़ जिस से उस को नुक़सान पहुंच सकता है।

यह सोच कर मैं मसहरी पर से उतरा। उस के करीब गया। अपना दाहिना पैर उस के पास लाया।

और फिर उस के करीब ही ज़मीन पर पैर को दो एक बार थपथपाया। तभी ही एक अजीब बात हुई।

मेरा ख़याल है कि वह बात मुझे आप को बग़ैर किसी बकवास के बता देना चाहिए इस लिए

.....इस लिए मैं दुनिया के तमाम कमज़ोरोनहीफ़⁽²⁾ लाचार और नादार इंसानों की क़सम खा कर और उन्हें हाज़िरो नाज़िर जान कर कहता हूँ कि मैं ने अपनी आँखों से जो कुछ देखा वह सच सच बताऊंगा। मेरा सच नहीं बल्कि आप का भी सच होगा। क्योंकि अब जो कुछ मैं आप को बताने जा रहा हूँ वह मुझे पूरी उम्मीद है कि आप ने भी देखा है।

इस लिए.....

इस लिए मैं उन सारे तर्जुबों, महसूसात और इन्सानी रवैयों की कसम खा कर कहता हूँ जो मेरे ही नहीं बल्कि आप के भी तर्जुबें, महसूसात और रवैये हैं कि मेरे पैर की धमक की आवाज़ से उस कीड़े पर एक अजीब असर हुआ। वह यकायक जैसे बे सुध हो गया। उस की टाँगें चलना बन्द हो गई और वह बिलकुल बे हरकत इस तरह बन गया जैसे उस में जान ही न हो।

दरअसल यह एक बे सुध और अपने को मुर्दा जाहिर कर देने वाले कीड़े की बात है।

جو اس کیڑے کو ذرا سے باہری خوف کے سبب مردہ بن کر پڑے رہنے کا ٹانگ سکھا
گئی اس لیے.....

..... اس لیے میں تاریخ کے ان سارے معزول، شکست خوردہ، ہزیمت یافتہ، بد نصیب،
پٹے اور ہارے ہوئے ظلم سبانیوں، عالیجاہوں، راجوں، مہاراجوں، شمشیر زنوں اور فوجی
جرنیلوں کی قبروں اور سادھیوں پر ہاتھ رکھ کر قسم کھاتا ہوں کہ اس برساتی کیڑے کا وہ
ٹانگ دیکھ کر مجھے بہت غصہ آیا اور میں نے اس کو ایک ٹھوکر مار دی، ٹھوکر سے وہ تقریباً چند
فٹ دور پھسلتا چلا گیا۔ ایسا لگ رہا تھا جیسے سوڈے کی بوتل کا ڈھکن ہو، اسی طرح
بیجان، بے حرکت وہ پڑا رہا۔ جیسے سمجھانا چاہ رہا ہو۔

”یارت تم کس چکر میں ہو میں بھی کوڑا کرکٹ ہوں۔ اپنا کام کر دیو اپنا کام۔“
وہ بے حس و حرکت پڑا تھا۔ اب کرے کی دیو اس سے ایک آدھ فٹ ہی دور تھی
میں پھر اس کے قریب گیا۔ پیر سے اس کو پھر ادھر ادھر کیا وہ ہر بار اس طرح بے حس
و حرکت چپ چاپ ٹھوکر سے ادھر ادھر ہوتا رہا آخر کو میں مسہری پر آ کر لیٹ رہا۔
تقریباً ایک گھنٹے بعد مجھے پھر اس کا خیال آیا دیکھا تو پھر جلدی جلدی وہ اپنی ٹانگیں
چلا رہا تھا۔

میں نے پھر اس کو باہری خطرے سے بے حس و متنبہ کر آگاہ کیا۔ وہ پھر مردہ بن گیا۔
ایک گھنٹے بعد پھر وہ بے حس و متنبہ چلا رہا تھا۔
میں نے پھر اس کو احساس دلایا باہر خطرہ ہے وہ دم سادھ گیا۔
تو ہوا یہ کہ یا تو اس کے بے حس و متنبہ تیز چلتے تھے یا ساکت ہو جاتے تھے۔ پیٹھ جہاں
تھی وہیں تھی اور اس لیے.....

..... اس لیے میں دنیا کے ان سارے اداکاروں، اسکالروں، نقالوں، بازیگرؤں، بہر
دییوں، بھاضوں اور کرکٹ بازوں کے بین الاقوامی تماشوں، اداکاریوں اور کھیلوں کی قسم کھا
کر کہتا ہوں کہ میں نے جو کچھ اپنی آنکھوں سے دیکھا ہے اور وہی کچھ آپ بھی دیکھتے ہیں
اور محسوس کرتے ہیں لیکن اسے بیان نہیں کر پاتے میں اس کو بیان کر دوں گا اور ایک نظر
مجموع نہیں بولوں گا۔

आजादी के बाद उर्दू अफ़साना

किसी बाहरी ख़ौफ़ के तहत अपने को पुर सुकूत,⁽¹⁾ पुरअमन और जाहिर कर देने वाले एक वजूद की बात है।

वह बात जो एक बरसात की रात से शुरू हुई।

जो एक अंधेरी सुनसान रात में एक उलटे पड़े हुए कीड़े की कहानी बन गई।

जो उस कीड़े को ज़रा से बाहरी ख़ौफ़ के सबब मुर्दा बन कर पड़े रहने का नाटक सिखा गई इसलिये.....।

..... इस लिए मैं तारीख़ के उन सारे माज़ूल,⁽²⁾ शिक्स्त-खुर्दा,⁽³⁾ हज़ीमत-याफ़्ता,⁽⁴⁾ बदनसीब, पिटे और हारे हुए ज़िल्ले-सुबहानियों,⁽⁵⁾ आलिजाहों,⁽⁶⁾ राज़ों महाराज़ों, शमशीरज़नों⁽⁷⁾ और फ़ौज़ी जरनेलों की क़ब्रों और समाधियों पर हाथ रख कर क़सम खाता हूँ कि उस बरसाती कीड़े का वह नाटक देख कर मुझे बहुत गुस्सा आया और मैं ने उस को एक ठेकर मार दी, ठेकर से वह तक्ररीबन चन्द फ़ुट दूर फिसलता चला गया। ऐसा लग रहा था जैसे सोड़े की बोटल का ढक्कन हो, उसी तरह बेजान, बेहरकत वह पड़ा रहा। जैसे समझाना चाह रहा हो।

“यार तुम किस चक्कर में—— मैं भी कूड़ा करकट हूँ----- अपना काम करो यार अपना काम——”

वह बे-हिसो हरकत⁽⁸⁾ पड़ा था। अब कमरे की दीवार उस से एक आध फ़ुट ही दूर थी। मैं फिर उस के करीब गया। पैर से उस को फिर इधर उधर किया। वह हर बार इस तरह बे हिसो हरकत चुप चाप ठेकर से इधर उधर होता रहा। आख़िर को मैं मसहरी पर आकर लेट रहा।

तक्ररीबन एक घंटे बाद मुझे फिर उसका ख़याल आया। देखा तो फिर जल्दी जल्दी वह अपनी टोंगे चला रहा था।

मैं ने फिर उस को बाहरी ख़तरे से पैर थपथपा कर आगाह किया। वह फिर मुर्दा बन गया।

एक घंटे बाद वह फिर पैर चला रहा था।

1. शान्त 2. पराजित 3. पराजित हुए 4. गिरे हुए 5. आकाओं 6. रूतबे वालों
7. तलवार चलाने वालों 8. बेसुध

صبح جب میری آنکھ کھلی، وہ کھڑا مجھ کو اسی جگہ ملا۔ اس کے پیر اسی طرح فضا میں تیزی کے ساتھ چل رہے تھے وہ اسی طرح پیٹھ کے بل پڑا ہوا تھا۔ پھر اس کے بعد ایک عجیب بات ہوئی۔

کیا بات ہوئی؟۔ میرے خیال میں اب آپ یہ سوال کریں گے کیونکہ ایسی حالت میں کوئی عجیب بات نہیں ہو سکتی۔

کیونکہ یہ ساری بات ایک اندھیری بے معنی رات میں ایک ایسی بے حصول کوشش کی بات ہے جب کہ پیٹھ چکنی ہو، فرش چکنا ہو، پر چھوٹے ہوں، ٹانگیں باریک ہوں اور ان کی دسترس میں زمین نہ ہو اس لیے..... اس لیے میں یونان کی عظیم المیہ داستانوں کی قسم کھا کر کہتا ہوں کہ جن میں ظالم بھی اتنا ہی لائق احترام ہے کہ جتنا مظلوم کیونکہ ٹریجڈی وہی ہے جس میں کسی کے لیے کوئی راہ فرار نہ ہو۔ جہاں پیٹھ بھی بے قصور ہو اور فرش بھی، اس لیے میں ان ساری حکایتوں کی قسم کھا کر کہتا ہوں کہ جن میں انسان اپنے درد اور اپنی محرومیوں اور ناکامیوں کو سینے سے لگائے تڑپتا رہا اس لیے کہ میلو ڈراما کی گنجائش نہ تھی کیونکہ فرار کی کوئی راہ نہ تھی اس لیے میں صرف اتنا ہی آپ کو بتاؤں گا کہ جو بچ ہے اور بچ کے سوا کچھ نہیں۔



मैं ने फिर उस को एहसास दिलाया बाहर ख़तरा है , वह दम साध गया तो हुआ यह कि या तो उस के पैर बहुत तेज़ चलते थे या साकित⁽¹⁾ हो जाते थे पीठ जहाँ थी वही थी और इस लिए.....

..... इस लिए मैं दुनिया के उन सारे अदाकारों, स्कालरों, नक्क़ालों, बाजीगरों, बहुरूपियों, भाँड़ों, नटों और करतब बाजों के बैनुलअक्वामी,⁽²⁾ तमाशों अदाकारियों और खेलों की क़सम खा कर कहता हूँ कि मैं ने जो कुछ अपनी आँखों से देखा है और वही कुछ आप भी देखते हैं और महसूस करते हैं लेकिन उसे बयान नहीं कर पाते हैं, मैं उस को बयान कर दूंगा और एक लफ़्ज़ झूट नहीं बोलूंगा।

सुबह जब मेरी आंख खुली, वह कीड़ा मुझ को उसी जगह मिला। उस के पैर उसी तरह फ़िज़ा में तेज़ी के साथ चल रहे थे। वह उसी तरह पीठ के बल पड़ा हुआ था। फिर उस के बाद एक अजीब बात होगई।

क्या बात हुई?--- मेरे ख़याल में अब आप यह सवाल करेंगे क्योंकि ऐसी हालत में कोई अजीब बात नहीं हो सकती। क्योंकि यह सारी बात एक अंधेरी बे माने रात में एक ऐसी बेहुसूल कोशिश की बात है जब कि पीठ चिकनी हो, फ़र्श चिकना हो, पर छोटे हों, टांगें बारीक हों और उनकी दस्तरस में ज़मीन न हो इस लिए---इसलिए मैं यूनान की अज़ीम अलमिया⁽³⁾ दास्तानों की क़सम खा कर कहता हूँ कि जिन में ज़ालिम भी उतना ही लायक़े एहताराम है कि जितना मज़लूम क्योंकि ट्रेजिडी वही है जिसमें किसी के लिए कोई राहें फ़रार न हो। जहां पीठ भी बेक़सूर हो और फ़र्श भी इस लिए मैं उन सारी हिकायतों की क़सम खा कर कहता हूँ कि क़सम खाता हूँ कि जिन में इंसान अपने दर्द और अपनी महरूमियों और नाकामियों को सीने से लगाये तड़पता रहा इस लिए कि मैलोड्रामा कि गुंजाईश न थी क्योंकि फ़रार की कोई राह न थी। इसलिए मैं सिर्फ़ इतना ही आपको बताऊंगा कि जो सच है और सच के सिवा कुछ नहीं।



بجو کا

پریم چند کی کہانی کا ہوری اتنا بوڑھا ہو چکا تھا کہ اس کی چلوں اور بھوؤں تک کے بال سفید ہو گئے تھے کمر میں خم پڑ گیا تھا اور ہاتھوں کی نیس سانولے کھر درے گوشت میں سے ابھر آئی تھیں۔

اس اثنا میں اس کے ہاں دو بیٹے پیدا ہوئے تھے جو اب نہیں رہے ایک گنگا میں نہا رہا تھا کہ ڈوب گیا اور دوسرا پولیس مقابلہ میں مارا گیا۔ پولیس کے ساتھ اس کا مقابلہ کیوں ہوا اس میں کچھ ایسی بتانے کی بات نہیں۔ جب بھی کوئی آدمی اپنے وجود سے واقف ہوتا ہے اور اپنے ارد گرد پھیلی ہوئی بے چینی محسوس کرنے لگتا ہے تو اس کا پولیس کے ساتھ مقابلہ ہو جاتا قدرتی ہو جاتا ہے بس ایسا ہی کچھ اس کے ساتھ بھی ہوا تھا۔ اور بوڑھے ہوری کے ہاتھ مل کے ہتھے تھامے ہوئے ایک بارڈر ہیلے پڑے اور پھر ان کی گرفت اپنے آپ مضبوط ہو گئی۔ اس نے بیلوں کو ہانک لگائی اور مل سے زمین کا سینہ چیرتا ہوا آگے بڑھ گیا۔

ان دنوں بیٹوں کی بیویاں تھیں اور آگے ان کے پانچ بچے تین گنگا میں ڈوبنے والے کے اور دو پولیس مقابلہ میں مارے جانے والے کے۔ اب ان سب کی پرورش کا بار ہوری پر آن پڑا تھا۔ اور اس کے بوڑھے جسم میں خون زور سے گردش کرنے لگا تھا۔ اس دن آسمان سورج نکلنے سے پہلے کچھ زیادہ ہی سرخ تھا اور ہوری کے آگن کے کنویں کے گرد پانچوں بچے ننگے دھڑنگ بیٹھے نہا رہے تھے۔ اس کی بڑی بہو کنویں سے پانی نکال کر ان پر باری باری اغلیتی جارہی تھی اور وہ اچھلتے ہوئے اپنا پنڈا ملتے پانی اجمال رہے تھے۔ چھوٹی بہو بڑی بڑی روٹیاں بنا کر چنگیری میں ڈال رہی تھی اور ہوری

बिजूका

प्रेम चंद की कहानी का होरी इतना बूढ़ा हो चुका था कि उस की पलकों और भवों तक के बाल सफ़ेद हो गए थे, कमर में ख़म⁽¹⁾ पड़ गया था और हाथों की नसें सांवले खुरदुरे गोश्त में से उभर आई थीं।

इस असना⁽²⁾ में उसके हां दो बेटे पैदा हुए थे, जो अब नहीं रहे। एक गंगा में नहा रहा था कि डूब गया और दूसरा पुलिस मुक्काबला में मारा गया। पुलिस के साथ उसका मुक्काबला क्यों हुआ इस में कुछ ऐसी बताने की बात नहीं। जब भी कोई आदमी अपने वजूद से वाकिफ़ होता है और अपने इर्द गिर्द फैली हुई बेचैनी महसूस करने लगता है तो उसका पुलिस के साथ मुक्काबला हो जाना कुदरती हो जाता है, बस ऐसा ही कुछ उसके साथ भी हुआ था— और बूढ़े होरी के हाथ हल के हथ्ये को थामे हुए एक बार ढीले पड़े, और फिर उनकी गिरफ्त अपने आप मजबूत हो गई, उसने बैलों को हांक लगाई और हल से ज़मीन का सीना चीरता हुआ आगे बढ़ गया।

उन दोनों बेटों की बीवियां थीं और आगे उनके पांच बच्चे। तीन गंगा में डूबने वाले के और दो पुलिस मुक्काबले में मारे जाने वाले के। अब उन सब की परवरिश का बार होरी पर आन पड़ा था, और उसके बूढ़े जिस्म में खून जोर से गर्दिश करने लगा था।

उस दिन आसमान सूरज निकलने से पहले कुछ ज़्यादा ही सुर्ख था और होरी के आंगन के कुँए के गिर्द पांचों बच्चे नंग धड़ंग बैठे नहा रहे थे। उसकी बड़ी बहू कुँए से पानी निकाल कर उनपर बारी बारी उन्डेलती जा रही थी, और वह उछलते हुए अपना पिण्ड मलते पानी उछाल रहे थे— छोटी बहू बड़ी बड़ी

آزادی کے بعد اردو افسانہ

اندھر کپڑے بدل کر پگھڑی باندھ رہا تھا پگھڑی باندھ کر اس نے طالعے میں رکھے آئینہ میں اپنا چہرہ دیکھا۔ سارے چہرے پر لکیریں پھیل گئی تھیں۔ اس نے قریب ہی لٹکی ہوئی ہومان جی کی چھوٹی سی تصویر کے سامنے آنکھیں بند کر کے دونوں ہاتھ جوڑ کر سر جھکا یا اور پھر دروازے میں سے گزر کر باہر آگن میں آگیا۔

”سب تیار ہیں؟“ اس نے قدرے اونچی آواز میں پوچھا۔

”ہاں ہاپو۔“ سب بچے ایک ساتھ بول اٹھے۔ بہوؤں نے اپنے سروں پر پتلہ درست کیے اور ان کے ہاتھ تیزی سے چلنے لگے۔ ہوری نے دیکھا ابھی کوئی بھی تیار نہیں تھا۔ سب جھوٹ بول رہے تھے۔ اس نے سوچا یہ جھوٹ ہماری زندگی کے لیے کتنا ضروری ہے۔ اگر بھگوان نے جھوٹ جیسی نعمت نہ دی ہوتی تو لوگ دھڑا دھڑا مرنے لگ جاتے۔ ان کے پاس جینے کا کوئی بہانہ نہ رہ جاتا۔ ہم پہلے جھوٹ بولتے ہیں اور پھر اسے سچ ثابت کرنے کی کوشش میں دیر تک زندہ رہتے ہیں۔

ہوری کے پوتے پوتیاں اور بہونیں۔ ابھی ابھی بولے ہوئے جھوٹ کو سچ ثابت کرنے میں پوری تن دہی سے جٹ گئیں۔ جب تک ہوری ایک کونے میں پڑے کٹائی کی اوزار نکالے۔ وہ سچ سچ تیار ہو چکے تھے۔

ان کا کھیت لہلہا اٹھا تھا۔ فصل پک گئی تھی اور آج کٹائی کا دن تھا ایسے لگ رہا تھا جیسے کوئی تہوار ہو۔ سب بڑے چاؤ سے جلد از جلد کھیت میں پہنچنے کی کوشش میں تھے کہ انھوں نے دیکھا سورج کی سنہری کرنوں نے سارے گھر کو اپنے جادو میں جکڑ لیا ہے۔

ہوری نے انگو چھا کندھے پر رکھتے ہوئے سوچا کتنا اچھا سے پہنچا ہے۔ نہ اہلہد کی دھونس نہ بننے کا کھٹکا نہ انگریز کی زور زبردستی اور نہ زمیندار کا حصہ۔ اس کی نظروں کے سامنے ہرے ہرے خوشے جموم اٹھے۔

”چلو ہاپو“ اس کے بڑے پوتے نے اس کی انگلی پکڑ لی باقی بچے اس کی ٹانگوں کے ساتھ لپٹ گئے۔ بڑی بہو نے کٹھری کا دروازہ بند کیا اور چھوٹی بہو نے روٹیوں کی پوٹلی سر پر رکھی۔

रोटियां बना कर चंगेरी में डाल रही थी और होरी अन्दर कपड़े बदल कर पगड़ी बांध रहा था। पगड़ी बांध कर उसने ताक़्चे में रखे आईने में अपना चेहरा देखा, सारे चेहरे पर लकीरें फैल गई थीं। उसने करीब ही लटकती हुई हनुमान जी की छोटी सी तसवीर के सामने आंखें बन्द कर के दोनों हाथ जोड़ कर सर झुकाया और फिर दरवाज़े में से गुज़र कर बाहर आंगन में आ गया।

“सब तैयार हैं?” उसने क्रदरे ऊंची आवाज़ में पूछा।

“हां बापू-” सब बच्चे एक साथ बोल उठे, बहूओं ने अपने सरों पर पल्लू दुरुस्त किए और उनके हाथ तेज़ी से चलने लगे, होरी ने देखा अभी कोई भी तैयार नहीं था- सब झूट बोल रहे थे- उसने सोचा यह झूट हमारी ज़िन्दगी के लिये कितना ज़रूरी है। अगर भगवान ने झूट जैसी नेमत न दी होती तो लोग धड़ा धड़ मरने लग जाते, उनके पास जीने का कोई बहाना न रह जाता। हम पहले झूट बोलते हैं और फिर उसे सच साबित करने की कोशिश में देर तक ज़िन्दा रहते हैं।

होरी के पोते पोतियां और बहुएँ- अभी अभी बोले हुए झूट को सच साबित करने में पूरी तुनदही⁽¹⁾ से जुट गई। जब तक होरी एक कोने में पड़े कटाई के औज़ार निकाले- और वह सचमुच तैयार हो चुके थे।

उनका खेत लहलहा उठा था, फ़सल पक गई थी और आज कटाई का दिन था। ऐसे लग रहा था जैसे कोई त्योहार हो। सब बड़े चाव से जल्द अज़ जल्द खेत में पहुंचने की कोशिश में थे कि उन्होंने देखा सूरज की सुनहरी किरनों ने सारे घर को अपने जादू में जकड़ लिया है।

होरी ने अंगोछा कंधे पर रखते हुए सोचा, कितना अच्छा समय पहुंचा है, न अहलमद की धौंस न बनिये का खटका, न अंग्रेज़ की ज़ोर ज़बरदस्ती और न ज़मीनदार का हिस्सा- उसकी नज़रों के सामने हरे हरे खोशे⁽²⁾ झूम उठे।

“चलो बापू” उसके बड़े पोते ने उसकी उंगली पकड़ ली, बाक़ी बच्चे उसकी टांगों के साथ लिपट गए। बड़ी बहू ने कोठरी का दरवाज़ा बन्द किया और छोटी बहू ने रोटियों की पोटली सर पर रखी।

बीर बजरंगी का नाम लेकर सब बाहर की चारदीवारी वाले दरवाज़े में से निकल कर गली में आ गए और फिर दायें तरफ़ मुड़ कर अपने खेत की तरफ़

بیر بجزنگی کا نام لے کر سب باہر کی چار دیواری والے دروازے سے نکل کر گلی میں آگئے اور پھر دائیں طرف مڑ کر اپنے کھیت کی طرف بڑھنے لگے۔ گاؤں کی گلیوں گلیاروں میں چہل پہل شروع ہو چکی تھی۔ لوگ کھیتوں کو آ جا رہے تھے۔ سب کے دلوں میں مسرت کے انار پھونٹے محسوس ہو رہے تھے سب کی آنکھیں کچی فصلیں دیکھ کر چمک رہی تھیں۔ ہوئی کو لگا جیسے زندگی کل سے آج ذرا مختلف ہے۔ اس نے پلٹ کر اپنے پیچھے آتے ہوئے بچوں کی طرف دیکھا۔ وہ بالکل ویسے ہی لگ رہے تھے جیسے کسان کے بچے ہوتے ہیں۔ سانولے مریل سے۔ جو جیب گاڑی کے پہیوں کی آواز اور موسم کی آہٹ سے ڈر جاتے ہیں۔ بہوئیں ویسی ہی تھیں جیسی کہ غریب کسان کی بیوہ عورتیں ہوتی ہیں۔ چہرے گھونٹکھوں میں چپے ہوئے اور لباس کی ایک ایک سلوٹ میں غربت جوؤں کی طرح چھپی بیٹھی۔

وہ سر جھکا کر پھر آگے بڑھنے لگا۔ گاؤں کے آخری مکان سے گزر کر آگے کھلے کھیت تھے۔ قریب ہی رہٹ خاموش کھڑا تھا، نیم کے درخت کے نیچے ایک کتابے فکری سے سویا ہوا تھا اور طویلے میں کچھ گائیں، بھینسیں اور تیل چارہ کھا کر پھنکار رہے تھے۔ سامنے دور دور تک لہلہاتے ہوئے سنہری کھیت تھے۔ ان سب کھیتوں کے بعد ذرا دور جب یہ سب کھیت ختم ہو جائیں گے اور پھر جھوٹا سانالہ پار کر کے الگ تھلگ ہوئی کا کھیت تھا جس میں جھوٹا پک کر اٹھڑائیاں لے رہا تھا۔

وہ سب پگڈنڈیوں پر چلتے ہوئے دور سے ایسے لگ رہے تھے جیسے رنگ برنگے کیڑے سوکھی گھاس پر رینگ رہے ہوں۔ وہ سب اپنے کھیت کی طرف جا رہے تھے جس کے آگے تھل تھا۔ دور دور تک پھیلا ہوا جس میں کہیں ہریالی نظر نہ آتی تھی۔ بس تھوڑی بے جان مٹی تھی۔ جس میں پاؤں رکھتے ہی دھنس جاتا تھا۔ اور مٹی یوں بھر بھری ہوئی تھی جیسے اس کے دونوں بینیوں کی ہڈیاں چٹا میں جل کر پھول بن گئی تھیں اور پھر ہاتھ لگاتے ہی ریت کی طرح نکھر جاتی تھیں۔ وہ تھل دیرے دیرے بڑھ رہا تھا۔ ہوئی کو یاد آیا بچھلے پچاس برسوں میں وہ دو ہاتھ آگے بڑھ آیا تھا۔ ہوئی چاہتا تھا جب تک بچے جوان

आजादी के बाद उर्दू अफ़साना

बढ़ने लगे।

गांव की गलियों गलियारों में चहल पहल शुरू हो चुकी थी। लोग खेतों को आ जा रहे थे। सब के दिलों में मुसर्त के अनार फूटते महसूस हो रहे थे। सब की आंखें पकी फ़सलें देख कर चमक रही थी। होरी को लगा जैसे ज़िन्दगी कल से आज ज़रा मुख़्तलिफ़ है। उसने पलट कर अपने पीछे आते हुए बच्चों की तरफ़ देखा। वह बिल्कुल वैसे ही लग रहे थे जैसे किसान के बच्चे होते हैं। सांवले मरियल से-जो जीप गाड़ी के पहियों की आवाज़ और मौसम की आहट से डर जाते हैं बहुएँ वैसी ही थीं जैसी ग़रीब किसान की बेवा औरतें होती हैं। चेहरे घूँघटों से छिपे हुये और लिबास की एक एक सिलवट में गुरबत जुओं की तरह छिपी बैठी।

वह सर झुकाकर फिर आगे बढ़ने लगा। गांव दे आख़िरी मकान से गुज़र कर आगे खुले खेत थे। क़रीब ही रहट ख़ामोश खड़ा था। नीम के दरख़्त के नीचे एक कुत्ता बे फ़िक़री से सोया हुआ था। और तवेले में कुछ गायें भैंसें और बैल चारा खा कर फुंकार रहे थे। सामने दूर तक लहलहाते हुए सुनहरी खेत थे। इन सब खेतों के बाद ज़रा दूर जब यह सब खेत ख़त्म हो जायेंगे और फिर छोट सा नाला पार कर के अलग थलग होरी का खेत था। जिस में झौना पक कर अंगड़ाईयां ले रहा था।

वह सब पगडंडियों पर चलते हुए दूर से ऐसे लग रहे थे जैसे रंग बिरंगे कीड़े सूखी घास पे रेंग रहे हों-वह सब अपने खेत की तरफ़ जा रहे थे जिस के आगे थल था। दूर दूर तक फैला हुआ जिस में कहीं हरयाली नज़र न आती थी। बस थोड़ी बे जान मिट्टी थी। जिस में पांव रखते ही धंस जाता था। और मिट्टी यों भुरभुरी हो गयी जैसे उस के दोनों बेटों की हड्डियां चिता में जल कर फूल बन गई थी। और फिर हाथ लगाते ही रेत की तरह बिखर जाती थीं। वह थल धीरे धीरे बढ़ रहा था। होरी को याद आया पिछले पचास बरसों में वह दो हाथ आगे बढ़ आया था। होरी चाहता था जब तक बच्चे जवान हों वह थल उस के खेत तक न पहुँचे और तब वह खुद किसी थल का हिस्सा बन चुका होगा। पगडंडियों का न ख़त्म होने वाला सिलसिला और उस पर पूरी और उस के ख़ानदान के लोगों के हरकत करते हुये नंगे पांव।

آزادی کے بعد اردو افسانہ

ہوں وہ تھل اس کے کھیت تک نہ پہنچے اور تب وہ خود کسی تھل کا حصہ بن چکا ہوگا۔
پکڈنیوں کا نہ ختم ہونے والا سلسلہ اور اس پر ہوری اور اس کے خاندان کے لوگوں
کے حرکت کرتے ہوئے نئے پاؤں.....

سورج آسمان کی مشرقی کھڑکی میں سے جمنا تک رہا تھا۔
چلتے چلتے ان کے پاؤں مٹی سے اٹ گئے تھے۔ کئی ارد گرد کے کھیتوں میں لوگ
کٹائی کرنے میں مصروف تھے۔ وہ آتے جاتے کو رام رام کہتے اور پھر کسی انجانے جوش
اور دلولے کے ساتھ ٹہنیوں کو درختی سے کاٹ کر ایک طرف رکھ دیتے۔

انھوں نے باری باری نالہ پار کیا۔ نالے میں پانی نام کو بھی نہ تھا۔ اندر کی ریت ملی
مٹی خشک ہو چکی تھی اور اس پر عجیب و غریب نقش و نگار بنے تھے۔ وہ پانی کے پاؤں کے
نشان تھے۔ اور سامنے لہلہاتا ہوا کھیت نظر آ رہا تھا۔ سب کا دل بلیوں اچھلنے لگا۔ فصل کٹے
گی تو ان کا آنگن پھوس سے بھر جائے گا اور کوٹھری اتاج سے۔ پھر کھٹیا پر بیٹھ کر بھات
کھانے میں مزہ آئے گا۔ کیا ڈکاریں آئیں گی پیٹ بھر جانے کے بعد ان سب نے ایک
ہی بار سوچا۔

اچانک ہوری کے قدم رک گئے۔ وہ سب بھی رک گئے۔ ہوری کھیت کی طرف
حیرانی سے دیکھ رہا تھا۔ وہ سب کبھی ہوری کو اور کبھی کھیت کو دیکھ رہے تھے کہ اچانک ہوری
کے جسم میں جیسے بجلی کی سی لہر پیدا ہوئی۔ اس نے چند قدم آگے بڑھ کر بڑے جوش سے
آواز لگائی۔

”ابے کون ہے..... ے.....؟“

اور پھر سب نے دیکھا کہ ان کے کھیت میں ہکی ہوئی فصل میں کچھ بے چینی کے
آثار تھے۔ اب وہ سب ہوری کے پیچھے تیز تیز قدم آگے بڑھانے لگے ہوری پھر چلایا۔

”ابے کون ہے رے۔ بولتا کیوں نہیں۔ کون فصل کاٹ رہا ہے میری؟“

مگر کھیت میں سے کوئی جواب نہ ملا۔ اب وہ قریب آچکے تھے اور کھیت کے دوسرے
کونے پر درختی چلنے کی سراپ سراپ آواز بالکل صاف سنائی دے رہی تھی۔ سب قدرے

आज्ञादी के बाद उर्दू अफ़साना

सूरज आसमान की मशरक़ी खिड़की में से झांक रहा था।

चलते चलते उन के पांव मिट्टी से अट गये थे कई इर्द गिर्द के खेतों में लोग कटाई करने में मसरूफ़ थे। वह आते जाते को राम गम कहते और फिर किसी अनजाने जोश और बलबले के साथ टहनियों को दरांती से काट कर एक तरफ़ रख देते।

उन्होंने बारी बारी नाला पार किया। नाले में पानी नाम बहने को भी नहीं था--अन्दर की रेत मिली मिट्टी खुश्क हो चुकी थी। और उसपर अजीबो ग़रीब नक्शो निगार बने थे। वह पानी के पांव के निशान थे-- और सामने लहलहाता हुआ खेत नज़र आ रहा था। सब का दिल बल्लियों उछलने लगा, फ़सल कटेगी तो उनका आंगन फूस से भर जायेगा और कोठरी अनाज से, फिर खटिया पर बैठ कर भात खाने का मज़ा आयेगा। क्या डकारें आएंगी पेट भर जाने के बाद। उन सब ने एक ही बार सोचा।

अचानक होरी के क़दम रुक गये। वह सब भी रुक गए। होरी खेत की तरफ़ हैरानी से देख रहा था। वह सब कभी होरी को और कभी खेत को देख रहे थे कि अचानक होरी के जिस्म में जैसे बिजली की सी लहर पैदा हुई। उसने चंद क़दम आगे बढ़कर बड़े जोश से आवाज़ लगाई।

“अबे कौन है ए ए?”

और फिर सबने देखा कि उनके खेत में पकी हुई फ़सल में कुछ बेचैनी के आसार थे-- अब वह सब होरी के पीछे तेज़ तेज़ क़दम आगे बढ़ाने लगे। होरी फिर चिल्लाया।

“अबे कौन है रे..... बोलता क्यों नहीं..... कौन फसल काट रहा है मेरी?”

मगर खेत में से कोई जवाब न मिला। अब वह क़रीब आ चुके थे और खेत के दूसरे कोने पर दरांती चलने की सराप सराप आवाज़ बिल्कुल साफ़ सुनाई दे रही थी। सब क़दरे सहम गए। फिर होरी ने हिम्मत से ललकारा।

“कौन है हराम का जना बोलता क्यों नहीं?” और अपने हाथ में पकड़ी दरांती सुंत ली।

अचानक खेत के परले हिस्से में से एक ठांचा सा उभरा और जैसे

سہم گئے۔ پھر ہوری نے ہمت سے لٹکارا۔

”کون ہے حرام کا بتا۔ بولتا کیوں نہیں؟“ اور اپنے ہاتھ میں پکڑی درانتی سونت لی۔

اچانک کھیت کے پرلے حصے میں سے ایک ڈھانچا سا ابھرا اور جیسے مسکرا کر انھیں دیکھنے لگا ہو۔ پھر اس کی آواز سنائی دی۔

”میں ہوں ہوری کا کا۔ بجو کا!“ اس نے اپنے ہاتھ میں پکڑی درانتی فضا میں

ہلاتے ہوئے جواب دیا۔

سب کی مارے خوف کی گھٹی گھٹی چیخ نکل گئی۔ ان کے رنگ زرد پڑ گئے اور ہوری کے ہونٹوں پر گویا سفید چڑی سی جم گئی۔ کچھ دیر کے لیے وہ سب سکتے میں آ گئے اور بالکل خاموش کھڑے رہے۔ وہ کچھ دیر کتنی تھی؟ ایک ہل، ایک صدی یا پھر ایک عک اس کا ان میں سے کسی کو اندازہ نہ ہوا۔ جب تک کہ انھوں نے ہوری کی غصہ سے کانپتی ہوئی آواز نہ سنی انھیں اپنی زندگی کا احساس نہ ہوا۔

”تم..... بجو کا..... تم۔ ارے تم کو میں نے کھیت کی مگرانی کے لیے بتایا تھا۔ بانس کی پھانگوں سے اور تم کو اس انگریز شکاری کے کپڑے پہنائے تھے جس کے ساتھ شکار میں میرا باپ ہانکا لگاتا تھا اور وہ جاتے ہوئے خوش ہو کر اپنے پیٹے ہوئے خاکی کپڑے میرے باپ کو دے گیا تھا۔ تیرا چہرا میرے گھر کی بیکار ہانڈی سے بنا تھا اور اس پر اسی انگریز شکاری کا نوپا رکھ دیا تھا۔ ارے تو بے جان پتلا میری فصل کاٹ رہا ہے؟“

ہوری کہتا ہوا آگے بڑھ رہا تھا اور بجو کا بدستور ان کی طرف دیکھتا ہوا مسکرا رہا تھا۔ جیسے اس پر ہوری کی کسی بات کا اثر نہ ہوا ہو۔ جیسے ہی وہ قریب پہنچے انھوں نے دیکھا۔ فصل ایک چوتھائی کے قریب کٹ چکی ہے۔ اور بجو کا اس کے قریب درانتی ہاتھ میں لیے کھڑا مسکرا رہا ہے۔ وہ سب حیران ہوئے کہ اس کے پاس درانتی کہاں سے آگئی وہ کئی مہینوں سے اسے دیکھ رہے تھے۔ بے جان بجو کا دونوں ہاتھوں سے خالی کھڑا رہتا تھا۔ مگر آج..... وہ آدمی لگ رہا تھا۔ گوشت پوست کا ان جیسا آدمی یہ منظر دیکھ کر ہوری تو جیسے پاگل ہو اٹھا۔ اس نے آگے بڑھ کر اسے ایک زوردار دھکا دیا۔ مگر بجو کا تو اپنی جگہ سے بالکل نہ ہلا۔ البتہ ہوری اپنے ہی زور کی مار کھا کر دور جاگرا۔ سب لوگ چیختے ہوئے ہوری

मुस्कुराकर उन्हें देखने लगा हो..... फिर उसकी आवाज़ सुनाई दी।

“मैं हूँ होरी काका— बिजूका!” उसने अपने हाथ में पकड़ी दरांती फ़िजा में हिलाते हुए जवाब दिया।

सब की मारे खौफ़ कि घुटी घुटी चीख़ निकल गई। उनके रंग ज़र्द पड़ गए और होरी के होंठों पर गोया सफ़ेद पपड़ी सी जम गई। कुछ देर के लिये वह सब सकते में आ गये और बिल्कुल ख़ामोश खड़े रहे..... वह कुछ देर कितनी थी? एक पल, एक सदी या फिर एक युग..... उसका उनमें से किसी को अन्दाज़ा ना हुआ। जब तक कि उन्होंने होरी की गुस्से से कांपती हुई आवाज़ न सुनी उन्हें अपनी ज़िन्दगी का एहसास न हुआ।

“तुम बिजूका तुम। अरे तुम को मैंने खेत की निगरानी के लिये बनाया था बांस की फाँकों से और तुम को उस अंग्रेज़ शिकारी के कपड़े पहनाए थे जिसके साथ शिकार में मेरा बाप हांका लगाता था और वह जाते हुए खुश हो कर अपने फटे हुए खाकी कपड़े मेरे बाप को दे गया था। तेरा चेहरा मेरे घर की बेकार हांडी से बना था और उस पर उसी अंग्रेज़ शिकारी का टोपा रख दिया था। अरे तू बेजान पुतला मेरी फ़सल काट रहा है?”

होरी कहता हुआ आगे बढ़ रहा था और बिजूका बदस्तूर उनकी तरफ़ देखता हुआ मुस्कुरा रहा था..... जैसे उसपर होरी की किसी बात का असर न हुआ हो। जैसे वह क़रीब पहुँचे उन्होंने देखा..... फ़सल एक चौथाई के क़रीब कट चुकी है। और बिजूका उसके क़रीब दरांती हाथ में लिये खड़ा मुस्कुरा रहा है। वह सब हैरान हुए कि उसके पास दरांती कहां से आ गई, वह कई महीनों से उसे देख रहे थे। बेजान बिजूका दोनों हाथों से ख़ाली खड़ा रहता था..... मगर आज वह आदमी लग रहा था गोشت पोशत का उन जैसा आदमी यह मंज़र देख कर होरी तो जैसे पागल हो उठा। उसने आगे बढ़ कर उसे एक जोरदार धक्का दिया मगर बिजूका तो अपनी जगह से बिल्कुल न हिला। अलबत्ता होरी अपने ही जोर की मार खाकर दूर जा गिरा..... सब लोग चीख़ते हुए होरी की तरफ़ बढ़े। वह अपनी कमर पर हाथ रखे उठने की कोशिश कर रहा था— सब ने उसे सहारा दिया। और उसने खौफ़ज़दा⁽¹⁾ होकर बिजूका की तरफ़ देखते हुए

کی طرف بڑھے۔ وہ اپنی کمر پر ہاتھ رکھے اٹھنے کی کوشش کر رہا تھا۔ سب نے اسے سہارا دیا۔ اور اس نے خوفزدہ ہو کر بجو کا کی طرف دیکھتے ہوئے کہا۔ ”تو مجھ سے بھی طاقت ور ہو چکا ہے بجو کا! مجھ سے جس نے تمہیں اپنے ہاتھوں سے بنایا۔ اپنی فصل کی حفاظت کے واسطے“

بجو کا حسب معمول مسکرا رہا تھا۔ پھر بولا ”تم خواہ مخواہ خفا ہو رہے ہو ہوری کا کام میں نے تو صرف اپنے حصے کی فصل کاٹی ہے۔ ایک چوتھائی۔“

”لیکن تم کو کیا حق ہے میرے بچوں کا حصہ لینے کا۔ تم کون ہوتے ہو“

”میرا حق ہے ہوری کا کا۔ کیوں کہ میں ہوں۔ اور میں نے اس کھیت کی حفاظت کی ہے۔“

”لیکن میں نے تو تمہیں بے جان سمجھ کر یہاں کھڑا کیا تھا۔ اور بے جان چیز کا کوئی حق نہیں۔ یہ تمہارے ہاتھ میں درانتی کہاں سے آگئی؟“

بجو کا نے ایک زوردار قہقہہ لگایا۔ ”تم بڑے بھولے ہو ہوری کا کا۔ خود ہی مجھ سے باتیں کر رہے ہو اور پھر مجھ کو بے جان سمجھتے ہو۔“

”لیکن تم کو یہ درانتی اور زندگی کس نے دی۔؟ میں نے تو نہیں دی تھی۔“

”یہ مجھے آپ سے مل گئی۔ جس دن تم نے مجھے بنانے کے لیے بانس کی پھانکیں چیری تھیں انگریز شکاری کے پھنسے پرانے کپڑے لائے تھے گھر کی بیکار ہاڑی پر میری آنکھیں ناک کان اور منہ بنایا تھا۔ اس دن ان سب چیزوں میں زندگی کلبلا رہی تھی اور ان سب سے مل کر میں بنا اور میں فصل پکنے تک یہاں کھڑا رہا اور ایک درانتی میرے سارے وجود میں آہستہ آہستہ نکلتی رہی۔ اور جب فصل پک گئی وہ درانتی میرے ہاتھ میں تھی لیکن میں نے تمہاری امانت میں خیانت نہیں کی۔ میں آج کے دن کا انتظار کرتا رہا۔ اور آج جب تم اپنی فصل کاٹنے آئے ہو۔ میں نے اپنا حصہ کاٹ لیا اس میں بگڑنے کی کیا بات ہے۔“

بجو کا نے آہستہ آہستہ سب سے کہا تاکہ ان سب کو اس کی بات اچھی طرح سمجھ میں آجائے۔

आजादी के बाद उर्दू अफ़साना

कहा “तू मुझ से भी ताक़तवर हो चुका है बिजूका! मुझ से जिसने तुम्हें अपने हाथों से बनाया अपनी फ़सल की हिफ़ाज़त के वास्ते”।

बिजूका हस्बे मामूल मुस्करा रहा था, फिर बोला, “तुम ख़्वाह मख़्वाह ख़फ़ा हो रहे हो होरी काका, मैं ने तो सिर्फ़ अपने हिस्से की फसल काटी है, एक चौथाई”

“लेकिन तुम को क्या हक़ है मेरे बच्चों का हिस्सा लेने का। तुम कौन होते हो”।

“मेरा हक़ है होरी काका— क्यों कि मैं हूँ और मैंने इस खेत की हिफ़ाज़त की है”।

“लेकिन मैंने तुम्हें बेजान समझ कर यहां खड़ा किया था और बेजान चीज़ का कोई हक़ नहीं यह तुम्हारे हाथ में दरांती कहां से आ गई?”।

बिजूका ने एक जोरदार क्रहक्रहा लगाया “तुम बड़े भोले हो होरी काका, खुद ही मुझ से बातें कर रहे हो और फिर मुझ को बेजान समझते हो”

“लेकिन तुमको यह दरांती और जिन्दगी किसने दी ? मैंने तो नहीं दी थी।”

“यह मुझे आप से आप मिल गई जिस दिन तुमने मुझे बनाने के लिये बांस की फांकेँ चरी थीं, अंग्रेज़ शिकारी के फटे पुराने कपड़े लाए थे। घर की बेकार हांडी पर मेरी आंखें, नाक, कान और मुंह बनाया था उस दिन उन सब चीज़ों में जिन्दगी कुलबुला रही थी और उन सब से मिलकर मैं बना और मैं फ़सल पकने तक यहां खड़ा रहा और एक दरांती मेरे सारे वजूद में आहिस्ता आहिस्ता निकलती रही। और जब फ़सल पक गई वह दरांती मेरे हाथ में थी लेकिन मैंने तुम्हारी अमानत में ख़यानत नहीं की..... मैं आज के दिन का इन्तज़ार करता रहा। और आज जब तुम अपनी फ़सल काटने आए हो—“मैंने अपना हिस्सा काट लिया, इसमें बिगड़ने की क्या बात है”। बिजूका ने आहिस्ता आहिस्ता सबसे कहा ताकि उन सब को उसकी बात अच्छी तरह समझ में आ जाए।

“नहीं ऐसा नहीं हो सकता। यह सब साजिश है। मैं तुम्हें जिन्दा नहीं मानता, यह सब छलावा है। मैं पंचायत से इसका फैसला कराऊंगा तुम दरांती

”نہیں ایسا نہیں ہو سکتا۔ یہ سب سازش ہے۔ میں تمہیں زندہ نہیں مانتا“ یہ سب چھلوا رہا ہے۔ میں ہچایت سے اس کا فیصلہ کراؤں گا۔ تم درانتی پھینک دو۔ میں تمہیں ایک تنکا بھی لے جانے نہیں دوں گا“ ہوری چیخا اور بجو کا نے مسکراتے ہوئے درانتی پھینک دی۔

گاؤں کی چوپال پر ہچایت لگی۔ بیچ اور سر بیچ سب موجود تھے۔ ہوری اپنے پوتے پوتیوں کے ساتھ بیچ میں بیٹھا تھا۔ اس کا چہرہ مارے غم کے مرجھایا ہوا تھا۔ اس کی دونوں ہونٹیں دوسری عورتوں کے ساتھ کھڑی تھیں اور بجو کا کا انتظار تھا۔ آج ہچایت کو اپنا فیصلہ سنا تھا۔ مقدمہ کے دونوں فریق اپنا اپنا بیان دے چکے تھے۔

آخر دور سے بجو کا خراماں خراماں آتا ہوا دکھائی دیا۔ سب کی نظریں اس کی طرف اٹھ گئیں۔ وہ ویسے ہی مسکراتا ہوا آ رہا تھا۔ جیسے ہی وہ چوپال میں داخل ہوا سب غیر ارادی طور پر اٹھ کھڑے ہوئے اور ان کے سر تعظیماً جھک گئے۔ ہوری یہ تماشا دیکھ کر تڑپ اٹھا۔ اسے لگا جیسے بجو کا نے سارے گاؤں کے لوگوں کا ضمیر خرید لیا ہے۔ ہچایت کا انصاف خرید لیا ہے۔ وہ تیز پانی میں بے بس آدمی کی طرح ہاتھ پاؤں مارتا محسوس کرنے لگا۔

آخر سر بیچ نے اپنا فیصلہ سنایا۔ ہوری کا سارا وجود کانپنے لگا۔ اس نے ہچایت کے فیصلہ کو قبول کرتے ہوئے فصل کا چوتھائی حصہ بجو کا کو دینا منظور کر لیا اور پھر کھڑا ہو کر اپنے پوتوں سے کہنے لگا۔

”سنو— یہ شاید ہماری زندگی کی آخری فصل ہے۔ ابھی فصل کھیت سے کچھ دوری پر ہے۔ میں تمہیں نصیحت کرتا ہوں اپنی فصل کی حفاظت کے لیے پھر کبھی بجو کا نہ بنانا۔ اگلے برس جب مل چلیں گے۔ بیچ بویا جائے گا اور بارش کا امرت کھیت سے کونپلوں کو جنم دے گا تو مجھے ایک ہانس پر باندھ کر کھیت میں کھڑا کر دینا۔ بجو کا کی جگہ پر میں تب تک تمہاری فصلوں کی حفاظت کروں گا‘ جب تک فصل آگے بڑھ کر کھیت کی مٹی کو نکل نہیں لے گا۔ اور تمہارے کھیتوں کی مٹی بھر بھری نہیں ہو جائے گی۔ مجھے وہاں سے ہٹانا نہیں۔ وہیں رہنے دینا تاکہ جب لوگ دیکھیں تو انہیں یاد آئے کہ بجو کا نہیں بنانا۔ کہ بجو کا بے جان نہیں ہوتا۔

फैंक दो। मैं तुम्हें एक तिनका भी ले जाने नहीं दूंगा.....” होरी चीखा और बिजूका ने मुस्कराते हुए दरांती फैंक दी।

गांव की चौपाल पर पंचायत लगी। पंच और सरपंच सब मौजूद थे। होरी अपने पोते पोतियों के साथ बीच में बैठा था। उसका चेहरा मारे गुम के मुरझाया हुआ था। उस की दोनों बहुएँ दूसरी औरतों के साथ खड़ी थीं। और बिजूका का इन्तिज़ार था। आज पंचायत को अपना फ़ैसला सुनाना था। मुक़द्दमें के दोनों फ़रीक़⁽¹⁾ अपना अपना ब्यान दे चुके थे।

आख़िर दूर से बिजूका ख़रामा ख़रामा आता हुआ दिखाई दिया। सब की नज़रें उस की तरफ़ उठ गईं। वह वैसे ही मुस्कराता हुआ आ रहा था। जैसे ही वह चौपाल में दाख़िल हुआ सब ग़ैर-इरादी⁽²⁾ तौर पर उठ खड़े हुए। और उन के सर ताज़ीमन झुक गए। होरी यह तमाशा देखकर तड़प उठा। उसे लगा जैसे बिजूका ने सारे गांव के लोगों का ज़मीर ख़रीद लिया है। पंचायत का इंसान ख़रीद लिया है। वह तेज़ पानी में बे बस आदमी की तरह हाथ पैर मारता महसूस करने लगा।

आख़िर सरपंच ने अपना फ़ैसला सुनाया। होरी का सारा वजूद कांपने लगा। उसने पंचायत के फ़ैसला को क़बूल करते हुए फसल का चौथाई हिस्सा बिजूका को देना मन्ज़ूर कर लिया और फिर खड़ा होकर अपने पोतों से कहने लगा।

“सुनो! यह शायद हमारी ज़िन्दगी की आख़री फ़सल है। अभी थल खेत से कुछ दूरी पर है। मैं तुम्हें नसीहत करता हूँ अपनी फ़सल की हिफ़ज़त के लिए फिर कभी बिजूका न बनाना। अगले बरस जब हल चलेंगे— बीज बोया जाएगा और बारिश का अमृत खेत से कौपलों को जन्म देगा तो मुझे एक बांस पर बांधकर खेत में खड़ा कर देना। बिजूका की जगह पर मैं तब तक तुम्हारी फसलों की हिफ़ज़त करूंगा जब तक थल आगे बढ़कर खेत की मिट्टी को निगल नहीं लेगा। और तुम्हारे खेतों की मिट्टी भुर भुरी नहीं होजाएगी। मुझे वहां से हटना नहीं— वहीं रहने देना। ताकि जब लोग देखें तो उन्हें याद आए कि बिजूका नहीं बनाना— कि बिजूका बेजान नहीं होता आप से आप उसे ज़िन्दगी मिल जाती है और उस का वजूद उसे दरांती थमा देता है। और उस का फ़सल की एक चौथाई पर हक़ हो जाता है।”

آزادی کے بعد اردو افسانہ

آپ سے آپ سے زندگی مل جاتی ہے اور اس کا وجود اسے درانتی تھا دیتا ہے۔ اور اس کا فصل کی ایک چوتھائی پر حق ہو جاتا ہے“

ہوری نے کہا اور پھر آہستہ آہستہ اپنے کھیت کی طرف بڑھا اس کے پوتے اور پوتیاں اس کے پیچھے تھے اور پھر اس کی بہوئیں۔ اور ان کے پیچھے گاؤں کے دوسرے لوگ سر جھکائے ہوئے چل رہے تھے۔

کھیت کے قریب پہنچ کر ہوری گرا اور ختم ہو گیا اس کے پوتے پوتیوں نے اسے ایک بانس سے باندھنا شروع کیا۔ اور باقی کے سب لوگ یہ تماشا دیکھتے رہے۔ بجوکانے اپنے سر پر رکھا شکاری ٹوپا اتار کر سینے کے ساتھ لگا لیا اور اپنا سر جھکا دیا۔



आजादी के बाद उर्दू अफ़साना

होरी ने कहा और फिर आहिस्ता आहिस्ता अपने खेत की तरफ़ बढ़ा। उस के पोते और पोतियां उसके पीछे थे और फिर उसकी बहुएँ। और उनके पीछे गांव के दूसरे लोग सर झुकाए हुए चल रहे थे।

खेत के करीब पहुँचकर होरी गिरा और ख़त्म हो गया। उस के पोते पोतियों ने उसे एक बांस से बांधना शुरू किया— और बाक़ी के सब लोग यह तमाशा देखते रहे— बिजूका ने अपने सर पर रखा शिकारी टोपा उतारकर सीने के साथ लगा लिया और अपना सर झुका दिया।



جب اس کی آنکھ کھلی وہ وقت سے بے خبر تھا۔
 اس نے دایاں ہاتھ بڑھا کر بیڈ ٹیبل سے سگریٹ کا پیکٹ اٹھایا اور سگریٹ نکال کر
 لبوں میں تھام لیا۔
 سگریٹ کا پیکٹ پھینک کر اس نے پھر ہاتھ بڑھایا اور ماچس تلاش کی۔
 ماچس خالی تھی۔
 اس نے خالی ماچس کمرے میں اچھال دی۔
 خالی ماچس چھت سے ٹکرائی اور فرش پر آن پڑی۔
 اس نے ٹیبل لیپ روشن کیا۔
 بیڈ ٹیبل پر چار پانچ ماچس الٹی سیدھی پڑی ہوئی تھیں۔
 اس نے باری باری سب کو دیکھا۔
 سب خالی تھیں۔
 اس نے لحاف اتار پھینکا اور کمرے کی جی روشن کی
 دو بج رہے تھے۔
 فرش برف ہو رہا تھا۔
 ابھی دو بجے ہیں، میں وقت سے بے خبر تھا۔ میں سمجھ رہا تھا۔ صبح ہونے کو ہے۔
 آج یہ بے وقت نیند کیسے کھل گئی؟
 ایک بار آنکھ کھل جائے پھر آنکھ نہیں لگتی۔
 اس نے کمرہ چھان مارا
 کتابوں کی الماری، ویسٹ پیپر باسکٹ، پتلون کی جیبیں، جیکٹ کی جیبیں۔ ماچس

वह

जब उसकी आंख खुली वह वक्त से बेख़बर था।
उसने दायां हाथ बढ़ाकर बेड टेबुल से सिगरेट का पैकेट उठाया और सिगरेट निकाल कर लबों⁽¹⁾ में थाम लिया।
सिगरेट का पैकेट फैंककर उसने फिर हाथ बढ़ाया और माचिस तलाश की।
माचिस ख़ाली थी।
उसने ख़ाली माचिस कमरे में उछाल दी।
ख़ाली माचिस छत में टकराई और फर्श पर आन पड़ी।
उसने टेबुल लैम्प रौशन किया।
बेड टेबुल पर चार पांच माचिस उल्टी सीधी पड़ी हुई थीं।
उसने बारी बारी सबको देखा।
सब ख़ाली थीं।
उसने लिहाफ़ उतार फैंका और कमरे की बत्ती रौशन की।
दो बज रहे थे।
फ़र्श बर्फ़ हो रहा था।
अभी दो बजे हैं, मैं वक्त से बेख़बर था, मैं समझ रहा था सुबह होने को है
आज यह बे वक्त नौद कैसे खुल गई।
एक बार आंख खुल जाये फिर आंख नहीं लगती।
उसने कमरा छान मारा।
किताबों की अलमारी, वेस्ट पेपर बास्किट, पतलून की जेबें, जैकेट की जेबें, माचिस कहीं ना मिली।

کہیں نہ ملی۔

کمرے کی بری حالت ہو گئی تھی۔

کتابیں الٹی سیدھی پڑی ہوئی تھیں، کپڑے ادھر ادھر بکھرے پڑے تھے۔ ٹرک کھلا ہوا تھا۔

کوئی آجائے اس سے؟

رات کے دو بجے کمرے کی یہ حالت؟

سگریٹ اس کے لبوں میں کانپ رہا تھا۔

سلگتے سگریٹ اور دھڑکتے دل میں کتنی مماثلت ہے۔

ماچس کہاں ملے گی؟

ماچس نہ ملی تو کہیں.....

تو کہیں.....

کہیں میرا دھڑکتا دل خاموش نہ ہو جائے؟

آج یہ بے وقت نیند کیسے کھل گئی؟

میں وقت سے بے خبر تھا..... ایک بار آنکھ کھل جائے، پھر آنکھ نہیں لگتی۔

ماچس کہاں ملے گی؟

اس نے چادر کندھوں پر ڈال لی اور کمرے سے باہر آ گیا۔

دسمبر کی سرد رات تھی۔ سیاہی کی حکومت اور خاموشی کا پہرہ۔

کسی ایک طرف قدم اٹھانے سے پہلے وہ چند لمحے سڑک کے وسط میں کھڑا رہا۔

جب اس نے قدم اٹھائے وہ راستے سے بے خبر تھا۔

رات کالی تھی۔ رات خاموش تھی۔ اور دور دور تاحذ نظر کوئی دکھائی نہیں دے رہا تھا۔

لیپ پوسٹوں کی مدھم روشنی رات کی سیاہی اور خاموشی کو گہرا کر رہی تھی اور چوراہے پر اس کے قدم رک گئے۔

یہاں تیز روشنی تھی کہ دو دھیا بیویں چمک رہی تھیں لیکن خاموشی جوں کی توں تھی کہ

ساری دکانیں بند تھیں۔

कमरे की बुरी हालत हो गई थी।

किताबें उलटी सीधी पड़ी हुई थीं, कपड़े इधर उधर बिखरे पड़े थे, ट्रंक खुला हुआ था।

कोई आ जाये इस समय ?

रात के दो बजे-कमरे की यह हालत ?

सिगरेट उसके लबों में कांप रहा था।

सुलगते सिगरेट और धड़कते दिल में कितनी मुमासलत⁽¹⁾ है।

माचिस कहां मिलेगी ?

माचिस न मिली तो कहीं

तो कहीं

कहीं मेरा धड़कता दिल खामोश न हो जाये ?

आज यह बे वक्त नींद कैसे खुल गई ?

मैं वक्त से बेख़बर था एक बार आंख खुल जाये, फिर आंख नहीं लगती।

माचिस कहां मिलेगी ?

उसने चादर कंधों पर डाल ली और कमरे से बाहर आ गया।

दिसम्बर की सर्द रात थी, सियाही की हुकूमत और ख़ामोशी का पहरा।

किसी एक तरफ़ क़दम उठाने से पहले वह चंद लम्हे सड़क के वस्त⁽²⁾ में खड़ा रहा। जब उसने क़दम उठाये वह रास्ते से बेख़बर था।

रात काली थी, रात ख़ामोश थी और दूर दूर ता हद्दे नज़र कोई दिखाई नहीं दे रहा था। लैम्प पोस्टों की मद्धम रौशनी रात की सियाही और ख़ामोशी को गहरा कर रही थी और चौराहे पर उसके क़दम रुक गये।

यहां तेज़ रौशनी थी कि दूधिया द्यूबें चमक रही थीं लेकिन ख़ामोशी ज्यूं की त्यूं थी कि सारी दुकानें बन्द थीं।

उसने हलवाई की दुकान की जानिब क़दम बढ़ाये।

मुमकिन है भट्टी में कोई कोयला मिल जाये, दहकता कोयला, दम-ब-लब⁽³⁾ कोयला!

آزادی کے بعد اردو افسانہ

اس نے حلوائی کی دوکان کی جانب قدم بڑھائے۔

ممکن ہے بھٹی میں کوئی کوئلہ مل جائے، دہکتا کوئلہ، دم بہ لب کوئلہ!

حلوائی کی دوکان کے چبوترے پر کوئی لحاف میں گھڑی بنا سو رہا تھا۔

وہ بھٹی میں جھانکا ہی تھا کہ چبوترے پر بنی گھڑی کھل گئی۔

کون ہے؟ کیا کر رہے ہو؟

میں بھٹی میں سلگتا ہوا کوئلہ ڈھونڈ رہا ہوں

پاگل ہو کیا؟ بھٹی ٹھنڈی پڑی ہے

تو پھر؟

پھر کیا؟ گھر جاؤ

ماچس ہے آپ کے پاس؟

ماچس؟

ہاں! مجھے سگریٹ سلگانا ہے۔

تم پاگل ہو! جاؤ میری نیند خراب مت کرو، جاؤ!

تو ماچس نہیں ہے آپ کے پاس؟

ماچس سیٹھ کے پاس ہوتی ہے وہ آئے گا اور بھٹی گرم ہوگی، جاؤ تم۔

وہ پھر سڑک پر آگیا۔

سگریٹ اس کے لبوں میں کانپ رہا تھا۔

اس نے قدم بڑھائے۔

چوراہا پیچھے رہ گیا۔ تیز روشنی پیچھے رہ گئی۔ کیا کیا کچھ نہ پیچھے رہ گیا۔

اس کے قدم تیزی سے بڑھ رہے تھے۔

لیپ پوسٹ، لیپ پوسٹ، لیپ پوسٹ، ان گنت لیپ پوسٹ پیچھے رہ گئے

..... دھیمی روشنیوں والے لیپ پوسٹ جورات کی سیاہی اور خاموشی کو گہرا

کرتے ہیں۔

یہ ایک اس کے قدم رک گئے۔

आजादी के बाद उर्दू अफ़साना

हलवाई की दुकान के चबूतरे पर कोई लिहाफ़ में गटरी बना सो रहा था।

वह भट्टी में झाँका ही था कि चबूतरे पर बनी गटरी खुल गई।

कौन है? क्या कर रहे हो?

मैं भट्टी में सुलगता हुआ कोयला दूँद रहा हूँ।

पागल हो क्या? भट्टी ठंडी पड़ी है।

तो फिर?

फिर क्या? घर जाओ।

माचिस है आपके पास?

माचिस?

हां! मुझे सिगरेट सुलगाना है।

तुम पागल हो! जाओ। मेरी नौद ख़राब मत करो, जाओ!

तो माचिस नहीं है आपके पास?

माचिस सेठ के पास होती है वह आएगा और भट्टी गरम होगी। जाओ तुम।

वह फिर सड़क पर आ गया।

सिगरेट उसके लबों में कांप रहा था।

उसने क़दम बढ़ाए।

चौराहा पीछे रह गया, तेज़ रौशनी पीछे रह गई। क्या क्या कुछ न पीछे रह गया।

उसके क़दम तेज़ी से बढ़ रहे थे।

लैम्प पोस्ट, लैम्प पोस्ट, लैम्प पोस्ट, अनगिनत लैम्प पोस्ट पीछे रह गए—
धीमी रौशनियों वाले लैम्प पोस्ट जो रात की सियाही और ख़ामोशी को गहरा करते हैं।

यकायक उसके क़दम रुक गए।

सामने से कोई आ रहा था।

वह उसके करीब पहुँच कर रुक गया।

माचिस है आप के पास?

माचिस?

मुझे सिगरेट सुलगाना है।

سامنے سے کوئی آ رہا تھا۔
 وہ اس کے قریب پہنچ کر رک گیا۔
 ماجس ہے آپ کے پاس؟
 ماجس؟
 مجھے سگریٹ سلکانا ہے۔
 نہیں میرے پاس ماجس نہیں ہے میں اس علت سے بچا ہوا ہوں۔
 میں سمجھا
 کیا سمجھے؟
 شاید آپ کے پاس ماجس ہو؟
 میرے پاس ماجس نہیں ہے۔ میں اس علت سے بچا ہوا ہوں اور اپنے گھر جا رہا ہوں۔..... تم بھی اپنے گھر جاؤ۔
 اس نے قدم بڑھائے
 سگریٹ اس کے لیوں میں کانپ رہا تھا۔
 وہ دھیمے دھیمے قدم بڑھا رہا تھا کہ تھک گیا۔
 وقت سے بے خبر، اس کے جھکے تھکے قدم اٹھ رہے تھے۔
 لیپ پوسٹ آتا، مدھم روشنی پھیلی ہوئی دکھائی دیتی اور پھر سیاہی۔
 پھر لیپ پوسٹ، مدھم روشنی اور پھر سیاہی۔
 وہ لیوں میں سگریٹ تھامے، دھیمے دھیمے قدم اٹھا رہا تھا۔
 اس کی دور، اندر پیچیدوں تک دھواں کھینچنے کی طلب شدید ہو گئی تھی۔
 اس کا بدن ٹوٹ رہا تھا۔
 شب خوابی کا لباس اور چادر میں اسے سردی لگ رہی تھی۔
 وہ کانپ رہا تھا اور کانپتے قدموں سے دھیمے دھیمے بڑھ رہا تھا۔ وقت سے بے خبر،
 لیپ پوسٹوں سے بے خبر ایک بار پھر اس کے قدم رک گئے۔
 اس کی نظروں کے سامنے خطرے کا نشان تھا۔

आजादी के बाद उर्दू अफ़साना

नहीं मेरे पास माचिस नहीं है, मैं इस इल्लत⁽¹⁾ से बचा हुआ हूँ।

मैं समझा।

क्या समझे ?

शायद आपके पास माचिस हो ?

मेरे पास माचिस नहीं है, मैं इस इल्लत से बचा हुआ हूँ और अपने घर जा रहा हूँ तुम भी अपने घर जाओ।

उसने क़दम बढ़ाए।

सिगरेट उसके लबों में कांप रहा था।

वह धीमे धीमे क़दम बढ़ा रहा था कि थक गया।

वक्त से बेख़बर, उसके थके थके क़दम उठ रहे थे।

लैम्प पोस्ट आता, मद्धम रौशनी फैली हुई दिखाई देती और फिर सियाही।

फिर लैम्प पोस्ट, मद्धम रौशनी और फिर सयाही।

वह लबों में सिगरेट धामे, धीमे धीमे क़दम उठा रहा था।

उसकी दूर, अन्दर फेफड़ों तक धुआं खींचने की तलब शदीद हो गई थी।

उसका बदन टूट रहा था।

शब-ख़्वाबी का लिबास⁽²⁾ और चादर में उसे सर्दी लग रही थी।

वह कांप रहा था और कांपते क़दमों से धीमे धीमे बढ़ रहा था, वक्त से बेख़बर, लैम्प पोस्टों से बेख़बर।

एक बार फिर उसके क़दम रुक गए।

उसकी नज़रों के सामने ख़तरे का निशान था।

सामने पुल था, मरम्मत तलब पुल।

हादसों की रोक बाम के लिये सुर्ख़ कपड़े से लिपटी हुई लालटेन सड़क के बीचों बीच एक तख़्ते के साथ लटक रही थी।

उसने लालटेन की बत्ती से सिगरेट सुलगाने के लिये क़दम बढ़ाए ही थे कि कौन है ?

वह ख़ामोश रहा

सियाही की एक अन्जानी तह खोल कर सिपाही उस की तरफ़ लपका।

سانے پل تھا۔ مرمت طلب پل
 حادثوں کی روک تھام کے لیے سرخ کپڑے سے لپٹی ہوئی لائین سڑک کے بچوں
 سچ ایک تختے کے ساتھ لٹک رہی تھی۔
 اس نے لائین کی بتی سے سگریٹ سلگانے کے لیے قدم بڑھائے ہی تھے کہ
 کون ہے؟

وہ خاموش رہا۔
 سیاہی کی ایک انجانی تہہ کھول کر سیاہی اس کی طرف لپکا۔
 کیا کر رہے تھے؟
 کچھ نہیں۔

میں کہتا ہوں کیا کر رہے تھے؟
 آپ کے پاس ماچس ہے؟
 میں پوچھتا ہوں کیا کر رہے تھے اور تم کہتے ہو، ماچس ہے..... کون ہو تم؟
 مجھے سگریٹ سلگانا ہے آپ کے پاس ماچس ہو تو.....
 تم یہاں کچھ کر رہے تھے؟
 میں لائین کی بتی سے سگریٹ سلگانا چاہتا تھا۔..... آپ کے پاس ماچس ہو تو..... تم
 کون ہو؟ کہاں رہتے ہو؟

میں.....
 کہاں رہتے ہو؟
 ماڈل ٹاؤن۔
 اور تمہیں ماچس چاہیے..... ماڈل ٹاؤن میں رہتے ہو..... ماڈل ٹاؤن
 کہاں ہے؟.....

اس نے گھوم کر اشارہ کیا۔
 دور، دور تاحہ نظر، سیاہی پھیلی ہوئی تھی۔
 چلو میرے ساتھ تھانے تک..... ماڈل ٹاؤن.....؟ ماڈل ٹاؤن یہاں سے دس

आजादी के बाद उर्दू अफ्रसाना

क्या कर रहे थे ?

कुछ नहीं।

मैं कहता हूँ क्या कर रहे थे ?

आपके पास माचिस है ?

मैं कहता हूँ क्या कर रहे थे और तुम कहते हो, माचिस है

कौन हो तुम ?

मुझे सिगरेट सुलगाना है आप के पास माचिस हो तो.....

तुम यहां कुछ कर रहे थे।

मैं लालटेन की बत्ती से सिगरेट सुलगाना चाहता था.....

आपके पास माचिस हो तो.....

कहां रहते हो ?

तुम कौन हो,

माडल टाउन।

और तुम्हें माचिस चाहिये माडल टाउन में रहते हो

माडल टाउन कहां है ?

उसने घूम कर इशारा किया।

दूर, दूर, ता हद्दे नज़र, सियाही फैली हुई थी।

चलो मेरे साथ थाने तक माडल टाउन ? माडल

टाउन यहां से दस मील के फ़ासले पर है माचिस चाहिये ना! थाने में मिल जायेगी।

सिपाही ने उसका बाजू थाम लिया।

वह सिपाही के साथ चल पड़ा।

थाना उसी सड़क पर था जो ख़त्म होने को न आती थी।

वह सिपाही के साथ थाने के एक कमरे में दाख़िल हुआ।

कमरे में कई आदमी एक बड़ी मेज़ के गिर्द बैठे हुए थे।

सिगरेट पी रहे थे।

मेज़ पर सिगरेट के कई पैकेट और कई माचिसों पड़ी हुई थी।

साहब! यह शख्स पुल के पास खड़ा था। कहता है माडल टाउन में रहता हूँ

آزادی کے بعد اردو افسانہ

میل کے فاصلے پر ہے۔ ماچس چاہیے نا! تھانے میں مل جائے گی۔

سپاہی نے اس کا بازو تھام لیا۔

وہ سپاہی کے ساتھ چل پڑا۔

تھانہ اسی سڑک پر تھا جو ختم ہونے کو نہ آتی تھی۔

وہ سپاہی کے ساتھ تھانے کے ایک کمرے میں داخل ہوا۔

کمرے میں کئی آدمی ایک بڑی میز کے گرد بیٹھے ہوئے تھے۔

سگریٹ پی رہے تھے۔

میز پر سگریٹ کے کئی پیکٹ اور کئی ماچسیں پڑی ہوئی تھیں۔

صاحب! یہ شخص بل کے پاس کھڑا تھا کہتا ہے ماڈل ٹاؤن میں رہتا ہوں اور ماچس

کی رٹ لگائے ہوئے ہے۔

کیوں بے؟

اگر آپ اجازت دیں تو آپ کی ماچس استعمال کرلوں..... مجھے اپنا سگریٹ

سلگاتا ہے۔

کہاں رہتے ہو؟

ماڈل ٹاؤن! کیا آپ کی ماچس لے سکتا ہوں؟

کون ہو تم؟

میں اجنبی ہوں! کیا میں ماچس.....

ماڈل ٹاؤن میں کب سے رہتے ہو؟

تین ماہ سے! ماچس.....

ماچس..... ماچس کا بچہ..... اجنبی..... جاؤ اپنے گھر..... ورنہ بند

کردوں گا۔..... ماچس.....

جب وہ تھانے سے باہر آیا وہ بری طرح تھک چکا تھا۔

اس نے اس نہ ختم ہونے والی سڑک پر دھیمے دھیمے چلنا شروع کر دیا۔

اس کی ناک سوں سوں کرنے لگی تھی اور اس کا بدن نوٹنے لگا تھا۔

आजादी के बाद उर्दू अफ़साना

और माचिस की रट लगाए हुए है।

क्यों बे ?

अगर आप इजाजत दें तो आप की माचिस इस्तेमाल कर लूं..... मुझे अपना सिगरेट सुलगाना है।

कहां रहते हो ?

माडल टाउन ! क्या आपकी माचिस ले सकता हूं ?

कौन हो तुम ?

मैं अजनबी हूं ! क्या मैं माचिस

माडल टाउन में कब से रहते हो ?

तीन माह से माचिस

माचिस माचिस का बच्चा अजनबी

जाओ अपने घर वरना बन्द कर दूंगा माचिस

जब वह थाने से बाहर आया वह बुरी तरह थक चुका था।

उसने उस न ख़त्म होने वाली सड़क पर धीमे धीमे चलना शुरू कर दिया।

उस की नाक सूं सूं करने लगी थी और उसका बदन टूटने लगा था।

सिगरेट पीना एक इल्लत है।

मैं ने यह इल्लत क्यों पाल रखी है

माचिस कहां मिलेगी।

न मिली तो।

वह वक्त से बे ख़बर था, लैम्प पोस्टों से बे ख़बर था, सड़क से बे ख़बर था। अपने बदन से बे ख़बर था।

वह गिरता पड़ता बढ़ रहा था।

उसके लागज़िश ज़दह⁽¹⁾ क़दमों में नशे की कैफ़ियत थी।

पौ फटी और वह दम भर को रुका।

दम भर को रुका और सम्भला।

सम्भला और उसने क़दम बढ़ाना ही चाहा कि

सामने से कोई आ रहा था और उसके क़दम लागज़िश खा रहे थे।

1. कांपते हुए

سگریٹ پینا ایک علف ہے۔

میں نے یہ علف کیوں پال رکھی ہے۔

ماچس کہاں ملے گی؟

نہ ملی تو!

وہ وقت سے بے خبر تھا، لیمپ پوسٹوں سے بے خبر تھا، سڑک سے بے خبر تھا۔ اپنے بدن سے بے خبر تھا۔

وہ گرتا پڑتا بڑھ رہا تھا۔

اس کے لغزش زدہ قدموں میں نشے کی کیفیت تھی۔

پوچھنی اور وہ دم بھر کو رکا۔

دم بھر کو رکا اور سنبھلا۔

سنبھلا اور اس نے قدم بڑھانا ہی چاہا کہ

سانے سے کوئی آ رہا تھا اور اس کے قدم لغزش کھا رہے تھے۔

وہ اس کے قریب آ کر رکا۔

اس کے لیوں میں سگریٹ کا نپ رہا تھا۔

آپ کے پاس ماچس ہے؟

ماچس؟

آپ کے پاس ماچس نہیں ہے؟

ماچس کے لیے تو میں.....

وہ اس کی بات سنے بتائی آگے بڑھ گیا۔

آگے، جدھر سے وہ خود آیا تھا۔

اس نے قدم بڑھایا۔

آگے جدھر سے وہ آیا تھا۔



आज़ादी के बाद उर्दू अफ़साना

वह उसके क़रीब आकर रुका ।
उसके लबों में सिगरेट कांप रहा था ।
आपके पास माचिस है ?
माचिस ?
आपके पास माचिस नहीं है ?
माचिस के लिये तो मैं
वह उस की बात सुने बिना ही आगे बढ़ गया ।
आगे ? जिधर से वह खुद आया था ।
उसने क़दम बढ़ाया
आगे, जिधर से वह आया था ।



بابا لوگ

”بابا لوگ سب کمرے میں آ جاؤ۔ ام تم کو کہانی سنائے گا۔!“
 پھر بابا لوگ یہ سنتے ہی کمرے میں آ گئے۔ اور بڑھے انکل کے مونڈھے کو یوں گھیر
 لیا، جیسے اکسس کی ننھی ننھی سویم بتیاں ہوں جو بڑے سے کیک کے چاروں طرف ایتادہ
 کردی گئی ہوں۔

بڑھے انکل نے ایک بار نگاہ اٹھا کر ساتوں بچوں کا جائزہ لیا۔ پھر جیب سے ادھ جلا
 سگار نکالا۔ سگار کو جلانے سے پہلے قریب کھڑے ہوئے سب سے چھوٹے بچے کو گود میں
 اٹھا لیا۔ اور اس کے سرخ پھولے ہوئے گالوں کو چومتے ہوئے بولا:
 ”ہلو ڈولی ڈارلنگ تم کیسا پھک ہے؟“

”اچھا پھک ہے، ام کو کہانی سناؤ، ابی..... ورنہ ام مارے گا! سنائے گا؟“
 ”ضرور سنائے گا۔“ بڑھے انکل نے آہستہ سے بچے کو گود سے اتار دیا۔ لبوں سے
 لگے ہوئے سگار کو جیب میں رکھ لیا۔ پھر اس کے ہونٹوں پر مسکراہٹ آگئی اور اس کا بجا
 بجا چہرہ چمک اٹھا۔ جیسے ایک ایسی چاند پر سے بدلی ہٹ گئی ہو۔

”بابا، تم لوگ ام کو ایک بات بتائے گا۔ پھر کہانی سنائے گا۔“
 ”بتائے گا، بتائے گا۔“ بابا لوگ نے ایک زبان ہو کر کہا۔
 ”تو بولو یہ دنیا اتنی بیوٹی فل کیوں ہے؟“

بچے، جن سے کئی بار یہ سوال دہرایا گیا ہے وہ حسب دستور ایک زبان ہو کر چاند کی
 طرف اشارہ کرنے لگے۔ ”مون سے.....!“

”ویری گڈ، مون ایسا چمکتا ہے جیسے.....“ بڑھا انکل ایک لمحہ کے لیے رک گیا۔ ایک
 نظر اس نے سب بچوں پر ڈالی۔ پھر سب سے خوبصورت بچی کے سر پر ہاتھ پھیرتے

ग़यास अहमद गद्दी

बाबा लोग

बाबा लोग सब कमरे में आ जाओ.....अम तुम को कहानी सुनाए गा- !

फिर बाबा लोग यह सुनते ही कमरे में आ गए। और बुढ़े अंकल के मूठें को यों घेर लिया, जैसे एक्समस की नन्हीं नन्हीं मोम बत्तियां हों जो बड़े से केक के चारों तरफ़ इस्तादा⁽¹⁾ कर दी गई हों।

बुढ़े अंकल ने एक बार निगाह उठा कर सातों बच्चों का जाइजा लिया। फिर जेब से अध जला सिगार निकाला। सिगार को जलाने से पहले क़रीब खड़े हुए सब से छोटे बच्चे को गोद में उठा लिया। और उस के सुर्ख फूले हुए गालों को चूमते हुए बोला।

“हैलो डौली डार्लिंग तुम कैसा माफिक है—?”

“अच्छा माफिक है, अम को कहानी सुनाओ, अबी.....वरना अम मारेगा!”

“सुनाएगा?”

“जरूर सुनाएगा-” बुढ़े अंकल ने आहिस्ता से बच्चे को गोद से उतार दिया। लबों से लगे हुए सिगार को जेब में रख लिया। फिर उस के होठों पर मुस्कुराहट आ गई और उस का बुझा बुझा चेहरा चमक उठा। जैसे एका एकी चांद पर से बदली हट गई हो।

“बाबा, तुम लोग अम को एक बात बताएगा, फिर कहानी सुनाएगा।”

“बताएगा, बताएगा, बाबा लोग ने एक ज़बान हो कर कहा।”

“तो बोलो यह दुनियां इतनी ब्यूटी फुल क्यों है?”

बच्चे जिनसे कई बार यह सवाल दोहराया गया है वह हस्बे-दस्तूर⁽²⁾ एक

1. खड़ी 2. नियम के अनुसार

ہوئے بولا۔ ”جیسے اپنا بے بی ڈولی۔“ پھر اس نے چاند کی طرف نظریں گاڑ دیں۔ ”جیسے اپنا بے بی مارکیٹ.....!“

سب بچوں نے مل کر تالیاں بجا دیں۔ جس کو سن کر بڑھا اکل جو دور آسمان کے پھیلاؤ میں چپکنے والے چاند پر کندیں ڈال رہا تھا۔ اپنی جگہ واپس آ گیا۔

”بڑھا اکل، کہانی مانگتا..... کہانی مانگتا.....“ بابا لوگ تالیاں بجا بجا کر شور کر رہے تھے۔

پھر کہانی شروع ہو گئی۔

”..... جب کنگ باہر سے شراب پی کر آتا تو خوب شور کرتا، کوئین کو گالیاں بولتا، اس کو خوب مارتا، نوچتا، کتا مایچک، اور بولتا، ام بے بی مانگتا، سن مانگتا..... کوئین کچھ نہیں بولتا۔ وہ بہوت روتا، دھیرے دھیرے روتا، ایسا مایچک جیسے ٹائم پاس ہوتا۔ کوئین روتا۔

اس ٹائم اس کا ایک خانا ماں ہوتا۔ بابا لوگ خانا ماں جانتا۔ امارا مایچک خانا ماں.....“
پھر بابا لوگ جو سینکڑوں بار دہرائی ہوئی کہانی کو سنتے سنتے اکتا چکے تھے شور کرنے لگے، ”نہیں مانگتا۔ یہ کہانی نہیں مانگتا..... یہ اولڈ کہانی نہیں مانگتا..... نیو لاؤ، نیو.....“

اس وقت بڑھے اکل کی آنکھوں میں آنسو آ گئے۔ ”کدر سے لائے گا کدر سے نیو لائے گا۔ بابا لوگ۔“

وہ برسوں کا بھوکا بیل ماضی کے چنیل میدان میں حسب دستور منہ مارنے لگا۔ شاید کوئی پودا مل جائے..... شاید کوئی ہریالی نظر آجائے۔ اپنا تو سب کچھ لٹ گیا۔ ایک چھوٹا سا پودا تھا۔ اس کے آس پاس کتنا بڑا بڑا کاٹنا والا تار لگا دیا ہے۔ دنیا والا، تم کو کیسے بولے گا۔ کیسے بتائے گا.....!

”اے بڑھا! تم آپ سے آپ کیا بکتا ہے؟“ بڑھا اکل ہڑبڑا کر اٹھ کھڑا ہوا۔ گویا سلگتا ہوا سگار اس کے کپڑوں پر گر گیا ہو۔!

”نہیں بے بی کچھ نہیں بکتا۔“ وہ ادھر ادھر دیکھتے ہوئے مسکرایا۔ ”ابی بابا لوگ تھا، کہانی سنتا تھا.....“

اس کی تیوریاں چڑھ گئیں۔ ”ام تم کو بہوت بولا۔ تم بابا لوگ کو مت کھراب کرو۔

आजादी के बाद उर्दू अफ़साना

जबान हो कर चांद की तरफ़ इशारा करने लगे। “मून से…… !”

“वैरी गुड, मून ऐसा चमकता है जैसे—बुड्ढा अंकल एक लम्हे के लिए रुक गया। एक नज़र उस ने सब बच्चों पर डाली। फिर सब से खूबसूरत बच्ची के सर पर हाथ फेरते हुए बोला। जैसे अपना बेबी डौली—” फिर उस ने चांद की तरफ़ नज़रें गाड़ दी—जैसे अपना बेबी मारग्रेट…… !

सब बच्चों ने मिल कर तालियां बजा दी। जिस को सुन कर बुड्ढा अंकल जो दूर आसमान के फैलाव में चमकने वाले चांद पर कमन्दें डाल रहा था, अपनी जगह वापस आ गया। बुड्ढा अंकल, कहानी मांगता…… कहानी मांगता…… बाबा लोग तालियां बजा बजा कर शोर कर रहे थे।

फिर कहानी शुरू हो गई।

“…… जब किंग बाहर से शराब पीकर आता तो खूब शोर करता, क्वीन को गालियां बोलता, उस को खूब मारता, नोचता, कुत्ता माफ़िक। और बोलता, अम बेबी मांगता, सन मांगता…… क्वीन कुछ नहीं बोलता। वह बहुत रोता। धीरे धीरे रोता ऐसा माफ़िक जैसे टाइम पास होता। क्वीन रोता। उस टाइम उसका एक खानसामा होता। बाबा लोग खान सामा जानता। अमारा माफ़िक खान सामा……”

फिर बाबा लोग जो सैकड़ों बार दुहराई हुई कहानी सुनते सुनते उकता चुके थे शोर करने लगे। “नहीं मांगता। यह कहानी नहीं मांगता……” यह ओल्ड कहानी नहीं मांगता…… न्यू लाओ न्यू……”

उस वक़्त बुड्ढे अंकल की आंखों में आंसू आ गए। “किधर से लाएगा किधर से न्यू लाएगा, बाबा लोग।”

वह बरसों का भूखा बैल माज़ी⁽¹⁾ के चटियल मैदान में हस्बे-दस्तूर मुंह मारने लगा। शायद कोई पौधा मिल जाए…… शायद कोई हरियाली नज़र आ जाए। अपना तो सब कुछ लुट गया। एक छोट सा पौधा था। उस के आस पास कितना बड़ा बड़ा कांट वाला तार लगा दिया है। दुनिया वाला, तुम को कैसे बोलेगा। कैसे बताएगा…… !

“ऐ बुड्ढा! तुम आप से आप क्या बकता है?” बुड्ढा अंकल हड़बड़ा कर उठ खड़ा हुआ। गोया⁽²⁾ सुलगता हुआ सिगार उस के कपड़ों पर गिर गया हो!

بڑھا تم سنتا کیوں نہیں؟“

”اب نہیں کھراب کرے گا۔ بی بی اسکیزمی، بے بی.....“ اس کا ہاتھ آپ سے آپ گردن اور سر کو سہلانے لگا۔ ”اب کبھی نہیں کہانی سنائے گا.....“

مارگریٹ منہ ہی منہ میں بڑبڑاتی اپنے نئے دوست جارج کی ہانہوں سے لگی آگے بڑھی، بڑھے انکل کی آنکھوں میں آنسو آگئے۔ اس نے ہمت کر کے مارگریٹ کو دیکھا۔

”پر بے بی ایک بات سنے گا؟“

”کیا بولنا مانگتا؟“

بڑھا انکل ہنسنے لگا۔ ”بے بی، جب تم چھوٹا تھا، بہوت کہانی سنتا تھا..... اپنا ڈولی مایچک.....!“

”فیٹ اپ، یونان سنس.....“

بھردہ چپ چاپ اپنے میلے چیکٹ واسکٹ کی جیب میں ادھ جلمے سگار کوٹھوتا اپنے کمرے میں چلا گیا۔ وہ اپنی چھوٹی سی چار پائی کے جھلنگ میں دھنسن گیا..... ڈڈتا چلا گیا۔ وقت کتنی تیزی سے بھاگتا ہے، جیسے..... جیسے بابالوگ کی گیند۔ بے بی کس طرح اس کی گود میں بیٹھ کر اپنے ننھے ننھے ہاتھوں سے اس کی مونچھ کو پکڑ کر کھینچتی تھی۔ انکل کہانی مانگتا..... کہانی ساؤ ام کو.....!

مگر اب بے بی کہانی نہیں مانگتا۔ اس پودے کے تنے مونے ہو گئے ہیں۔ قد لمبا ہو گیا ہے۔ پہلے وہ کہانیوں کے جھولے میں جھولنے کے لیے کیسے چلا کرتی تھی۔ مگر اب خود چاہتی ہے کہ کوئی اس کے تنے میں رسیوں کا جھولا لگا کر لمبی لمبی پیٹنگ کھائے..... اور کہیں وہ تانٹوٹ گیا تو؟ خم کھا گیا تو؟..... بے وقوف بچی، پھر زندگی کا بارگراں تو کیسے اٹھا سکے گی؟؟؟ بول..... بول..... تادان مارگریٹ؟

مارگریٹ کے کمرے سے قہقہے کی آواز آرہی تھی..... رات تاریک ہے، مگر میں صائب نہیں، میم صائب نہیں..... اور بے بی کمرے میں ایک نوجوان کے ساتھ..... اس نے عقیدت سے سینے پر صلیب بنائی۔ ”یسوع مسیح! میرے ننھے پودے کو اس بادِ مسموم سے بچاؤ!“

आज्ञादी के बाद उर्दू अफ्रसाना

“नहीं बेबी कुछ नहीं बकता-” वह इधर उधर देखते हुए मुस्कराया- -
अबी बाबा लोग था, कहानी सुनता था.....”

उस की त्योंरियां चढ़ गई। “अम तुम को बहुत बोला। तुम बाबा लोग को मत खराब करो, बुद्ध तुम सुनता क्यों नहीं।

अब नहीं खराब करेगा बेबी एस्कीयूजमी बेबीउस का हाथ आप से आप गरदन और सर को सहलाने लगा। “अब कभी नहीं कहानी सुनाएगा.....”

मारग्रेट मुंह ही मुंह में बड़बड़ाती अपने नए दोस्त जार्ज की बांहों से लगी आगे बढ़ी। बुद्धे अंकल की आखों में आंसू आ गए। उसने हिम्मत करके मारग्रेट को देखा।

“पर बेबी एक बात सुनेगा?”

“क्या बोलना मांगता?”

बुद्धे अंकल हंसने लगा “बेबी जब तुम छोट था, बहुत कहानी सुनता था.....अपना डौली माफीक.....

“शटअप, यू नान सेन्स.....”

फिर वह चुप चाप अपने मैले चीकट वास्कट की जेब में अधजले सिगार को टटोलता अपने कमरे में चला गया। वह अपनी छोटी सी चारपाई के झूलंग में धंस गया.....डूबता चला गया। वक्त कितनी तेजी से भागता है, जैसे..... जैसे बाबा लोग की गेंद। बेबी किस तरह उस की गोद में बैठ कर अपने नन्हें नन्हें हाथों से उसकी मूँछ को पकड़कर खींचती थी। अंकल कहानी मांगता.....कहानी सुनाओ अम को.....

मगर अब बेबी कहानी नहीं मांगता। इस पौधे के तने मोटे हो गए हैं। कूद लम्बा हो गया है। पहले वह कहानियों के झूलने में झूलने के लिए कैसे मचला करती थी मगर अब खुद ही चाहती है कि कोई उसके तने में रस्सियों का झूला लगा कर लंबी लंबी पेंग खाए.....और कहीं वह तना टूट गया तो? खम खा गया तो?बेवकूफ बच्ची, फिर जिंदगी का बारेगिरा⁽¹⁾ तू कैसे उठ सकेगी??? बोल..... बोल..... नादान मारग्रेट?

मारग्रेट के कमरे से क़हक़हे की आवाज आ रही थी..... रात तारीक है, घर
1. भारी बोझ

اس نے پلٹ کر دیکھا۔ بے بی کے کمرے میں چلتی بھتیجی روشنیوں میں دو سائے آپس میں خلط ملط ہو رہے ہیں۔ پھر وہ اٹھ بیٹھا۔ پیروں میں فل بوٹ پہنا، کھوئی سے پرانی، تیل سے داغ دار فلیٹ اٹھا کر آہستہ سے سر پر رکھ لی۔ برآمدہ طے کرتے ہوئے سیدھا بے بی کے کمرے کے پاس رک گیا۔

”بے بی، مارگریٹ بے بی! دروازہ کھولو۔“

کمرے میں اچانک اتھری پھیل گئی.....

”کیا ہے بڑھا، کیا مانگتا.....؟“

”بے بی صاحب آتا۔ ابھی ادھر میں ام جیپ کا لائیٹ دیکھا.....“

دونوں جلدی جلدی ڈرائنگ روم میں آ بیٹھے۔ بے بی نے اپنے الجھے ہوئے بالوں کو جلدی جلدی درست کر لیا۔ پھر دونوں نے اپنے اپنے سانے میز پر تاش کی چٹاں یوں پھیلا لیں، گویا کھیل گھنٹوں سے ہو رہا ہے۔

بڑھا اٹکل نے دوبارہ صلیب بنائی۔ یسوع مسیح! بے بی کو بچاؤ..... من ہی من میں اس نے شکریہ ادا کیا۔ اور برآمدے میں سرکنڈے کی کرسی میں جھنس گیا۔

وہ جو ایک پتھر سا تھا آپ ہی آپ کھسک گیا۔ پھر جب کافی دیر ہو گئی اور صاحب نہیں آیا تو ڈرائنگ روم سے بے بی پاؤں پگھلتی ہوئی باہر آئی۔ اور بڑھا اٹکل کو کرسی پر اوگھتا ہوا دیکھ کر اس نے سینکڑوں گالیاں دیں..... ”یو بلاڈی فل، تم جھوٹ بولتا۔ آلو۔ گدھا، تم کدھر کو جیپ دیکھا؟ تم کو نیا میم صاحب ٹھیک گالی دیتا۔ دھکا مارتا..... آلو.....“

”دیکھا، بائی گاڈ، بے بی! ابی اور میں لائیٹ دیکھا۔ ام سے بھول ہوا۔ وہ دوسرا

جیپ ہوگا۔“

مارگریٹ گالیاں بکتی پھر ڈرائنگ روم میں چلی گئی۔ حسرت سے بڑھے اٹکل نے ایک لمبا سانس لیا۔ ”یسوع مسیح! بے بی کو بچاؤ۔ اپنا بے بی بہت چھوٹا ہے۔ کچھ نہیں جانتا۔ بائی گاڈ وہ ہنڈریڈ تک گنتا نہیں جانتا۔ وہ بہت مشکل میں چھننے جاتا۔ اس کا ہلپ کرو یسوع مسیح اس کا ہلپ کرو.....“ وہ رونے لگا۔ سسک سسک کر رونے لگا۔ پھر وہ چپ ہو گیا، اور حسب عادت بیٹھا بیٹھا اوگھنے لگا۔

आजादी के बाद उर्दू अफ़साना

में साएब, नहीं मेम साएब नहीं..... और बेबी कमरे में एक नौजवान के साथ..... उसने अक़ीदत⁽¹⁾ से सीने पर सलीब बनाई। "यसू मसीह! मेरे नन्हे पौधे को इस बादे-समूम⁽²⁾ से बचाओ।"

उसने पलट कर देखा। बेबी के कमरे में जलती बुझती रौशनियों में दो साए आपस में खिल्ल-मिल्ल⁽³⁾ हो रहे हैं। फिर वह उठ बैठ पैरों में फ़ुल बुट पहना, खूंट से पुरानी, तेल से दाग़ दार फ़्लेट उठकर आहिस्ता से सर पर रखली, बरामदा तै करते हुए सीधा बेबी के कमरे के पास रुक गया।

"बेबी मारग्रेट बेबी। दरवाजा खोलो।"

कमरे में अचानक अबतरी फैल गई.....

"क्या है बुद्धा क्या मांगता....."

"बेबी साएब आता। अभी इधर में अम जीप का लाइट देखा....."

दोनों जल्दी जल्दी ड्राइंग रूम में आ बैठे। बेबी ने अपने उलझे हुए बालों को जल्दी जल्दी दुरुस्त कर लिया। फिर दोनों ने अपने अपने सामने मेज पर ताश की पत्तीयां यूँ फैला लीं, गोया खेल घन्टों से हो रहा है।

बुद्धा अंकल ने दुबारा सलीब बनाई। यसू मसीह! बेबी को बचाओमन ही मन में उस ने शुक्रिया अदा किया। और बरामदे में सरकंडे की कुर्सी में धंस गया।

वह जो एक पत्थर सा था आप ही आप खिसक गया। फिर जब काफ़ी देर हो गई और साहब नहीं आया तो ड्राइंग रूम से बेबी पांव पटकती हुई बाहर आई। और बुद्धा अंकल को कुर्सी पर उंचता हुआ देखकर उस ने सैकड़ों गालियां दी..... यूँ बिलाडी फूल, तुम झूठ बोलता) उल्लू। गधा तुम किधर को जीप देखा? तुम को नया मेम साहब ठीक गाली देता, धक्का मारता.....उल्लू....."

"देखा, बाई गॉड, बेबी! अभी इधर में लाइट देखा। अम से भूल हुआ। वह दूसरा जीप होगा।

मारग्रेट गालियां बकती फिर ड्राइंग रूम में चली गई। हसरत से बुद्धे अंकल ने एक लम्बा सांस लिया। यसू मसीह! बेबी को बचाओ अपना बेबी बहुत छेय है। कुछ नहीं जानता। बाई गॉड वह हन्ड्रेड तक गिनना नहीं जानता। वह

وقت بوند بوند کر کے گرنا ہے اور خشک زمین پر گر کر کیسا سوکھ جاتا ہے بس دیکھتے دیکھتے نظروں سے اوجھل ہو جاتا ہے۔ فرش پر صرف اس کا نشان رہ جاتا ہے۔ جس سے سوندمی سوندمی خوشبو نکلتی ہے..... نکلتی ہی رہتی ہے۔ کبھی بند نہیں ہوتی۔ اور اب بڑھے اکل کی بے مصرف زندگی میں بجز اس بو کے سوچتے رہنے کے اور کچھ نہیں رہ گیا ہے۔ کچھ کام نہیں۔ کینوں کی طرح نئی میم صاحب کی گالیاں سن کر بھی روٹی کا خشک کھلا گلے سے اتار تے ہوئے اس کے حلق میں کچھ نہیں پھنستا وہ مزے سے گردن جھکائے کھاتا رہتا ہے۔ پہلے جب ابھی چراغ گل نہیں ہوا تھا وہ بھڑک اٹھتا اور پرانے فل بوٹ کو گھینتا دہلیز کو بھی عبور کر جاتا۔ مگر صاحب پھر اسے واپس بلا لیتا۔ صاحب نہیں، اس کے اندر سے ایک جانی بچانی، مگر وقت کی بوند میں جذب ہوتی آواز اس کے پیروں سے چٹ جاتی۔ پھر اس وقت اس کا دل دھک دھک کرنے لگتا۔ وہ سوندمی سوندمی بو اس کے نتھنے سے ہوتی ہوئی سارے اعصاب پر چھاتی۔ اور اب اس کی بے مصرف، بے کار زندگی میں بجز اس بو کو سوچتے رہنے کے وہ ہی کیا گیا ہے۔ مارگریٹ بے بی تم بھی تو ایک قطرہ ہو، جس میں تمہاری ماں کی خوشبو رہتی ہوئی ہے۔

”میں اس خوشبو کے بغیر کیسے زندہ رہ سکتا ہوں بے بی؟ کیسے زندہ رہ سکتا ہوں.....؟“

باہر ایک پچکولے کے ساتھ جیب کے رکنے کی آواز سنائی دی۔ بڑھے اکل نے ہڑبڑا کر آنکھیں کھول دیں۔ ابھی کچھ پاتے پاتے اس نے کھودیا۔ پھر اس کے کانوں میں جوتے کی آواز آئی۔ وہ چمک کر کھڑا ہوا۔ کچھ بھری ہوئی آنکھوں کے کنارے آنسوؤں سے نم ہو رہے تھے۔ اس نے ہاتھ اٹھا کر آستین سے آنکھیں پونچھ لیں۔

برآمدے کو عبور کر کے نئی میم صاحب اس کے سامنے آگئی۔ ”بو بڑھا، تم اور میں کیا کرتا؟“ اس نے نفرت سے بڑھے اکل کو گھورا۔ ”کیا چوری کرنا مانگتا؟“

”نومیم صاحب ایسا ماچک نہیں۔ اور بے بی ہے نا.....“ وہ رک گیا۔ کیا وہ سچ کہہ دے؟ نہیں! نئی میم صاحب ابھی بے بی کو بہت گالیاں دے گی۔ بہت جھگڑا کرے گی۔ سوتلی ماں ہے نا! بہت تکلیف دے گی..... اس کا دل لرز گیا۔

आवादी के बाद उर्दू अफ़साना

बहुत मुश्किल में फंसने जाता। उस का हैल्प करो। यसू मसीह उस का हैल्प करो....." वह रोने लगा। सिसक सिसक कर रोने लगा। फिर वह चुप हो गया। और हसबे-आदत⁽¹⁾ बैठ बैठ ऊंघने लगा।

वक्त बूंद बूंद कर के गिरता है और खुश्क ज़मीन पर गिर कर कैसा सूख जाता है। बस देखते देखते नज़रों से ओझल हो जाता है। फ़र्श पर सिर्फ़ उस का निशान रह जाता है। जिस से सौंधी सौंधी खुश्बू निकलती है.....निकलती ही रहती है। कभी बंद नहीं होती। और अब बुड्ढे अंकल की बेमसरफ़ ज़िन्दगी में बजुज उस बू के सूंघते रहने के और कुछ नहीं रह गया है। कुछ काम नहीं। कमीनों की तरह नई मेम साहब की गालियां सुन कर भी रोटी का खुश्क टुकड़ा गले से उतारते हु ए उस के हलक़ में कुछ नहीं फंसता वह मजे से गर्दन झुकाए खाता रहता है। पहले जब अभी चराग़ गुल नहीं हुआ था वह भड़क उठता और पुराने फुलबूट को घसीटता दहलीज़ को भी उबूर⁽²⁾ कर जाता। मगर साहब फिर उसे वापस बुला लेता। साहब नहीं, उस के अंदर से एक जानी पहचानी, मगर वक्त की बूंद में ज़न्ब होती आवाज़ उस के पैरों से चिमट जाती। फिर उस वक्त उस का दिल धक धक करने लगता। वह सौंधी सौंधी बू उस के नथने से होती हुई सारे आसाब⁽³⁾ पर छा जाती। और अब उस की बेमसरफ़⁽⁴⁾ बेकार ज़िन्दगी में बजुज उस बू को सूंघते रहने के रह ही क्या गया है। मारग्रेट बेबी तुम भी तो एक क़तरा हो जिस में तुम्हारी मां की खुश्बू रची हुई है।

"मैं इस खुश्बू के बग़ैर कैसे जिन्दा रह सकता हूँ बेबी? कैसे जिन्दा रह सकता हूँ.....?"

बाहर एक हिचकॉले के साथ जीप के रुकने की आवाज़ सुनाई दी। बुड्ढे अंकल ने हड़बड़ाकर आंखें खोल दी। अभी कुछ पाते पाते उस ने खो दिया फिर उस के कानों में जूते की आवाज़ आई। वह चौंक कर उठ खड़ा हुआ। कीच भरी हुई आंखों के किनारे आंसूओं से नम हो रहे थे। उसने हाथ उठा कर आस्तीन से आंखें पोंछ ली।

बरामदे को उबूर करके नई मेम साब उसके सामने आ गई। "यू बुड्ढे तुम इंदर में क्या करता?" उसने नफ़रत से बुड्ढा अंकल को घूरा, "क्या चोरी करना

آزادی کے بعد اردو افسانہ

”بے بی ہے تو تم کیا کرتا بڑھا؟ نئی میم صاحب نے چڑھاتا کر اپنے ہاتھ پر رکھتے

ہوئے پوچھا۔

”کچھ نہیں، وہ اپنے فرینڈ کے ساتھ ری کھیلتا.....“ اور وہ گردن جھکائے وہاں سے

نکل گیا۔

پھر ایک دن بڑھے کی عمرانی اور ڈھٹائی سے جھگ آکر بے بی نے شکایت کردی۔

”چپا ڈارلنگ! اس کہنے کتے کو باہر نکال دو۔ وہ مجھے بہوت ڈسٹرب کرتا۔ مفت کی روٹیاں

توڑتا ہے.....“

چپا پائپ میں تمباکو بھرتے ہوئے مسکرائے۔ پھر بے بی کے کندھے پر ہاتھ پھیرتے

ہوئے پیار سے بولے۔ ”نہیں بے بی! تم ایسا ماپھک نہ کہا کرو۔ وہ بڑھا بہوت اچھا آدمی

ہے۔ وہ اماری تمہاری خدمت کرتے اس عمر کو پہنچا ہے۔ وہ بہوت نیک ہے.....“ اور کہتے

کہتے چپا اپنے آپ میں گم ہو گئے۔ ”تم نہیں جانتیں، بے بی ڈارلنگ! جب تم ابلی نہیں آئی

تھیں۔ اور میں شراب کے نشے میں تمہاری ماں کو محض اس لیے زد و کوب کرتا کہ وہ مجھے

ایک بچہ دینے سے مجبور تھی، تو بڑھا تمہاری مدر کے سامنے کھڑا ہو جاتا اور پھر بید پورا اس

کے جسم پر ٹوٹ جاتا، وہ اف تک نہیں کرتا۔ صرف اس کے چہرے پر تکلیف کے باعث

لکیریں بنتیں، بگڑتیں اور آنکھوں سے پانی جھرجھر بہتا۔ وہ چپ چاپ سہ جاتا پھر بے بی

تم آئیں اور تمہاری مدر اسی رات مر گئی۔ تو وہ کیسا رویا کیسا تڑپا تھا میں وہ منظر کبھی نہیں

بھول سکتا.....“

”مگر چپا وہ کم بخت میرے آگے پیچھے سائے کی طرح لگا رہتا ہے۔ گویا میں اس کی

قید میں ہوں.....!“

”نو، بے بی وہ تجھے بہوت چاہتا، بہوت چاہتا..... ہانکل اپنا بے بی سمجھتا ہے۔“ چپا

ہنس دیے۔ ”بے بی جب تم بہوت چھوٹی تھیں، جب بھی وہ اسی طرح تمہارے پیچھے

سائے کی طرح لگا رہتا تھا۔ جب تم بہوت روتیں اور آیا تم پر غصہ ہوتی تو وہ چڑ کر اس سے

جھین لیتا..... آیا جب تمہیں دودھ پلا رہی ہوتی تو وہ کہیں سے چھپ کر دکھ رہا ہوتا۔ میں

نے ایک دن پوچھا۔ ایسا ماپھک کیوں؟ بولا، آیا بے بی کا دودھ پینا مانتا..... چپا قہقہہ لگا کر

मांगता ?”

“नो मेम साइब ऐसा माफ़िक नहीं, इदर बेबी है न.....” वह रुक गया। क्या वह सच कहदे ? नहीं ! नई मेम साएब अभी बेबी को बहुत गालियां देगी बहुत झगड़ा करेगी। सौतेली मां है न। बहुत तकलीफ़ देगी.....उस का दिल लरज़ गया।

“बेबी है तो तुम क्या करता बुड्ढा ?” नई मेम साएब ने चेस्टर उतार कर अपने हाथ पर रखते हुए पूछा।

“कुछ नहीं, वह अपने फ्रेंड के साथ रम्मी खेलता.....” और वह गरदन झुकाए वहां से टल गया।

फिर एक दिन बुड्ढे की निगरानी और ढिटाय़ से तंग आकर बेबी ने शिकायत कर दी। “पप्पा डार्लिंग, इस कमीने कुत्ते को बाहर निकाल दो। वह मुझे बहुत डिस्टर्ब करता। मुफ़्त की रोटियां तोड़ता है.....”

पप्पा पाइप में तम्बाकू भरते हुए मुसकुराए। फिर बेबी के कंधे पर हाथ फेरते हुए प्यार से बोले। “नहीं बेबी तुम ऐसा माफ़िक न कहा करो। वह बुड्ढा बहुत अच्छा आदमी है। वह अमारी तुम्हारी खिदमत करते इस उमर को पहुंचा है वह बहुत नेक है.....” और कहते कहते पप्पा अपने आप में गुम हो गए। “तुम नहीं जानती, बेबी डार्लिंग ! जब तुम अभी नहीं आई थीं। और मैं शराब के नशे में तुम्हारी मां को महज इसलिए ज़दो-कोब⁽¹⁾ करता कि वह मुझे एक बच्चा देने से मजबूर थीं, तो बुड्ढा तुम्हारी मदर के सामने खड़ा हो जाता और फिर बेद पूरा उस के जिस्म पर टूट जाता, वह उफ़ तक न करता। सिर्फ़ उस के चेहरे पर तकलीफ़ के बाअस लकीरें बनती बिगड़ती और आंखों से पानी झर झर बहता। वह चुपचाप सह जाता फिर बेबी तुम आई और तुम्हारी मदर उसी रात मर गई। तो वह कैसा रोया कैसा तड़पा था मैं वह मंज़र कभी नहीं भूल सकता.....”

“भगर पप्पा वह कम्बख़्त मेरे आगे पीछे साए की तरह लगा रहता है। गोया मैं उस की क़ैद में हूँ..... !”

“नो बेबी वह तुझे बहुत चाहता, बहुत चाहता है..... बिल्कुल अपना बेबी समझता है।” पप्पा हंस दिए। “बेबी जब तुम बहुत छोटी थीं जब भी वह इसी

آزادی کے بعد اردو افسانہ

ہنس پڑے۔ پھر جب وہ عید کے روز نماز پڑھنے جاتا تو جانے سے قبل تمہیں اپنے ہاتھوں سے نہلاتا، بہوت اچھا اچھا کپڑا پہناتا..... نماز سے واپس آتا تو کوئی نہ کوئی تحفہ ضرور لاتا۔ اور تمہیں گود میں اٹھا کر پیار کرتے وقت پتہ نہیں کیوں پھوٹ پھوٹ کر رونے لگتا۔ اور اس وقت تک روتا اور تمہیں پیار کرتا جب تماری اسٹیپ مدر آکر اسے گالیاں نہ دیتی۔ ایک روز میں نے اس سے رونے کا سبب پوچھا۔ تو بڑھانچھے ہوئے لہجے میں بولا۔ امارا بھی ایسا مایہک ایک بے بی ہے۔ ایک دم اپنا بے بی مایہک..... مگر میں جانتا ہوں اس کا کوئی بچہ نہیں تھا۔ وہ چودہ سال کی عمر سے تو میرے پاس ہے.....“

”مگر پپا، وہ تو بچپن کی بات ہے۔ اب اگر وہ میرے جسم کو چھو لے تو میں جب تک تین بار نہاؤں نہیں مجھے چین نہیں آئے گا۔“

”نو بے بی، ایسا نہیں بولنا چاہیے۔“

”نوپا، آپ اس بلاڈی کو ڈانٹ دیجیے۔ وہ میرے معاملات میں دخل نہ دے۔!“

”اچھا اچھا میں اسے منع کر دوں گا۔ تم غصہ نہ کرو۔ مگر بے بی، اس دن بڑھا تمہیں واقعی کہیں لے کر چلا جاتا اور واپس نہ آتا تو جانتی ہو آج تم اس کی بچی کہلاتیں.....“ پپا ہنسنے لگے۔ ”بے بی یہ بڑھا ایک دن تمہیں لے کے کہیں بھاگ گیا تھا.....“

”ہائے پپا؟“ اس نے کچھ نہ سمجھتے ہوئے تعجب سے کہا۔

”ہاں بے بی، جب تم بہوت چھوٹی تھیں تماری نئی ماں آئی تو اس نے پیسے کی بچت کے خیال سے تماری آیا کو ہٹا دیا۔ اور خود تماری دیکھ بھال کرنے لگی۔ مگر.....، پپا نے دروازے کی سمت دیکھتے ہوئے آہستہ سے کہا۔ مگر اسٹیپ مدر اپنی ماں کہاں ہو سکتی ہے۔ وہ تمہیں بہوت تکلیف دینے لگی۔ تم دودھ کے لیے چلاتی رہتیں اور وہ ڈریسنگ ٹیبل سے نہ اٹھتیں، تمہارے کپڑے پیشاب سے تر رہتے اور تم اس میں پڑی رہتیں..... شاید یہی سب دیکھ کر بڑھا انگل نے ایک روز مجھ سے شکایت کی۔ میں نے نئی میم صاحب کی شکایت سن کر اسے ایک طمانچہ رسید کیا، اور کمرے سے باہر نکال دیا۔ جس کے بعد دو دنوں تک وہ خاموش رہا۔ مگر ایک دن پتہ نہیں کیوں تمہیں اٹھا کر کہیں لے گیا.....“

”پھر میں کیسے لائی گئی پپا.....؟“ بے بی دلچسپی محسوس کرنے لگی۔

तरह तुम्हारे पीछे साए की तरह लगा रहता था। जब तुम बहुत रोती और आया तुम पर गुस्सा होती तो वह चिढ़ कर उससे छीन लेता.....आया जब तुम्हें दूध पिला रही होती तो वह कही से छुप कर देख रहा होता। मैंने एक दिन पूछा ऐसा माफ़िक क्यों? बोला, आया बेबी का दूध पीना मांगता.....पप्पा क़हक़हा लगा कर हंस पड़े, फिर जब ईद के रोज़ नमाज़ पढ़ने जाता तो जाने से क़बल तुम्हें अपने हाथों से नहलाता, बहुत अच्छा अच्छा कपड़ा पहनाता..... नमाज़ से वापस आता तो कोई न कोई तोहफ़ा ज़रूर लाता। और तुम्हें गोद में उठाकर प्यार करते वक़्त पता नहीं क्यों फूट फूट कर रोने लगता। और उस वक़्त तक रोता और तुम्हें प्यार करता जब तुम्हारी स्टेप मदर आकर उसे गालियां न देती। एक रोज़ मैं ने उससे रोने का सबब पूछा। तो बुड्ढा बुझे हुए लहजे में बोला। अमारा भी ऐसा माफ़िक़ एक बेबी है। एक दम अपना बेबी माफ़िक़..... मगर मैं जानता हूँ उस का कोई बच्चा नहीं था। वह चौदह साल की उम्र से तो मेरे पास है.....”

मगर पप्पा वह तो बचपन की बात है, अब अगर वह मेरे जिस्म को छू ले तो मैं जब तक तीन बार नहाऊं नहीं मुझे चैन नहीं आएगा।

“नो बेबी ऐसा नहीं बोलना चाहिए।”

“नो पप्पा, आप इस बलाडी को डांट दीजिए, वह मेरे मामलात में दख़ल न दे।

“अच्छा अच्छा मैं उसे मना कर दूंगा। तुम गुस्सा न करो। मगर बेबी उस दिन बुड्ढा तुम्हें वाक़ई कहीं ले कर चला जाता और वापस न आता तो जानती हो आज तुम उस की बच्ची कहलाती.....पप्पा हंसने लगे, बेबी यह बुड्ढा एक दिन तुम्हें लेकर कहीं भाग गया था.....”

हाय पप्पा? उसने कुछ न समझते हुए ताज़्जुब से कहा।

हां बेबी, जब तुम बहुत छोटी थी, तुम्हारी नई मां आई तो उसने पैसे की बचत के ख़याल से तुम्हारी आया को हट दिया। और खुद तुम्हारी देख भाल करने लगी मगर.....पप्पा ने दरवाज़े की सन्त देखते हुए आहिस्ता से कहा, मगर स्टेप मदर अपनी मां कहां हो सकती है। वह तुम्हें बहुत तकलीफ़ देने लगी। तुम दूध के लिए चिल्लाती रहती और वह ड्रेसिंग टेबल से नहीं उठती। तुम्हारे कपड़े पेशाब से तर रहते और तुम उस में पड़ी रहती.....शायद यही सब देख कर बुड्ढा अंकल ने

”وہ آپ ہی آگیا۔ دن بھر ام لوگ بہوت پریشان رہے۔ لکھنئی کا چپہ چپہ چھان مارا، مگر پتہ نہ چلا۔ پورے شہر میں تلاش کیا۔ تھانے میں رپورٹ دی۔ لیکن شام ہوتے ہی دیکھا وہ تھیں گود میں لیے حسب دستور ظہر ظہر کر چلا ہوا آگیا۔ ام لوگ دنگ رہ گئے اس کی ڈھٹائی پر۔ تھیں بیڈ پر ڈال کر وہ کونے سے موٹا بید لے آیا اور قمیض اتار کر میرے پیروں پر جھک گیا.....“

”پھر آپ نے بہوت پیٹا ہوگا اسے؟“ بے بی اندرونی طور پر قدرے خوش ہوئی۔
 ”نہیں بے بی، میں نے ایسا نہیں کیا۔ اسے کچھ نہ بول سکا۔ زبان ہی نہ کھلی۔ جیسے تمہاری مٹی میرا ہاتھ روک رہی ہو۔ اس گھر میں یہ بڑھا ہی تو اس کا ہمدرد تھا۔ اس نے ضرور میرا ہاتھ روک لیا ہوگا.....“
 ”مگر پچا، یہ بڑھا تو خراب.....“

”نہیں بے بی ایسا نہیں۔ وہ بہوت اچھا آدمی ہے۔ ضرور اچھا آدمی ہے یسوع مسیح اس پر مہربان ہے۔ تماری اسٹیپ مدر اس کے ساتھ کتا جیسا بی ہو کرتا ہے۔ مگر تم ایسا مت کرو۔ وہ بہوت اچھا بڑھا.....“

تیسرے دن صبح جب پرانے چرچ کی منہدم دیواروں کی اوٹ سے ابھی زرد سورج ابھر رہا تھا۔ اور زرد پیاری دھوپ کیاریوں کے ننھے ننھے پودوں کو دھیرے دھیرے چوم رہی تھیں، بڑھا انکل مرغیوں کے بڑے سے بجنزے کے قریب بیٹھا انھیں دانہ کھلا رہا تھا۔ صاحب نے اسے ٹوکا۔

”بڑھا انکل کیا کرتا اور میں؟“

وہ اٹھ کھڑا ہوا۔ سر سے قلیٹ اتار کر ایک ذرا گردن جھکا کر گڈ مارنگ کیا۔ اور میں اپنا مرغی لوگ کو دانہ کھلاتا صائب۔ اپنا کالا والا مرغی بیمار مالم پڑتا، اس کو لہسن دیتا۔ یہ مرغی بہوت اچھا ہے، صائب، بائی گاڈ بہوت اچھا والا.....!“

”بڑھا انکل، تم بھی بہوت اچھا والا ہے۔ بائی گاڈ بہوت اچھا والا۔“ صاحب کھلکھلا کر ہنس پڑا۔ ”پر انکل اپنا بے بی تمارا شکایت کرتا، تم اس کو ڈسٹرب کرتا۔ ایسا مت کرو۔“
 ”پر صائب، ام بھی ایک بات بولنا مانگتا.....“ وہ اچانک بات کاٹ کر کہنے لگا۔

एक रोज़ मुझसे शिकायत की। मैंने नई मेम साहब की शिकायत सुन कर उस के एक तमाचा रसीद किया, और कमरे से बाहर निकाल दिया। जिस के बाद दो दिनों तक वह ख़ामोश रहा। मगर एक दिन पता नहीं क्यों तुम्हें उठा कर कहीं ले गया.....”

“फिर मैं कैसे लायी गई पप्पा, ?” बेबी दिलचस्पी महसूस करने लगी।

“वह आप ही आ गया। दिन भर अम लोग बहुत परेशान रहे। लोकेल्टी का चप्पा चप्पा छान मारा, मगर पता न चला। पूरे शहर में तलाश किया। थाने में रपट दी—लेकिन शाम होते ही देखा वह तुम्हें गोद में लिए हसबे-दस्तूर ठहर ठहर कर चलता हुआ आ गया। अम लोग दंग रह गए उसकी धिटई पर। तुम्हें बेड पर डाल कर वह कोने से मोटा बेद ले आया और कमीज उतार कर मेरे पैरों पर झुक गया.....”

“फिर आप ने बहुत पीटा होगा उसे ?” बेबी अन्दरूनी तौर पर क्रदरे-खुश हुई।

“नहीं बेबी मैं ने ऐसा नहीं किया..... उसे कुछ न बोल सका। जुबान ही न खुली। जैसे तुम्हारी मम्मी मेरा हाथ रोक रही हो इस घर में यह बुद्धा ही तो उसका हमदर्द था न। उसने ज़रूर मेरा हाथ रोक लिया होगा.....”

“मगर पप्पा यह बुद्धा तो ख़राब.....”

“नहीं बेबी ऐसा नहीं। वह बहुत अच्छा आदमी है। ज़रूर अच्छा आदमी है। यसु मसीह उस पर मेहरबान है। तुम्हारी स्टेप मदर उस के साथ कुत्ता जैसा बीहेव करता। मगर तुम ऐसा मत करो। वह बहुत अच्छा बुद्धा.....”

तीसरे दिन सुबह जब पुराने चर्च की मुनहदिम⁽¹⁾ दीवारों की ओट से अभी जर्द सूरज उभर रहा था। और जर्द प्यारी धूप क्यारियों के नन्हे नन्हे पौधों को धीरे धीरे चूम रही थीं, बुद्धा अंकल मुर्गियों के बड़े पिंजड़े के क़रीब बैठ उन्हें दाना खिला रहा था। साहब ने उसे टोका।

“बुद्धा अंकल क्या करता उदर में ?”

वह उठ खड़ा हुआ। सर से फ़्लैट उतार कर एक जरा गर्दन झुका कर गुड मॉर्निंग किया। इंदर में अपना मुर्गीलोग को दाना खिलाता साएब— अपना काला वाला मुर्गी बीमार मालूम पड़ता, उस को लहसन देता। यह मुर्गी बहुत अच्छा है, साएब। बाई गॉड बहुत अच्छा वाला है.....।”

”سنے گا صائب؟“

”ضرور سنے گا بڑھا اکل..... بولو۔“

”صائب..... اپنا بے بی..... مارگریٹ بے بی..... اور وہ جارج..... وہ جارج کو جانتا صائب، اپنا بے بی کا فرینڈ ہوتا.....“

”ہاں ہاں جانتا، تم بولو کیا اس کے بارے میں بولنا مانتا؟“

بڑھا اکل کچھ دیر خاموش زمین کو تکتا رہا۔ پھر بولا۔ ”صائب وہ جارج اچھا نہیں وہ اپنا کو کیٹی کا ایک بے بی کو..... وہ بہت خراب صائب ام جانتا.....“

صاحب کی تیوریاں چڑھ گئیں، ”تم کیا بولنا مانتا..... اکل..... ویری بیڈ..... تم سرورٹ، سرورٹ مایک رہے گا۔ امارا گھر کا بات میں کچھ نہیں بولے گا..... اپنا بے بی اچھا..... اپنا جارج اچھا..... تم جھوٹ بولتا..... ایسا مایک نہیں بولے گا کبھی.....“

برسوں بعد آج صاحب کے منہ سے سخت الفاظ سن کر اس کا دل بھر گیا۔ اس نے ایک بار نظر اٹھا کر صاحب کو دیکھا جو سامنے کھڑا عجیب نظروں سے اسے دیکھ رہا تھا۔

”امارا بات سمجھا۔؟“

”سمجھا صائب، اب کبھی نہیں بولے گا..... اسکیوز می صائب۔“

وہ پھر جھک کر مرغیوں کے جال دار ڈربے میں دانہ پھینکنے لگا۔ ”اپنا بے بی اچھا..... اپنا جارج اچھا..... اپنا کتا بھی اچھا۔ فقط یہ بڑھا نہیں اچھا۔ بڑھا بہت خراب..... یسوع مسیح، یہ دنیا کیسا مایک ہے..... کیسا مایک ہے.....“

بڑی مہری والی خاکی پتلون، فلکی قمیص، پرانے بوٹ اور چھوٹے چھوٹے سیاہ بالوں سے بھرے سر پر تیل اور مرچ کی دھول سے داغ دار فلیٹ..... صبح کو اس نے کھانے کے بعد ڈریس کیا اور دس بجے۔ یہ قبل وہ صاحب کے سامنے کھڑا ہو گیا۔

”گڈ مارننگ صائب.....!“

”اوہ، گڈ مارننگ بڑھا اکل! آج مارننگ کو ڈریس کیا، کدو جانا مانتا؟“

”صائب آج جمعہ ہوتا۔ آج ام شہر جانا مانتا۔ اور میں مسجد میں نماز پڑھنا مانتا.....“

خدا سے دعا کرتا.....“

صاحب نے آہستہ سے اس کے کندھے پر ہاتھ رکھ دیا۔ ”مگر اکل، آج تم کیوں جانا

“बुद्ध अंकल, तुम भी बहुत अच्छा वाला है। बाई गॉड बहुत अच्छा वाला,” साहब खिलखिला कर हंस पड़ा। “पर बुद्ध अंकल अपना बेबी तुमारा शिकायत करता। तुम उस को डिस्टर्ब करता। ऐसा मत करो।

“पर साएब, अम भी एक बात बोलना मांगता.....” वह अचानक बात काट कर कहने लगा, सुनेगा साएब ?”

“जरूर सुनेगा बुद्ध अंकल.....बोलो,”

“साएब अपना बेबी.....मारग्रेट बेबी.....और वह जार्ज..... वह जार्ज को जानता साएब, अपना बेबी का फ्रेंड होता.....”

हां हां जानता, तुम बोलो क्या उसके बारे में बोलना मांगता ?

बुद्ध अंकल कुछ देर खामोश जमीन को तकता रहा। फिर बोला।

साएब, वह जार्ज अच्छा नहीं। वह अपना लोकेस्टी का एक बेबी को.....वह बहुत खराब “साएब अम जानता.....”

साहब की तयारियां चढ़ गई, तुम क्या बोलना मांगता..... अंकल..... वेरी बेड.....तुम सरवेंट, सरवेंट माफिक रहेंगा। अमारा घर का बात में कुछ नहीं बोलेगा..... अपना बेबी अच्छा.....अपना जार्ज अच्छा.....तुम झूठ बोलता.....ऐसा माफिक नहीं बोलेगा कभी.....

बरसों बाद आज साहब के मुंह से सख्त अल्फ़ाज़ सुन कर उसका दिल भर गया। उसने एक बार नज़र उठा कर साहब को देखा जो सामने खड़ा अजीब नज़रों से उसे देख रहा था।

“अमारा बात समझा— ?”

“समझा साएब अब कभी नहीं बोलेगा.....एसक्यूज मी साएब।”

वह फिर झुक कर मुर्गियों को जालदार डरबे में दाना फेंकने लगा। अपना बेबी अच्छा.....अपना जार्ज अच्छा.....अपना कुत्ता भी अच्छा। फकत यह बुद्ध नहीं अच्छा। बुद्ध बहुत खराब.....यसुमसीह, यह दुनिया कैसा माफिक है.....कैसा माफिक है.....

बड़ी मोहरी वाली खाकी पतलून, मलगजी⁽¹⁾ कमीज, पुराने बूट और छोटे छोटे स्याह बालों से भरे सर पर तेल और सड़क की धूल से दागदार फ्लैटे..... सुबह को उस ने खाने के बाद ड्रेस किया और दस बजे से क्लब वह साहब के सामने खड़ा हो गया।

آزادی کے بعد اردو افسانہ

مانگتا۔ اور شہر میں دنگا ہوتا۔ ہندو مسلمان کا جھگڑا ہوتا۔ اور میں تم کو کوئی مار دیا تو۔ کیا تم نہیں جانتا؟“

”نو صائب ام جانا مانگتا۔ اور مسجد میں دعا مانگتا مانگتا۔ اور میں ام کو کوئی نہیں مارتا۔ یسوع مسیح امار ہلپ کرتا“ اس نے انگلیوں سے صلیب بنائی صائب ! ام کو آرڈر دو۔ ام جلدی جائے گا.....؟“

”تم نہیں مانے گا بڑھا انکل، جائے گا۔“ صاحب مسکرانے لگا، ”تو جاؤ پر ہوشیاری سے اپنے آپ کو بچا کر.....“

پھر بڑھے انکل نے صاحب کو جھک کر سلام کیا۔ اور حسب دستور علاقے کے ہر راہ گیر کو گڈ مارنگ کرتا، جب چرچ کے سامنے پہنچا تو اسنے آہستہ سے جھک کر سر سے فلیٹ اتار لی۔ سینے پر صلیب بنائی۔ ”یسوع مسیح اپنا بے بی کا ہلپ کرو۔ اپنا بے بی کچھ نہیں جانتا۔ وہ بائی گاڈ ہنڈریڈ تک گنتا بھی نہیں جانتا۔ یسوع مسیح ام جانتا، وہ لڑکا دیری بیڈ..... اس نے ہک صاحب کی لڑکی کو خراب کیا..... بے بی کا ضرور ہلپ کرو..... یسوع مسیح امارا بھی ہلپ کرو۔ ام مسجد جاتا۔ اپنا گاڈ کے پاس بے بی کے واسطے دعا کرنے۔ اور میں ہندو لوگ مسلمان کو مارتا۔ امارا ہلپ کرو۔ ام کو کوئی نہیں ماریگا.....“ پھر اس نے انگلیوں سے کندھے اور سینے میں صلیب بنائی اور آگے بڑھ گیا۔

واپسی پر وہ بہت خوش تھا۔ اس نے نماز پڑھنے کے بعد دعا مانگ لی تھی۔ اور اب اسے یقین ہو چلا تھا کہ بے بی جارح کے جال سے بہت جلد صحیح سلامت بچ نکلے گی۔ خدا نے اس کی آواز ضرور سنی ہوگی۔ اسکو یقین تھا اس لیے بڑھا انکل آج بہت خوش تھا۔ سہ پہر کو جب وہ شہر سے واپس آیا تو چپ چاپ اپنے کمرے میں چلا گیا۔ وہاں سے سگار لیا، ماچس لی، اور اپنا پرانا مونڈھا لیے باہر لان پر آ گیا۔ اور ادھر ادھر دیکھ کر حسب دستور منہ میں انگلی دے کر سیٹی بجائی۔ جس کو سن کر آس پاس کے کوارٹروں کے صحن اور باغیچوں میں کھیلنے والے چھوٹے چھوٹے بچے دوڑے آئے اور بڑھے، انکل کے قریب گھاس پر بیٹھ گئے۔ پھر زور زور سے تالیاں بجانے لگے۔ ”بڑھا انکل کہانی سناؤ۔ بڑھا انکل کہانی سناؤ.....“

”پہلے ایک بات بولے گا، پھر کہانی سنائے گا۔ اچھا بولو یہ دنیا اتنا بیونی فل

आजादी के बाद उर्दू अफ़साना

“गुड मॉर्निंग साएब.....।”

“ओह, गुड मॉर्निंग बुद्धा अंकल! आज मॉर्निंग को ड्रेस किया, किदर जाना मांगता?”

“साएब आज जुमा होता, आज अम शहर जाना मांगता। उदर में मस्जिद में नमाज़ पढ़ना मांगता.....खुदा से दुआ करना.....”

साहब ने आहिस्ता से उसके कंधे पर हाथ रख दिया। मगर अंकल, आज तुम क्या जाना मांगता। उदर शहर में दंगा होता। हिन्दू मुसलमान का झगड़ा होता। उदर में तुम को कोई मार दिया तो— क्या तुम नहीं जानता?

“नो साएब अम जाना मांगता। उदर मस्जिद में दुआ मांगना मांगता, उदर में अम को कोई नहीं मारता यसू मसीह अमारा हेल्प करता,” उसने उंगलियों से सलीब बनाई “साएब! अमको आर्डर दो। अम जल्दी जाएगा.....?”

“तुम नहीं मानेगा बुद्धा अंकल, जाएगा।” साहब मुसकुराने लगा। “तो जाओ पर होशियारी से अपने आप को बचा कर.....”

फिर बुद्धे अंकल ने साहब को झुक कर सलाम किया। और हस्बे-दस्तूर इलाक़े के हर राह गीर को गुड मॉर्निंग करता। जब चर्च के सामने पहुंचा तो उस ने आहिस्ता से झुक कर सर से फ़्लैट उतार ली। सीने पर सलीब बनाई..... यसू मसीह अपना बेबी का हेल्प करो। अपना बेबी कुछ नहीं जानता। वह बाई गाड हन्डेड तक गिनना भी नहीं जानता। यसू मसीह अम जानता, वह लड़का वेरीबैड.....उस ने हक़ साहब की लड़की को ख़राब किया.....बेबी का ज़रूर हेल्प करो.....यसू मसीह अमारा भी हेल्प करो। अम मस्जिद में जाता। अपना गॉड के पास बेबी के वासते दुआ करने। उदर में हिन्दू लोग मुसलमान को मारता, अमारा हेल्प करो, अमको कोई नहीं मारेगा..... फिर उस ने उंगलियों से कंधे और सीने में सलीब बनाई और आगे बढ़ गया।

वापसी पर वह बहुत खुश था। उस ने नमाज़ पढ़ने के बाद दुआ मांग ली थी। और अब उसे यकीन हो चला था कि बेबी जार्ज के जाल से बहुत जल्द सही सलामत बच निकलेगी। खुदा ने उस की आवाज़ ज़रूर सुनी होगी। उस को यकीन था इस लिए बुद्धा अंकल आज बहुत खुश था। सहपहर को जब वह शहर से वापस आया तो चुप चाप अपने कमरे में चला गया। वहां से सिगार लिया, माचिस ली और अपना पुराना मूँढा लिए बाहर लान पर आ गया। और इधर उधर देख कर हसबे-दस्तूर मुँह में उंगली देकर सीटी बजाई, जिस को सुन कर आस पास के क्वाटरों के सहन और बागीचों जिस में खेलने वाले छोटे छोटे बच्चे दौड़े आए। और बुद्धा अंकल के करीब घास पर बैठ गए। फिर जोर जोर से तालियां बजाने लगे। बुद्धा अंकल कहानी सुनाओं अंकल कहानी सुनाओं.....”

”کیوں ہے؟“

بچوں نے کوئی جواب نہیں دیا۔ سبھوں نے ایک بار آسمان کی طرف دیکھا۔ پھر ایک دوسرے کا منہ دیکھنے لگے۔

”بابا لوگ بولو۔“ بڑھا انکل نے حیرت سے گھورا۔ ”بولتا کیوں نہیں؟“

”پر بڑھا انکل مون کدر ہے.....؟“ بابا لوگ نے یکبارگی کہا۔ جسے سن کر بڑھا انکل

بے تحاشہ ہنسنے لگا۔

”ٹھیک بولتا۔ ابھی مون کدر ہے.....“ پھر اس نے چھوٹی چھوٹی آنکھوں کو دھوپ

سے بچانے کے لیے ہاتھ سے سایہ کر کے بے بی کے کمرے کی طرف دیکھا۔ جس کی کھڑکی بند تھی۔

”ابھی مون نہیں ہے۔ پر بابا لوگ ابھی مون آئے گا.....“ اور یہ کہتے کہتے ایک ایسی

کچھ سوچ کر وہ اداس ہو گیا۔ ”اپنا مون پر گرہن لگنا مانتا ہے.....“

”کیا لگنا مانتا ہے بڑھا انکل؟“ حیرت سے بچوں نے اس کی طرف دیکھا

”گرہن!“ وہ چونک اٹھا؟ ”بابا لوگ گرہن نہیں جانتا.....؟“

”نہیں جانتا۔“

بڑھا انکل یہ جواب سن کر مسکرانے لگا۔ ”تو آؤ بابا لوگ آج گرہن اور مون کا کہانی

سنائے گا۔“

خاموش چپ چپ، جیسے ہک صاحب کا بڑا سا خونخوار کتا گردن جھکائے زمین سونگھتا

ہوا گزرتا ہے۔ کسی کو کچھ نہیں بولتا۔ وقت بھی کسی سے بولے بغیر پہلو بچا کر نکل جاتا ہے۔

اور جب کبھی کوئی اس کے سامنے آ جاتا ہے۔ ہک صاحب کے خونخوار کتے کی طرح اس پر

جھپٹ پڑتا ہے۔ لبو لبان کر دیتا ہے۔ اب کوئی اپنا زخم لیے لاکھ چیختا چلاتا رہے یہ خونخوار کتا

پلٹ کر دیکھتا تک نہیں۔ چپ چاپ گزر جاتا ہے

لیکن بے بی تو چیخ نہیں سکتی۔ چلا بھی نہیں سکتی۔ وہ اپنا گہرا زخم کسی کو دکھانے سے

بھی مجبور ہوگی..... بے بی..... مائی ڈارلنگ بے بی! تم ٹھہر جاؤ..... ایسا سر پٹ نہ بھاگو۔

یوں آنکھ بند کر کے دوڑنے سے سڑک پر اونڈھے منہ گر بھی سکتی ہو۔ پھر یہ بوڑھا

आजादी के बाद उर्दू अफ़साना

“पहले एक बात बोलेंगा, फिर कहानी सुनाएगा, अच्छा बोलो यह दुनिया इतना ब्यूटी फुल क्यों है?”

बच्चों ने कोई जवाब नहीं दिया। सभी ने एक बार आसमान की तरफ़ देखा फिर एक दूसरे का मुँह देखने लगे।

“बाबा लोग बोलो—” बुड्ढा अंकल ने हैरत से घूरा, “बोलता क्यों नहीं?”

“पर बुड्ढा अंकल मून किदर है.....?” बाबा लोग ने यक्बारगी⁽¹⁾ कहा। जिसे सुन कर बुड्ढा अंकल बेतहाशा हंसने लगा।

“ठीक बोलता। अभी मून किदर है.....” फिर उस ने छोटी छोटी आंखों को धूप से बचाने के लिए हाथ से साया कर के बेबी के कमरे की तरफ़ देखा। जिस की खिड़की बंद थी।

“अभी मून नहीं है। पर बाबा लोग अभी मून आएगा.....” और यह कहते कहते एका एकी कुछ सोच कर वह उदास हो गया। “अपना मून पर ग्रहण लगना मांगता है.....”

“क्या लगना मांगता है बूड्ढा अंकल—?” हैरत से बच्चों ने उस की तरफ़ देखा।

“ग्रहण—!” वह चौंक उठा। “बाबा लोग ग्रहण नहीं जानता.....?”

“नहीं जानता”

बुड्ढा अंकल यह जवाब सुन कर मुसकुराने लगा, “तो आओ बाबा लोग आज ग्रहण और मून का कहानी सुनाएगा।”

खामोश चुप चुप, जैसे हक़ साहब का बड़ा सा खूँखार कुत्ता गर्दन झुकाए ज़मीन सूँघता हुआ गुज़रता है, किसी को कुछ नहीं बालता। वक़्त भी किसी से बोले बग़ैर पहलू बचाकर निकल जाता है। और जब कभी कोई उस के सामने आ जाता है। हक़ साहब के खूँखार कुत्ते की तरह उस पर झपट पड़ता है। लहूलहान कर देता है। अब कोई अपना ज़ख़्म लिए लाख चीखता चिल्लाता रहे यह खूँखार कुत्ता पलट कर देखता तक नहीं चुप चाप गुज़र जाता है लेकिन बेबी तो चीख़ नहीं सकती। चिल्ला भी नहीं सकती। वह अपना गहरा ज़ख़्म किसी को दिखाने से भी मजबूर होगी। बेबी.....माइ डार्लिंग बेबी! तुम ठहर जाओ.....ऐसा सरपट न भागो। यूँ आंखे बंद कर के दौड़ने से सड़क पर औंधे मुँह गिर भी सकती हो। फिर यह बूढ़ा खूँखार कुत्ता तुम्हें कभी नहीं छोड़ेगा। ऐसा ज़ख़्मी करेगा बेबी कि तुम शायद उठ कर चलने के क़ाबिल भी न रह सकोगी। फिर मैं बुड्ढा तुमारा बुड्ढा अंकल पूरे क्रिश्चन लोकेलटी का बुड्ढा अंकल जो तुमारे सुडौल और

آزادی کے بعد اردو افسانہ

خونخوار کتا تمھیں کبھی نہیں چھوڑے گا۔ ایسا زخمی کرے گا بے بی کہ تم شاید اٹھ کر چلنے کے قابل بھی نہ رہ سکو گی۔ پھر میں بڑھا۔ تمھارا بڑھا انکل، پورے کرشمین لکلیٹی کا بڑھا انکل جو تمھارے سڈول اور خوبصورت جسم میں تمھاری ماں کی سوندھی مہک پاتا ہے، کیسے زندہ رہ سکے گا؟ ٹھہر جاؤ بے بی..... ٹھہر جاؤ بے بی..... ٹھہر جاؤ.....

مگر بے بی نہیں ٹھہری..... بے بی چلی گئی۔ رات تاریک تر ہو گئی تھی۔ لکلیٹی کے شیشوں کی کھڑکیوں سے چمن چمن کر آنے والی بلوروشنی بچھ چکی تھی۔ پھر باغ کے وسیع دیرانوں میں جھینگروں کی آواز گہرے ستانے کو مسلسل نوح رہی تھی۔ جیسے گھپ اندھیرے میں جگنو لگا تار ٹٹمائے جارہا ہو۔ گویا اکیلے میں دل دھڑکے ہی چلا جارہا ہو۔ دھک دھک..... دھک دھک..... دھک دھک.....

بڑھے انکل نے بچھے ہوئے سگار کو دانتوں سے نوح کر ہولے سے تھوک دیا اور بے تاب سا ہو کر دھیرے سے دل پر ہاتھ رکھ لیا۔ یہ دل..... یہ دل کیسا دھک دھک کرتا ہے، کیسا دھڑکتا ہے۔ گویا اپنی اکیلی محبت کے پیچھے بوڑھے خونخوار کتے کو منہ پھاڑے دیکھ لیا ہو۔ ٹھہر جاؤ..... ٹھہر جاؤ..... تمھارے پیچھے وقت کا بوڑھا کتا سر پٹ بھاگ رہا ہے۔ دور سنسان سڑک پر کانپتے ہوئے سائے نے دوبارہ سیٹی بجائی۔ جسے سن کر بے بی کے کمرے کی کھڑکی کھلی۔ اور ایک دوسرا سایہ دھپ سے بڑھے انکل کی چھاتی پر گرا۔ اور وہ اپنی جگہ سے اٹھ بھی نہ سکا۔ اس کے منہ سے آواز تک نہ نکل پائی۔ کوئی دل کے دیرانے میں کراہتا رہا۔ بے بی ٹھہر جاؤ ٹھہر جاؤ..... بے بی..... ٹھہر جاؤ..... مگر بے بی نکل گئی، بگٹ، جیسے کوئی اسے کھینچنے لیے جارہا ہو۔

پھر رات جو جھاگ کی طرح پورے ماحول پر چھا گئی تھی۔ دھیرے دھیرے نیچے بیٹھنے لگی۔ تب بہت دیر بعد صبح کے ایک گوشے میں اپنے پرانے موٹر سے پر بیٹھے ہوئے بڑھا انکل کے کان میں الجھتی سلیمتی سانسوں کے درمیان کسی کی بے حد دھیمی چال سنائی دی۔ وہ ہڑبڑا کر اٹھ کھڑا ہوا۔ کہیں چوٹ تو نہیں آئی بے بی۔ تمھیں کہیں زخم تو نہیں لگا..... ڈارنگ.....؟

دھیمے سے بڑھے انکل کے مونے اور کرخت لبوں سے آواز نکلی۔ جسے سن کر بے بی

आजादी के बाद उर्दू अफ़साना

खूबसूरत जिस्म में तुम्हारी मां की सोंधी महक पाता है कैसे जिन्दा रह सकेगा ?
ठहर जाओ बेबी.....ठहर जाओ बेबी.....ठहर जाओ

मगर बेबी नहीं ठहरी.....बेबी चली गई। रात तारीक़ तर हो गई थी। लोकलटी के शीशो की खिड़कियों से छन छन कर आने वाली ब्लू रौशनी बुझ चुकी थीं फिर बारा के वसी वीरानों में झिंगुरों की आवाज़ गहरे सन्नाटे को मुसलसल नोच रही थी। जैसे धुप अंधेरे में जुगनू लगातार टिमटिमाए जा रहा हो। गोया अकेले में दिल धड़के ही चला जा रहा हो। धक धक.....धक धक.....धक धक..... बुड़ढे अंकल ने बुझे हुए सिगार को दांतों से नोच कर हौले से धूक दिया। और बेताब सा हो कर धीरे से दिल पर हाथ रख लिया। यह दिलयह दिल कैसा धक धक करता है, कैसा धड़कता है। गोया अपनी अकेली मोहब्बत के पीछे बूढ़े खूंखार कुत्ते को मुंह फाड़े देख लिया हो ठहर जाओ.....ठहर जाओ तुमारे पीछे वक़्त का बूढ़ा कुत्ता सरपट भाग रहा है...दूर सुनसान सड़क पर कांपते हुए साए ने दुबारा सीटी बजाई.... जिसे सुन कर बेबी के कमरे की खिड़की खुली। और एक दूसरा साया धप से बुड़ढे अंकल की छाती पर गिरा। और वह अपनी जगह से उठ भी न सका। उस के मुंह से आवाज़ तक न निकल पाई कोई दिल के वीराने में कराहता रहा.....बेबी ठहर जाओ ठहर जाओ.....बेबी.....ठहर जाओ..... मगर बेबी निकल गई बगटुट, जैसे कोई उसे खींचे लिए जा रहा हो।

फिर रात जो झाग की तरह पूरे माहौल पर छा गई थी धीरे धीरे नीचे बैठने लगी तब बहुत देर बाद सेहन के एक गोशे में अपने पुराने मुंडे पर बैठे हुए बुड़ढे अंकल के कान में उलझती सुलझती सांसों के दरमियान किसी की बेहद धीमी चाल सुनाई दी। वह हड़बड़ा कर उठ खड़ा हुआ। "कहीं चोट तो नहीं आई बेबी। तुम्हें कहीं जख्म तो नहीं लगा.....डार्लिंग.....?"

धीमे से बुड़ढे अंकल के मोटे और करख़्त⁽¹⁾ लबों⁽²⁾ से आवाज़ निकली। जिसे सुन कर बेबी जो धीरे धीरे खिड़की पर चढ़ने की कोशिश में बार बार फिसल कर ज़मीन पर आ रही थी, थम कर खड़ी हो गई एक साअत के लिए बेबी के जिस्म में एक सर्द सी लहर दौड़ गई, मगर वह संभल गई। आखिर बुड़ढा ही तो है मुफ्त की रोटियां तोड़ने वाला बीमार कुत्ता.....उस ने आहिस्ता से मगर सख़्त लहजे में कहा। "तुम इदर में क्या करता सूअर?"

मिट्टी का एक लोथा आखिर उस उबलते हुए सोते के मुंह पर पड़ा। कुछ नहीं करता बेबी कुछ नहीं.....!

جو دیرے دیرے کھڑکی پر چڑھنے کی کوشش میں بار بار پھسل کر زمین پر آ رہی تھی، ہم کرکھڑی ہو گئی۔ ایک ساعت کے لیے بے بی کے جسم میں ایک سردی لہر دوڑ گئی۔ مگر وہ سنبھل گئی۔ آخر بڑھا ہی تو ہے۔ مفت کی روٹیاں توڑنے والا بیمار کتا..... اس نے آہستہ سے مگر سخت لہجے میں کہا۔ ”تم اور میں کیا کرتا سو؟“

مٹی کا ایک لوٹھا آخر اس اچلتے ہوئے سوتے کے منہ پر پڑا۔ ”کچھ نہیں کرتا بے بی، کچھ نہیں.....!“

”اچھا اچھا اور آؤ، امارا ہلپ کرو۔“

”تمارا ہلپ یسوع مسیح کرے گا بے بی.....“ بڑھا اٹکل اس کے قریب آکھڑا ہوا۔

اودہ بڑھا! تم ایسا ماٹک بات کرتا۔ امارا ہلپ کرو آم اوپر جانا مانگتا۔

اودہ بڑھے اٹکل نے کچھ نہیں کہا۔ ایک روتی بلکتی ہوئی نظر سے اس نے بے بی کی طرف دیکھا۔ اور آہستہ سے کھڑکی کے نیچے بیٹھ گیا۔ بے بی جلدی سے جوتے سمیت اپنے دونوں پاؤں اس کے کندھے پر رکھ کر کھڑکی کے نیچے کود گئی۔

یہ پاؤں..... یہ پھول سے پاؤں..... کتنے ہماری لگے آج، جیسے وہ منوں مٹی کے نیچے جنس رہا ہو۔ وہ کپڑے جھاڑ کر اٹھ کھڑا ہوا۔ بے بی پانچ کا ایک نوٹ اس کے ہاتھوں میں تھماتی ہوئی مسکرائی۔ ”پانچ کہتا، تم بہوت اچھا بڑھا۔ بہوت وفادار.....“

”پر بے بی ایک بات بولنا مانگتا۔“

”کیا؟ بولو.....“ اس کے تیر چڑھ گئے۔

بڑھے اٹکل کی آنکھوں میں آنسو آ گئے۔ اس نے انگلیوں میں کانپتے ہوئے نوٹ کو کھڑکی پر آہستہ سے رکھ دیا۔ ایک بار بے بی کو نظر اٹھا کر دیکھا اور چپ چاپ وہاں سے ہٹ گیا۔ ”کچھ نہیں بولنا مانگتا..... کچھ نہیں.....“

بے بی کی آنکھیں پٹی کی پٹی رہ گئیں۔ بڑھا آخر کیا چاہتا ہے۔ نہ معلوم کب سے برآمدے میں شاید اسی کے انتظار میں بیٹھا ہوا ہے۔ اس نے روپیہ نہیں لیا وہ کچھ بولتا بولتا بھی رہ گیا۔ وہ آخر کیا کہتا چاہتا ہے؟ پہلی بار اس کے دل میں بڑھے اٹکل کے لیے کچھ نرمی سی محسوس ہوئی۔ پتا کہتے ہیں بڑھا اٹکل بہوت اچھا آدمی ہے..... بڑھا نہیں ہوتا تو وہ شاید کھڑکی پر چڑھ بھی نہیں سکتی۔ لیکن بڑھا کیا بولنا چاہتا ہے.....؟

आजादी के बाद उर्दू अफ़साना

“अच्छा अच्छा इदर आओ, अमारा हैल्प करो।”

“तुमारा हैल्प यसू मसीह करेगा बेबी..... बुद्ध अंकल उस के करीब आ खड़ा हुआ।

ओह बुद्ध! तुम ऐसा माफ़िक बात करता। अमारा हैल्प करो अम ऊपर जाना मांगता।

बुद्धे अंकल ने कुछ नहीं कहा। एक रोती बिलकती हुई नज़र से उस ने बेबी की तरफ़ देखा। और आहिस्ता से खिड़की के नीचे बैठ गया। बेबी जल्दी से जूते समेत अपने दोनों पांव उस के कंधे पर रख कर खिड़की के नीचे कूद गई।

यह पांव..... यह फूल से पांव.....कितने भारी लगे आज जैसे वह मनो मिट्टी के नीचे धंस रहा हो। वह कपड़े झाड़ कर उठ खड़ा हुआ। बेबी पांच का एक नोट उस के हाथों में थमाती हुई मुसकुराई, पप्पा सच कहता, तुम बहुत अच्छा बुद्ध। बहुत वफ़ादार.....”

“पर बेबी एक बात बोलना मांगता।”

“क्या? बोलो.....उस के तेवर चढ़ गए।”

बुद्धे अंकल की आंखों में आंसू आ गए। उस ने उंगलियां में कांपते हुए नोट को खिड़की पर आहिस्ता से रख दिया। एक बार बेबी को नज़र उठा कर देखा और चुप चाप वहां से हट गया। कुछ नहीं बोलना मांगता कुछ नहीं” बेबी की आंखें फटी की फटी रह गई बुद्ध। आखिर क्या चाहता है। न मालूम कब से बरामदे में शायद उसी के इतिज़ार में बैठा हुआ है। उस ने रूपया नहीं लिया वह कुछ बोलता बोलता भी रह गया। वह आखिर क्या कहना चाहता है। पहली बार उसके दिल में बुद्धे अंकल के लिए कुछ नमी सी महसूस हुई— पप्पा कहते हैं बुद्धे अंकल बहुत अच्छा आदमी है..... बुद्ध नहीं होता तो शायद वह खिड़की पर चढ़ भी नहीं सकती.....

“लेकिन बुद्ध क्या बोलना चाहता है।”

“बुद्ध तुम कमरे में है.....?” दूसरे रोज़ शाम को मारग्रेट बुद्धे अंकल के दरवाजे पर खड़ी थी।

आफ़ताब कहीं डूब गया— धुंधलका फैल रहा था। आस पास की चीज़ें रफ़्ता रफ़्ता आंखों से ओझल होना शुरू हो गई थीं। कमरा काफ़ी तारीक था। बुद्धे अंकल ने सुबह से बाहर क़दम नहीं निकाला था। वह औंधा मुंह बिस्तर पर यूँ पड़ा हुआ था, गोया उस के जिस्म पर भारी बोझ रख दिया गया हो। उसकी

”بڑھاتم کمرے میں ہے.....؟“ دوسرے روز شام کو مارگریٹ بڑھے انکل کے دروازے پر کھڑی تھی۔

آفتاب کہیں ڈوب گیا۔ دھند لکا پھیل رہا تھا۔ آس پاس کی چیزیں رفتہ رفتہ آنکھوں سے اوجھل ہونا شروع ہو گئی تھیں۔ کمرہ کافی تاریک تھا۔ بڑے انکل نے صبح سے باہر قدم نہیں نکالا تھا۔ وہ اوندھانہ بستر پر یوں پڑا ہوا تھا، گویا اس کے جسم پر بھاری بوجھ رکھ دیا گیا ہو۔ اس کی آنکھیں جل رہی تھیں اور دل دھڑکتے دھڑکتے ختم سا جاتا تھا۔ پھر اس نے محسوس کیا گویا اسے بہت دور سے پکار رہا ہو۔ جیسے بے بی کے پیر کو بوڑھے کتے نے جڑوں میں دبایا ہو۔ اور وہ بے چاری چیخ بھی نہ سکتی ہو..... کسی کو پکار بھی نہ سکتی ہو..... بڑھاتم کدر ہے..... بڑھاتم کدر ہے.....

”بڑھاتم کدر.....؟“

وہ ہڑبڑا کر اٹھ بیٹھا۔ سامنے کھڑی بے بی اس سے کچھ پوچھ رہی تھی۔ ”کون بے بی..... تم ام کو مانگتا بے بی..... وہ..... وہ..... ہک صاحب کا کتا تم کو کدر میں کاٹا.....؟ بولو ام اس کو جان سے مار ڈالے گا کدر.....“

مارگریٹ ہنس پڑی۔ ”کدر میں کتا کاٹا..... یو بڑھا پاگل تم کو کون بولا۔ ام کو ہک صاحب کا کتا کاٹا.....“ وہ اندر چلی آئی ہوش سنبھالنے کے بعد غالباً پہلی بار بے بی اس کے کمرے میں آئی تھی۔ بڑھا انکل بے بی سے اٹھ کھڑا ہوا۔ اس نے اپنے فلیٹ سے موٹر سے کو صاف کیا۔ سوئچ دبا کر عتی جلائی۔ ”بے بی تم اور میں جینھو..... بے بی، کل رات ام یسوع مسیح کو بولا۔ بے بی کو ایک بار بھیج دو۔ تم پھر ابھی ایونگ کو یسوع مسیح نے تم کو اما را پاس ٹاک کرنے کو بھیج دیا.....!“

بے بی اکتا گئی..... کمرے میں چاروں طرف ایک عجیب سی بدبو پھیل رہی تھی۔ اس نے جیب سے رومال نکال کر ٹاک پر رکھ لیا۔ ”بڑھاتم بہت بات کرتا۔ تھوڑا بولو۔ کل رات میں تم کچھ بولنا مانگتا.....؟“

”ہاں بے بی، کل رات میں ام کچھ بولنا مانگتا بے بی اپنا لوکلٹی کا لمبا سڑک دیکھا۔ اس پر کتنا جیپ جاتا، کار جاتا۔ صائب لوگ اور میم صائب لوگ واک کرتا۔ پر بے بی اپنا

आंखें जल रही थीं। और दिल धड़कते धड़कते थम सा जाता था। फिर उसने महसूस किया गोया उसे बहुत दूर से पुकार रहा हो। जैसे बेबी के पैर को बूढ़े कुत्ते ने जबड़ों में दबा लिया हो, और वह बेचारी चीख भी न सकती हो..... किसी को पुकार भी न सकती हो..... बुढ़ा तुम किदर है..... बुढ़ा तुम किदर है.....

“बुढ़ा तुम किदर.....?” वह हड़ बड़ा कर उठ बैठा— सामने खड़ी बेबी उस से कुछ पूछ रही थी— कौन बेबी..... तुम अम को मांगता बेबी..... वह..... वह हक्क साहब का कुत्ता तुम को किदर में काट..... ? बोलो अम उस को जान से मार डालेगा किदर.....

मार्ग्रेट हंस पड़ी। “किदर में कुत्ता काट..... यू बुढ़ा पागल तुम को कौन बोला अम को हक्क साहब का कुत्ता काट..... वह अंदर चली आई होश सम्भालने के बाद गालेबन⁽¹⁾ पहली बार बेबी उस के कमरे में आई थी। बुढ़ा अंकल बेताबी से उठ खड़ा हुआ। उसने अपने फ्लैट से मून्डे को साफ़ किया। स्वीच दबा कर बत्ती जलाई “बेबी तुम इदर में बैठे..... बेबी, कल रात अम यसु मसीह को बोला। बेबी को एक बार भेज दो। तुम फिर अभी इवनींग को यसु मसीह ने तुम को अमारा पास टॉक करने को भेज दिया.....।

बेबी उकता गई.....कमरे में चारों तरफ़ एक अजीब सी बदबू फैल रही थी। उस ने जेब से रूमाल निकाल कर नाक पर रख लिया— बुढ़ा तुम बहुत बात करता। थोड़ा बोलो। कल रात में तुम कुछ बोलना मांगता..... ?

“हां बेबी कल रात में अम को कुछ बोलना मांगता.....बेबी अपना लोकेलिटि का लम्बा सड़क देखा। इस पर कितना जीप जाता, कार जाता— साएब लोग और मेम साएब लोग वाक करता..... पर बेबी अपना दिल कोई लोकेलिटि का सड़क नहीं उस पर से कोई जाता तो बहुत तकलीफ़ होता..... बहुत तकलीफ़ उस की आंख से आंसू बहने लगेबाई गॉड बेबी बोलता, बहुत तकलीफ़ होता.....।”

“बुढ़ा अंकल, तुम को फ़ीवर है। तुम आराम करो। अमारा टाइम बरबाद मत करो, अम जाता.....”

“नहीं बेबी..... ठहरो ज़रा.....ठहरो..... बाई गॉड अम झूठ नहीं बोलता। यसु मसीह जानता जब जार्ज.....जार्ज अपना दिल पर से गुज़रता तो अम को

دل کوئی لکھٹی کا سڑک نہیں۔ اس پر سے کوئی جاتا تو بہوت تکلیف ہوتا۔ بہوت تکلیف.....
 اس کی آنکھوں سے آنسو بہنے لگے..... بائی گاڈ بے بی بولتا، بہوت تکلیف ہوتا.....!“
 ”بڈھا انکل، تم کو فیور ہے۔ تم آرام کرو۔ امارا نام بر باد مت کرو۔ ام جاتا.....“
 ”نہیں بے بی..... ٹھہرو ذرا..... ٹھہرو..... بائی گاڈ ام جھوٹ نہیں بولتا۔ یسوع مسیح
 جانتا جب جارج..... جارج اپنا دل پر سے گزرتا تو ام کو بہوت تکلیف ہوتا۔ ایسا مایہک۔“
 اس نے سینے پر زور سے گھونہ مارتے ہوئے کہا۔

مارگریٹ سمجھ گئی۔ ”بڈھا کمینہ.....“ دفعتاً وہ چراغ جو کل رات پچھلی پہر بڈھا انکل
 کے نوٹ واپس کرتے وقت جل اٹھا تھا۔ اچانک بھڑک کر بچھ گیا..... ”بڈھا کمینہ! تم امارا
 پرسل بات میں کیوں ٹانگ اڑاتا ہے..... کتا ام تمارا آنکھ پھوڑ دے گا..... سور.....“ وہ اٹھ
 کھڑی ہوئی۔

”نہیں سچ بولتا بے بی! جارج اچھا نہیں، بہوت خراب، ام جانتا اپنا رابرٹ صائب
 کی بے بی کو خراب کیا..... وہ کتا..... سور..... بے بی اس کا ساتھ چھوڑ دو..... وہ کتا.....“

تڑپ کر مارگریٹ نے ایک بھر پور طمانچہ اس کے گال پر جڑ دیا۔ ”کمینہ!“
 بڈھا انکل تھپڑ کی تاب نہ لا کر فرش پر گر گیا۔ ”سچ بولتا، بائی گاڈ بے بی سچ.....“
 مارگریٹ نے زور سے ایک لات رسید کی اور گالیاں دیتی کمرے سے نکل گئی۔ پھر
 بڈھے انکل نے جودن بھر بخار میں سلگ رہا تھا۔ یوں محسوس کیا کہ دیوار پر لگا ہوا بلب
 دھیرے دھیرے مدھم مدھم ہو کر بجھ گیا۔ اور وہ خود فرش کے نیچے ڈوبتا چلا گیا..... ڈوبتا چلا گیا
 پھر بہت دیر بعد وہ فرش کی اتھاہ گہرائیوں سے ابھرا تو اس وقت آدمی سے زیادہ رات
 گزر چکی تھی۔ سرد ہوا کے تیز جھونکے باہر درختوں کے پتوں سے الجھ کر گزر رہے تھے اور وہ
 اکیلا کمرہ میں پسینے میں شرابور فرش پر پڑا تھا۔ اس کے گال پر سے ابھی تک وہ جلتا ہوا تھا
 چمکا ہوا تھا۔ اس نے آہستہ سے اس پر ہاتھ پھیرا..... ”بے بی تم ام کو مارا..... بے بی تم ام
 کو تھپڑ مارا ایسا مایہک مارا.....“ بڈھا انکل کی آواز رندہ گئی۔ اس کی آنکھوں سے آنسوؤں
 کا تار بندھ گیا۔ پھر وہ پھوٹ پھوٹ کر یوں رونے لگا جیسے بے بی کی ماں آج پھر مر گئی
 ہو۔ جیسے پرانی میم صاحب جودل کے کسی گوشے میں پڑی کراہ رہی تھی آج پھر مر گئی ہو۔

आज्ञादी के बाद उर्दू अफ़साना

बहुत तकलीफ़ होता। ऐसा माफ़िक़, उसने सीने पर जोर से घूसा मारते हुए कहा।

मारग्रेट समझ गई— “बुद्धा कमीना..... दफ़ततन वह चराग़ जो कल रात पिछली पहर बुद्धा अंकल के नोट वापस करते वक़्त जल उठ था, अचानक भड़क कर बुझ गया.....बुद्धा कमीना, तुम अमारा पर्सनल बात में टांग क्यों अड़ाता है। कुत्ता अम तुम्हारा आंख फोड़ देगा.....सूअर”.....वह उठ खड़ी हुई।

“नहीं सच बोलता बेबी। जार्ज अच्छा नहीं, बहुत ख़राब, अम जानता अपना राबर्ट साएब की बेबी को ख़राब किया..... वह कुत्ता..... सुअर..... बेबी उसका साथ छोड़ दो.....वह कुत्ता.....”

तड़प कर मारग्रेट ने एक भरपूर तमाचा उस के गाल पर जड़ दिया.....
“कमीना.....”

बुद्धा अंकल थप्पड़ की ताब न लाकर फ़र्श पर गिर गया। “सच बोलता, बाई गॉड बेबी सच.....”

मारग्रेट ने जोर से एक लात रसीद की और गालियां देती कमरे से निकल गई,

फिर बुद्धे अंकल ने जो दिन भर बुखार में सुलग रहा था, यूँ महसूस किया कि दीवार पर लगा हुआ बल्ब धीरे धीरे मद्धम हो कर बुझ गया। और वह खुद फ़र्श के नीचे डूबता चला गया.....डूबता चला गया..... फिर बहुत देर बाद वह फ़र्श की अथाह गहराईयों से उभरा तो उस वक़्त आधी से ज्यादा रात गुज़र चुकी थी। सर्द हवा के तेज़ झोंके बाहर दरख़्तों के पत्तों से उलझ उलझ कर गुज़र रहे थे। और वह अकेला कमरे में पसीने में शराबोर⁽¹⁾ फ़र्श पर पड़ा था। उस के गाल पर से अभी तक वह जलता हुआ तवा चिमटा हुआ था। उस ने आहिस्ता से उस पर हथ फेरा..... बेबी तुम अम को मारा..... बेबी अम को थप्पड़ मारा ऐसा माफ़िक़ मारा..... बुद्ध अंकल की आवाज़ रुंध गई। उस की आंखों से आसुओं का तार बंध गया। फिर वह फूट फूट यूँ कर रोने लगा। जैसे बेबी की मां आज फिर मर गई हो। जैसी पुरानी मेम साहब जो दिल के किसी मोर्चे⁽²⁾ में पड़ी कराह रही थी आज फिर मर गई हो। बेबी तुम अम को मारा। अमा बुद्धा अंकल को मारा..... कमरे में उस की सिसकियां भटकी हुई रुह की तरह फिर रही थीं..... वह उसी हालत में उठ..... लकड़ी के बड़े से सन्दूक में से फटे पुराने कपड़े, पुरानी बेकार फूल बुट और टुटे हुए चमड़े के बेल्ट के नीचे से एक

بے بی تم ام کو مارا..... اپنا بڑھا انکل کو مارا..... کمرے میں اس کی سسکیاں بھگی ہوئی روح کی طرح پھر رہی تھی۔..... وہ اسی حالت میں اٹھا۔ کلزی کے بڑے سے صندوق میں سے پھٹے پرانے کپڑے، پرانی بے کارفل بوٹ اور ٹوٹے ہوئے چمڑے کے ہیلت کے نیچے سے ایک میلے کپڑے کی پوٹلی نکالی۔ پھر کانپتے ہوئے ہاتھوں سے اس نے پوٹلی کھولی۔ اس میں ریشم کے دو پینٹ، چھوٹے چھوٹے فرائ، ایک پلاسٹک کا تزا مزاج بھینٹا اور دو تین ربڑ کی شہد والی چوٹی نکال کر باہر پھیلادیں۔ اور ایک ایک چیز کو اٹھا کر آنکھوں سے لگاتا جاتا اور چوم۔ چوم۔..... ”بے بی تم ام کو مارا..... بے بی ڈارنگ تم اپنا..... بڑھا انکل کو مارا..... تھپڑ مارا.....“

تھوڑی دیر بعد آپ ہی آپ چپ ہو گیا۔ پوٹلی کو اسی طرح باندھ کر صندوق میں رکھا۔ پھر اس نے میلی قمیص کی آستین سے اپنی آنکھیں پونچھیں۔ فلیٹ کو جھاڑ کر سر پر رکھ لیا۔ طاق سے ماچس اور ایک بہت پرانے ڈبے سے اگر بتی نکالی اور دھیرے سے یوں اٹھ کھڑا ہوا جیسے وہ سارا بوجھ جو بہت دیر سے اس کے شانے پر پڑا تھا زمین کے سپرد کر کے سبکدوش ہو گیا ہو..... یسوع مسیح! بے بی نے ام کو مارا اس کو معاف کرو، بے بی اپنا..... بڑھا انکل کو مارا، اس کو اسکیوز کرو۔ یسوع مسیح وہ کچھ نہیں جانتا، ایک دم سے بے بی ہے.....

اس کے کانپتے ہوئے قدم آپ ہی آپ علاقے کے سچ در سچ گلیوں کو عبور کرتے ہوئے آدمی رات کے شانے میں ڈوبے ہوئے قبرستان میں لے آئے۔ پھر وہ ایک جگہ رک گیا۔ اور ایک بہت پرانی قبر کی ٹوٹی پھوٹی دیوار کے پیچھے بیٹھ کر اگر بتی جلائی۔ پھر اپنے گال پر ہاتھ پھیرنے لگا..... ”میم صائب سچ بولتا..... اپنا بے بی آج امارا گال پر مارا..... بانی گاڈ مارا.....“ پھر وہ رونے لگا۔ ”ام اس دنیا میں نہیں رہنا مانتا..... میم صائب اب اس دنیا میں ام نہیں رہنا مانتا۔ ام تمہارا پاس آئے گا..... تم ام کو اپنا پاس بلا لو..... بے بی بولتا، امارا پرسنل بات میں ٹانگ مت اڑاؤ۔ اور ام کو سو رہا، کتا بولتا۔ یسوع مسیح اس کا ہلپ کرے..... وہ اب بہوت بڑا ہو گیا میم صائب..... اب اس کو امارا ضرورت نہیں ذرا بھی ضرورت نہیں..... اب ام اس کا پرسنل بات میں ٹانگ نہیں اڑائے گا..... اب اپنا بے بی بہوت بڑا ہو گیا..... اب کبھی نہیں ڈسٹرب کرے گا۔ بانی گاڈ کبھی نہیں ڈسٹرب کرے گا.....“

आजादी के बाद उर्दू अफ़साना

मैले कपड़े की पोटली निकाली। फिर कांपते हुए हाथों से उसने पोटली खोली। उस में रेशम के दो पैट छोटे छोटे फ़ाक़ एक पलसिस्क का तुड़ामुड़ा झुनझुना और दो तीन रबड़ की शहद वाली चुसनी निकाल कर बाहर फैला दी। और एक एक चीज़ को उठ कर आंखों से लगाता जाता और फूट फूट कर रोता जाता..... बेबी तुम अम को मारा.....बेबी डार्लिंग तुम अपना.....बुड़्हा अंकल को मारा.....थप्पड़ मारा.....

थोरी देर बाद आप ही आप चुप हो गया। पोटली को उसी तरह बांध कर संदूक में रखा। फिर उस ने मैली क़मीज़ की आसतीन से अपनी आंखें पोछी। फ़्लैट को झाड़ कर सर पर रख लिया। ताक़ से माचिस और एक बहुत पुराने डब्बे से अगर बत्ती निकाली और धीरे से यूं उठ खड़ा हुआ जैसे वह सारा बोझ जो बहुत देर से उसके शाने पर पड़ा था ज़मीन के सुपर्द कर के सुबुकदोश⁽¹⁾ हो गया हो..... "यसू मसीह! बेबी ने अम को मारा उस को माफ़ करो, बेबी अपना..... बुड़्हा अंकल को मारा उसको एस्क्यूज करो। यसू मसीह वह कुछ नहीं जानता, एक दम से बेबी है....."

उस के कांपते हुए क़दम आप ही आप इलाक़े के पेच दर पेच गलियों को उबूर करते हुए आधी रात के सन्नाटे में डूबे हुए क़ब्रिस्तान में ले आए। फिर वह एक जगह रुक गया। और एक बहुत पुरानी क़ब्र की टूटी फूटी दीवार के पीछे बैठ कर अगर बत्ती जलाई। फिर अपने गाल पर हाथ फेरने लगा....."मेम साएब सच बोलता.....अपना बेबी आज अमारा गाल पर मारा.....बाई गॉड मारा....." फिर वह रोने लगा। अम इस दुनिया में नहीं रहना मांगता..... मेम साएब अब इस दुनिया में अम नहीं रहना मांगता। अम तुमारा पास आएगा.....तुम अम को अपना पास बुला लोबेबी बोलता, अमारा पर्सनल बात में टांग मत अड़ाओ। और अम को सुअर बोलता। कुत्ता बोलता यसू मसीह उसका हेल्प करे.....वह अब बहुत बड़ा हो गया मेम साएब..... अब उस को अमारा ज़रूरत नहीं जरा भी ज़रूरत नहीं.....अब अम उस का पर्सनल बात में टांग नहीं अड़ाएगा..... अब अपना बेबी बहुत बड़ा हो गया..... अब कभी नहीं डिसटर्ब करेगा.....बाई गॉड कभी नहीं डिसटर्ब करेगा....."

फिर बहुत देर हो गई। और रात की सर्द हवा उस की हड्डियों में घुस कर सीटियां सी बजाने लगी। तो बुड़्हे अंकल ने खड़े हो कर दोनो हाथ उठ कर दुआ

پھر بہت دیر ہوگئی۔ اور رات کی سرد ہوا اس کی ہڈیوں میں گھس کر سیٹیاں سی بجانے لگی۔ تو بڑھے انگل نے کھڑے ہو کر دونوں ہاتھ اٹھا کر دعا پڑھی۔ پھر انگلیوں سے سینے پر صلیب بنائی اور سردی سے کانپتے ہوئے ہاتھوں سے اپنے آنسو خشک کرتا اور منہ ہی منہ میں بد بداتا گھر واپس آ گیا۔ اب کبھی نہیں ڈسٹرب کرے گا۔ اپنا بے بی بہوت بڑا ہو گیا۔ اس کو امارا کوئی ضرورت نہیں اب کبھی نہیں کچھ بولے گا..... یسوع مسیح! اس کا ہلپ کرو.....“

سات دنوں تک سیاہ آنڈھیاں اور جھکڑ چلتے رہے۔ تیز اور سرد آنڈھیاں..... سات دنوں تک وہ بخار کی شدت میں تڑپتا رہا۔ اور خداوند یسوع مسیح سے دعا کرتا کہ آنڈھیوں کی زد میں جلتا ہوا چراغ بجھ جائے۔ مگر چراغ نہیں بجھا..... سات دن تک اس چراغ کی ذوقی ابھرتی تو تھر تھراتی رہی..... تھر تھراتی رہی.....

اور اب کئی مہینے ہو گئے۔ وہ دن بھر چپ چاپ کمرے میں اوندھے منہ بستر پر پڑا رہتا۔ آنکھیں کھولے اور دیوار کو تکتا رہتا۔ وہ اب ہر صبح نہا دھو کر صاحب اور میم صاحب کو گڈ مارنگ کہنے نہیں جاتا۔ بلکہ ہفتے دو ہفتے میں ایک آدھ بار جاتا اور ضرورت کی چیزوں کے لیے پیسے لے کر گردن جھکائے واپس چلا آتا۔ حتیٰ کہ خواہش ہونے پر بھی خلاف معمول بے بی کے کمرے کی طرف آنکھ اٹھا کر بھی نہیں دیکھتا، علاقے کے لوگوں کو تعجب ہوتا کہ اب بڑھا انگل، ٹھہر ٹھہر کر چلنے والا، ڈھیلے ڈھالے پتلون اور میلے فلیٹ پہنے ہوئے بڑھا انگل جو راستہ طے کرتے وقت ہر آنے جانے والے صاحب کو گڈ مارنگ اور گڈ ایوننگ کہنے سے نہ چوکتا تھا، اب یوں گردن جھکائے ہوئے سامنے سے گزر جاتا ہے گویا وہ یہاں کا رہنے والا ہی نہ ہو۔ بعض لوگ بڑھا انگل کہہ کر پکار بھی لیتے تو آہستہ سے گردن اٹھا کر مسکرا دیتا۔ اور پھر ٹھہر ٹھہر کر چلتا ہوا اپنے کمرے میں آ جاتا..... صاحب کو تشویش ہوئی۔

”بڑھا انگل تمہارا طبیعت اچھا نہیں رہتا؟“

”نہیں صاحب، اچھا رہتا ہے۔ ام سرونٹ ہے، سرونٹ ماچک رہتا۔!“

پھر جس دن اس کے سامنے سے نئی میم صاحب گزر گئی اور اس نے اپنی جگہ سے اٹھ کر سلام کرنے کی بجائے گردن جھکا کے حسب دستور جوتے سے میل اتارتا رہا تو نئی میم

आजादी के बाद उर्दू अफ़साना

पढ़ी। फिर उंगलियों से सीने पर सलीब बनाई और सर्दी से कांपते हुए हाथों से अपने आंसू खुशक करता और मुंह ही मुंह में बुद बुदाता घर वापस आ गया— अब कभी नहीं डिसटर्ब करेगा..... अपना बेबी बहुत बड़ा हो गया। उस को अमारा कोई जरूरत नहीं। अब कभी नहीं कुछ बोलेगा..... यसू मसीह! उसका हेल्प करो।”

सात दिनों तक स्याह आंधियां और झक्कड़ चलते रहे तेज और सर्द आंधियां..... सात दिनों तक वह बुखार की शिद्दत⁽¹⁾ में तड़पता रहा। और खुदा वंद यसू से दुआ करता कि आंधियां की ज़द में जलता हुआ चिराग बुझ जाए। मगर चिराग नहीं बुझा..... सात दिन तक उस चिराग की डूबती उभरती लौ धरधराती रही..... धरधराती रही।

और अब कई महीने हो गए। वह दिन भर चुप चाप कमरे में औंधे मुंह बिस्तर पर पड़ा रहता। आखें खोले और दीवार को तकता रहता। वह अब हर सुबह नहा धो कर साहेब और मेम साहेब को गुड मॉर्निंग कहने नहीं जाता। बल्कि हफ्ते दो हफ्ते में एक आध बार जाता और जरूरत की चीजों के लिए पैसे लेकर गर्दन झुकाए वापस चला आता हत्ता⁽²⁾ कि ख्वाहिश होने पर भी खिलाफ़े मामूल बेबी के कमरे की तरफ़ आंख उठा कर भी नहीं देखता इलाक़े के लोगों को ताज्जुब होता कि अब बुड़्ढा अंकल, ठहर ठहर कर चलने वाला, ढीले ढाले पतलून और मैले फ्लैट पहने हुए बुड़्ढा अंकल जो रास्ता तै करते वक़्त हर आने जाने वाले साहेब को गुड मॉर्निंग और गुड इवनिंग कहने से न चूकता था, अब यूं गर्दन झुकाए हुए सामने से गुजर जाता है गोया वह यह। का रहने वाला ही न हो। बाज़ लोग बुड़्ढा अंकल कह कर उसे पुकार भी लेते तो आहिस्ता से गर्दन उठा कर मुस्कुरा देता। और फिर ठहर ठहर कर चलता हुआ अपने कमरे में आ जाता..... साहेब को तशवीश⁽³⁾ हुई।

“बुड़्ढा अंकल तुमारा तबियत अच्छा नहीं रहता?”

“नहीं साहेब, अच्छा रहता है। अम सरवेंट है, सरवेंट माफ़िक़ रहता।”

फिर जिस दिन उसके सामने से नई मेम साहेब गुज़र गई और उस ने अपनी जगह से उठ कर सलाम करने की बजाए गर्दन झुका कर हस्बे-दस्तूर जूते से मैल उतारता रहा तो नई मेम साहेब बिगड़ गई।

यूं ब्लाड़ी, बुड़्ढा तुम अम को अब सलाम भी नहीं बोलता। तुम कुत्ता.....

صاحب بگڑ گئیں۔

”یو بلاڈی بڈھا، توام کو اب سلام بھی نہیں بولتا۔ بڈھا تم کتا..... سور..... ہانکل
سور.....“

بڈھا انکل آہستہ سے اٹھ کھڑا ہوا ”جج بولتا میم صائب ام کتا، ام سور.....“ اس نے
سر سے فلیٹ اتار لی اور جھک کر سلام کیا۔ ”یہ سور تم کو سلام بولتا میم صائب، ام سے بھول
ہوا..... ام کو اسکیوز کرو۔“ یہ کہتا ہوا وہ اپنے کمرے میں چلا گیا۔ لیکن اس کی بے بسی بڑھتی
گئی..... بڑھتی گئی..... بڑھتی گئی۔ تہہ در تہہ گویا سمیٹ کا پلاسٹر چڑھایا جا رہا ہو۔ اور اس
پلاسٹر کے اندر سے بڈھے انکل کی کچھ بھری آنکھیں نکل کر تک رہی تھیں۔ بے حس، بے
اثر..... سرد اور بے جان آنکھیں..... اس کی بے حسی بڑھتی گئی..... بڑھتی گئی..... اور اچانک
اس رات ترخ گئی جس رات ڈرائنگ روم سے بے بی کی چیزوں کی آواز مسلسل آتی رہی۔
اور اس کے احساس پر نشتر چبھوتی رہی۔ اس رات وہ تڑپ اٹھا۔ وہ بے تابانہ اٹھ کر دبلیر
تک گیا۔ پھر کچھ یاد کر کے واپس آ گیا۔ نہیں سروٹ کو نہیں بولنا چاہیے۔ نہیں یہ ان کا
پرسل بات ہے، اس میں دخل نہیں دینا چاہیے..... مگر بے بی؟ بے بی چھ سالہ بچوں کی
طرح چیخ رہی تھی۔ اور گڑگڑا کر پیا اور می سے معافی مانگ رہی تھی۔“ نوپا..... نوپا.....
اسکیوز می..... پیا پیا.....“

بڈھا انکل کے قدم رک گئے..... پیا پیا..... گویا بے بی بہت دور سے انیس برس کی
دوری سے اسے پکار رہی ہے..... نوپا، نوپا..... اسکیوز می، اسکیوز می..... پیا پیا..... مائی
پیا..... بڈھا انکل کے لب ہولے ہولے کانپنے لگے..... دھواں کی طرح چیخ کھائی ہوئی
ایک الجھتی ہوئی آواز اس کے دل کی گہرائیوں سے ابھر کر اس کے حلق میں پھنس پھنس
جاتی تھی..... اس کے لب ہل رہے تھے۔

”پیا..... مائی پیا.....“ گویا بک صاحب کا کتا، بے بی کی نازک ٹانگ کو اپنے
جڑے میں دبائے ہوئے ہے۔ اور وہ زور سے اسے پکار رہی ہو۔

پھر وہ اچانک پلٹ پڑا..... بے بی..... ای ای..... ام آتا ہے بے بی..... مائی بے
بی.....“ برسوں کی دبائی ہوئی آواز اس کے حلق سے یوں نکل گویا آتش فشاں کا دہانہ پھٹ

सूअर..... बिल्कुल सूअर.....”

बुड्ढा अंकल आहिस्ता से उठ खड़ा हुआ। “सच बोलता मेम साएब अम कुत्ता अम सूअर.....” उस ने सर से फ्लैट उतार ली और झुक कर सलाम किया। “ये सूअर तुम को सलाम बोलता मेम साएब, अम से भूल हुआ..... अम को एसक्यूज करो।” यह कहता हुआ वह अपने कमरे में चला गया। लेकिन उसकी बेहिंसी बढ़ती गई.....बढ़ती गई। तह दर तह गोया सीमेंट का पलास्टर चढ़ाया जा रहा हो। और उस पलास्टर के अंदर से बुड्ढे अंकल की कीच भरी आंखें टुकुर टुकुर तक रही थीं। बेहिस बेअसर.....सर्द और बेजान आंखें.....उसकी बेहिंसी बढ़ती गई..... बढ़ती गई..... और अचानक उस रात तड़ख गई जिस रात ड्राईंग रूम से बेबी की चीखों की आवाज मुसलसल आती रही। और उस के एहसास पर नशतर चूभोती रही, उस रात वह तड़प उठा। वह बेताबाना उठ कर दहलीज़ तक गया। फिर कुछ याद कर के वापस आ गया। “नहीं, सरवेंट को नहीं बोलना चाहिए। नहीं यह उनका पर्सनल बात है, इस में दखल नहीं देना चाहिए..... मगर बेबी? बेबी छः साला बच्चों की तरह चीख रही थी। और गिड़गिड़ा कर पप्पा और मम्मी से मांफी मांग रही थी। “नो पप्पा, नो पप्पा एसक्यूजमी..... पप्पा पप्पा.....

बुड्ढा अंकल के क़दम रुक गए..... पप्पा.....गोया बेबी बहुत दूर से उन्नीस बरस की दूरी से उसे पुकार रही है..... नो पप्पा, नो पप्पा.....एसक्यूज मी, एसक्यूज मी.....पप्पा.....माई पप्पाबुड्ढा अंकल के लब हौले हौले कांपने लगे.....धुआं की तरह पेंच खाई हुई एक उलझती हुई आवाज उस के दिल की गहराइयों से उभर कर उस के हलक़ में फंस फंस जाती थी.....उस के लब हिल रहे थे।

“पप्पामाई पप्पा.....” गोया हक़ साहब का कुत्ता, बेबी की नाज़ुक टांग को अपने जबड़े में दबाए हुए है। और वह जोर से उसे पुकार रही हो।

फिर वह अचानक पलट पड़ा..... “बेबी.....अई अई.....अम आता है बेबी.....माई बेबी”बरसों की दबाई हुई आवाज उसके हलक़ से यूं निकली गोया आतिश-फिशा⁽¹⁾ का दहाना फट पड़ा हो। वह लपकता हुआ ड्राईंग रूम के दरवाजे पर आकर रुक गया। फिर दौड़ता हुआ साहब के सामने झुक कर खड़ा हो गया। “नहीं साएब। नहीं साएब। बेबी कुछ नहीं जानता.....अम बोला

پڑا ہو۔ وہ لپکتا ہوا ڈرائنگ روم کے دروازے پر آکر رک گیا۔ پھر دوڑتا ہوا صاحب کے سامنے جھک کر کھڑا ہو گیا۔ ”نہیں صائب! نہیں صائب!! بے بی کچھ نہیں جانتا..... ام بولا وہ جارج کتا..... وہ جارج سور.....“

صاحب نے بید دور پھینک دی ”بڈھا، تم جاؤ ابھی..... فوراً جاؤ..... ابھی ام نہیں مانتا.....“

”جانتا صائب..... ابھی جانتا“ بے بی اس کے سامنے اوندھے منہ فرش پر پڑی سسک رہی تھی۔ اس میں رونے تک کی سکت نہیں تھی۔ بڈھا انکل نے پیار سے اس کی پشت پر ہاتھ پھیرا..... جانتا ہے صائب، پر بے بی کو اب نہیں مارو صائب۔ بے بی کچھ نہیں جانتا..... یسوع مسیح جانتا اپنا بے بی ایکدم اچھا والا.....“

ام بولتا سور تم روم سے باہر جاؤ..... فوراً نکل جاؤ۔“

”ابھی جاتا صائب..... ابھی جاتا.....“ اس نے پھر ایک بار بے بی کے جسم پر ہاتھ پھیرا..... پھر وہ ایک ساعت کے لیے کھو گیا۔ بھٹکتا ہوا بہت دور تک نکل گیا..... جہاں افق اور زمین آپس میں مل جاتے ہیں۔ اور بجز ایک موٹے کچے بید سے کچلے ہوئے جسم کی ہر چیز نظروں سے اوجھل ہو جاتی ہے۔ پھر بڈھا انکل نے چونک کر اپنی ہتھیلی کو دیکھا۔ اور آہستہ سے بڑے آہستہ سے جیسے گلاب کی پتھریوں سے شبنم جن رہا ہو، ہتھیلی کو اپنے ہونٹوں سے لگاتا ہوا ہر نکل گیا۔ پھر اپنے بستر پر گر کے رات بھر یوں تڑپتا رہا گویا صاحب نے بے بی کو نہیں پرانی میم صائب کو مارا ہو گویا اس کے دل کے نازک ترین حصے پر مسلسل بید کی بارش کر دی ہو.....“ نہیں صائب..... نہیں صائب..... اب نہیں..... اب نہیں!!“

دوسرے دن صاحب دوپہر میں خود بڈھا انکل کے کمرے میں آیا، اور رات کے سلوک کے لیے معافی مانگی۔ ام کو معاف کر دو بڈھا انکل تم سچ بولتا جارج سور..... وہ بالکل سور..... ام اس کو شوٹ کر دے گا..... وہ کتا یہاں سے بھاگ گیا۔ پر اپنا بے بی کا کیا کرے گا.....؟ اس کا میرج کا بات کلکتے میں ایک لڑکا کے ساتھ پکا کیا۔ لڑکا بہت اچھا..... وہ چار سو روپے پاتا اور وٹن صائب کا وائف کا انٹی ہوتا۔ اس کو کیس معلوم ہو جانے سے

आजादी के बाद उर्दू अफ़साना

वह जार्ज कुत्ता वह जार्ज सूअर.....”

साहब ने बेद दूर फेंक दी— “बुढ़्ढा तुम जाओ अभी..... फ़ौरन जाओ..... अभी अम नहीं मांगता.....”

“जाता साहब..... अभी जाता.....” बेबी उस के सामने औंधे मुंह फर्श पर सिसक रही थी। उस में रोने तक की सकत नहीं थी। बुढ़्ढा अंकल ने प्यार से उस की पुश्त पर हाथ फेरा.....जाता है साएब, पर बेबी को अब नहीं मारो साएब। बेबी कुछ नहीं जानता..... यसू मसीह जानता अपना बेबी एक दम अच्छा वाला.....”

“अम बोलता सूअर तुम रूम से बाहर जाओ.....फ़ौरन निकल जाओ.....”

“अभी जाता साएब.....अभी जाता.....” उस ने फिर एक बार बेबी के जिस्म पर हाथ फेरा। फिर वह एक साअत के लिए खो गया। भटकता हुआ बहुत दूर निकल गया..... जहां उफ़क़ और जमीन आपस में मिल जाते हैं। और बजुज एक मोटे कच्चे बेद से कुचले हुए जिस्म की हर चीज़ नज़रों से ओझल हो जाती है। फिर बुढ़्ढा अंकल ने चौक कर अपनी हथेली को देखा। और आहिस्ता से बड़े आहिस्ता से जैसे गुलाब की पंखड़ियों से शबनम चुन रहा हो, हथेली को अपने होठों से लगाता हुआ बाहर निकल गया। फिर अपने बिस्तर पर गिर के रात भर यूं तड़पता रहा गोया साहब ने बेबी को नहीं पुरानी मेम साहब को मारा हो गोया उस के दिल के नाजुक तरीन हिस्से पर मुसलसल बेद की बारिश कर दी हो.....“नहीं साएब.....नहीं साएब.....अब नहीं.....अब नहीं!”

दूसरे दिन साहब दोपहर में खुद बुढ़्ढा अंकल के कमरे में आया। और रात के सुलुक के लिए माफ़ी मांगी। “अम को माफ़ कर दो बुढ़्ढा अंकल.....तुम सच बोलता जार्ज सूअर.....वह बिल्कुल सूअर.....अम उस को शूट कर देगा..... वह कुत्ता यहां से भाग गया। पर अपना बेबी का क्या करेगा..... ? उस का मैरेज का बात कलकत्ता में एक लड़के के साथ पक्का किया। लड़का बहुत अच्छा है..... वह चार सौ रूपये पाता..... और विटसन साहब का वाइफ़ का आन्टी होता। उस को केस मालूम हो जाने से हमारा इज़्ज़त मिट्टी में मिल जाता..... वह लड़का इंदर में एक महीना बाद आना मांगता..... पर बेबी.....बेबी..... वह रोने लगा..... बेबी ने हमारा मुंह पर कैसा माफ़िक थप्पड़ मारा। बोलो.....कैसा माफ़िक थप्पड़ मारा.....” वह सिसक सिसक कर रोने

امارا عزت مٹی میں مل جاتا..... وہ لڑکا ایک مہینہ بعد اور میں آنا مانگتا۔..... پر بے بی..... بے بی..... وہ رونے لگا..... بے بی نے امارا منہ پر کیسا مایہک تھپڑ مارا۔ بولو کیسا مایہک تھپڑ مارا“ وہ سسک سسک کر رونے لگا۔ بڑھا اٹکل کی آنکھوں سے بھی جمر جمر آنسو گرنے لگے۔

پھر اسکے بعد وہ قہر کی رات بھی آئی۔ جب فسادات کی وجہ سے سارے شہر میں کرفیو نافذ تھا۔ اور نادان بے بی ایک ناجائز بچے کو جنم دے رہی تھی۔ اور فطرت کی طرف سے شاید یہ سب سے بڑی سزا تھی کہ میز پر وہ تار بھی پڑا ہوا تھا۔ جس میں بے بی کے ہونے والے شوہر نے کلکتے سے اپنی آمد کی اطلاع دی تھی!

بڑھا اٹکل نے دوسری بار محسوس کیا کہ آج کی رات اس بے مصرف دنیا کی آخری رات ہے۔ اور کل کے بعد شاید کوئی زندہ باقی نہ بچے گا۔ پھر اس نے نظر اٹھا کر آسمان کی طرف دیکھا۔ جہاں چمکتا ہوا خوبصورت چاند بھی بادل میں ڈوب جاتا کبھی ابھر آتا..... بڑھا اٹکل کے دل میں آیا کہ وہ آس پاس کے بنگلوں میں سوئے ہوئے بچوں کو جھنجھوڑ کر اٹھائے اور ایک ایک سے پوچھے کہ دنیا اتنا بیوٹی فل کیوں ہے؟ اور جب بچے مون کی طرف اشارہ کر دیں تو ان سے یہ بھی پوچھ ڈالے کہ بابا لوگ اگر آج مون کو گرہن لگ گیا تو.....؟

”بابا لوگ بولو.....؟“

”بابا لوگ..... بابا..... لو.....“

”کیا بولتا بڑھا اٹکل؟“

”کچھ نہیں صاحب..... کچھ نہیں.....“ وہ اٹھ کھڑا ہوا..... ام بابا لوگ سے پوچھتا اپنا مون وہ بادل میں ڈوب گیا تو پھر کیا ہوگا۔ ام اس اندھیرا دنیا میں بابا لوگ کو کدر سے کنگ کا کہانی سنائے گا۔ کیسا مایہک کہانی سنائے گا صاحب.....؟“

”ابھی ایسا مایہک مت بولو اٹکل..... ابھی کچھ نہیں بولو..... ابھی آسنسول سے صاحب کا فون آیا۔ وہ بولا۔ اور میں رہن صاحب کلکتے سے آیا۔ اور میں کرفیو ہے۔ وہ کل مورنگ کو آئے گا..... کل مورنگ..... تم امارا ایک کام کرو بڑھا اٹکل..... ام تمہارا بہوت تھینکس بولے گا..... بائی گاڈ اپنا بے بی کے لائف کے واسطے ایک کام کرو..... کرے

आजादी के बाद उर्दू अफ़साना

लगा। बुद्ध अंकल की आंखों से भी झर झर आंसू गिरने लगे।

फिर उस के बाद वह फ़रहर की रात भी आई। जब फ़त्तादात की वजह से सारे शहर में कफ़रू नाफ़िज़⁽¹⁾ था। और नादान बेबी एक नाजाइज़ बच्चे को जन्म दे रही थी। और फ़िज़रत की तरफ़ से शायद यह सब से बड़ी सज़ा थी कि मेज़ पर वह तार भी पड़ा हुआ था जिस में बेबी के होने वाले शौहर ने कलकत्ता से अपनी आमद⁽²⁾ की इत्तेला⁽³⁾ दी थी—!

बुद्धा अंकल ने दूसरी बार महसूस किया के आज की रात इस बे मसरफ़⁽⁴⁾ दुनिया की आख़री रात है। और कल के बाद शायद कोई ख़िन्दा बाक़ी न बचेगा। फिर उस ने नज़र उठा कर आसमान की तरफ़ देखा। जहाँ चमकता हुआ ख़ूबसूरत चांद कभी बादल में डूब जाता कभी उभर आता बुद्धा अंकल के दिल में आया कि वह आस पास के बंगलों में सोए हुए बच्चों को झिन झोड़ कर उठाए और एक एक से पूछे कि दुनिया इतना व्यटी फूल क्यों है? और जब बच्चे मून की तरफ़ इशारा कर दें तो उन से यह भी पूछ डाले कि बाबा लोग अगर आज मून को ग्रहण लग गया तो..... ?

“बाबा लोग, बोलो..... ?”

“बाबा लोग.....बाबा.....लो.....

“क्या बोलता बुद्धा अंकल ?”

“कुछ नहीं साएब..... कुछ नहीं.....” वह उठ खड़ा हुआ। अम बाबा लोग से पूछता अपना मून वह बादल में डूब गया तो फिर क्या होगा। अम इस अंधेरा दुनिया में बाबा लोग को किदर से किंग का कहानी सुनाएगा। कैसा माफ़िज़ कहानी सुनाएगा साहिब..... ?”

“अभी ऐसा माफ़िज़ मत बोलो अंकल.....अभी कुछ नहीं बोलो.....अभी आसनसोल से साहब का फोन आया। वह बोला। उदर में राबसन साहब कलकत्ता से आया। इदर में कफ़रू है। वह कल मॉर्निंग को आएगा..... कल मॉर्निंग..... तुम अमारा एक काम करो बुद्धा अंकलअम तुमारा बहुत थैक्स बोलेगा.....बाई गॉड अपना बेबी के लाइफ़ के वास्ते एक काम करो..... करेगा अंकल ?”

“करेगा साएब..... अपना बेबी के वास्ते अपना लाइफ़ दे देगा बोलो साएब..... ज़रूर करेगा..... ”

کا انکل؟“

کرے گا صائب..... اپنا بے بی کے واسطے اپنا لائف دے دے گا بولو صائب.....
ضرور کرے گا.....“

”امارا ساتھ اوپر آؤ.....“ صاحب نے عجیب نظروں سے ایک بار بڑھا انکل کا جائزہ
لیا اور اوپر چلا گیا۔ ”اور آؤ بڑھا انکل.....“
بڑھا انکل سیزھیاں چڑھتا ہوا اوپر پہنچ گیا۔

پھر جب اس نے صاحب کے حکم کے مطابق گندے خون آلود جیتھرے میں لپٹے
ہوئے مردہ بچے کو میز سے اٹھا کر اپنے سینے سے لگایا تو ایسا لگا جیسے ایک بھاری بوجھ اس
کے ہاتھوں میں آ پڑا ہو۔ پھر یکا یک اس کا دل بڑے زور سے دھڑکا۔ اور دھڑک کر
اچانک رک گیا۔ گویا اس نے مارگریٹ کے جسم کو ٹوچ کر یہ لوتھڑا الگ کر لیا ہو۔ انیس
برس قبل جب اس نے بے بی کے گرم جسم کو اپنے بازوؤں پر لیا تھا تو اس کے سارے جسم
میں ایک گرم لہر دوڑ گئی تھی۔ اس کی گردن فخر سے تن گئی تھی۔ پھر اس نے یوں محسوس کیا تھا
جیسے ساری دنیا اس کے توانا بازوؤں میں آلیٹی ہو..... ایک گلاب کے پھول کی طرح ہلکی
ہو کر، خوبصورت ہو کر مگر آج یہ بوجھ کتنا بھاری ہے..... آج کی دنیا کتنا گراں بار ہو گئی
ہے..... انیس برس میں اس پھول کی طرح نرم و نازک دنیا کا وزن کتنا بڑھ گیا ہے..... اس
نے آہستہ سے لوتھڑے کو میز پر رکھ دیا۔ ”نہیں صائب! ام اتنا بھاری نہیں اٹھا سکے گا.....
اپنے پاس اتنا طاقت نہیں..... نہیں اٹھا سکے گا!“

پھر صاحب جو بڑھا انکل کو حیرت سے تنک رہا تھا، بدحواس ہو گیا۔ اور اس نے
لپک کر بے اختیارانہ طور پر اس کے پاؤں پکڑ لیے۔ ”مارنک میں رہسن صاحب آتا.....“
وہ بہت دیر تک بڑھا انکل کے پاؤں پکڑے اسے اونچ نیچ سمجھاتا رہا۔ ”اپنا بے بی.....
اپنا بے بی کتنا پمک مرجائے گا..... اپنا بے بی.....“
”اپنا بے بی.....“

”اپنا بے بی..... کتنا پمک مرجائے گا..... کتنا پمک مرجائے گا۔ کتنا پمک“
جیسے پرانی میم صاحب بہت دور سے گھمکھیا رہی ہو۔ ”اپنا بے بی..... اپنا بے بی کتنا

आत्तादी के बाद उर्दू अफ्रसाना

“अमारा साथ ऊपर आ ओ.....” साएब ने अजीब नजरों से एक बार बुड्ढा अंकल का जाएजा लिया और ऊपर चला गया। इदर आओ बुड्ढा अंकल.....”

बुड्ढा अंकल सीढ़ियां चढ़ता हुआ ऊपर पहुंच गया।

फिर जब उसने साहब के हुक्म के मुताबिक गंदे खून आलूद चिथड़े में लिपटे हुए मुर्दा बच्चे को मेज़ से उठ कर अपने सीने से लगाया तो ऐसा लगा जैसे एक भारी बोझ उसके हाथों में आ पड़ा हो। फिर यका यक उस का दिल बड़े जोर से धड़का। और धड़क कर अचानक रुक गया। गोया उसने मारग्रेट के जिस्म को नोच कर यह लोथड़ अलग कर लिया हो। उन्नीस बरस क्लबल जब उसने बेबी के गर्म जिस्म को अपने बाजुओं पर लिया था तो उसके सारे जिस्म में एक गर्म लहर दौड़ गई थी। उस की गर्दन फख से तन गई थी। फिर उस ने यूं महसूस किया था कि जैसे सारी दुनिया उस के तवाना⁽¹⁾ बाजुओं में आ लेटी हो एक गुलाब के फूल की तरह हलकी हो कर, खूबसूरत हो कर..... मगर आज यह बोझ कितना भारी है.....आज की दुनिया कितना गिरां बार हो गई है..... उन्नीस बरस में इस फूल की तरह नर्मोनाजुक दुनिया का वजन कितना बढ़ गया है..... उसने आहिस्ता से लोथड़े को मेज़ पर रख दिया। नहीं साएब! अम इतना भारी नहीं उठा सकेगा..... अपने पास इतना ताकत नहींनहीं उठा सकेगा।

फिर साएब जो बुड्ढा अंकल को हैरत से तक रहा था, बद हवास हो गया। और उसने लपक कर बेइखतियाराना⁽²⁾ तौर पर उस के पांव पकड़ लिए। “मार्निंग में राबसन साहब आता.....” वह बहुत देर तक बुड्ढा अंकल के पांव पकड़े उसे ऊंच नीच समझाता रहा..... “अपना बेबी, अपना बेबी कुत्ता माफिक मर जाएगा अपना बेबी.....अपना बेबी.....”

“अपना बेबी.....”

“अपना बेबी..... कुत्ता माफिक मर जाएगा.....कुत्ता माफिक मर जाएगा कुत्ता माफिक।”

जैसे पुरानी मेम साहब बहुत दूर से धिंधया रही हो। “अपना बेबी अपना बेबी कुत्ता माफिक मर जाएगा.....”

उसने हड़बड़ा कर लोथड़े को मेज़ से उठ लिया..... “नहीं नहीं ऐसा माफिक नहीं मरेगा.....” उसने अपने सीने पर सलीब बनाई..... “ऐसा

ماپھک مر جائے گا۔۔۔۔۔“

اس نے ہڑبڑا کر میز سے لوتھڑے کو اٹھالیا۔۔۔۔۔ ”نہیں۔۔۔۔۔ نہیں ایسا ماپھک نہیں مرے گا۔۔۔۔۔“ اس نے اپنے سینے پر صلیب بنائی۔۔۔۔۔ ایسا ماپھک کبھی نہیں ہوگا۔۔۔۔۔ ”یسوع مسیح امارا ہلپ کرو۔۔۔۔۔“ وہ تڑپتا ہوا کمرے سے باہر نکل گیا۔ برآمدے میں صاحب نے اسے روک کر پھر تاکید کی۔۔۔۔۔ ”اور سے نہیں اٹکل، اور پولیس ہوتا۔۔۔۔۔ اس طرف سے“ صاحب نے ہچھواڑے کی طرف اشارہ کیا۔ جہاں لوکیٹی کی گندے پانی بننے کے لیے ایک بڑا سانا بہت دور نکل گیا تھا۔ اور اتنا دور پھینک آؤ کہ لوکیٹی سے بہت دور۔۔۔۔۔ یہ قہر کی رات، یہ ہو کا عالم۔۔۔۔۔ بڑھے اٹکل نے ٹکاہیں اٹھا کر دیکھا۔ چاروں طرف گہری خاموشی اور بلا کا سناٹا چھا رہا تھا۔ آسمان پر سیاہ بادل مسلط تھے۔ گندے نالے کے کنارے کنارے چلتا ہوا جب کرفنو کی اس بھیانک رات میں پولیس کی ٹکاہوں سے بچتے بچاتے شہر کے حدود اربعہ میں قدم رکھا تو سرد ہوا کے تیز جھونکوں کے باعث اس کی پنڈلیاں برف کی طرح سل ہو رہی تھیں۔ دل دھڑک رہا تھا اور اس کے بازو پر پڑا ہوا بوجھ لمحہ بہ لمحہ بھاری ہوتا جا رہا تھا۔ اس نے ایک جھاڑی کے کنارے اس لوتھڑے کو رکھ دینا چاہا۔ لیکن کل پولیس کی نظر پڑ گئی۔۔۔۔۔ اور وہ لوکیٹی میں پوچھتا پوچھتا آگیا تو۔۔۔۔۔؟ وٹس صاحب کی بیوی ضرور اشارہ کر دے گی۔۔۔۔۔ پھر بے بی!

میں اسی وقت مارچ کی تیز روشنی اس کے جوتے کو چھوتی ہوئی آگے نکل گئی۔ وہ بڑبڑاتا ہوا خار دار جھاڑیوں میں لڑھک گیا۔۔۔۔۔ مارچ کی روشنی ایک بار پھر اس کے ارد گرد محسوس پھر کر سفید خون آلود چیتھڑے پر رک گئی۔۔۔۔۔ پھر بجھ گئی۔۔۔۔۔ ذرا توقف۔۔۔۔۔ کے بعد پھر جل اٹھی اور چیتھڑے پر جی رہی۔۔۔۔۔ بڑھا اٹکل کا دل دھڑک کر پھر اچانک رک گیا۔ اس کی سانس ختم گئی، اور اس کا سارا وجود کھینچ کر گویا آنکھوں میں آگیا ہو۔۔۔۔۔ جی بھجی تھی۔۔۔۔۔ اور قریب کی واٹر ٹینکی کے نزدیک بیٹھے ہوئے سپاہیوں کے درمیان کمیوں سی جھنسنات شروع ہو گئی تھی۔ لینے لینے بڑھا اٹکل نے لوتھڑا کو پکڑا، جیب سے اپنا سفید رومال نکال کر وہاں رکھ دیا۔ اور لیٹا لیٹا کانٹوں پر سے گزرتا گندے نالے کے کنارے کنارے رینگتا ہوا کچھ دور نکل گیا۔

دس قدم چلنے کے بعد پھر مارچ کی تیز روشنی ہوئی اور اس کے سارے جسم کو چھوتی

माफ़िक कभी नहीं होगा..... यसू मसीह अमारा हेल्प करेगा....." वह तड़पता हुआ कमरे से बाहर निकल गया। बरामदे में साहब ने उसे रोक कर फिर ताकीद की—

"इंदर से नहीं अंकल, उदर पुलिस होता..... उस तरफ़ से।" --साहब ने पिछवाड़े की तरफ़ इशारा किया। जहाँ लोकेलटी के गंदे पानी बहने के लिए एक बड़ा सा नाला बहुत दूर निकल गया था। "और इतना दूर फेंक आओ कि लोकेलटी से बहुत दूर—"

यह क़हर की रात, यह हूका आलम..... बुड़ढे अंकल ने निगाहें उठा कर देखा। चारों तरफ़ गहरी खामोशी और बला का सन्नाट छ रहा था। आसमान पर सियाह बादल मुसल्लत⁽¹⁾ थे। गंदे नाले के किनारे किनारे चलता हुआ जब कफ़्रू की इस भयानक रात में पुलिस की निगाहों से बचते बचाते शहर के हुदूदो-अरबअ⁽²⁾ में क़दम रखा तो सर्द हवा के तेज़ झोंकों के बाइस⁽³⁾ उस की पिंडलियां बर्फ़ की तरह सिल हो रही थीं। दिल धड़क रहा था और उस के बाजू पर पड़ा हुआ बोझ लम्हा ब लम्हा भारी होता जा रहा था। उस ने एक झाड़ी के किनारे उस लोथड़े को रख देना चाहा..... लेकिन कल पुलिस की नज़र पड़ गई..... और वह लोकेलटी में पूछता पूछता आ गया तो..... ? विटसन साहब की बीबी जरूर इशारा कर देगी..... फिर बेबी! ऐ

ऐन उसी वक़्त टर्च की रौशनी उस के जूते को छूती हुई आगे निकल गई वह बड़बड़ता हुआ ख़ारदार झाड़ियों में लुढ़क गया..... टर्च की रौशनी एक बार फिर उस के ईर्द गिंद घूम फिर कर सफ़ेद खून आलूद चीथड़े पर रुक गई..... फिर बुझ गई..... ज़रा तवक्कुफ़⁽⁴⁾ के बाद फिर जल उठी और चीथड़े पर जमी रही..... बुड़ढा अंकल का दिल धड़क कर फिर अचानक रुक गया। उस की सांस थम गई, और उसका सारा वजूद खिंच कर गोया आँखों में आ गया हो..... बत्ती बुझ चुकी थी..... और क़रीब की वाटर टंकी के नज़दीक बैठे हुए सिपाहियों के दरमियान मक्खियों सी भिनभिनाहट शुरू हो गई थी। लेटे लेटे बुड़ढा अंकल ने लोथड़ा को पकड़ा, जेब से अपना सफ़ेद रुमाल निकाल कर वहां रख दिया और लेट लेट कांटों पर से गुज़रता गंदे नाले के किनारे किनारे रेंगता हुआ कुछ दूर निकल गया।

दस क़दम चलने के बाद फिर टर्च की तेज़ रौशनी हुई और उसके सारे

آزادی کے بعد اردو افسانہ

ہوئی گزر گئی۔ وہ ہڑبڑا کر زمین میں جھک کر دوڑنے لگا۔ جیسے کوئی جانور تیزی سے بھاگ رہا ہو۔ اس کا دل ڈوب رہا تھا۔ ٹانگیں تھر تھر کانپ رہی تھیں۔

”کون ہے..... کون آدمی ہے؟“ ڈیوٹی پر کھڑے سپاہی نے چیخ کر کہا۔
بڑھا اٹکل کے قدموں کی رفتار اور تیز ہو گئی۔

”کون آدمی ہے..... ٹھہر جاؤ..... ٹھہر جاؤ..... ورنہ شوٹ کر دیے جاؤ گے“

اس کے پاؤں اچانک تھم گئے۔ سرد ہوا کا تیز جھونکا چتا ہوا سا اس کی کنپٹیوں سے چھوٹا ہوا نکل گیا۔ جس کے باعث اس کی کنپٹیاں پسینے سے بھر گئیں مگر بے بی..... بے بی.....!

وہ بے اختیاری طور پر دوڑ پڑا..... دوڑتا گیا.....

دور سے پھر آواز آئی۔ ”کون سور کا بچہ دوڑتا ہے۔ ام ابھی شوٹ کر دے گا.....“

ٹھہر جاؤ..... ون!“

لیکن بڑھا اٹکل تو تھڑے کو سینے سے لگائے بہ دستور دوڑتا گیا۔

”نو!“

اس کے پاؤں ست پڑے..... سارے جسم میں چنگاریاں سی دوڑ گئیں۔

”تھری!“

وہ پھر جھکے جھکے جانوروں کی طرح تیزی سے دوڑنے لگا۔ عین اسی وقت تزاخ سے ایک آواز خاموش فضا میں ابھری۔ اور اس کی بانیں پنڈلی میں دکھتا ہوا ایک انگارہ ٹھس گیا۔ اس کے منہ سے چیخ نکلتے نکلتے رکی۔ پھر لمحہ بھر میں وہ انگارہ اس کے سارے جسم میں یہاں سے وہاں تک دوڑتا ہوا پھر بانیں پنڈلی میں آکر جھنسن گیا۔ ایک ساعت میں سب کچھ ہو گیا۔ سارا جسم پسینے سے تر ہو گیا۔ مردہ بچہ ہاتھ سے گر پڑا۔ آندھروں کی زد میں رکھا ہوا چراغ بجنے لگا..... تھر تھرانے لگا۔ ”یسوع مسیح۔ یسوع مسیح۔ اپنا بے بی“ پھر اچانک اس نے اپنے آپ کو سنبالا..... گندے کپڑے میں لپٹے ہوئے بچے کو لپک کر اٹھا لیا۔ بانیں پنڈلی پر آہستہ سے ہاتھ پھیرا۔ پھر دھیرے سے گندے نالے میں اتر گیا۔ نالے میں کسی نے خاموشی سے اس کے وجود کو تھام لیا۔ جیسے اس کا وجود اچانک روٹی کے گالے میں بدل گیا ہو۔ کوئی

आजादी के बाद उर्दू अफ़साना

जिस्म को छूती हुई गुजर गई। वह हड़बड़ा कर जमीन में झुक कर दौड़ने लगा। जैसे कोई जानवर तेजी से भाग रहा हो। उस का दिल डूब रहा था टोंगे थर-थर कांप रही थी।

“कौन है.....कौन आदमी है?” ड्यूटी पर खड़े सिपाही ने चीख कर कहा।

बुड़्ढा अंकल के क्रदमों की रफ़्तार और तेज हो गई।

“कौन आदमी है.....ठहर जाओ.....ठहर जाओ..... वरना शूट कर दिये जाओगे”

उस के पांव अचानक थम गए। सर्द हवा का तेज झोंका तपता हुआ सा उस की कनपट्टियों से छूता हुआ निकल गया। जिस के बाईस उस की कनपट्टियां पसीने से भर गयीं मगर बेबी.....बेबी.....!

वह बे इज़्तियारी तौर पर दौड़ पड़ा.....दौड़ता गया.....।

दूर से फिर आवाज़ आई “कौन सूअर का बच्चा दौड़ता है। अम अभी शूट कर देगा.....ठहर जाओ.....वन”!

लेकिन बुड़्ढा अंकल लोथड़े को सीने से लगाए बदस्तूर दौड़ता गया।

“टू”

उसके पांव सुस्त पड़े..... सारे जिम्स में चिंगारियां सी दौड़ गई.....

“श्री”।

वह फिर झुके झुके जानवर की तरह तेजी से दौड़ने लगा। ऐन उसी वक़्त तड़ाख से एक आवाज़ ख़ामोश फिज़ा में उभरी। और उसकी बायें पिंडली में दहकता हुआ एक अंगारा घुस गया। उसके मुंह से चीख निकलते निकलते रुकी। फिर लम्हा भर में वह अंगारा उसके सारे जिस्म में यहां से वहां तक दौड़ता हुआ फिर बाईं पिंडली में आकर फंस गया। एक साअत⁽¹⁾ में सब कुछ हो गया। सारा जिस्म पसीने से तर हो गया। मुर्दा बच्चा हाथ से गिर पड़ा, आंथियों की ज़द में रखा हुआ चिराग़ बुझने लगा..... धरधराने लगा। “यसू मसीह..... यसू मसीह.....अपना बेबी.....।” फिर अचानक उसने अपने आपको सम्भाला..... गंदे कपड़े में लिपटे हुए बच्चे को लपक कर उठ लिया। बाईं पिंडली पर आहिस्ता से हाथ फेरा। फिर धीरे से गंदे नाले में उतर गया। नाले में किसी ने ख़ामोशी से उसके वजूद को थाम लिया, जैसे उसका वजूद अचानक रूई के गाले में बदल गया हो। कोई उखड़ती हुई गर्म सांस उसके चेहरे को छू गई, कोई जाने

اکھڑتی ہوئی گرم سانس اس کے چہرے کو چھو گئی۔ کوئی جانے پہچانے ہاتھوں نے اس کے جسم میں پتہ نہیں کہاں سے بلا کی طاقت بھردی بڑھا اٹکل نے نظر اٹھا کر دیکھا..... تقریباً تین فرلانگ کے بعد نالہ بانیں طرف مڑ گیا تھا۔ اس نے آہستہ سے سینے پر صلیب بتائی۔ ”یسوع مسیح امارا ہلپ کرو..... یسوع مسیح ام کو تھوڑا دیر بعد موت دینا۔ ابھی اپنا بے بی کا آخری کام کرتا..... ابھی نہیں مرنا مانگتا.....“ پھر اس نے بیچے کے چھتھرے کو زخم میں بھر لیا اور تیزی سے نالے میں بانیں طرف گھسنے لگا۔ جب کافی دیر ہو گئی اور اس نے تین فرلانگ طے کر کے موڑ کے قریب پہنچا جہاں نالے کے اوپر تھوڑی دور تک ہل کے لیے لپے لوہے کی شیٹ ڈال دی گئی تھی تو عین اس شیٹ پر چند مسل سپاہیوں کو دیکھ کر وہ کانپ گیا۔ اس چدرے کے نیچے نالہ انتہائی تنگ ہو گیا تھا۔ گندہ پانی چھل چھل کرتا اس کے جسم کو بھگوتا ہوا گذر رہا تھا۔ لوہے کے چدروں پر بھاری بوٹوں کی آواز برابر آرہی تھی۔ اور اس کا جسم رفتہ رفتہ اپنی طاقت کھو رہا تھا۔ سردی انتہا کو پہنچ گئی تھی اور اس کا جسم برف کی سل کی طرح سرد ہوتا جا رہا تھا۔ گردن آہستہ آہستہ ایک طرف کو جھولنے لگی..... اوپر بوٹوں کی آواز رک گئی۔ پھر دیرے دیرے ہوں کئی منٹ گزر گئے۔ اسے احساس تک نہ ہوا۔ پھر بڑھے اٹکل کے قریب بے بی مارگریٹ اونچی فرش پر پڑی چیخ چیخ کر کہہ رہی تھی..... نوپا..... نوپا..... اسکیوزی..... چپا..... چپا.....!! اس نے بڑبڑا کر بند ہوتی ہوئی آنکھیں کھول دیں۔ زور سے گردن کو جھٹکا دیا۔ گندہ پانی کافی جھ ہو گیا تھا جواب اس کی گردن کو چھوتا ہوا گزر رہا تھا۔ تھوڑی سی جگہ میں کپڑے میں لپٹا ہوا مردہ بچہ سلخ پر چکر کاٹ کاٹ کر اس کی تھوڑی سے ٹکرا رہا تھا..... گویا اسکے ہاتھوں سے نکل بھاگنا چاہتا ہو۔ اس نے لپک کر اسے پکڑ لیا۔ عین اسی وقت اوپر آئرن شیٹ پر کئی جوتوں کی آواز ابھری۔ گج گج..... چر چر..... چراک..... چراک..... جیسے کوئی اس کے سر پر چل رہا ہو..... پھر آواز رک گئی۔ اور اوپر سے ہاتھوں کی آواز آنے لگی۔ بڑھا اٹکل نے اپنے آپ کو سنبھالا اور اس تنگ راستے میں کھستہ کھستہ گھوم گیا..... دم سادھے نالے کے اس موڑ کو عبور کر کے وہ باہر پھیلاؤ میں آیا۔ تو اس کا دل اچانک ڈوبنے سا لگا۔ پانی میں شرابور کپڑے اسے بہت بھاری معلوم ہوئے۔ قریب ایک بھاری پتھر پڑا تھا۔ بڑھا اٹکل نے اس پتھر کو آہستہ سے ہٹایا۔ اس کے نیچے کی مٹی گیلی تھی۔ دیرے دیرے اس نے گیلی مٹی کو ہٹا کر ایک گڈھا سا بنایا۔

आजादी के बाद उर्दू अफ़साना

पहचाने हाथो ने उसके जिस्म में पता नहीं कहाँ से बला की ताक़त भर दी। बुढ़्ढा अंकल ने नज़र उठा कर देखा..... तक्ररीबन तीन फ़ंलाँग के बाद नाला बाँए तरफ़ मुड़ गया था। उसने आहिस्ता से सीने पर सलीब बनाई। “यसू अमसीह अमारा हेल्प करो.....यसू मसीह अम को थोड़ा देर बाद मौत देना। अभी अपना बेबी का आख़िरी काम करता.....अभी नहीं मरना मांगता.....” फिर उसने बच्चे के चीथड़े को जख़्म में भर लिया और तेज़ी से नाले में बाँए तरफ़ घिसटने लगा। जब काफ़ी देर हो गई और उस ने तीन फ़ंलाँग तै कर के मोड़ के क़रीब पहुँचा जहाँ नाले के ऊपर थोड़ी दूर तक पुल के लिए लम्बे लोहे की शीट डाल दी गई थी तो ऐन उसी शीट पर चंद मुसल्लह⁽¹⁾ सिपाहियों को देख कर वह कांप गया। इस चदरे के नीचे नाला इनतेहाई तंग हो गया था। गंदा पानी छल छल करता उस के जिस्म को भिगोता हुआ गुज़र रहा था। लोहे के चदरों पर भारी बूटों की आवाज़ बराबर आ रही थी। और उस का जिस्म रफ़्ता रफ़्ता अपनी ताक़त खो रहा था। सर्दी इन्तहा को पहुँच गई थी और उसका जिस्म बर्फ़ की सिल की तरह सर्द होता जा रहा था। गर्दन आहिस्ता आहिस्ता एक तरफ़ को झूलने लगी.....ऊपर बूटों की आवाज़ रुक गई। फिर धीरे धीरे यूँ कई मिनट गुज़र गए, उसे एहसास तक न हुआ। फिर बुढ़्ढे अंकल के क़रीब बेबी मारग्रेट औंधी फ़र्श पर पड़ी चीख़ चीख़ कर कह रही थी..... नो पप्पा.....नो.....पप्पा एस्क्यूज़ मी.....पप्पा.....पप्पा.....!! उस ने बड़बड़ा कर बंद होती हुई आँखें खोल दी। ज़ोर से गर्दन को झटका दिया। गंदा पानी काफ़ी जमा हो गया था जो अब उस की गर्दन को छूता हुआ गुज़र रहा था। थोड़ी सी जगह में कपड़े में लिपटा हुआ मुर्दा बच्चा सतह पर चक्कर काट काटकर उसकी ठोड़ी से टकरा रहा था.....गोया उस के हाथों से निकल भागना चाहता हो। उस ने लपक कर उसे पकड़ लिया। ऐन उसी वक़्त ऊपर आयरन शीट पर कई जूतों की आवाज़ उभरी, मच मच.....चर् चर्.....चराक..... चराक चर् चर्..... जैसे कोई उस के सर पर चल रहा हो..... फिर आवाज़ रुक गई। और ऊपर से बातों की आवाज़ आने लगी बुढ़्ढा। अंकल ने अपने आप को सम्भाला और उस तंग रास्ते में घिसटता घिसटता घूम गया,.....दम साथे नाले के उस मोड़ को उबूर करके वह बाहर फैलाव में आया। तो उस का दिल अचानक डूबने सा लगा। पानी में शराबोर कपड़े उसे बहुत भारी मालूम हुए। क़रीब एक भारी पत्थर पड़ा था बुढ़्ढा अंकल ने उस पत्थर को

آزادی کے بعد اردو افسانہ

چھوٹے سے بچے کو گڑھے میں رکھنے سے پہلے چیتھڑا ہٹا کر اس نے چہرہ دیکھنا چاہا..... مگر رات بے حد تاریک تھی۔ اندھیرا بے حد گھٹا تھا۔ اس کی آنکھیں اس گھپ اندھیرے میں پتھرا کے رہ گئیں۔ پھر اس نے آہستہ سے اپنی انگلیاں مردہ بچے کے چہرے پر پھیرنا شروع کر دیں۔ رفتہ رفتہ دل کے ویرانے میں پھول سے کھلنے لگے۔ گویا انیس برس قبل والی نغمی مارگریٹ اس کی گود میں ہوا اور وہ موم کے سرخ کالوں پر انگلیاں پھیر رہا ہو..... پھر اچانک بائیں ٹانگ میں ایک ٹیس اٹھی اور اس کے جسم کی ساری رگوں کو کھینچتی ہوئی نکل گئی۔ بڑھے اٹکل نے جلدی سے بچے کو گڑھے میں رکھ کر اس پر سے چٹان رکھ دیا۔ اور وہ چٹان جو دو تین گھنٹے سے اس کے وجود کو کچلے ہوئے تھی۔ آپ ہی آپ اتر گئی۔

”بائی گاڈ اب ام مرنا مانگتا۔ ایک دم مرنا مانگتا..... یسوع مسیح۔“ مگر وہ پھر رک گیا..... ”لیکن اور میں نہیں اور میں اپنا روم میں..... اپنا روم میں..... اپنا بے بی کے سامنے میں.....!“

وہ لپکتا ہوا نالے کے کنارے چلنے لگا..... پھر ایک بڑے سے پتھر کا سہارا لیکر باہر آ گیا۔ اور دائی طرف علاقے کے بنگلوں کی کیاریوں کے کنارے کنارے چلتا اپنے آپ کو پولیس سے چھپاتا ہوا صاحب کے بنگلے کے گیٹ پر آیا تو اس کے ہونٹوں پر مسکراہٹ آ گئی۔ اس نے اپنی زخمی ٹانگ پر ہاتھ پھیرا اسی وقت بڑی زور کی ابکاکی آئی جسے اس نے منہ پر ہاتھ رکھ کر روکنا چاہا مگر اندر سے گرم گرم پانی کے ساتھ روٹی کے ٹکڑے اہل ہی آئے۔ سر جکرایا پھر زور سے ایک بار قے ہوئی اور وہ دھڑام سے زمین پر گر گیا۔ پھر بڑھے اٹکل نے محسوس کیا گویا نالے کا گندہ پانی اس کے اوپر سے گزرنے لگا ہو۔ اور مردہ بچہ چیتھڑے میں لپٹا ہوا اس کے سر کے پاس تاج رہا ہو۔ اور وہ اس کے نیچے پیاس کی شدت سے تڑپ رہا ہے۔ اس کے حلق میں آگ سی لگنے لگی۔ پھر وہ سو گیا۔ بڑی گہری نیند سو گیا۔

بہت دیر بعد وہ جاگا تو اس نے دیکھا نالے کا گندہ پانی گزر گیا ہے اور وہ گہری تاریک رات..... وہ قہر کی رات آخری رات بھی گزر چکی ہے..... اور وہ مرا نہیں، بدستور زندہ ہے۔ ڈاکٹر نے تیسرا انجکشن دیا تو اس کی آنکھ کھل گئی۔

आजादी के बाद उर्दू अफ़साना

आहिस्ता से हटया। उस के नीचे की मिट्टी गीली थी। धीरे धीरे उस ने गीली मिट्टी को हटा कर एक गढ़ा सा बनाया। छोटे से बच्चे को गढ़े में रखने से पहले चीथड़ा हटा कर उसने चेहरा देखना चाहा.....मगर रात बे हद तारीक⁽¹⁾ थी। अंधेरा बेहद घना था। उस की आंखें, इस घुप अंधेरे में पथरा के रह गईं। फिर उसने आहिस्ता से अपनी उंगलियां मुर्दा बच्चे के चेहरे पर फेरना शुरू कर दीं। रफ़ता रफ़ता दिल के बीराने में फूल से खिलने लगे। गोया उन्नीस बरस क़बल वाली नन्ही मारग्रेट उसकी गोद में हो और वह मोम के सुर्ख़ गालों पर उंगलियां फेर रहा हो..... फिर अचानक बाएँ टांग में एक टीस उठी और उस के जिस्म की सारी रंगों को खींचती हुई निकल गई। बुढ़े अंकल ने जल्दी से बच्चे को गढ़े में रख कर उस पर चट्टान रख दिया। और वह चट्टान जो दो तीन घंटे से उस के वजूद को कुचले हुए थी, आप ही आप उतर गई।

“बाइगॉड अब अम मरना मांगता.....एक दम मरना मांगता.....यसू मसीह,” मगर वह फिर रुक गया “लेकिन इंदर में नहीं उंदर में अपना रूम में अपना रूम में.....अपना बेबी के सामने में.....।”

वह लपकता हुआ नाले के किनारे चलने लगा..... फिर एक बड़े से पत्थर का सहारा ले कर बाहर आ गया। और दाहिनी तरफ़ के इलाक़े के बंगलों की क्यारियों के किनारे किनारे चलता अपने आप को पुलिस से छुपाता हुआ साहब के बंगले के गेट पर आया तो उस के होठों पर मुसकुराहट आ गई। उसने अपनी जख़्मी टांग पर हाथ फेरा उसी वक़्त बड़ी जोर की उबकाई आई जिसे उस ने मुंह पर हाथ रखकर रोकना चाहा मगर अन्दर से गर्म गर्म पानी के साथ रोटी के टुकड़ें उबल ही आए। सर चकराया फिर जोर से एक बार क़ै हुई और वह धड़ाम से ज़मीन पर गिर गया..... फिर बुढ़े अंकल ने महसूस किया गोया नाले का गंदा पानी उस के उपर से गुज़रने लगा हो और मुर्दा बच्चा चीथड़े में लिपटा हुआ उसके सर के पास नाच रहा हो। और वह उसके नीचे प्यास की शिद्दत से तड़प रहा है। उसके हलक़ में आग सी लगने लगी, फिर वह सो गया, बड़ी गहरी नींद सो गया।

बहुत देर बाद वह जागा तो उसने देखा नाले का गंदा पानी गुज़र गया है और वह गहरी तारीक रात.....वह क़हर⁽²⁾ की रात.....आख़िरी रात भी गुज़र चुकी है..... और वह मरा नहीं, बदस्तुर⁽³⁾ जिंदा है। डाक्टर ने तीसरा इंजेक्शन

”بڑھا اکل، اب کیسا ہے؟“

”اپنا بے بی کیسا مایہ ناک ہے صائب.....؟ اپنا بے بی کو کب صائب کا کتا کاٹا.....
پائی گاڑا ام کو بھی کاٹا، اور دیکھو..... اس نے اپنی زخمی ٹانگ پر ہاتھ پھیرا جو سفید ٹیوں
سے بندھی ہوئی تھی۔ دیکھو اور میں کاٹا“

”اپنا بے بی اچھا ہے..... بڑھا اکل تم دودھ پیو“ اس نے گلاس بڑھایا۔ ”تم کو کوئی
کتا نہیں کاٹا..... بے بی کو بھی نہیں کاٹا..... یسوع مسیح بہت ٹھیک کرتا.....“

”بے بی کو بھی نہیں کاٹا، ام کو بھی نہیں کاٹا..... اپنا بے بی اچھا.....“ اس نے عقیدت
سے آنکھیں بند کر لیں۔ سیسے پر صلیب بتائی اور انگلیوں کو چوم لیا..... یسوع مسیح ٹھیک
کرتا..... سب ٹھیک کرتا.....“

پھر ڈاکٹر صاحب چلے گئے۔ اور وہ بہت دیر تک گردن گھما کر کھڑکی سے مارگریٹ
کے کمرے کی طرف دیکھتا رہا۔ جہاں کھڑکی پر پڑا سرخ رنگ کا ریشمی پردہ آہستہ آہستہ ہوا
میں مل رہا تھا۔ پرسکون انداز میں، گویا گھٹنوں لڑنے کے بعد بوڑھا بیل تھک کر بیٹھ
رہا ہو۔ اور دیرے دیرے ہانپ رہا ہو۔ ابھی بے بی دودھ پی رہی ہوگی..... ابھی بے بی
بسکٹ کھا رہی ہوگی..... ابھی اس نے بستر پر لیٹ کر آنکھیں بند کر لی ہوں گی..... اب وہ سو
رہی ہوگی۔ بے بی آنکھیں بند کیے سو رہی ہے۔ گہری نیند کا غلبہ ہو چکا ہے۔ اس کے نتھنے
آہستہ آہستہ پھڑپھڑا رہے ہیں..... جیسے کھڑکی کا ریشمی پردہ مل رہا ہو..... اس کے دل میں
آیا کہ وہ ایک بار بے بی کی پیشانی پر ہاتھ پھیرے..... بہت تھک گئی ہو میری بچی.....
بہت جاگی ہوتا..... مہینوں سے سو نہیں پائی ہو۔ اس لیے اب یہ آرام کی نیند بہت پیاری
لگ رہی ہے۔ مجھے بھی بہت پیاری لگ رہی ہے۔ تماری یہ نیند بے بی..... بہت پیاری
..... بہت پیاری میں تماری پیشانی پر ہاتھ پھیروں گا تو کیا تم جاگ پڑو گی؟ کیا تم جاگ
پڑو گی؟ نہیں جاگو گی نا، نہیں جاگنا..... اس کے دل میں قطرہ قطرہ کر کے شبنم گرتی رہی۔
”میرے پودے کی جڑوں میں یہ کیسی خراش پڑ گئی خداوند..... کیسی خراش؟“

بڑھا اکل آہستہ سے اٹھ کھڑا ہوا۔ ہاتھیں پاؤں میں آگ سی سو لگ اٹھی۔ اس نے
رانوں پر ہاتھ پھیرا..... پھر وہ تھر تھرانے لگا تو چنگ پر بیٹھ گیا ”یسوع مسیح! ام اور میں جانا
مانگتا..... امارا ہلپ کرو..... اور میں بے بی کے ماتھے پر ہاتھ پھیرتا مانگتا..... بے بی

आजादी के बाद उर्दू अफ़साना

दिया तो उसकी आंखें खुल गई।

“बुढ़ा अंकल, अब कैसा है?”

अपना बेबी कैसा माफ़िक है साएब..... ? अपना बेबी को हक़ साएब का कुत्ता काट..... बाइ गॉड अम को भी काट, और देखो..... उसने अपनी ज़ख़मी टांग पर हाथ फेरा जो सफ़ेद पट्टियों से बंधी हुई थी। देखो इंदर में काट, ।”

“अपना बेबी अच्छा है..... बुढ़ा अंकल तुम दूध पियो,” उसने गिलास बढ़ाया। “तुम को कोई कुत्ता नहीं काट..... बेबी को भी नहीं काट..... यसू मसीह बहुत ठीक करता.....”

“बेबी को भी नहीं काट। अम को भी नहीं काट अपना बेबी अच्छा.....” उसने अक़ीदत से आंखें बंद कर लीं। सीने पर सलीब बनाई और उंगलियों को चूम लिया..... यसू मसीह ठीक करता..... सब ठीक करता.....”

फिर डॉक्टर और साहब चले गए। और वह बहुत देर तक गर्दन घुमाकर खिड़की से मारग्रेट के कमरे की तरफ़ देखता रहा, जहां खिड़की पर पड़ा सुर्ख़ रंग का रेशमी परदा आहिस्ता आहिस्ता हवा में हिल रहा था। पुरसुकून अंदाज़ में, गोया घंटों लड़ने के बाद बूढ़ा बैल थक कर बैठ रहा हो, और धीरे धीरे हांप रहा हो। अभी बेबी दूध पी रही होगी..... अभी बेबी बिस्कुट खा रही होगी..... अभी उसने बिस्तर पर लेट कर आंखें बंद कर ली होंगी..... अब वह सो रही होगी। बेबी आंखें बंद किये सो रही है। गहरी नींद का ग़लबा हो चुका है, उसके नथने आहिस्ता आहिस्ता फड़फड़ा रहे हैं..... जैसे खिड़की का रेशमी परदा हिल रहा हो..... उस के दिल में आया कि वह एक बार बेबी की पेशानी पर हाथ फेरे..... “बहुत थक गई हो मेरी बच्ची..... बहुत जागी हो न।..... महीनो से सो नहीं पाई हो..... इस लिए अब यह आराम की नींद बहुत प्यारी लग रही है। मुझे भी बहुत प्यारी लग रही है, तुमारी यह नींद बेबी..... बहुत प्यारी..... बहुत प्यारी मैं तुमारी पेशानी पर हाथ फेरूंगा तो क्या तुम जाग पड़ोगी? क्या तुम जाग पड़ोगी, नहीं जागो गी न नहीं जागना..... उसके दिल में क़तरा क़तरा करके शबनम गिरती रही--- “मेरे पौधे की जड़ों में यह तैसी ख़राश पड़ गयी खुदा वंद— कैसी ख़राश.....?”

बुढ़ा अंकल आहिस्ते से उठ खड़ा हुआ। बाएँ पांव में आग सी सुलग उठी। उसने रानों पर हाथ फेरा..... फिर वह थरथराने लगा तो पलंग पर बैठ गया। यसू मसीह—! अम उदर में जाना मांगता..... अमारा हेल्प करो..... उदर

سوتا..... اس کو کس کرنا مانگتا.....“

مگر بڑھا اٹکل کا زخمی پاؤں بدستور دکھتا رہا۔ اور تھر تھراتا رہا۔

لیکن سہ پہر ہوئی اور کلکتہ والے رہسن صاحب نے اپنی آنٹی کے ہمراہ دہلیز میں قدم رکھا تو وہ غیر احتیاری طور پر اٹھ کھڑا ہوا اور دیواروں کا سہارا لیتا ہوا مارگریٹ کے کمرے میں داخل ہو گیا۔ جہاں مہمانوں کے ساتھ صاحب اور ننی میم صاحب بھی موجود تھے۔

”بے بی پیار ہے۔ تین ہفتے سے اسے بخار تھا۔ کل ہی تو بخار چھوٹا ہے۔“ صاحب نے مہمانوں سے کہا۔

عین اسی وقت صاحب کی نظر پیٹنگ کے نیچے گئی۔ جہاں خون سے لت پت ایک تولیہ پڑا ہوا تھا اور جسے رہسن صاحب کی آنٹی بڑے غور سے دیکھ رہی تھیں۔

”یہ تولیہ.....؟“ آخرش آنٹی نے تولیے کی طرف اشارہ کیا۔

”کون سا تولیہ.....؟ ارے یہ تولیہ کہاں سے آیا اور.....؟“ صاحب گھبرا کر ننی میم صاحب سے مخاطب ہوا۔ اسکا چہرہ فق ہو رہا تھا۔ خود بے بی جودھیرے دھیرے دھیرے مسکرا رہی تھی زرد پڑ گئی۔

عین اسی وقت بڑھا اٹکل نے گردن جھکا کر تولیہ کی طرف دیکھا۔ اور لپک کر گرتے گرتے تولیہ کو جھپٹ لیا۔ ”یہ امارا ہوتا صائب..... یہ امارا ہوتا“ اس نے اپنی زخمی ٹانگ کے پانچے کو اوپر کھینچ کر پٹلی والے زخم کو سامنے کر دیا۔ سفید پٹی چلنے کے باعث خون سے بھر گئی تھی۔

میم صاحب نے بڑھا اٹکل کو زور سے ایک لات ماری ”سورتم اپنا گندہ کپڑا اور میں کائے پھینکتا۔“

ضرب کی تاب نہ لا کر وہ اندھے منہ فرش پر گر گیا..... اس کی آنکھوں کے سامنے سیاہ دھبے ابھرنے ڈوبنے لگے۔ پھر اس نے اپنے آپ کو سنبالا اٹھلیوں کو فرش پر لپک کر کھڑا ہو گیا۔

”بولو تم گندہ کپڑا کا ہے کو اور لایا.....؟“ صاحب نے بھی بناؤنی فصد سے کہا۔

بڑھا اٹکل نے پلٹ کر صاحب کو دیکھا۔ اس کی آنکھوں میں عجیب سی چمک تھی۔ عجیب سی بے چارگی، جیسے اس نے اگر جواب نہیں دیا تو صاحب پھر اپنا سرا سکتے

में बेबी के माथे पर हाथ फेरना मांगता..... बेबी सोता..... उसको किस करना मांगता..... ?

“मगर बुद्ध अंकल का जख्मी पावं बदनसूर दुखता रहा। और थरथराता रहा।

लेकिन सह पहर हुई और कलकत्ता वाले राबसन साहब ने अपनी आंटी के हमराह दहलीज में क्रदम रखा तो वह गैर इख्तियारी तौर पर उठ खड़ा हुआ और दीवारों का सहारा लेता हुआ मारग्रेट के कमरे में दाखिल हो गया। जहां मेहमानों के साथ साहब और नई मेम साहब भी मौजूद थे।

“बेबी बीमार है। तीन हफ्ते से उसे बुखार था। कल ही तो बुखार छूट है।” साहब ने मेहमानों से कहा।

ऐन उसी वक़्त साहब की नज़र पलंग के नीचे गई, जहां खून से लत पत एक तौलिया पड़ा हुआ था और जिसे राबसन साहब की आंटी बड़े गौर से देख रही थी।

“यह तौलिया..... ?” आख़रश⁽¹⁾ आंटी ने तौलिये की तरफ़ इशारा किया।

“कौन सा तौलिया..... ? अरे यह तौलिया कहां से आया इंदर..... ?” साहब घबरा कर नई मेम साहब से मुखातिब हुआ। उसका चेहरा फ़क्र हो रहा था, खुद बेबी जो धीरे धीरे मुसकुरा रही थी ज़र्द पड़ गई।

ऐन उसी वक़्त बुद्ध अंकल ने गर्दन झुका कर तौलिया की तरफ़ देखा। और लपक कर गिरते गिरते तौलिया को झपट लिया..... “यह अमारा होता साहब..... यह अमारा होता.....। उसने अपनी जख्मी टांग के पाजामे को ऊपर खींच कर पिंडली वाले जख्म को सामने कर दिया। सफ़ेद पट्टी चलने के बाअस खून से भर गई थी।

मेम साहब ने बुद्ध अंकल को जोर से एक लात मारी। “सूअर तुम अपना गंदा कपड़ा इंदर में काय फेंकता।”

ज़र्ब की ताब न लाकर वह औंधे मुंह फ़र्श पर गिर गया..... उसकी आंखों के सामने सियाह धब्बे उभरने डूबने लगे। फिर उसने अपने आपको सम्भाला। उंगलियों को फ़र्श पर टेक कर खड़ा हो गया।

“बोलो तुम गंदा कपड़ा काहे को इंदर लाया..... ?” साहब ने भी बनाबटो

آزادی کے بعد اردو افسانہ

قدموں پر رکھ دے گا۔ اور گڑگڑا کر کہے گا، ”بولو انکل بولو..... اپنا بے بی کے لائف کے واسطے بولو.....“

”ام نہیں لایا صائب.....“ اس نے کھکھیاتے ہوئے کہا۔ ”ام نہیں، اپنا ٹائیگر لایا۔ اپنا کتا امارا روم سے لایا.....“

پھر بڑھا انکل گھسٹا ہوا تولیہ لیے کمرے سے نکل گیا۔ کھڑکی سے گزرتے ہوئے اس نے نئی میم صاحب کی آواز سنی جو کہہ رہی تھی۔ صاحب کو کتنی بار کہا۔ اس حرام کا کھانے والا کتا کو نکال دو۔ مگر پتہ نہیں صاحب کیوں اسے نہیں نکالتا..... بے بی تو اس سے بے حد نفرت کرتی..... بے حد نفرت.....“

بھر وہ قریب والے صوفے پر بیٹھ گئے۔ بڑھا انکل نے دیکھا کہ سبھوں کے چہروں پر اطمینان کی لہر دوڑ گئی ہے۔ اور بے بی کے ہونٹوں پر ہلکی ہلکی مسکراہٹ چمک اٹھی ہے۔ جیسے گھٹکھور گھٹا بر سے بغیر چھٹ گئی ہو اور زرد ہلکی دھوپ چاروں طرف پھیل گئی ہو۔

پھر چپکے سے وہ دن بھی آیا جب چھوٹے سے گارڈن کی کلیاں مسکرا رہی تھیں۔ آس پاس کے سارے ماحول سے زندگی پھوٹی پڑی رہی تھی۔ اور بے بی بڑے سے سفید گون میں ملبوس گلاب اور نیلے کی کلیوں سے لدی پرانے چرچ میں رہسن صاحب کے بازو میں بازو دے عقیدت سے آنکھیں بند کیے دو زانو ہو کر بیٹھی ہوئی تھی۔

میرے خداوند

میرے خداوند

مجھے نئی زندگی دے

مجھے نئی اور خوشگوار زندگی دے (انجیل مقدس)

پھر بڑھے انکل نے علاقے کے چھوٹے چھوٹے بچوں کو ٹافیاں تقسیم کیں۔ اور بنگلے کے وسیع دالان میں بچوں کے ساتھ مل کر رقص کرتا رہا۔ اور زور زور سے گاتا رہا۔ وہی اکیلا گیت جو اس نے بے بی کے بچپن میں یاد کیا تھا۔

ٹوٹنکل ٹوٹنکل لعل سار

ہاؤ آئی وٹروہاٹ یو آر

गुस्से से कहा।

बुढ़्ढा अंकल ने पलट कर साहब को देखा। उसकी आंखों में अजीब सी चमक थी। अजीब सी बेचारगी, जैसे उसने अगर जवाब नहीं दिया तो साहब फिर अपना सर उसके क़दमों पर रख देगा। और गिड़ गिड़ा कर कहेगा। “बोलो अंकल..... बोलो..... अपना बेबी के लाईफ़ के वास्ते बोलो.....”

“अम नहीं लाया साएब.....उसने धिघयाते हुए कहा। अम नहीं अपना टाईगर लाया.....अपना कुत्ता अमारा रूम से लाया.....”

फिर बुढ़्ढा अंकल घसीटता हुआ तौलिया लिए कमरे से निकल गया.....खिड़की से गुज़रते हुए उसने नई मेम साहब की आवाज़ सुनी जो कह रही थी.....साहब से कितनी बार कहा इस हराम का खाने वाला कुत्ता को निकाल दो। मगर पता नहीं साहब क्यों उसे नहीं निकालता.....बेबी तो इससे बेहद नफ़रत करती.....बेहद नफ़रत.....”

फिर वह करीब वाले सोफ़े पर बैठ गए। बुढ़्ढा अंकल ने देखा कि सभों के चेहरों पर इत्मीनान की लहर दौड़ गई। और बेबी के होंठों पर हल्की हल्की मुसकुराहट चमक उठी है। जैसे घनघोर घटा बरसे बग़ैर छूट गई हो और ज़र्द हल्की धूप चारों तरफ़ फैल गई हो।

फिर चुपके से वह दिन भी आया। जब छोटे से गार्डन की कलियां मुसकुरा रही थी। आस पास के सारे माहौल से ज़िन्दगी फूटी पड़ रही थी। और बेबी बड़े से सफ़ेद गाऊन में मलबूस गुलाब और बेले की कलियों से लदी पुराने चर्च में राबसन साहब के बाजू में बाजू दिए अक्कीदत से आखें बंद किए दो जानू हो कर बैठी हुई थी।

मेरे खुदा वन्द

मेरे खुदा वन्द

मुझे नई ज़िन्दगी दे।

मुझे नई और खुश गवार ज़िन्दगी दे। (इन्जील मुक़द्दस)

फिर बुढ़्ढे अंकल ने इलाक़े के छोटे छोटे बच्चों को टॉफियां तक्कसीम कीं। और बंगले के वसी दालान में बच्चों के साथ मिलकर रक्कस⁽¹⁾ करता रहा, और जोर जोर से गाता रहा। वही अकेला गीत जो उसने बेबी के बचपन में याद किया था।

ٹوکل ٹوکل لعل سار

بہت دیر تک وہ خوشیاں مناتا رہا۔ لیکن جب دھیرے دھیرے سب بچے بھاگ گئے اور وسیع دالان میں وہ تنہا رہ گیا تو ایسا کی روشندان سے ایک کیوتر پھڑپھڑاتا ہوا اڑا اور چاروں طرف دالان میں چکر کاٹتا ہوا دروازے سے باہر نکل گیا۔ بڑھا اکل نے اچانک ایسا محسوس کیا کہ اس وسیع دالان میں وہ ایک دم سے تنہا ہے اور تنہائی نے دور دور تک ہونٹوں پر انگلی رکھے چپ سادھ لی ہو۔ یوں گویا اب کبھی نہ بولے گی۔ یہ مہر سکوت کبھی نہ ٹوٹے گی وہ اداس ہو گیا۔ بڑھا کر باہر نکل آیا۔ جہاں صاحب کھڑا جیپ سے سامان اترا رہا تھا۔

”بہنی مارنک صائب.....“ زندگی میں پہلی بار اس نے اپنا ہاتھ بڑھا دیا ”فیک پیٹ.....“

”اوہ! بڑھا اکل..... شیور شیور..... بہنی مارنک..... صاحب نے گرم جوشی سے ہاتھ ملایا۔

پھر بڑھا اکل الگ ہو کر کھڑا ہو گیا..... ”صائب ام فنیٹی روپیہ مانگتا۔“

”فنیٹی روپیہ.....؟ اتنا روپیہ کیا کرے گا بڑھا اکل.....؟“

”ابی نہیں بولے گا صائب۔ مگر ام کو دو ضرور صائب..... پھر کبھی نہیں مانگے گا دینے سکتا صائب.....؟“

”ضرور دینے سکتا۔“

پھر بڑھا اکل نے روپیہ لے کر صاحب کو گڈ مارنک کیا۔ اور بازار سے ایک سونے کا خوبصورت ہار لار کر بے بی کے کمرے میں داخل ہو گیا۔ جہاں ایک طرف تالیاں بجا بجا کر چند جوان لڑکیاں جمجم جمجم کر گاری تھیں۔ ایک طرف مارگریٹ مہمانوں کے درمیان بیٹھی مسکرا رہی تھی۔ بڑھا اکل کی آنکھیں چونہ چلی گئیں، اس کے دل میں دور تک پھول ہی پھول کھلتے چلے گئے۔ اس کے دل میں آیا کہ وہ بھی لڑکیوں کے ساتھ تالیاں بجائے اور جمجم جمجم کر ناچے..... لڑکیاں ناچتے ناچتے رک گئیں۔ سب کی سب بڑھا اکل کو ٹھٹھک کر دیکھنے لگیں۔

आन्नादी के बाद उर्दू अफ्रसाना

ट्विंकल ट्विंकल लिटिल स्टार,

हाउ आई वन्डर व्हाट यू आर,

ट्विंकल ट्विंकल लिटिल स्टार,

बहुत देर तक वह खुशियां मनाता रहा। लेकिन जब धीरे धीरे सब बच्चे भाग गए और वसी दालान में वह तन्हा रह गया तो एका एकी रौशनदान से एक कबूतर फड़ फड़ाता हुआ उड़ा और चारों तरफ़ दालान में चक्कर काटता हुआ दरवाजे से बाहर निकल गया। बुद्धे अंकल ने अचानक ऐसा महसूस किया कि उस वसी दालान में वह एकदम से तन्हा है और तन्हाई ने दूर दूर तक होठों पर उंगली रखे चुप साध ली हो। यूँ गोया अब कभी न बोलेगी। यह मुहरे-सुकूत⁽¹⁾ कभी न टूटेगी वह उदास हो गया। बड़बड़ाकर बाहर निकल आया। जहाँ साहब खड़ा जीप से सामान उतरवा रहा था।

“हैप्पी मॉर्निंग साएब..... ! ज़िन्दगी में पहली बार उसने अपना हाथ बढ़ा दिया “शेकहैंड.....”

“ओह। बुद्ध अंकल.....शीयोर शीयोर.....हैप्पी मॉर्निंग.....” साहब ने गर्म जोशी से हाथ मिलाया।

फिर बुद्ध अंकल अलग हो कर खड़ा होगया..... “साएब अम फ़िफ़्टी रूपया मांगता।”

“फ़िफ़्टी रूपीज़..... ? इतना रूपया क्या करेगा बुद्ध अंकल..... ?”

“अबी नहीं बोलेगा साएब। मगर अम को दो जरूर साएब.....फिर कभी नहीं मांगे गा देने सकता साएब..... ?”

“जरूर देने सकता।”

फिर बुद्ध अंकल ने रूपया ले कर साहब को गुड मॉर्निंग किया। और बाज़ार से एक सोने का खूबसूरत हार लाकर बेबी के कमरे में दाखिल हो गया। जहाँ एक तरफ़ तालियां बजा बजाकर चन्द जवान लड़कियां झूम झूम कर गा रही थीं। एक तरफ़ मारग्रेट मेहमानों के दरमियान बैठी मुस्कुरा रही थी। बुद्ध अंकल की आंखें चुंधिया गईं, उसके दिल में दूर तक फूल ही फूल खिलते चले गए उसके दिल में आया कि वह भीलड़कियों के साथ तालियां बजाए और झूम झूम कर नाचे.....लड़कियां नाचते नाचते रुक गईं। सब की सब बुद्ध अंकल को ठिठक कर देखने लगीं।

آزادی کے بعد اردو افسانہ

”کیا مانگتا بڑھا..... اور کیا مانگتا.....؟“

وہ چونک پڑا..... ”کچھ نہیں مانگتا۔ کچھ نہیں..... اپنا بے بی کو ہائی ہائی کرنا مانگتا.....“ اور اس نے جیب سے ہار نکال کر آگے بڑھا دیا۔ ”اور بے بی کو اپنے ہاتھ سے نکلس دینا مانگتا.....“ وہ مارگریٹ کے گلے میں ہار پہنانے کے غرض سے بڑھا۔ مارگریٹ ہڑبڑا کر اٹھ کھڑی ہوئی۔

”کیا کرتا بڑھا..... اور میں رہو..... اور میں رہ.....“

وہ رک گیا۔ ”بے بی اپنا نکلس نہیں مانگتا.....؟“

”نہیں مانگتا.....!“ اس کی تیوریاں چڑھ گئیں۔ نفرت سے اس کا منہ مجڑ گیا۔ بڑھا اٹھ ٹھٹھک گیا۔ چلتے چلتے اس کا دل اچانک رک گیا..... ”نہیں بے بی ایسا ماپھک مت بولو..... ایسا ماپھک مت بولو.....“ اس کی آواز رندھ گئی..... ”بے بی ام تم سے کبھی کچھ نہیں بولا۔ امارا رکوسٹ مانو..... نکلس لے لو بے بی..... ام تمہارا..... بڑھا اٹھ..... تمہارا اپنا سروٹ رکوسٹ کرتا ہے بے بی.....“ وہ مارگریٹ کے قدموں پر جھک گیا..... ”مارگریٹ“

ایک لمحہ میں پتہ نہیں کہاں سے ایک سایا سا مارگریٹ کے دل میں آیا اور سارے وجود کو نرم کرتا ہوا گزر گیا۔ وہ کچھ لمحے خاموش رہی۔ پھر آہستہ سے گردن جھکائی..... ”اچھا بڑھا! ام تمہارا نکلس قبول کرتا۔“ پلٹ کر قریب کھڑی ہوئی آیا سے مخاطب ہوئی۔ ”آیا بڑھے سے نکلس لے لو اور ڈی ٹول میں دھو کر امارا صندوق میں رکھ دو.....“

بڑھا اٹھ یہ سن کر چونک اٹھا۔ پھر اس نے ضبط کیا۔ اس کے ہونٹوں پر عجیب مسکراہٹ ابھری۔ اس نے آہستہ سے ہار آیا کے ہاتھ میں رکھ دیا۔ اور کمرے سے باہر نکل گیا..... ”بے بی بہوت نفرت کرتا..... اپنا بے بی..... بہوت نفرت کرتا.....“ ہائی گاڈ.....!“

دوسری صبح دوپہر کو ایک چھوٹی سی کار میں بیٹھ کر بے بی رہن صاحب کے ساتھ نکلنے چلی گئی۔ بڑھا اٹھ سڑک کے کنارے ببول کے بے برگ درخت تلے کھڑا نظروں سے اوجھل ہوتی ہوئی کار کو گھورتا رہا۔ جب کار چلی گئی اور سڑک کی سرخ بجری

आजादी के बाद उर्दू अफ़साना

“क्या मांगता.....इदर क्या मांगता..... ?”

वह चौंक पड़ा.....“कुछ नहीं मांगता.....कुछ नहीं.....अपना बेबी को बाई बाई करना मांगता..... और ” उसने जेब से हार निकाल कर आगे बढ़ा दिया..... “इदर बेबी को अपने हाथ से नेकलेस देना मांगता.....” वह मारग्रेट के गले में हार पहनाने की गर्ज से बढ़ा। मारग्रेट हड़बड़ा कर उठ खड़ी हुई।

“क्या करता बुड़्ढा..... उदर में रहो.....उदर में रहो.....”

वह रुक गया। “बेबी अपना नेकलेस नहीं मांगता..... ?”

“नहीं मांगता.....!” उसको त्योंरियां चढ़ गई। नफ़रत से उसका मुंह बिगड़ गया।

बुड़्ढा अंकल ठिठक गया। चलते चलते उसका दिल अचानक रुक गया..... “नहीं बेबी ऐसा माफिक मत बोलोऐसा माफिक मत बोलो.....” उसकी आवाज़ रुंध गई..... “बेबी अम तुम से कुछ नहीं बोला। अमारा रिक्वेस्ट मानो.....नेकलेस ले लो बेबी.....अम तुमारा..... बुड़्ढा अंकल..... तुमरा अपना सर्वेंट रिक्वेस्ट करता है बेबी..... वह मारग्रेट के क़दमों पर झुक गया “मारग्रेट.....”

एक लम्हा में पता नहीं कहां से एक साया सा मारग्रेट के दिल में आया और सारे वजूद को नर्म करता हुआ गुजर गया— वह कुछ लम्हे ख़ामोश रही। फिर आहिस्ता से गर्दन झुकाली “अच्छा बुड़्ढा! अम तुमारा नेकलेस क़ुबूल करता।” पलट कर खड़ी हुई आया से मुखातिब हुई। “आया बुड़्ढा से नेकलेस ले लो और डीयेल में धोकर अमारा सन्दूक में रख दो.....”

बुड़्ढा अंकल यह सुन कर चौंक उठा, फिर उसने ज़ब्त किया। उसके होठों पर अजीब मुसकुराहट उभरी। उसने आहिस्ता से हार आया के हाथ में रख दिया। और कमरे से बाहर निकल गया.....“बेबी बहुत नफ़रत करता.....अपना बेबी.....बहुत नफ़रत करता.....बाई गॉड—”

दूसरी सुबह दोपहर को एक छोटी सी कार में बैठ कर बेबी राबसन साहब के साथ कलकत्ता चली गई। बुड़्ढा अंकल सड़क के किनारे बबूल के बे-बरगो-बार दरख़्त तले खड़ा नज़रों से ओझल होती हुई कार को घूरता रहा। जब कार चली गई और सड़क की सुर्ख़ बजरी सारी फ़िज़ा पर छा गई तो उसने एका एकी महसूस किया जैसे पास से कोई कबूतर फड़फड़ाता हुआ निकल गया हो। और वह इस वसी दुनिया में बेकार व तन्हा रह गया। आस पास इलाक़े के चारों तरफ़ ख़ामोशी मुसल्लत थी। यूँ गोया हवा भी साक़ित⁽¹⁾ होगई थी।

آزادی کے بعد اردو افسانہ

ساری فضا پر چھا گئی تو اس نے ایک ایسی محسوس کیا جیسے پاس سے کوئی کبوتر پھڑپھڑاتا ہوا نکل گیا ہو۔ اور وہ اس وسیع دنیا میں بے کار دتھا رہ گیا۔ اس پاس علاقے کے چاروں طرف خاموشی مسلط تھی۔ یوں گویا ہوا بھی ساکت ہو گئی تھی۔

جب وہ اپنے کمرے میں پہنچا اور داغ دار فلیٹ کو پٹنگ پر پھینک کر بیٹھنا چاہا تو وہ کبوتر اس کے کان کے پاس سے پھڑپھڑاتا ہوا اڑ گیا۔ اس نے چونک کر چاروں طرف دیکھا۔ کہیں کچھ نہیں تھا۔ دو پہر بیت رہی تھی۔ باہر سخت دھوپ تھی اور چاروں سمت گہری خاموشی مسلط تھی۔ درختوں کی پتیاں تک خاموش تھیں۔ سارا علاقہ ایک بڑے سے سنسان قبرستان کی طرح محسوس ہو رہا تھا۔ پھر بڑھا نکل اس تنہائی سے گھبرا کر کمرے سے باہر نکل گیا۔ اور علاقے کی سچ در سچ گلیوں میں گھنٹوں پھرتا رہا۔ کہیں کوئی شور نہیں۔ کہیں کوئی آواز نہیں۔ بجز ایک عجیب سی پھڑپھڑاہٹ کے جو خاموشی کو اور بھی گہری، پر اسرار اور حزیں تر کر رہی تھی۔ کیا کچھ کھو گیا؟ کیا گھٹ گیا اس بھری پری دنیا سے کہ اچانک سارا عالم کنگال سا ہو کر رہ گیا۔؟ جب اسے پھرتے پھرتے شام ہونے لگی۔ آفتاب ڈوب گیا اس کی ہڈی ہڈی میں درد کی لہریں اٹھنے لگیں۔ تو وہ اپنے کمرے میں گھس گیا۔ اور چہرے پر ہاتھ رکھ کر پھوٹ پھوٹ کر رونے لگا۔۔۔۔۔ ”اپنا سب کچھ چھن گیا یسوع مسیح..... اپنا سب کچھ لٹ گیا.....!“

پھر جب رات ہو گئی۔ اور آیا نے حسب دستور دو جلی ہوئی روٹیوں پر آلو کے قتلے رکھ کر چینی کی زرد اور پرانی پلیٹ میں لاکر میز پر پٹک دیا تو پہلی باریہ موٹی خشک روٹی اس کے گلے میں پھنس گئی..... اس نے پورا گھاس پانی غٹ غٹ چڑھا لیا اور روٹیوں کو ہتھیلی پر مسل کر مرغیوں کے ڈربے میں ڈال آیا۔

سامنے بے بی کی کھڑکی بند تھی۔ رات سیاہ سے سیاہ تر ہو رہی تھی۔ اور وہ لمحہ بہ لمحہ اداس ہوتا جا رہا تھا۔ وہ چپ چاپ اپنے کمرے میں آ گیا۔ اور آنکھیں بند کر کے بستر پر پھیل کر سو رہا۔ مگر نیند کہاں.....! پتہ نہیں وقت کے کس انجانے موڑ پر وہ گئی ہے۔ پتہ نہیں اسے کس کا انتظار ہے۔ باہر تاریکی گہری ہوتی جا رہی ہے۔ ہوا سائیں سائیں گزر رہی ہے اور دل نہ معلوم کیوں بچوں کی طرح ہلک ہلک کر رہا ہے۔

आजादी के बाद उर्दू अफ़साना

जब वह अपने कमरे में पहुंचा और दाग़ दार फ्लैट को पलंग पर फेंक कर बैठना चाहा तो वह कबूतर उसके कान के पास से फड़फड़ाता हुआ उड़ गया। उसने चौंक कर चारों तरफ़ देखा। कहीं कुछ नहीं था। दो पहर बीत रही थी। बाहर सख़्त धूप थी और चारों सभ्य गहरी ख़ामोशी मुसल्लत थी। दरख़्तों की पत्तियां तक ख़ामोश थीं। सारा इलाक़ा एक बड़े से सुनसान क़ब्रिस्तान की तरह महसूस हो रहा था। फिर बुद्ध अंकल उस तन्हाई से घबरा कर कमरे से बाहर निकल गया। और इलाक़े की पेच दर पेच गलियों में घंटों फिरता रहा, कहीं कोई शोर नहीं। कहीं कोई आवाज़ नहीं। बजुज⁽¹⁾ एक अजीब सी फड़फड़ाहट के जो ख़ामोशी को और भी गहरी, पुरअसरासर⁽²⁾ और हज़ी-तर कर रही थी। क्या कुछ खो गया? क्या घट गया, इस भरी पुरी दुनिया से कि अचानक सारा आलम कंगाल सा होकर रह गया है। जब उसे फिरते फिरते शाम होने लगी। आफ़ताब डूब गया। उसकी हड्डी हड्डी में दर्द की लहरें उठने लगीं। तो वह अपने कमरे में घुस गया। और चेहरे पर हाथ रख कर फूट फूट कर रोने लगा..... “अपना सब कुछ छिन गया यसू मसीह.....अपना सब कुछ लुट गया.....!”

फिर जब रात हो गई। और आया ने हस्बे-दस्तूर दो जली हुई रोटियों पर आलू के क़तले रख कर चीनी के जर्द और पुरानी प्लेट में लाकर मेज़ पर पटक दिया तो पहली बार यह मोटी खुश्क रोटी उसके गले में फंस गई.....उसने पूरा गिलास पानी गट गट चढ़ा लिया और रोटियों को हथेली पर मसल कर मुर्गियों के ड़रबे में छाल आया।

सामने बेबी की खिड़की बंद थी। रात सियाह से सियाह तर हो रही थी। और वह लम्हा ब लम्हा उदास होता जा रहा था। वह चुप चाप अपने कमरे में आ गया। और आंखें बंद करके बिस्तर पर फैल कर सो गया, मगर नींद कहां.....! पता नहीं वक़्त के किस अंजाने मोड़ पर रह गई। पता नहीं उसे किसका इंतज़ार है। बाहर तारीकी गहरी होती जा रही है। हवा सांय सांय गुज़र रही है और दिल न मालूम क्यों बच्चों की तरह बिलख बिलख कर रो रहा है।

बुद्ध अंकल एका एकी उठ बैठ, सन्दूक़ खोल कर कपड़ों के नीचे से वह पोटली निकाली, उसे खोल कर रौशनी में देखा। फिर कांपते हुए हाथों से उसे चूम लिया..... “बेबी इंदर में अपना कोई नहीं होता.....इंदर में कैसा माफ़िक रहेगा.....?बोलो.....बोलो.....?”

उसने अपने पैरों में फ़ुल बूट पहना, पोटली को बांध कर बग़ल में दाबा,

آزادی کے بعد اردو افسانہ

بڑھا اگل ایکا ایکی اٹھ بیٹھا، صندوق کھول کر کپڑوں کے نیچے سے وہ پوٹلی نکالی، اسے کھول کر روشنی میں دیکھا۔ پھر کانپتے ہوئے ہاتھوں سے اسے چوم لیا.....“ بے بی! در میں اپنا کوئی نہیں ہوتا..... در میں کیسا ماپھک رہے گا.....“ بولو..... بولو.....؟؟“

اس نے اپنے پیروں میں نل بوٹ پہنا، پوٹلی کو باندھ کر بغل میں دایا اور گھسٹا ہوا باہر نکل گیا۔

”دنیا کتنا بید مالم پڑتا اب.....، اوپر آسمان تاریک تھا۔ گہرے سیاہ جھومتے ہوئے بادل اندر رہے تھے، اور منور چاند بادلوں کے آگے بھانکتا ہوا نکلا جا رہا تھا، کبھی مدھم سا، کبھی روشن، مگر دوڑتا ہوا۔ اس نے نگاہیں اٹھا کر آسمان کی سمت دیکھا.....“ اپنا مون کدر کو جاتا..... ایسا ماپھک کدر کو دوڑتا.....؟؟“

پھر وہ خاموش گردن جھکائے، نکلڑاتا ہوا چلنے لگا۔ لوکیٹی کی خاموش گلی میں ایک لیمپ پوسٹ کے قریب آہستہ آہستہ چل رہا تھا۔ اس کے کانوں میں کسی اڑتے ہوئے کیوتر کے پروں کی پھڑپھڑاہٹ تھی۔

”تم کدر میں چلا گیا بے بی..... ام تم کو کدر میں ڈھونے جائے گا..... کدر میں؟ یسوع مسیح ام کدر میں جائے گا، بولو..... بولو.....؟؟“

اس نے چلتے چلتے آنکھیں میچ لیں۔ آنسوؤں کے دو قطرے رخسار پر آ پڑے آسمان کی طرف دیکھتے ہوئے اگلیوں سے سینے پر صلیب بنائی۔ کدر میں جائے گا۔ یسوع مسیح، بولو..... بولو.....؟



आजादी के बाद उर्दू अफ़साना

और घसिटता हुआ बाहर निकल गया।

“दुनिया कितना बैड मालूम पड़ता अब.....ऊपर आसमान तारीक था। गहरे सियाह झूमते हुए बादल उमड़ रहे थे, और मुनव्वर⁽¹⁾ चांद बादलों के आगे भागता हुआ निकला जा रहा था, कभी मद्धम सा, कभी रौशन, मगर दौड़ता हुआ, उसने निगाहें उठा कर आसमान की سمت देखा..... “अपना मून किदर को जाता.....ऐसा माफ़िक किदर को दौड़ता..... ?”

फिर वह ख़ामोश गर्दन झुकाए। लंगड़ाता हुआ चलने लगा। लोकेलटी की ख़ामोश गली में एक लैम्प पोस्ट के करीब आहिस्ता आहिस्ता चल रहा था। उसके कानों में किसी उड़ते हुए कबूतर के पंरों की फड़फड़ाहट थी।

“तुम किदर में चला गया बेबी.....अम तुम को किदर में ढूँढने जाएगा..... किदर में ? यसू मसीह अम किदर में जाएगा, बोलो.....बोलो..... ?

उसने चलते चलते आंखें मींच लीं। आंसुओं के दो क़तरे रुख़सार पर आ पड़े। आसमान की तरफ़ देखते हुए उंगलियों से सीने पर सलीब बनाई, “किदर में जाएगा, यसू मसीह, बोलो.....बोलो..... ?”



سخی

میں زکریا اسٹریٹ کے ایک گندے اور چھوٹے سے ہوٹل میں بیٹھا ہوا ہوں۔ سامنے سیاہ رنگ کے ٹیبل پر چھوٹی سی چائے کی پیالی رکھی ہے جس میں تلخ قسم کی چائے پر بالائی پڑی ہوئی ہے۔ میرے ٹیبل کے سامنے ایک لمبا سا ٹیبل ہے جس پر کئی دوسرے لوگ بیٹھے ہیں، ان میں سے ایک کو میں پہچانتا ہوں، وہ شطرنجی ڈیزائن کی لنگی پہنے ہوا ہے اور جس کی گتھی بجائے بٹن کے فیتے سے بند ہونے والی ہے، میں اسے صرف اس وجہ سے پہچانتا ہوں کہ وہ مجھ سے مہینہ میں ایک بار مٹی آرڈر لکھواتا ہے، کبھی پچاس، کبھی چالیس اور کبھی سو بھی۔

یہ کہاں رہتا ہے، یہ میں نہیں جانتا، یہ کیا کرتا ہے، یہ بھی میں نہیں جانتا، مٹی آرڈر کہاں بھجواتا ہے، صرف یہ میں جانتا ہوں۔ بی بی سیکینہ معرفت شرافت حسین، بیڑی دکان پورنیہ۔

اور میں نے اب چائے کی پیالی اپنے ہونٹوں سے لگالی ہے اور بالائی ہونٹوں سے الجھ رہی ہے، میں نے پھونک مار کر بالائی کو کچھ ہٹا دیا ہے اور جب پہلے گھونٹ کے ساتھ، ایک میٹھی تلخ دھار حلق سے پیٹ میں اترتی ہوئی محسوس کر رہا ہوں، میں نے پیالی واپس طشتری میں رکھ دی ہے۔

بی بی سیکینہ کے بارے میں اتنا ضرور معلوم ہے کہ یہ اس شطرنجی ڈیزائن کی لنگی والے کی بیوی ہے اور یہ بھی جانتا ہوں کہ اس کا نام مولا ہے اور مٹی آرڈر لکھواتے وقت اپنا نام مولا بخش لکھواتا ہے۔ پہلے پہل جب میں نے اس سے مٹی آرڈر فارم پر لکھنے کے لئے اس کا پتہ پوچھا تھا تو اس نے اپنا نام مولا بخش بتایا اور کہا۔ ”معارف آپ اپنا ہی لکھ دیجئے۔“ چنانچہ میری معرفت روپیہ بھیجنے والے کے پتے سے بھی مجھے ناواقف ہی رہنا پڑا۔

कलाम हैदरी

सखी

मैं, ज़करिया स्ट्रीट के गंदे और छोटे से होटल में बैठ हुआ हूँ। सामने सियाह रंग के टेबुल पर छोटी सी चाय की प्याली रखी है, जिसमें तलख¹ क्रिस्म की चाय पर बालाई² पड़ी हुई है। मेरे टेबुल के सामने एक लम्बा सा टेबुल है जिस पर कई दूसरे लोग बैठे हैं, इनमें से एक को मैं पहचानता हूँ। वह शतरंजी डिजाइन की लुंगी पहने हुआ है और जिसकी गंजी बजाय बटन के फ्रीते से बन्द होने वाली है। मैं इसे सिर्फ़ इस वजह से पहचानता हूँ कि वह मुझसे महीना में एक बार मनीआर्डर लिखवाता है, कभी पचास, कभी चालीस, और कभी सौ भी।

यह कहां रहता है, यह मैं नहीं जानता, यह क्या करता है, यह भी मैं नहीं जानता, यह मनीआर्डर कहां भेजवाता है, सिर्फ़ यह मैं जानता हूँ - बीबी सकीना, मार्फ़त³, शराफ़त हुसैन बीड़ी दुकान, पुर्णिया-

और मैंने अब चाय की प्याली अपने होंठों से लगा ली है और बालाई होंठों से उलझ रही है। मैंने फूँक मारकर बालाई को कुछ हटा दिया है और तब पहले घोंट के साथ एक मीठी तलख़ धार हलक़ से पेट में उतरती हुई महसूस कर रहा हूँ, मैंने प्याली वापस तशतरी में रख दी है।

बीबी सकीना के बारे में मुझे इतना ज़रूर मालूम है कि यह उस शतरंजी डिजाइन की लुंगी वाले की बीवी है और यह भी जानता हूँ कि इसका नाम मौला बख़्श है और मनीआर्डर लिखवाते वक़्त अपना नाम मौला बख़्श लिखवाता है। पहले पहल जब मैंने इस से मनीआर्डर फ़ार्म पर लिखने के लिए इसका पता पूछा था तो उसने अपना नाम मौला बख़्श बताया और कहा "मार्फ़ती आप अपना ही लिख दीजिए।" चुनान्वे मेरी मार्फ़त रूपया भेजने वाले के पते से भी मुझे नावाक़िफ़⁴ ही रहना पड़ा।

और मैंने चाय की प्याली दोबारा उठ ली है और बालाई को ग़ौर से

1. कड़वा, 2. मलाई, 3. द्वारा 4. अनभिज्ञ

آزادی کے بعد اردو افسانہ

اور میں نے چائے کی پیالی دوبارہ اٹھالی ہے، اور بالائی کو غور سے دیکھ رہا ہوں جو چائے پینے میں حارج ہوگی۔ میں ایک لمبا گھونٹ لیتا ہوں اور بالائی تھوڑی سے چائے سمیت میرے منہ میں چلی جاتی ہے اور میں منہ چلانے لگتا ہوں۔

بی بی سیکینہ کا شوہر پست قد کا گتھا ہوا سیاہی مائل آدمی ہے، جس کے کان کی لوتھوڑی سی کٹی ہوئی ہے اور گالوں کی دونوں جانب کی ہڈیاں باہر نکلی ہوئی ہیں۔ چہرہ بڑا اور محنتی آدمی کا سا معلوم ہوتا ہے۔ سینہ چکلا اور گردن بھری بھری مگر اوسط درجے کی لمبی ہے۔ آنکھوں میں چمک ہے مگر جیسے وہ دھندلا ہٹوں میں ہو۔ داہنے ہاتھ کی شہادت والی انگلی کا ناخن گھیلا اور لمبا ہے۔

اور میں نے پیالی پھر ہاتھ میں لے لی ہے اور ہوٹل میں آنے والے دو افراد کو دیکھنے لگا ہوں جو دروازے کے پاس ہی رک گئے ہیں اور ہوٹل کا جائزہ لے رہے ہیں ایک کے سر پر ”دلی والوں“ جیسی ٹوپی ہے جو بے سیل ہے اور دوسرا ننگے سر ہے اور بال الجھے الجھے ہیں اور دونوں پھر اندر آ جاتے ہیں۔

میں نے چائے کا تیسرا اور آخری گھونٹ لے کر پیالی فٹسٹری پر رکھ دی ہے اور اسے میز کے ایک طرف کھسکا دیا ہے۔

ہوٹل کا ریڈیو چیچ چیچ کر فلمی گانے سنارہا ہے اچانک وہ زور سے کھڑکڑاتا ہے اور ہوٹل کا نوجوان مالک جو ٹھڈی ہاتھوں پر رکھے کسی اُردو اخبار کو جانے کب سے پڑھ رہا تھا۔ چونک کر ریڈیو کا شن سمھانے لگتا ہے۔

اور میں ان دونوں کھدکھ رہا ہوں جو ابھی ابھی اس ہوٹل میں داخل ہو کر بیٹھے ہیں۔ اور دتی والوں کی ٹوپی پہنے ہوئے شخص نے اپنے ساتھی سے کچھ مشورے کرنے کے بعد دوشیر مال اور دو سٹخ کباب کا آرڈر دے دیا ہے اور ہوٹل کا لوٹرا اس بڑے سے طاق نما سوراخ کے پاس کھڑا ہوا ہے جہاں سے ہوٹل کے باورچی خانے کا منظر دکھائی دیتا ہے۔

اور مولانا بخش ایک کروٹ بیٹھے بیٹھے دوسرا پہلو بدل کر بیٹھ جاتا ہے اور باہر سے نظریں ہٹا کر وہ مہری جانب دیکھنے لگتا ہے، جیسے اُسے میرے دیر تک بیٹھے رہنے پر تعجب ہو رہا ہو، میں اس کی شوقی نگاہوں سے بچ کر پہلو بدلتا ہوں۔

आत्मादी के बाद उर्दू अफ़साना

देख रहा हूँ जो चाय पीने में हारिज¹ होगी। मैं एक लम्बा घोंट लेता हूँ और बालाई थोड़ी सी चाय समेत मेरे मुँह में चली जाती है और मैं मुँह चलाने लगता हूँ।

बीबी सकीना का शौहर पस्तक़द² का गठ हुआ सियाही माएल³ आदमी है जिसके कान की ली थोड़ी सी कटी हुई है और गालों की दोनों जानिब⁴ की हड्डियाँ बाहर निकली हुई हैं। चेहरा बड़ा और मेहनती आदमी का सा मालूम होता है। सीना चकला और गर्दन भरी-भरी मगर औसत दर्जे की लम्बी है, आंखों में चमक है मगर जैसे वह धुंधलाहटों में हो, दाहिने हाथ की शहादत⁵ वाली उंगली का नाखून नोकीला और लम्बा है।

और मैंने प्याली फिर हाथ में ले ली है और होटल में आने वाले दो अफ़राद⁶ को देखने लगा हूँ जो दरवाजे के पास ही रुक गये हैं और होटल का जायज़ा ले रहे हैं। एक के सर पर दिल्ली वालों जैसी टोपी है जो बेमेल है, दूसरा नंगे सर है और बाल उलझे-उलझे हुए हैं और दोनों फिर अंदर आ जाते हैं।

मैंने चाय का तीसरा और आखिरी घोंट लेकर प्याली तशतरी पर रख दी है और उसे मेज़ के एक तरफ़ खिसका दिया है।

होटल का रेडियो चीख-चीख कर फ़िल्मी गाने सुना रहा है। अचानक वह जोर से खड़खड़ाता है और होटल का नौजवान मालिक जो दुइडी हाथों पर रखे किसी उर्दू अख़बार को जाने कब से पढ़ रहा था चौंक कर रेडियो का बटन घुमाने लगता है।

और मैं इन दोनों को देख रहा हूँ जो अभी-अभी इस होटल में दाख़िल होकर बैठे हैं और दिल्ली वालों की टोपी पहने हुए शख़्स ने अपने साथी से कुछ मशवरे करने के बाद दो शीर-माल और दो सीख कबाब का आर्डर दे दिया है और होटल का लौंडा उस बड़े से ताक़नुमा सुराख़ के पास खड़ा हुआ है जहाँ से होटल के बावर्ची-ख़ाने का मंज़र दिखाई देता है।

और मौला बख़्श एक करवट बैठे-बैठे दूसरा पहलू बदल कर बैठ जाता है और बाहर से नज़रें हटकर, वह मेरी जानिब देखने लगता है, जैसे उसे मेरे देर तक बैठे रहने पर तअज्जुब⁷ हो रहा हो, मैं उसकी टटोलती निगाहों से बचकर पहलू बदलता हूँ।

और अब मेरे इंतज़ार का पैमाना लबरेज⁸ हो रहा है। जिस अख़बार के

1. रुकावट

2. कम लम्बा

3. थोड़ा सा, झुका हुआ,

4. ओर,

5. तर्जनी,

6. लोगों

7. आश्चर्य,

8. भरा हुआ

اور اب میرے انتظار کا پیمانہ لبریز ہو رہا ہے، جس اخبار کے ایڈیٹر نے مجھ سے یہاں ملاقات کرنے کا وعدہ کیا تھا اُس کے آنے کی امید تقریباً ختم ہو چکی ہے اور ساتھ ہی ساتھ امید کی جس کرن کے سہارے میں نے تین روپے ساڑھے چودہ آنے میں پچھلے چار دن گزارے تھے وہ کرن اس ہوٹل میں جیسے گم ہو گئی، اب تک وہ ایڈیٹر نہیں آیا۔ جس نے مجھے ترجمہ کا کام دینے کا وعدہ کیا تھا اور جس سلسلے میں میں نے سوچا تھا کہ کام ٹھیک ہوتے ہی کچھ ایڈوانس مانگوں گا جس سے زکریا اسٹریٹ کے ایسے ہوٹلوں میں کم از کم چند دن کھپ سکوں۔

دلی والوں کی ٹوپی پہنے ہوئے شخص کے آگے ایک شیرمال رکھی ہوئی ہے، اوپر کا سرخی مائل حصہ بے حد اشتہا انگیز ہے اور کباب سے اٹھتا ہوا ہلکا ہلکا دھواں میں آسانی سے دیکھ سکتا ہوں۔

وہ ایڈیٹر ابھی تک نہیں آیا ہے، اور میں سوچ رہا ہوں، مولا بخش کی بیوی سیکنہ کیسی ہوگی؟ اور اُس کے کوئی بچہ ہے کہ نہیں اور اس وقت مجھے اچانک لگا کہ میں مولا بخش سے مخاطب ہو کر پوچھوں کہ اس کے کوئی بچہ ہے یا نہیں۔ میں نے اس سوال کو مہمل اور بے موقع خیال کرتے ہوئے اپنے ذہن سے نکال دیا ہے۔

اور اب وہ دلی والوں کی ٹوپی پہنے شخص اور اُس کا ساتھی آدمی سے زائد شیرمال کھا چکے ہیں اور سب کباب سے اٹھتے ہوئے دھوئیں کو اب میں نہیں دیکھ سکتا۔ شاید اب دھواں اٹھ بھی نہیں رہا ہے۔

وہ ایڈیٹر اب نہیں آئے گا، اور میں نے چار دن یوں ہی بے کار گنوا دیے ورنہ ان چار دنوں میں دوڑ دھوپ کی جاسکتی تھی، کوئی ٹیوشن ہی تلاش کی جاسکتی تھی، مگر چار روز تک اس اطمینان میں بیٹھے رہنے کے بعد ابھی اچانک اس متوقع کام سے مایوسی پر اب آگے چلنے کی جیسے صلاحیت ہی نہ رہی ہو۔

سیکنہ کی عمر بیس سال سے زیادہ نہ ہوگی اور بچہ بھی کوئی نہ ہوگا۔ یہ شرافت حسین کون ہوگا، اور تب میں سوچتا ہوں، یہ شرافت حسین مولا بخش کا رشتہ دار وغیرہ ہوگا یا پھر دوست ہو سکتا ہے اور سیکنہ.....

आजादी के बाद उर्दू अफ़साना

एडिटर ने मुझसे यहां मुलाकात करने का वादा किया था, उसके आने की उम्मीद तक्ररीबन खत्म हो चुकी है और साथ ही साथ उम्मीद की जिस किरण के सहारे मैंने तीन रूपये साढ़े चौदह आने में पिछले चार दिन गुजारे थे वह किरण इस होटल में जैसे गुम हो गई। अब तक वह एडिटर नहीं आया, जिसने मुझे तरजुमा का काम देने का वादा किया था और जिस सिलसिले में मैंने सोचा था कि काम ठीक होते ही कुछ एडवांस माँगूंगा जिससे ज़करिया स्ट्रीट के ऐसे होटलों में कम अज़ कम चंद दिन खेप सकूँ।

दिल्ली वालों की टोपी पहने हुए शख्स के आगे एक शीर माल रखी हुई है। ऊपर का सुर्खी माएल हिस्सा बेहद इश्तेहा-अंगेज़¹ हैं और कबाब से उठता हुआ हल्का-हल्का धुआँ मैं आसानी से देख सकता हूँ।

वह एडिटर अभी तक नहीं आया है और मैं सोच रहा हूँ, मौला बख़्श की बीबी सकीना कैसी होगी? और उसके कोई बच्चा है कि नहीं और इस वक़्त मुझे अचानक लगा कि मैं मौला बख़्श से मुखातिब² होकर पुछूँ के उसके कोई बच्चा है या नहीं। मैंने इस सवाल को मोहमल³ और बेमौक़ा ख़याल करते हुए अपने ज़ेहन से निकाल दिया है।

और अब वह दिल्ली वालों की टोपी पहने शख्स और उसका साथी आधी से जाएँ⁴ शीर-माल खा चुके हैं और सीख कबाब से उठते हुए धुएँ को अब मैं नहीं देख सकता। शायद अब धुआँ उठ भी नहीं रहा है।

वह एडिटर अब नहीं आयेगा और मैंने चार दिन यूँही बेकार गंवा दिये वरना इन चार दिनों में दौड़ धूप की जा सकती थी, कोई टयूशन ही तलाश की जा सकती थी, मगर चार रोज़ तक इस इतमीनान में बैठे रहने के बाद अभी अचानक इस मुतवक्क़ा⁵ काम से मायूसी पर अब आगे चलने की जैसे सलाहियत⁶ ही न रही हो।

सकीना की उम्र 20 साल से ज़यादा न होगी और बच्चा भी कोई न होगा। यह शराफ़त हुसैन कौन होगा और तब मैं सोचता हूँ, यह शराफ़त हुसैन, मौला बख़्श का रिश्तेदार वग़ैरा होगा या फिर दोस्त हो सकता है और सकीना.....

अब यह क्या तुक है कि एडिटर वादा के खिलाफ़ अब तक नहीं आया

1. इच्छा बढ़ाने वाला 2. सम्बोधित 4. बेकार 4. अधिक 5. अपेक्षित 6. क्षमता

آزادی کے بعد اردو افسانہ

اب یہ کیا تک ہے کہ ایڈیٹر وعدہ کے خلاف اب تک نہیں آیا ہے اور مجھے سیکینہ کی عمر کی پڑی ہے، شرافت حسین اور سیکینہ کی رشتہ داری کی نوعیت کی فکر ہے، مولا بخش اور شرافت حسین کے تعلقات سے مجھے کیا تعلق ہے؟

اور اب وہ دونوں شیرمال کے بعد چائے بھی پی چکے ہیں اور کاؤنٹر پر ہوٹل کا نوجوان مالک ان سے پیسے لے رہا ہے۔

اب تین بج رہے ہیں، گیارہ بجے سے تین بجے تک انتظار کے بعد نڈھال سا ہوا رہا ہوں۔

یہ مولا بخش ہر ماہ کی ۱۳، تاریخ کو مئی آرڈر ضرور لکھواتا ہے۔ ایک دو روز آگے یا پچھے مگر پوری پابندی سے لکھواتا ہے۔

اور میں سوچ رہا ہوں، سیکینہ ضرور خوب صورت ہوگی، اور یہ جو مولا بخش کی آنکھوں میں چمک ہے وہ جو ان محبت کی چمک ہے اور جو یہ چمک کسی قدر دھندلا ہٹوں میں ہے، وہ فراق یار ہے۔

تین روپے ساڑھے چودہ آنے کے تقریباً جدا ہو جانے کے بعد ایڈیٹر نہیں آیا تو اب کیا ہوگا — سوچ رہا ہوں، یہ جو جیب میں اب فقط ساڑھے چھ آنے ہیں اس میں سے چھ پیسے یعنی ڈیڑھ آنے بھی جدا ہونے والے ہیں۔

اور میں اس پیالی کو دیکھ رہا ہوں جسے میں کب کا خالی کر چکا ہوں مگر ہوٹل کے نوکر نے اسے نمیل سے اٹھایا نہیں ہے، تو یہی وہ پیالی ہے جو مجھے مزید ڈیڑھ آنے سے محروم کر دے گی اور میری جیب میں پانچ آنے رہ جائیں گے اور کلکتہ شہر، اور یہ ذکر کیا اسٹریٹ اور یہ دلکشا ہوٹل —

دل سے مانتا ہوگا مولا بخش سیکینہ کو جیسی تو —

اور اب مولا بخش اپنی جگہ سے اٹھ چکا ہے اور ایسا لگ رہا ہے جیسے وہ مجھ سے کچھ کہنا چاہتا ہے، اور اب وہ میرے قریب آ گیا ہے اور کہہ رہا ہے ”ہم کل آئیں گے جی۔ آپ راجن گے نا؟“

आजादी के बाद उर्दू अफ़साना

है और मुझे सकीना की उम्र की पड़ी है, शराफ़त हुसैन और सकीना की रिश्तेदारी की नौईयत¹ की फ़िक्र है। मौला बख़्श और शराफ़त हुसैन के ताल्लुक़ात से मुझे क्या ताल्लुक़ है ?

और अब वह दोनों शीर-माल के बाद चाय भी पी चुके हैं और काउंटर पर होटल का नौजवान मालिक उनसे पैसे ले रहा है।

अब तीन बज रहे हैं, ग्यारह बजे से तीन बजे तक इंतज़ार के बाद निदाल सा हो रहा हूँ। यह मौला बख़्श हर माह की 13 तारीख़ को मनीआर्डर जरूर लिखवाता है। एक दो रोज़ आगे या पीछे, मगर पूरी पाबन्दी से लिखवाता है। और मैं सोच रहा हूँ, सकीना जरूर ख़ुबसूरत होगी और यह जो मौला बख़्श की आंखों में चमक है वह उसी जवान मोहब्बत की चमक है और जो यह चमक किसी क़दर धुंधलाहटों में है वह फ़िराक़े²-यार है।

तीन रूपये साढ़े चौदह आने के तक्करीबन जुदा हो जाने के बाद एडिटर नहीं आया तो अब क्या होगा-सोच रहा हूँ, यह जो जेब में अब फ़क्कत³ साढ़े छः आने हैं इसमें से छः पैसे यानी डेढ़ आने भी जुदा होने वाले हैं।

और मैं उस प्याली को देख रहा हूँ, जिसे मैं कब का ख़ाली कर चुका हूँ, मगर होटल, के नौकर ने उसे टेबुल से उठाया नहीं है, तो यही वह प्याली है जो मुझे मज़ीद⁴ डेढ़आने से महरूम⁵ कर देगी और मेरी जेब में पांच आने रह जाएंगे और कलकत्ता शहर और यह ज़क़रिया स्ट्रीट और यत्र दिलकुशा होटल.....

दिल से मानता होगा, मौला बख़्श सकीना को ज़भी तो.....

और अब मौला बख़्श अपनी जगह से उठ चुका है और मुझे ऐसा लग रहा है, जैसे वह मुझसे कुछ कहना चाहता है और अब वह मेरे क़रीब आ गया है और कह रहा है "हम कल आएंगे जी..... आप रहेंगे ना ?"

मैं उसे असबात⁶ में जवाब देता हूँ और सोचता हूँ कि यह कल मनीआर्डर लिखाएगा। और कल सुबह तक मेरी जेब में पांच आने रहेंगे या

मैं इस वक़्त अपनी कोठरी की एक चौकी पर पड़ा हूँ, मेरे सिरहाने, दो आने पैसे तकिया से दबे पड़े हैं और मैं रात देर तक जागने से गिरानी⁷ सी सहसूस कर रहा हूँ।

میں اسے اثبات میں جواب دیتا ہوں اور سوچتا ہوں یہ کل مٹی آرڈر لکھائے گا اور کل صبح تک میری جیب میں پانچ آنے رہیں گے یا.....

میں اس وقت اپنی کوفٹری کی ایک چوکی پر پڑا ہوں، میرے سر ہانے دو آنے پیسے تکیے سے دبے پڑے ہیں، اور میں رات دیر تک جاگنے سے گرانی سی محسوس کر رہا ہوں۔

اس کلینڈر کی جانب دیکھ رہا ہوں جو ہوا سے پھڑ پھڑا رہا ہے جس پر ایک امریکن عورت ہوائی جہاز کی سیڑھی پکڑے بڑے ہی قاتل انداز میں کھڑی ہے میں امریکن کلینڈر..... میں منہ ہاتھ دھو چکا ہوں، بھوک لگ رہی ہے، بڑی احتیاط سے میں تکیے ہٹاتا ہوں اور دو آنے اٹھا کر جیب میں رکھ لیتا ہوں۔ ڈوری پر منگا ہوا پینٹ پہن لیتا ہوں۔

میں سوچ رہا ہوں، نیوشن کی تلاش میں نکلنا بہتر ہوگا کچھ سہارا ہو جائے۔ پھر اطمینان سے نوکری تلاش کروں گا، اور تب سوچتا ہوں انگریزی کی جو دشتری پڑی ہے اسے بچ کر کچھ پیسے حاصل کئے جاسکتے ہیں۔ اس خیال سے تقویت محسوس کرتا ہوں۔

اور میرے سامنے مولا بخش کھڑا ہے اور میں اب مٹی آرڈر لکھ رہا ہوں، بی بی سیکینہ، معرفت شرافت حسین بیڑی دوکان، پورنیہ۔ مولا بخش..... ساٹھ روپے۔

اب میں مٹی آرڈر لکھ چکا ہوں اور مولا بخش کے ساتھ ہی ساتھ کوفٹری میں تالا بند کر کے سڑک پر آگیا ہوں اور مولا بخش مجھ سے کچھ کہہ رہا ہے کہ اسے آج مالک نے جلد ہی بلایا ہے اس لئے وہ آج مٹی آرڈر نہیں لگا سکے گا اور میں کچھ سوچ کر اس سے کہہ رہا ہوں کہ مجھے فرصت ہے وہ کہے تو میں مٹی آرڈر لگا دوں۔

”آپ؟“ وہ ہچکچاتا ہے مگر میں اسے ہنس دلاتا ہوں کہ آخر وہ بھی آدمی ہے، ایک کام ہی اُس کا کروں گا تو چھوٹا ہو جاؤں گا۔

مولا بخش جاچکا ہے اور میری جیب میں ساٹھ روپے ہیں اور مٹی آرڈر فارم ہے۔ اور میں نیوشن کی تلاش میں جا رہا ہوں۔

ابھی شام ہوگئی ہے اور میں دل کشا ہوٹل میں نہیں ہوں میں پارک سرکس میں ایک اوسط درجے کے ہوٹل میں بیٹھا ہوں، میری میز پر ابھی بیرانے ایک شیرمال، قورمہ اور سبب کباب لاکر رکھا ہے اور میں بخور اس شیرمال کو دیکھ رہا ہوں جو بہت ملائم، بے حد لذیذ اور خوب صورت نظر آ رہی ہے۔

आजादी के बाद उर्दू अफ़साना

उस कलेन्डर की जानिब देख रहा हूँ जो हवा से फड़फड़ा रहा है, जिस पर एक अमेरिकन औरत हवाई जहाज की सीढ़ी पकड़े बड़े ही क्रांतिल अंदाज़ में खड़ी है। मैं अमेरिकन कलेन्डर.... मैं मुंह हाथ धो चुका हूँ, भूख लग रही है, बड़ी एहतियात से मैं तकिया हटाता हूँ और दो आने उठ कर, जेब में रख लेता हूँ, छोरी पर टंगा हुआ पैट पहन लेता हूँ।

मैं सोच रहा हूँ, द्यूशन की तलाश में निकलना बेहतर होगा, कुछ सहारा हो जाय। फिर इतमीनान से नौकरी तलाश करूंगा और तब सोचता हूँ, अंग्रेजी की जो डिक्शनरी पड़ी है, उसे बेच कर कुछ पैसे हासिल किये जा सकते हैं, इस ख़्याल से तक्रवियत¹ महसूस करता हूँ..।

और मेरे सामने मौला बख़्श खड़ा है और मैं अब मनीआर्डर लिख रहा हूँ, बीबी सकीना मार्फ़्त, शराफ़्त हुसैन, बीड़ी दुकान, पुर्णिया। मौला बख़्श 60 रूपये।

अब मैं मनीआर्डर लिख चुका हूँ और मौला बख़्श के साथ ही साथ कोठरी में ताला बंद करके सड़क पर आ गया हूँ और मौला बख़्श मुझसे कह रहा है कि उसे आज मालिक ने जल्द ही बुलाया है, इसलिए वह आज मनीआर्डर नहीं लगा सकेगा और मैं कुछ सोचकर उससे कह रहा हूँ कि मुझे फ़ुरसत है, वह कहे, तो मैं मनीआर्डर लगा दूँ।

“आप ?” वह हिचकिचाता है, मगर मैं उसे हिम्मत दिलाता हूँ, आखिर वह भी आदमी है, एक काम ही उसका कर दूंगा, तो छेटा हो जाऊँगा।

मौला बख़्श जा चुका है और मेरी जेब में साठ रूपये हैं और मनीआर्डर फ़र्म है और मैं द्यूशन की तलाश में जा रहा हूँ।

अभी शाम हो गई है और मैं दिलकुशा होटल में नहीं हूँ, मैं पार्क सर्कस में एक औसत, दर्जे के होटल में बैठा हूँ। मेरी मेज़ पर अभी-अभी बैरा ने एक शीर-माल, क़ोरमा और सीख कबाब ला कर रखा है और मैं बग़ैर इस शीर-माल को देख रहा हूँ, जो बहुत मुलायम बेहद लज़ीज़ और ख़ूबसूरत नज़र आ रही है।

मेरे ज़हन में उस एडिटर का ख़्याल नहीं है जिसने मुझे तरजुमा का काम देने का वादा किया था और ग्यारह बजे से तीन बजे तक उसका इंतज़ार करने के बाद भी वह नहीं आया और इस वक़्त ज़्यादा से ज़्यादा सात बजे हैं और इस

میرے ذہن میں اس ایڈیٹر کا خیال نہیں ہے جس نے مجھے ترجمہ کا کام دینے کا وعدہ کیا تھا اور گیارہ بجے سے تین بجے تک اُس کا انتظار کرنے کے بعد بھی وہ نہیں آیا۔ اور اس وقت زیادہ سے زیادہ سات بجے ہیں اور اس ہوٹل میں رونق بڑھتی جا رہی ہے۔ میں سوچتا ہوں اس ہوٹل تک میرے قدم کیسے آئے، کوئی ٹیوشن نہیں ملی، نوکری نہیں ملی اور دفعتاً مجھے سکیڑ کا خیال آتا ہے جس کے پاس اسی پابندی سے منی آرڈر بھیجا گیا ہے مگر جو اس کو نہیں ملے گا، ساتھ روپے میری جیب میں پڑے ہیں۔ اور منی آرڈر فارم میں نے کروڑن سینما کے سامنے پڑے ہوئے پیک کے گیلے میں گلوے گلوے کر کے ڈال دیئے ہیں۔

میں شیرمال کھانے لگا ہوں اور مجھے خیال آیا ہے اگر میں مولا بخش سے بیس بچیس روپے مانگ لیتا تو شاید وہ دے دیتا مگر مولا بخش کے سامنے دسب سوال بڑھانے کے خیال سے مجھے بڑی ذلت محسوس ہو رہی ہے۔

یہ کباب کتنا خوش ذائقہ ہے اور پیاز کے ان تراشوں کے ساتھ تو اس کا لطف ہی نرالا ہے۔

میں ڈیوڈی اسکوائر کے ایک آفس سے نیچے اتر رہا ہوں، پانچویں منزل سے اترتے اترتے پاؤں دکنے لگے ہیں اور ایسی کتنی ہی بلڈنگوں سے نامراد لوٹنے لوٹنے اب مجھے ایسا لگتا ہے جیسے نوکری نام کی کوئی چیز اس دنیا میں نہیں ہے۔

گرام کی گھنٹیاں بج رہی ہیں۔ میں فٹ پاتھ پر کھڑا اپنی جھکن دور کر رہا ہوں۔ میری جیب میں بائیس روپے کچھ آنے ہیں اور سکیڑ کو منی آرڈر ابھی تک نہیں ملا ہے۔ بائیس روپے کتنی بڑی طاقت کا مظہر ہیں۔ میں سوچتا ہوں ابھی کچھ روز اور بھی چکر کاٹ سکتا ہوں۔ بائیس روپے اب بھی میرے پاس ہیں۔

اب میں چلنے لگا ہوں اور رخ کو ٹوٹوہ کی طرف کر دیا ہے، چلتے چلتے اس بلڈنگ تک آگیا ہوں جو چائنی بمباری کی زد میں آئی تھی۔

میں وہاں پر آگیا ہوں جہاں اردو رسالوں کی دوکان ہے اور میں اس سے آگے بڑھ گیا ہوں۔ سکیڑ کا خیال آتے ہی مجھے اس کوٹھی کا خیال آتا ہے جو تھیمز روڈ میں ہے اور جہاں مجھے ٹیوشن کے لئے آج شام بلایا گیا ہے کیا پتہ آج ٹیوشن مل ہی جائے۔

आजादी के बाद उर्दू अफ्रिसाना

होटल में रौनक बढ़ती जा रही है। मैं सोचता हूँ इस होटल तक मेरे कदम कैसे आये, कोई द्यूशन नहीं मिली, नौकरी नहीं मिली और दफ़्तर¹ मुझे सकीना का ख़याल आता है जिसके पास उसी पाबंदी से मनीआर्डर भेजा गया है, मगर जो उसको नहीं मिलेगा, साठ रूपये मेरी जेब में पड़े हैं और मनीआर्डर फ़र्म मैंने क्राउन सिनेमा के सामने पड़े हुए पीक के गमले में टुकड़े-टुकड़े कर के छाल दिए हैं।

मैं शीर-माल खाने लगा हूँ और मुझे ख़याल आया है अगर मैं मौला बख़्श से बीस-पच्चीस रुपये मांग लेता तो शायद वह दे देता मगर मौला बख़्श के सामने दसते-सवाल बढ़ाने के ख़याल से मुझे बड़ी ज़िल्लत² महसूस हो रही है।

यह कबाब कितना खुश जायेगा है और प्याज़ के इन तराशों के साथ तो इसका लुत्फ़ ही निराला है।

मैं डलहौज़ी स्ववायर के एक आफ़्रिस से नीचे उतर रहा हूँ। पाँचवीं मंज़िल से उतरते-उतरते, पाँच दुखने लगे हैं और ऐसी ही कितनी ही बिल्डिंग से नामुराद लौटते-लौटते अब मुझे ऐसा लगता है जैसे नौकरी नाब की कोई चीज़ इस दुनिया में नहीं है।

ट्राम की घंटियां बज रही हैं, मैं फ़ुटपाथ पर खड़ा अपनी थकन दूर कर रहा हूँ।

मेरी जेब में बाईस रुपये कुछ आने हैं और सकीना को मनीआर्डर अभी तक नहीं मिला है। बाईस रुपये, कितनी बड़ी ताक़त का मज़हर³ है। मैं सोचता हूँ, अभी कुछ रोज़ और भी चक्कर काट सकता हूँ। बाईस रुपये अब भी मेरे पास हैं।

अब मैं चलने लगा हूँ और रुख़ कोलो टोला की तरफ़ कर दिया है। चलते-चलते उस बिल्डिंग तक आ गया हूँ, जो जापानी बमबारी की ज़द⁴ में आई थी।

मैं वहाँ पर आ गया हूँ, जहाँ उर्दू रेसालों⁵ की दुकान है और मैं उससे आगे बढ़ गया हूँ। सकीना का ख़याल आते ही मुझे उस कोठी का ख़याल आता है, जो थियेटर रोड पर है और जहाँ मुझे द्यूशन के लिए आज शाम को बुलाया गया है। क्या पता आज द्यूशन मिल ही जाए।

یہ ناخدا مسجد ہے، وہی زکریا اسٹریٹ اس کے دروازے کے باہر ایک لاش اسٹریچر پر پڑی ہوئی ہے، اور ایک نوجوان آواز لگا رہا ہے۔

”ایک غریب مر گیا ہے، کفن دفن کے لیے پیسے دے کر ثواب حاصل کیجئے۔“

میں قریب جاتا ہوں۔ فیتے سے بند ہونے والی گتھی، ایک کان کی کٹی ہوئی نو۔

مولا بخش۔؟ میں ہلکے سے اس کا نام لیتا ہوں۔ یکینہ کے پاس منی آرڈر پہنچنے سے

پہلے یہ خدا کے یہاں پہنچ گیا۔

میں اس آواز لگانے والے نوجوان سے پوچھتا ہوں یہ کیسے مرا۔ ”ٹوک سے کچل کر۔“

بچے کے دھڑ سے اس نے چادر ہٹا کر دکھایا۔ مجھے چکر آنے لگا ہے۔ ناخدا مسجد ہے، مولا

بخش ہے، جس کے کفن دفن کے لیے ایک آنے دو آنے راہ گیر چادر پر پھیلتے جا رہے ہیں۔

میرا ہاتھ جیب میں جاتا ہے۔ بائیس روپے کچھ آنے اس چادر پر پھینک کر جلدی

جلدی جانے لگتا ہوں، وہ نوجوان مجھے غور سے دیکھتا ہے۔

میں مڑ کر دیکھتا ہوں۔ وہ نوجوان مجھے اب بھی غور سے دیکھ رہا ہے۔



आजादी के बाद उर्दू अफ़साना

यह ना-खुदा मस्जिद है, वही ज़करिया स्ट्रीट, उसके दरवाज़े के बाहर एक लाश, स्ट्रेचर पर पड़ी हुई है, और एक नौजवान आवाज़ लगा रहा है।

“एक गरीब मर गया है, कफ़न दफ़न के पैसे देकर सवाब हासिल कीजिए।”

मैं करीब जाता हूँ, फ़ीते से बंद होने वाली गंजी, एक कान की कटी हुई लौ।

मौला बख़्श.... ? मैं हल्के से उसका नाम लेता हूँ। सकीना के पास मनीआर्डर पहुंचने से पहले, यह खुदा के यहां पहुंच गया।

मैं इस आवाज़ लगाने वाले नौजवान से पूछता हूँ, यह कैसे मरा “ट्रक से कुचल कर”.....। नीचे के धड़ से चादर हटाकर दिखाया। मुझे चक्कर आने लगा है। ना-खुदा मस्जिद है, मौला बख़्श है, जिसके कफ़न दफ़न के लिए, एक आने, दो आने, राहगीर चादर पर फेंकते जा रहे हैं।

मेरा हाथ जेब में जाता है। बाईस रुपये कुछ आने उस चादर पर फेंक कर जल्दी-जल्दी जाने लगता हूँ, वह नौजवान मुझे गौर से देखता है।

मैं मुड़कर देखता हूँ, वह नौजवान मुझे अब भी गौर से देख रहा है।

